فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون

تربیت العشاق

★ ملفوظات ★

جامع شریعت و طریقت، واقف رموز معرفت و حقیقت

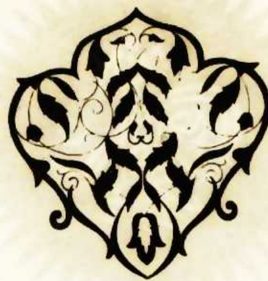
قطب الاقطاب الحاج شاہ سید محمد ذوقی قدس سرہ العزیز

مرتبہ

کیپٹن واحد بخش سیال

محفلِ ذوقیہ۔ کراچی





فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون



★ ملفوظات ★

جامع شریعت و طریقت، واقف رموز معرفت و حقیقت

قطب الاقطاب الحاج **شاہ سید محمد ذوقی** قدس سرہ العزیز

*

مرتبہ

کیپٹن واحد بخش سیال

*

محفل ذوقیہ۔ کراچی

تعداد

ایک ہزار

اشاعت بار اوّل

سنہ ۱۳۷۷ھ • سنہ ۱۹۵۸ء

اشاعت بار دوم

ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ • جنوری سنہ ۱۹۷۴ء

طباعت

مشہور آفسٹ پریس کراچی

کتابت

عاشق حسین ظفرنی

Price Rs. 51/-

قیمت :

قسم خاص : -/۵۱ روپے * [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

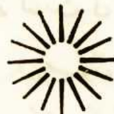
محفل ذوقیہ "تربیت العشاق" کی دوسری اور مکمل اشاعت پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہی ہے ۔ جن حضرات نے پہلی اشاعت تیار کرنے میں بیش بہا تعاون کیا انکا ذکر جناب واحد بخش صاحب نے دیباچہ میں کیا ہے ۔ دوسری اشاعت کی تیاری میں انہی حضرات کی خدمات سے فائدہ اٹھایا گیا ہے ۔ خاص طور سے مولانا محمد حسین بڑے صاحب قابل ذکر ہیں جنکا تصحیحی کام اتنا وسیع رہا کہ انکا نام درحقیقت مرتبین میں شامل ہونا چاہئے ۔ انکے علاوہ محمد صلاح الدین فانی ہماری دعاؤں کے مستحق ہیں جنہوں نے کتابت کی تصحیح کرنے میں پوری جانفشانی اور باریک بینی سے کام لیا ۔ اور مسودہ تیار کرنے میں اور اہم کام انجام دئیے ۔ غلام حسین فاروقی نے بھی کتاب کی کتابت اور طباعت میں قیمتی خدمات انجام دیں ۔ طارق نذیر اور انکے ساتھیوں نے کاغذ حاصل کرنے میں پوری طرح سے مدد کی ۔ اور بھی بہت سے معاونینِ محفل ذوقیہ نے درمے قدمے سخنے اس کام میں

حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ سبکو بہترین جزا عطا فرمائے ۔ آخر میں کتاب کے کاتب عاشق حسین ظفری سب تشنگانِ مشربِ ذوقیہ بلکہ سب شائقینِ مسلکِ تصوف کے شکریہ کے حقدار ہیں ۔ انہی کی لگن ۔ اپنائیت اور خوبیٔ فن کا نتیجہ ہے کہ یہ کتاب اتنے سلیقہ اور خوشنمائی کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کی جا سکی ۔ اللہ تعالیٰ انکو اور بھی ترقیاں عطا فرمائے ۔ ہم "تربیت العشاق" صرف تبلیغ کی نیت سے شائع کر رہے ہیں ۔ کیونکہ بزرگوں کے اقوال اور انکی زندگیاں قران کریم اور سنت النبیؐ کی صحیح تفسیر ہوتی ہیں ۔ اگر ایک بھی شخص یہ ملفوظات پڑھکر متأثر ہو اور اپنے حالات کی اصلاح کرے تو یہ ہمارے لئے دنیا و مافیھا سے زیادہ قابلِ قدر ہوگا ۔

شہید اللہ فریدی

یکے از خاکبوسانِ آستانۂ ذوقی

کراچی ذی القعدہ سنہ ۱۳۹۳ھ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

* منقبتیں *

در شانِ حضرت سیّد محمد ذوقی شاہ صاحبؒ

● از مولانا محمد حسین برمیؔ رمز مخدومی وارث حسنی ●

شاہِ ذوقی مظہرِ نورِ خدا ٭ طالبان را پیرِ کامل رہنما

تو عزیزِ خاطرِ کل اولیا ٭ تو نشانِ مصطفیٰؐ و مرتضیٰؓ

روے خوبت باعثِ تسکینِ ما ٭ ذات پاکت ملجاء و ماوائے ما

اے کہ در عرفات آسودہ شدی ٭ ایں گدایت را چرا کردی جدا

ہر کہ زد بر دامنت دستِ طلب ٭ او نہ شد محروم ہرگز از عطا

اے فدایت جان و دل ایمان دین ٭ بالیقیں تو نورِ شمعِ مصطفیٰ

سایۂ قطب زماں وارث حسنؒ ٭ بر غلامانِ تو باشد دائما

فاش کن بر قلبِ ما اسرارِ حق

رمزؔ می دارد ز تو چشمِ سخا

۲

ذوقیؔ وارثِ حسن نورِ چراغ مصطفیٰ
سید و قطبِ زمن خورشیدِ بزمِ اتقیا

ذوقیؔ ما دلبر و محبوبِ جملہ اولیا
تاجدارِ عشق و عرفاں سروِ باغِ مجتبیٰ

رنگِ قدوسی نظامی صابری بر قامتت
ایں صفت نادر بہ تو زیباست رشکِ اصفیا

فیض انوارِ فرید۔ اوشی۔ معینی۔ قادری
طالباں یابند و اللہ از درت صبح و مسا

صد بہاراں بر تو قرباں اے بہارِ چشتیاں
در خیابانِ ولایت نسبتت مشکیں صبا

رمزؔ بر تو ناز دارد۔ وارثِ حسنؔ
دولتت افزوں۔ نوازش کن بہ ایں مسکیں گدا

۳

ذوقیؔ کہ ہست عاشق و محبوب کردگار
لبّیک گفتہ بر درِ حق کرد جان نثار
قدوسیانِ دہر بگفتند آشکار
اے خاکِ مکّہ دلبرِ ما را عزیز دار
ایں آلِ مصطفیٰ ست کہ در بر گرفتہ ای

جمع اند حُسن و عشق دریں ذاتِ نامدار
عکسِ جمالِ یار و نشانِ جلالِ یار
آمد کنون بہ خلوتِ عرفات آں نگار
اے خاکِ مکّہ دلبرِ ما را عزیز دار
ایں آلِ مصطفیٰ ست کہ در بر گرفتہ ای

چوں بگذری صبا بہ حریم لقائے یار
برگو سلامِ رمزِ حزین و سیاہ کار
ہم ایں پیامِ دل شدگاں گوے بر مزار
اے خاکِ مکّہ دلبرِ ما را عزیز دار
ایں آلِ مصطفیٰ ست کہ در بر گرفتہ ای





حصہ اوّل

ملفوظات

ملفوظات


حصّہ اوّل

سرخطِ مجموعہ امید و بیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مشتمل بر

حقیقتِ انسان مقصدِ حیات و طریق حصولِ مقصد

حمد و ثنا

خدا در انتظارِ حمد مانیست ❊ محمدؐ چشم بر راہِ ثنا نیست
خدا مدح آفرینِ مصطفیٰؐ بس ❊ محمدؐ حامدِ حمدِ خدا بس
مناجاتے اگر باید بیاں کرد ❊ بہ بیتے ہم قناعت میتواں کرد
محمدؐ از تو مے خواہم خدا را ❊ خدایا از تو عشقِ مصطفیٰؐ را
دگر لب وا مکن مظہر فضولیست
سخن از حاجت افزوں تر فضولیست

تشکّر۔ کیا مجال ہے بشر کی کہ حقِ شکر ادا کر سکے اس مطلوبِ حقیقی اور محبوبِ کُل کا کہ جس نے آدم کو بحرِ اطلاق سے نکال کر تعیّنِ انسانی بخشا۔ اور اس کے

اندر درد اور جستجو کا ایک بے پناہ طوفان پیدا کر کے اپنے وصل کا پیاسا بنایا۔
درود و سلام ہے محمدؐ کے نام پر جنھوں نے گم گشتگان دشتِ ہجر کو محبوبِ حقیقی
کا پتہ بتایا اور شربتِ وصل سے سیراب فرمایا۔

اما بعد کتاب زیرِ مطالعہ میں آفتابِ ولایت۔ شمع ہدایت۔ سراج السالکین۔
سلطان العارفین مولینا و مرشدنا حضرت سید محمد ذوقی چشتی، صابری، قادری،
نقشبندی، سہروردی قدس سرہ العزیز کے ملفوظات مع مختصر سوانح حیات متلاشیانِ
حق کی رہبری کے لئے جمع کئے گئے ہیں۔

موجودہ زمانے میں جبکہ نئے ایجادات اور نئے نظریات مثلاً اشتراکیت
(COMMUNISM) سوشلزم (SOCIALISM) سرمایہ داری
(CAPITALISM) مادہ پرستی (MATERIALISM) جمہوریت
(DEMOCRACY) اور فسطائیت (FASCISM) وغیرہ نے
دنیا بھر کی فضا مکدر کر رکھی ہے اور قدم قدم پر معمے اور چپہ چپہ پر پیچیدگیاں
پیدا کر دی ہیں۔ حضرتِ اقدسؒ کا وجودِ مسعود ہر طبقہ کے افراد کے لئے خواہ
وہ طلبِ دنیا یا مغربیت کی رَو میں مذہب سے کتنے ہی دُور ہو گئے ہوں ایک
مکمل درسِ حیات ہے اس وجہ سے کہ آپ قدیم علیگڈھ کالج کے گریجویٹ ہونے
کی وجہ سے علوم قدیم وجدید سے بخوبی واقف۔ تہذیبِ نو کی گھاتوں
سے آگاہ اور قومی (NATIONAL) اور بین الاقوامی (INTER-
NATIONAL) حالات سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ انسانِ کامل۔ ولی اللہ
اور عارف باللہ ہونے کی حیثیت سے آپ پر حقیقتِ اشیاء اور اسرار و رموز
کون و مکاں عیاں تھے۔ آپ کے ملفوظات یعنی مجموعۂ تقاریر میں حیاتِ انسانی
کے تمام مسائل، پیچیدگیوں اور دشواریوں کے حل موجود ہیں۔ خاص طور پر وہ

مسائل جن پر نئی روشنی کے حضرات اور علماء کرام کے درمیان بے حد اختلاف ہے۔ پردہ، موسیقی، فوٹوگرافی، سنیما، مذہب وسائنس، مذہب واشتراکیت، مذہب، جمہوریت ومادیّت وسرمایہ داری پر اصولِ مذہب کے اندر عارفانہ اور آزادانہ بحث کی گئی ہے۔ اور حقیقی اِسلامی نظام منصبِ حکّام و منصبِ علمائے دین اور ملک کی داخلی وخارجی پالیسی کے متعلق وہ زرّین نکات بیان کئے گئے ہیں جو حکومت اور عوام کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ علاوہ ازیں خصائلِ رذیلہ سے نجات پانے، اوصافِ حمیدہ پیدا کرنے، روحانی قوّت کو بڑھانے، کشف وکرامات کی صلاحیّت حاصل کرنے اور فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ ہوکر مُتَخَلِّق بِاَخْلَاقِ اللّٰہ ہونے اور منصبِ خلافتِ الٰہیہ کی اہلیت پیدا کرنے کے اصول اور طریقوں پر کتاب ہٰذا ایک مکمّل درس ہے جس سے نہ صرف مبتدی اور متوسطین ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔ بلکہ منتہی اور واصلین کیلئے بھی معرفتِ الٰہی سے متعلّق نادر اسباق اور نئے نُکات موجود ہیں۔

سطورِ ذیل میں فنِ روحانیت (SPIRITUAL SCIENCE) سے زیادہ واقفیت نہ رکھنے والے حضرات کیلئے عام فہم الفاظ میں حقیقتِ انسان۔ مقصدِ حیات طریقِ حصولِ مقصد اور ملفوظات کی اہمیّت اور انسانِ کامل کے منصب پر روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ حق تعالیٰ کی شانِ تخلیق کا یہ بہترین کرشمہ (انسان) کس غرض کے لئے دُنیا میں بھیجا گیا ہے اور وہ غرض کس طرح پُوری ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ جب تک حقیقتِ انسان اور مقصدِ حیات معلوم نہ ہوں حصُولِ مقصد کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔

حقیقتِ انسان حیاتِ انسانی کے کئی پہلو ہیں۔ اوّل یہ کہ اِنسان خلاصۂ کائنات ہے۔ جو کچھ کائنات میں بالتفصیل موجود ہے وہ اِنسان میں بالاجمال موجود ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کائنات کو عالمِ کبیر (MACROCOSM) اور انسان کو عالمِ صغیر (MICROCOSM) کہا گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ انسان رُوحِ عالم ہے۔ دُوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان مجموعہ ہے چار متضاد عناصر کا یعنی آب و آتش و باد و خاک۔ اگرچہ اِن عناصر کی باہمی دشمنی ہے اور ایک دُوسرے کے ہلاک کرنے کے درپے ہیں لیکن خلّاقِ عظیم نے اپنی کمالِ قدرت سے ان سب کو ایک چھوٹے سے پُتلے میں یک جا کر کے اِنسان کو نعمتِ عقل سے نوازا ہے تاکہ ان سب میں اعتدال رہے اور اس رُوحانی کشتی (جسم) پر سوار ہو کر اپنی منزل پر پہنچ جائے۔

حیاتِ اِنسانی کا تیسرا اور سب سے زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ اِنسان رُوح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ رُوح کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً رُوحِ حیوانی۔ رُوحِ اِنسانی یا رُوحِ ملکوتی اور رُوح القدس۔ لیکن مجموعی طور پر ان سب کو رُوح کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اَب رُوح اور جسم کی آمیزش سے ایک خاکی پُتلہ بنانے میں کیا حکمت ہے۔ ویسے تو اس میں بے شمار راز مضمر ہیں۔ لیکن مختصر طور پر دو نمایاں مصلحتیں ظاہر ہیں۔ اوّل یہ کہ ملکوتیت اور بہیمیت کو یکجا کر کے اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو ایک دائمی کشمکش میں ڈال دیا ہے۔ کیوں کہ رُوح عالمِ بالا کی چیز ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو اپنی بلندیوں پر لے جائے۔ اس کے برعکس جسم عالمِ ناسوت سے تعلّق رکھتا ہے جو اسے سفلیت کی جانب کشش کر کے خواہشاتِ نفس اور شہوات کا غلام بنانے پر مجبور کرتا ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهٖ	ہر چیز اپنی اصل کی جانب رجوع کرتی ہے۔

اب اگرچہ یہ کشمکش بظاہر تکلیف دہ ہے لیکن بباطن ایک بے بہا نعمت ہے

کیونکہ اس سے رُوحانی قوّت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور پرواز میں ترقّی واقع ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے عرفاء کے نزدیک شیطان کا وجود بھی باعثِ رحمت ہے۔ وہ اِسے ایک پہلوان سمجھتے ہیں جس کے ساتھ ورزش کر کے رُوحانی قوّت بڑھائی جاتی ہے

چہ لذّت دَر جہانِ کور ذوقے

کہ یزداں دارد و شیطاں ندارد

رُوح اور جسم یعنی نور و ظلمت کو یکجا کرنے میں دُوسری مصلحت یہ ہے کہ اِس آمیزش سے ایک ایسا آئینہ پیدا ہو گیا جس میں اسماء و صفاتِ حق تعالیٰ کا عکس قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جو امانت فرشتے زمین اور پہاڑ برداشت نہ کر سکے اُسے اِنسان نے اُٹھا لیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ سورة الاحزاب ع۳۳ رکوع ۹ - آیت ۷۲	ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین کو اور پہاڑوں کو پیش کیا لیکن انھوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور اسے اِنسان نے اُٹھا لیا۔ بے شک وہ اَپنے کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔

اس امانت کو فرشتے اس لئے نہ قبول کر سکے کہ وہ سراپا نور تھے۔ عکس قبول کرنے کے لئے ان کے اندر تاریک پہلو نہ تھا۔ زمین اور پہاڑ اس لئے نہ قبول کر سکے کہ وہ سراپا ظلمت تھے۔ ان کے اندر نُورانی پہلو نہ تھا۔ لیکن چونکہ اِنسان کے اندر وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ط کے مصداق جسم کی ظلمت کے ساتھ اللہ کے

رُوح کا نُور بھی موجود تھا اس لئے آئینہ بن کر اس نے فوراً اللہ کے اسماء و صفات کا عکس قبول کر لیا۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند (حافظ)

جو بار آسمان و زمیں سے نہ اُٹھ سکا

تُو نے غضب کیا دلِ شیدا اُٹھا لیا

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ امانت آخر کیا تھی جو آسمان و زمین اور پہاڑ جیسے عظیم اور قوی الجثہ مخلوق برداشت نہ کر سکے اور اِنسان جیسی بظاہر نحیف و ضعیف ہستی نے قبول کرلی۔ وہ امانت دراصل یہی خلافتِ ارضی اور نیابتِ الٰہی تھی جس سے حق تعالیٰ نے پہلے ملائکہ کو "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" کا اعلان کر کے متنبہ فرمایا۔ اس میں راز یہ ہے کہ جب رُوح و جسم کی آمیزش سے آئینہ تیار ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اپنے اسماء و صفات کا رنگ رُوپ دیکھا اور اپنے حُسن و جمال کا مشاہدہ کیا تو اس پر شیدا ہو گیا۔ مسجودِ ملائک بنایا۔ اور خلافتِ ارضی کا تاج اس کے سر پر رکھا۔ حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے الہامات جمع کئے ہیں اور بندہ نواز حضرت سیّد محمد گیسو درازؒ نے ان کی شرح لکھی ہے۔ اُن میں سب سے پہلا الہام یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نعم الطالب انا ونعم المطلوب الانسان.	بہترین طالب میں (اللہ) ہُوں اور بہترین مطلوب انسان ہے۔

یہ شرفِ محبوبیت اور مطلوبیت اِنسان کو کیسے نصیب ہُوا؟ اس لئے کہ اس کے اندر اللہ کے اسماء و صفات اور اُس کے حُسن و جمال کا پَرتو ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ

فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ اور وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ـ سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

مقصدِ حیات مندرجہ بالا تمہید سے حیاتِ انسانی کی غرض وغایت کی ہلکی سی جھلک تو سامنے آگئی ہوگی. اب آیئے اِس مسئلہ کو مزید غور سے دیکھیں. قاعدہ کُلیّہ ہے کہ جو شخص کوئی مشین ایجاد کرتا ہے تو اس کی غرض وغایت اور طریقِ کار وہ خود جانتا ہے اور مقرر کرتا ہے۔ انسان کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور وہی اس کی غرض وغایت اور طریقِ کار کو جانتا ہے۔ دُنیا کے سائنس دانوں اور فلسفیوں نے اگر کوئی اِنسان پیدا کیا ہو تو اُس کے لئے قواعد وضوابط بنانے میں وہ حق بجانب ہیں. لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان تو ایک بڑی چیز ہے. جب وہ سب مِل کر عدم سے ایک تنکا یا ایک ریت کا ذرّہ تک نہیں بنا سکے تو کس منہ سے وہ انسان جیسی عجیب الخلقت اور نادر ہستی کے لئے قانون سازی کے لمبے لمبے دعوے کرتے ہیں. حیاتِ انسانی کی غرض و غایت اور اس کے لئے قواعد وضوابط فقط وہی ہستی مقرر کرنے کا حق رکھتی ہے. جس نے اِنسان کو پیدا کیا ہے. یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بکمالِ شفقت ہر زمانے اور ہر وقت کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجتے رہے ہیں. جن کے ذریعہ بنی نوع اِنسان کیلئے ہدایات اور قوانین موصول ہوتے رہے ہیں. انسان کی نجات اسی میں ہے کہ آدمی کے بنائے ہوئے قوانین کی بجائے اللہ کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرے ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ قرآنِ پاک جو تمام آسمانی کتابوں میں سے آخری. تازہ ترین اور مکمل ترین کتاب ہے، مقصدِ حیاتِ انسانی کے متعلق کیا کہتا ہے. ارشاد ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ط

نہیں پیدا کیا میں نے جِن اور انسان کو سوائے اس کام کے لئے کہ وہ میری عبادت کا حق ادا کریں۔

قرآن کے ہر حکم میں جامعیت ہوتی ہے۔ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اس باطن کا ایک اور باطن ہے اور اسکا ایک اور باطن اسی طرح سات باطن تک۔ چنانچہ آیۂ مذکور میں جہاں اللہ تعالیٰ نے عوام کے لئے اطاعت اور بندگی کا حکم فرمایا ہے وہاں خواص کے لئے بھی اعلیٰ اور بلند ترین منزل پر پہنچنے کا اِشارہ فرمایا ہے۔

یہاں عبد بننے کا حکم ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ عبدیت کیا ہے۔ کیسے حاصل ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ عبادت بغیر محبت عبث اور بیکار ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ عبادت محبت ہی کا نتیجہ ہے۔ محبّت نہ ہو تو کیوں کسی کی پُوجا کی جائے اور محبتِ الٰہی کا جذبہ چونکہ فطرتاً اِنسان کی خمیر میں رکھا گیا ہے۔ اس لئے عبادت بھی ایک فطری امر ہے۔ اب جس طرح محبّت کے کئی درجے ہیں۔ یعنی خفیف، شدید اور اشدا۔ اسی طرح عبد یا عبادت کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں مومن کی یوں تعریف کی گئی ہے

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔	جو مومن ہیں ان کو اللہ سے شدّت کے ساتھ محبّت ہے۔

یہی محبّت اصلِ دین ہے اور حاصلِ ایمان ہے۔ محبّت ہے تو سب کچھ ہے۔ محبّت نہیں تو کچھ بھی نہیں حضرت مولانا رُوم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

مرحبا اَے عِشق خوش سودائے مَا

اَے طبیب جملہ عِلّت ہائے مَا

اَے دوائے نخوت و ناموسِ مَا

اَے تو افلاطون و جالینوس ما

جسمِ خاک از عِشق بر افلاک شد

کوہ در رقص آمد و چالاک شُد

عشق آں شعلہ است کوچوں برفروخت

ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

در نگنجد عشق در گفت و شنید

عشق دریائیست قعرش ناپدید

شرح عشق ار من بگویم بر دوام

صد قیامت بگذرد آں ناتمام

عاشقی پیداست از زاریٔ دل

نیست بیماری چوں بیماریٔ دل

ملّتِ عشق از ہمہ دیں ہا جُداست

عاشقاں را مذہب و ملّت خُداست

حضرت شیخ فریدالدین عطار رح بھی اسی موضوع پر فرماتے ہیں ؎

درد حاصل کن کہ درماں دردِتست

درد و عالم داروئے جاں دردِتست

ذرّہ دردت دہ اے درمانِ من

زانکہ بے دردت بمیرد جانِ من

کفر کافر را و دیں دیندار را

ذرّہ دردت دلِ عطار را

اور یہ آہ و نالہ اور درد و فغاں کس کے واسطے ہے؟ اسی محبوبِ حقیقی کے واسطے ہے جو تمام حسینوں کو پیدا کرنے والا اور تمام خوبیوں، دِلفریبیوں اور عشوہ گریوں کا مرکز اور منبع ہے ؎

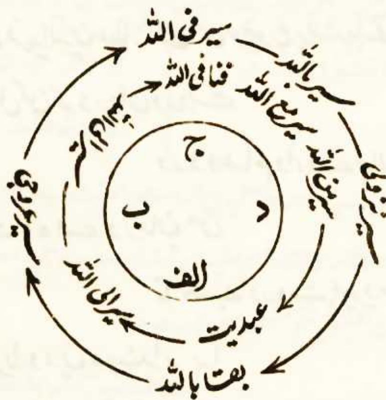
اے جملہ جہاں حسنت آخر چہ جمال است این

پیدائی و پنہائی آخر چہ کمال است این

در ہر چہ نظر کردم غیر از تو نمے بینم

غیر از تو کسے باشد حقا چہ مجال است این

سلوک الی اللہ چونکہ تمام عبادات کی غایت عشق ہے اور مطلوب اللہ عزّ و جلّ ہے۔ اس لئے وصالِ حبیب انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ اور غایت الغایات ہُوا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بزرگانِ دین نے طالبین کے لئے ایک کورس مقرر کیا ہے۔ جسے فنِ رُوحانیت میں "سلوک" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سلوک ایک باقاعدہ فن (SCIENCE) ہے اور اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ جیومٹری کی مندرجہ ذیل شکل سے سلوک کا ایک خاکہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے :۔



سالک یعنی طالب حق مقام الف سے اپنا سفر شروع کرتا ہے اور پہلے مقام ج تک جاتا ہے۔ مقام الف سالک کی ابتدائی حالت ہے اور مقام ج مطلوب کو ظاہر کرتا ہے۔

چنانچہ الف سے ج تک کے سفر کا نام سیر الی اللہ ہے۔ یہاں پہنچ کر طالب

فانی فی اللہ ہو جاتا ہے۔ اور سیر فی اللہ کا آغاز کرتا ہے۔ اب چونکہ ذات کی کوئی انتہا نہیں اس لئے فنائیت فی اللہ کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اس مقام پر سالک اپنی ہستی گم کر دیتا ہے۔ سوائے اللہ کے کچھ باقی نہیں رہتا ہے

تو مباش اصلا کمال این است وبس

تو زخود گم شو وصال این ست وبس (عطار)

یہاں سالک اِس قدر لذّت حاصل کرتا ہے کہ دُنیا کی تمام لذّات اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

اِس مقام پر طالب ذات و صفاتِ حق میں فنا ہو جاتا ہے۔ حدیث قدسی ہے

مایزالُ عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا وان سئلنی لاعطینہٗ ولئن استعاذ نی لاعیذنہٗ

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جب میرا بندہ نوافِل (کارِ خیر) کے ذریعہ میرا قرب چاہتا ہے تو میں اس سے محبّت کرتا ہوں حتّٰی کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سُنتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے پکڑتا ہے اس کے پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے چلتا ہے اور وہ جو کچھ مجھ سے طلب کرتا ہے میں عطا کرتا ہوں اور جب میرے پاس پناہ چاہتا ہے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔"

حدیث پاک میں اسی فنائیت فی صفات اللہ کی جانب اشارہ ہے۔ حدیث

موتوا قبل ان تموتوا | مرجاؤ مرنے سے پہلے

LOSE YOURSELF TO SAVE - سے بھی یہی فنائیت مراد ہے۔
YOURSELF (گم کرو اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے آپ کو) سے بھی یہی فنائیتِ نفس مراد ہے۔

بعثتِ رسُول اللہ صلعم اور نزولِ قرآن سے پہلے تمام مذاہب مثلاً ہندو دھرم۔ بدھ مت۔ اور عیسائیت وغیرہ میں یہی مقام یعنی فنائیت فی اللہ سب سے بلند ترین مقام تصوّر ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان مذاہب کے پیروؤں کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا جنگلوں میں بیٹھ کر گیان دھیان میں مست ہو جانا کمال انسانی سمجھا جاتا تھا۔ وہ منزل جس کی طرف انسانیت رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھی اِسلام نے آکر اس کی طرف رہنمائی کردی اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کا اعلان کر کے انسان کو ترقی کی سب سے بلند ترین منزل دکھادی۔ وہ منزل کیا ہے؟ فنائیت کی محویت اور استغراق سے نکل کر ہوش میں آنا۔ ازسرِنو مقامِ دوئی اختیار کرنا اور متّصف بصفات اللہ ہو کر دُنیا کے کاموں میں مشغول ہونا اور منصبِ خلافت انجام دینا ہے۔
مندرجہ بالا شکل میں مقام ج سے جو محویت و مستی کا مقام ہے نِکل کر سالک مقام دٓ سے ہوتا ہُوا پھر مقام الٓف پر پہنچتا ہے۔ جٓ سے الفٓ تک کے سفر کو سیر مَعَ اللہ۔ سیر باللہ اور سیر من اللہ کہتے ہیں اور جب فنائیت سے گزر کر ازسرِنو طالب الفٓ پر پہنچتا ہے تو یہ مقام لقا باللہ اور عبدیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر سالک کے اندر دونوں کیفیات موجود ہوتے ہیں واصلِ حق اور فنا فی اللہ بھی ہوتا ہے' اور دوئی اور ہوشیاری میں ہوتے ہوئے شہود و شاہد و مشہود کے مزے بھی اُڑاتا ہے۔ اس مقام کو جمع الجمع اور فرق بعد الجمع بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت بلند مقام ہے بلکہ انسانی ترقی کی آخری منزل ہے۔ اس کے آگے حیاتِ انسانی کے لئے کوئی مقام اور کوئی منزل نہیں۔

یہ مقام فرشتوں کے مقام سے بھی اعلیٰ و ارفع ہے ؎

فرشتہ گرچہ دارد قربِ درگاہ
نگنجد در مقامِ لی مع اللہ (گلشنِ راز)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دوئی کا مقام فنائیت اور وصال سے کیوں ارفع و اعلیٰ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مئے عشقِ الٰہی کے پیمانے پی کر مست و بے خود ہو جانا کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ آدمی اتنا وسیع ظرف رکھتا ہو کہ پیمانے نہیں دریا اور سمندر نوش کر جائے اور مست نہ ہو ؎

کہہ دو یہ کوہکن سے کہ مرنا نہیں کمال
مر مر کے عشقِ یار میں جینا کمال ہے

عشّاق کا مقولہ ہے کہ لذّتِ درد لذّتِ وصال سے زیادہ خوشگوار ہے ؎

من لذّتِ دردِ تو بہ درماں نہ فروشم
کفرِ سرِ زلفِ تو بہ ایماں نفروشم

ماوصلِ یارِ خویش بہ ہجراں فروختیم ؎ یوسف فروختیم وچہ ارزاں فروختیم
ماسلطنت بکوچۂ جاناں فروختیم ؎ مور حقیر را بہ سلیماں فروختیم
زخمِ جگر بہ ہیچ دوا بہ نمے شود ؎ داروئے زخم را بہ نمکداں فروختیم

عرفاء کا قول ہے کہ روئے دوست کا مشاہدہ اس وقت پُر لطف ہوتا ہے جب کچھ عرصہ کے لئے دوست منہ چھپالے۔ المشاھدۃ الابرار بین التجلی والاستتار۔ غرضیکہ عبدیت کے مقام پر طالب کے لئے وصل و ہجر کی گھڑیاں بدلتی رہتی ہیں اور وہ دونوں حالتوں میں بے حد مسرور رہتا ہے، نیز جب سالک مقامِ عبدیت پر پہنچ جاتا ہے تو وہ باقی باللہ ہونے کی حیثیت سے اللہ کے نور سے دیکھتا ہے

اور سب کام اللہ کے اِشارے سے کرتا ہے۔ حقیقتِ اشیاء اس پر واضح ہو جاتی ہے اور خلافتِ ارضی کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ وہ اللہ کا نائب بنتا ہے اور سارے جہاں میں اس کا حکم چلتا ہے۔ اب یہ کام آدمی وصال کی محویت اور فنائیت کی مدہوشی میں کس طرح سر انجام دے سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقامِ عبدیت مقامِ فنا سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہی مقصدِ حیات ہے۔ اور مذہبِ اسلام اور اِنسانیت کی یہی غرض و غایت ہے۔ جب آخری منزل کی راہ نمائی ہو گئی تو انبیاء علیہم السلام کا آنا بند ہو گیا یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری نبی ہیں۔ اب نہ نبی آنے کی ضرورت ہے نہ آئیں گے۔

عبدیت آپؐ کا خاص مقام ہے۔ جہاں حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے صفی اللہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ۔ موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ اور عیسیٰ علیہ السلام کو رُوح اللہ کا لقب عطا فرمایا ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدہٗ و رسولہٗ کے شرف سے مشرف فرمایا ہے۔ کیوں کہ عبدیت ہی کمالِ انسانی ہے اور بلند ترین منزل ہے۔ آیۂ پاک سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ میں لفظ عبدہٖ سے یہ مراد ہے کہ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج حالتِ فنائیت۔ سُکر اور استغراق فی الذات میں نہیں ہُوئی جو دائرۂ مذکور میں مقامِ ج کا خاصہ ہے۔ بلکہ آپؐ کو یہ معراج مقامِ عبدیت و بقا باللہ۔ ہوشیاری اور حالتِ تمکین میں ہُوئی ہے اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔ کیونکہ مقامِ ج پر وصال تو باقی اولیاء کرام کو بھی نصیب ہوتا ہے۔ مقامِ الف پر اور جسمِ انسانی کے ساتھ معراج صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ اِنسانی جسم کے ساتھ حالتِ صحو و ہوشیاری میں اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچنا بہت ہی بڑا مرتبہ ہے جس کا حامل کوئی نہیں ہو سکتا۔ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ یہ کمالِ ظرف ہے یہی وجہ

ہے کہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کر اتنی تھوڑی سی دیر میں اتنی بلندی پر پہنچ گئے۔ حالانکہ اتنی بلندی پر جانا حیرت کی بات نہیں ہے۔ حیرت یہ ہے کہ آپ اس قدر بلندی پر جاکر اتنی جلدی کس طرح واپس آگئے۔ انتہائی عروج سے ایک دم انتہائی مقامِ نزول پر آنا وسعتِ ظرف ہی کا کمال ہے۔

اُمید ہے کہ سلوک کے مندرجہ بالا مختصر بیان سے قارئینِ کرام پر مقصدِ حیات قدرے واضح ہوگیا ہوگا۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ دُنیا کے کاموں میں مصروف ہونا مندرجہ بالا مقصد کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اسلام میں دنیوی کاروبار کو مستعدی۔ محنت اور تندہی سے کرنے کا حکم ہے۔ کاہلی کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ کسب۔ بال بچوں کی پرورش۔ قرابت داروں کی امداد۔ یتیموں۔ بیواؤں اور محتاجوں کی نگہبانی اور رزقِ حلال پر اسلامی تعلیمات میں بہت زور دیا گیا ہے۔ مال و دولت کمانا اور دنیوی امور میں ترقی حاصل کرنا بالکل جائز ہے۔ صحابۂ کرامؓ اور بے شمار اولیاء کرام کا یہی مسلک رہا ہے۔ اسلام میں کاروبار ممنوع نہیں۔ لیکن یہ سب کام ایک نقطۂ نگاہ سے کرنے چاہئیں وہ یہ کہ ہر کام کی غرض وغایت وصول الی اللہ ہو۔ سب کام اُسی ایک مقصد کے تحت میں کرنے چاہئیں، سب مقاصد کی غرض وغایت الغایات وہی ایک مقصد ہونا چاہیے۔ یہ جو حدیث شریف میں ہے

اَلدُّنیَا جِیفَۃٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ	دُنیا مردار ہے اور اس کے طالب کُتے ہیں۔

اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو دنیوی کاروبار میں طالبِ دُنیا نہیں ہونا چاہیے بلکہ سب کام طلبِ مولا اور رضائے مولا کی خاطر کرنے چاہئیں۔ جو شخص

لندن جانے کے لئے ہوائی جہاز میں نشست حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ دراصل طالبِ ہوائی جہاز نہیں ہے۔ بلکہ طالبِ لندن ہے۔ ہوائی جہاز تو لندن پہنچنے کا فقط ایک ذریعہ ہے۔ اِسی طرح دُنیا کے کاروبار اِس نیت سے کرنے چاہئیں کہ ان کے حصول سے اصلی اور حقیقی مطلب حاصل ہو۔ حضرت مولانا روم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل اشعار میں اس مضمون کی خوب وضاحت فرمائی ہے ؎

چیست دُنیا از خُدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
آب در کشتی ہلاکِ کشتی است
آب اندر زیر کشتی پشتی است (رومیؒ)

یعنی وہ دُنیا جسے مذموم کہا گیا ہے کیا ہے؟ صرف خُدا سے غفلت کا نام ہے۔ نہ سونا ہے نہ چاندی ہے اور نہ بیوی بچے ہیں۔ دُنیا کو پانی اور قلبِ انسانی کو کشتی کی مثال دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ اگر دُنیا اِنسان کے دل کے اندر داخل ہو جائے تو آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر دُنیا کا سہارا لے کر یعنی اس کو ذریعہ بنا کر حقیقی مقصود حاصل کیا جائے تو اس میں نجات ہے۔ اس لئے دُنیا کے تمام کام مثلاً سیاست کے ذریعہ مُلک میں حکومت قائم کرنا۔ فوج رکھنا۔ صنعتی ترقّی کرنا۔ کھیتی باڑی کرنا۔ سائنس کی ایجادات کے ذریعہ اِنسان کی مُشکلات حل کرنا سب کی غایت یہی ہے کہ لوگ فارغ البال ہو کر اللہ کے ذِکر میں مشغول ہوں اور اس کی معرفت حاصل کریں۔ کیوں کہ معرفت اور ذِکر اللہ رُوح کی غذا ہے۔

سُن لو اللہ کے ذکر ہی سے دِلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے (سورۂ رعد آیت ۲۸)	أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ؕ

کس قدر ظلم اور جہالت ہے کہ جسم کے لئے جو بمنزلہ گھوڑے کے ہے۔ خوراک مہیا کرنے کی خاطر تو انسان اپنی ساری عمر صَرف کر دے اور رُوح کے لئے جو بمنزلہ سوار کے ہے کچھ بھی نہ کرے۔ اگر آپ کے یہاں کوئی مہمان آئے جس کے ساتھ سواری کیلئے گھوڑا بھی ہو اور آپ گھوڑے کے لئے تو گھاس وغیرہ مہیا کر دیں لیکن مہمان کے لئے کوئی بندوبست نہ کریں تو کیا آپ کی عقل صحیح سمجھی جائے گی۔

یہاں ایک اور بات بھی واضح کر دینے کے قابل ہے وہ یہ کہ آج کل بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو خلافتِ الٰہیہ کا حامل سمجھ کر حکومتِ الٰہیہ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ انکو جاننا چاہیئے کہ آدمی منصبِ خلافتِ الٰہیہ کے اس وقت تک قابل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خودی اور نفس کو مغلوب کر کے مقامِ فنا فی اللہ حاصل نہ کرے۔ اور فنائیت فی اللہ حاصل کر کے حدیث پاک " بِی یَسْمَعُ وَبِی یُبْصِرُ " کے مطابق متّصف بصفاتِ اللہ نہ ہو اور مقام بقا باللہ اور عبدیت حاصل نہ کرے۔ کیوں کہ اس مقام پر پہنچے بغیر وہ نُور حاصل نہیں ہوتا۔ جس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ممبر پر کھڑے کھڑے دُور دراز مقام پر " یا ساریۃ الجبل " کا نعرہ لگا کر اپنے فوجی جرنیل کو جنگی ہدایت دی۔ لہٰذا ہر بوالہوس کو شایاں نہیں کہ وہ اپنے آپ کو منصب خلافتِ الٰہیہ کے قابل سمجھے۔ کس قدر بوالعجبی ہے کہ ایک طرف تو لوگ خلافتِ الٰہیہ کا دعویٰ کرتے ہیں، اور دوسری طرف منصبِ خلافت کے حصول یعنی سلوک، رُوحانیت و تصوّف اور رشد و ارشاد کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہی ان کے کھوکھلے پن کی دلیل ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ فنائیت جس پر صُوفی لوگ اس قدر زور دیتے ہیں۔ کیا ہے۔؟ کچھ نہیں ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ آدمی اللہ کی ذات و صفات میں فنا ہو جائے۔ یہ اعتراض نادانی پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ

رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں :

"وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"	جب تُونے (کفّار کی طرف) مٹّی پھینکی تو تُونے نہیں پھینکی تھی۔ بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

اگر اللہ کی ذات وصفات میں فنائیت ممکن نہ ہوتی تو کِس طرح ہوسکتا تھا کہ مٹّی تو پھینکیں محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم اور فرمائے اللہ کہ تُونے نہیں پھینکی میں نے پھینکی ہے۔

منصبِ شیخ حقیقتِ انسان اور مقصدِ حیات سمجھ لینے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ اس عظیم الشان مقصد کے حصول کا کیا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں۔

اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ط	بھیجا ہم نے تمہارے پاس ایک رسول تم ہی میں سے جو پڑھتے ہیں تم پر ہماری آیات اور تم کو پاک صاف کرتے ہیں۔ اور سکھاتے ہیں تم کو کتاب اور حکمت۔ اور بتاتے ہیں تم کو وہ باتیں جو تم نہ جانتے تھے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر مظہری میں اِس آیت کی یوں تفسیر فرماتے ہیں :-

"تعلیم کو دو مرتبہ ذکر فرمانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دُوسری تعلیم اور قسم کی ہے تو ممکن ہے کہ اِس سے مُراد علم لدنّی ہو جو ظاہر قرآن سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ باطن قرآن اور سینہ بہ سینہ جناب رسُول اللہ صلّی اللہ

علیہ وسلم سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے کا سوائے انعکاس اس نور کے اور کوئی طریقہ نہیں۔ اور اس کی حقیقت کا ادراک بعید از قیاس ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برتن حاصل کئے۔ ایک تو اُن میں سے تم کو تقسیم کر دیا اور دُوسرے کی اگر تم میں اشاعت کروں تو میرا حلقوم کاٹ دیا جائے۔ اِس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

شرّاح حدیث نے کہا ہے کہ اس دُوسرے علم سے مراد وہ احادیث ہیں جن میں ظالم بادشاہوں اور خلفاء کے حالات تھے۔ میں کہتا ہُوں کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے جو ان شرّاح نے بیان کیا ہے کیونکہ چند واقعات جُزئیہ کے علم کو علم کا برتن کہنا اور علوم شرعیہ کا قسیم بنانا کسی طرح مناسب نہیں۔ علم کا برتن کہنے اور علوم شرعیہ کا مقابل ٹھیرانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس علم سے کوئی بڑا علم مُراد ہے۔ جو علوم شرعیہ کی مثل اور مقابل بن سکتا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اس علم سے مراد علم لَدُنّی ہے اگر اس پر کوئی کہے کہ اچھا علم لَدنّی ہی سہی تو اس پر گلہ کاٹنے کی کیا بات ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر میں اس علم کو زبان سے بیان کروں تو لوگ گلہ کاٹ دیں۔ اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علم لدنّی کے معارف اور علوم کی تعلیم اس زبانِ قال سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اگر ہو سکتی ہے۔ تو زبانِ حال سے یا ایک قلب سے دُوسرے قلب پر عکس واقع ہونے سے کیونکہ زبان سے تعلیم و تعلّم چند امور پر موقوف ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ شے اِس قسم کی ہو جو حصولِ علم سے حاصل

ہوسکتی ہو۔ اور دُوسرے یہ کہ الفاظ اس کے مقابلہ میں موضوع ہوں اور تیسرے یہ کہ سامع کو وضع کا علم ہو۔ اور علم لدنّی میں یہ سب امور مفقود ہیں۔ نہ تو علم حصولی سے وہ مُدرَک ہوسکتا ہے بلکہ اس کا ادراک علمِ حضوری سے ہوتا ہے کہ جس سے کسی وقت ذہول نہیں ہوتا۔ اور نہ ان معارف کے لئے الفاظ موضوع اور نہ سامعین کو علم بالوضع۔ جب یہ بات ہے تو اب جو کوئی اُن معارف وعلوم کی تعبیر کرے گا۔ ضرور استعاراتِ مجاز کو کام میں لائے گا۔ اور استعارات سے مقصود تک راہ یابی نہیں ہوتی۔ بلکہ عوام تو اُن استعارات کے سبب مقصود سے کوسوں دُور ہوجاتے ہیں۔ اِس لئے خبط میں پڑجاتے ہیں اور جو متکلّم کی مراد ہے اس کے خلاف معنی سمجھتے ہیں۔ اَب یا تو متکلّم کی تفسیق اور تکفیر کرتے ہیں یا خود کفر میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اس وجہ سے فرمایا کہ اگر اس علم کو زبان سے بیان کروں تو لوگ سمجھیں گے نہیں اور مجھے کافر اور مرتد بنا کر قتل کرڈالینگے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ جب اس علم کی حالت یہ ہے کہ کوئی اُسے بیان بھی نہیں کرسکتا اگر بیان بھی کرے تو اُس سے مفاسد اور قتل وقتال تک نوبت پہنچ جاتی ہے تو پھر اُس کے بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ حالانکہ بزرگوں نے اس باب میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جیسے فصوص الحکم۔ فتوحاتِ مکیّہ وغیرہ۔ تو جواب یہ ہے کہ ان کتابوں سے غرض یہ نہیں کہ مخلصین کو یہ علوم حاصل ہوجائیں یا یہ کہ اُن کے دیکھنے سے کچھ قرب اور ولایت مِل جائے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ جو سالکین جذب یا سلوک سے اُن علوم کو اجمالاً حاصل کرچکے ہیں وہ ان کتابوں کو دیکھ کر تفصیل پر قادر ہوجائیں اور اپنے احوال کو اکابر کے حالات سے

تطبیق دیں تاکہ صحت اُن احوال کی ہویدا ہو جائے اور قلوب ان کے مطمئن ہو جائیں۔ اور نیز یہ جواب ہے کہ اُن بزرگوں نے قصداً اِس قسم کی کتابیں نہیں لکھیں بلکہ غلبۂ حال میں بہت سے مضامین اُن کی زبان سے نکل گئے۔ لوگوں نے وہ نقل کر لئے۔ اب عوام کے لئے یہ لازم ہے کہ اگر ایسی کتب کا مطالعہ کریں یا بزرگوں کے کلام سُنیں تو اُن پر انکار نہ کریں، کیوں کہ وہ کسی طرح مخالفِ شرع نہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کتاب و سنّت کا یہی مغز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی یہ دولت اپنے فضل سے بخشے۔ آمین۔"

اِس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"حقائق و معارف یا تو انعکاس قلوب سے حاصل ہوتے ہیں۔ یا القاء سے دستیاب ہوتے ہیں۔ اور کثرت مراقبہ و ذکر خواہ خلوت میں ہو خواہ مجلس میں اس انعکاس کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے اور وہ انعکاس کبھی رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بلا واسطہ اور کبھی اولیاء کرام کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے۔"

اِس وساطت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی جانب وسیلہ پکڑو۔

شاہ عبدالرحیمؒ، شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ و جملہ اکابرِ دین کی تحقیق یہی ہے کہ وسیلہ سے مراد توسّلِ مرشد ہے۔ شاہ اسمٰعیل

شہیدؒ اپنی کتاب "منصبِ امامت" میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"مراد از وسیلہ شخصے است کہ اقرب باشد در منزلت کما قال اللہ تعالیٰ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ۔ و اقرب الی اللہ باعتبار منزلت اوّل رسُول است و بعد ازاں نائب او۔"

اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور حقائق اور معارف حاصل کرنے کیلئے وسیلہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نبیؐ کے بعد وسیلہ مرشد ضروری ہے۔ ایک اور موقعہ پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ؕ	صادقین کا قرب حاصل کرو۔

صادق اُسے کہتے ہیں جو صادق الحال ہو جس کا قال کچھ اور حال کچھ ہو وہ صادق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے صادقین سے مراد اولیاء کرام ہی ہیں جو حدیث شریف بی یسمع و بی یبصر کے مُطابق اللہ کے کانوں سے سُنتے ہیں اور اللہ کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اٰیاتنا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ کا صِرف علم الیقین نہیں بلکہ حق الیقین رکھتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ عِلم کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل علم الیقین ۔

دوم عین الیقین ۔

سوم حق الیقین ۔

علم الیقین یہ ہے کہ آپ کو کوئی بتائے کہ آگ جلاتی ہے۔ عین الیقین یہ ہے کہ آپ کسی چیز کو آگ میں جلتا ہُوا دیکھ لیں اور حق الیقین یہ ہے کہ آپ آگ کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھ لیں کہ واقعی جلاتی ہے۔ لوہے کو دیکھیں جب آگ میں جاتا ہے تو وہ

بالصورت اور بالسیرت آگ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق بھی حق الیقین یہی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی آدمی اپنی ہستی کو اللہ کی ذات میں بالکل گم کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:

"اگر اللہ میرے سامنے آجاتے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا۔"

اصل بات یہ ہے کہ سامنے آنا عین الیقین ہے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تو ذاتِ حق میں حق الیقین حاصل تھا۔ اللہ کے سامنے آنے سے ان کے یقین اور ایمان میں کیوں کر اضافہ ہوتا۔ اور یہ جو حضرت ابن منصور حلاجؒ نے انا الحق کا نعرہ لگایا اور حضرت بایزید بسطامیؒ نے "سبحانی ما اعظم شانی" فرمایا یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ یہ کلمات انھوں نے غلبۂ حال میں کہے۔ مندرجہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ "صادقین" سے مراد وہی لوگ ہیں جن کو اللہ کے ساتھ حق الیقین ہے اور وہ اولیاء کرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں کی صحبت حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ مولانا رومؒ صحبتِ اولیاء کے متعلق فرماتے ہیں ؎

یک زمانے صحبتے با اولیاء ؎ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ فرماتے ہیں ؎

نماز را بحقیقت قضا بود لیکن ؎ نمازِ صحبتِ مارا قضا نخواہد شد

اولیاء اللہ کی صحبت میں بڑی برکات ہیں۔ اسی صحبتِ اولیاء کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یشقیٰ جلیسھم	ان کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں ہوسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ عارفین کی خدمت میں بغیر وضو حاضر ہونا خلافِ ادب ہے. کیوں کہ ان کی خدمت میں بیٹھنا عبادت ہے. اور حاضرین کو ان کی صحبت سے فیضان حاصل ہوتا ہے. ایک دفعہ کسی نے شکایت کی کہ جب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کوئی کلام نہ فرمایا اور خاموش بیٹھے رہے. جب حضرت مجددؒ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"جو شخص ہماری خاموشی سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا وہ کلام سے کیا حاصل کرے گا."

اس کا مطلب یہ ہے اولیاء کرام خواہ کلام فرمائیں، خواہ خاموش رہیں توجہ باطنی سے حاضرین کے قلوب کا تزکیہ فرماتے رہتے ہیں.

ضرورتِ شیخ سمجھ لینے کے بعد یہ جاننا چاہیئے کہ مرشدِ کامل کس طرح اپنے فرائض انجام دیتے ہیں. یہ بہت بڑا کام ہے اور اس کی تفصیل بہت طویل ہے تصوف کی زبان میں اسے سلوک الی اللہ کہتے ہیں. سلوک کا مختصر خاکہ تو پہلے بیان ہو چکا ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ اس راستے پر شیخ کس طرح مرید کو چلاتے ہیں. یہ یاد رہے کہ انسان کے جسم کے اندر چھ رُوحانی مرکز ہیں جنھیں لطائفِ ستّہ کہا جاتا ہے. ہند و فلسفہ رُوحانیت میں بھی یہی چھ رُوحانی مرکز بیان کئے جاتے ہیں. لیکن ان کے نام مختلف ہیں. لطائفِ ستّہ یہ ہیں:

* پہلا نفس[۱] ہے مقام اس کا ناف ہے اور نُور کا رنگ زرد ہے.
* دوسرا قلب[۲] ہے جس کا مقام بائیں پہلو میں ہے اور اس کے نُور کا رنگ سُرخ ہے.
* تیسرا رُوح[۳] ہے. مقام جس کا دائیں پہلو میں ہے اور نُور کا رنگ سفید ہے.

* چوتھا سِرّ[۴] ہے جس کا مقام قلب اور رُوح کے وسط میں ہے اور اس کے نُور کا رنگ سبز ہے۔
* پانچواں خفی[۵] کہلاتا ہے جس کا مقام وسط پیشانی میں ہے اور نُور کا رنگ نیلگوں ہے۔
* چھٹا لطیفہ اخفیٰ[۶] ہے جس کا مقام امّ الدماغ ہے اور اس کے نُور کا رنگ سیاہ ہے۔

شیخِ کامل کا کام یہ ہوتا ہے کہ اذکار و مشاغل کے ذریعہ ان لطائفِ ستّہ میں صفائی اور لطافت پیدا کرے۔ جب زنگ اور کثافت دُور ہوجاتی ہے تو لطائف پر انوار چمکتے ہیں اور ان میں ذکر اللہ جاری ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے رُوحانیت میں تقویت آتی ہے اور منازل بالا مثلاً فنا فی اللہ و بقا باللہ اور عالمِ ملکوت۔ عالمِ جبروت۔ عالمِ لاہوت ہاہوت اور یاہوت کی طرف پرواز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اس حالت میں سالک کے لئے ہوامیں اُڑنا اور پانی پر چلنا آسان ہوجاتا ہے لیکن مردانِ خُدا اس کھیل تماشہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ جب تمام لطائف زندہ ہوجاتے ہیں تو ذکر اللہ سارے جسم میں جاری ہوجاتا ہے، اسے سُلطان الاذکار کہتے ہیں اس مقام پر سالک کو بے حد لذّت حاصل ہوتی ہے اور دُنیا کی کوئی لذّت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ وجہ یہ کہ دُنیاوی لذّات مثلاً خواب و خورش اور مباشرت وغیرہ کا احساس تو فقط نفس کو ہوتا ہے جو سب سے زیریں لطیفہ ہے لیکن جب نفس سے اُوپر کے لطائف یعنی قلبؔ۔ روحؔ۔ سرّؔ۔ خفیؔ اور اخفیٰؔ میں انوار برستے ہیں تو آدمی محو و بے خود ہوجاتا ہے۔ جو لوگ دنیوی لذّات کی وجہ سے مذہب کی طرف راغب نہیں ہوتے ان کو معلوم نہیں کہ اس کوچہ میں دنیوی لذّات سے کئی گُنا زیادہ لذّات موجود ہیں۔ یہاں بھی حُسن وجمال کے کرشمے اور مخموریاں اور مستیاں ہیں لیکن دنیوی مستیوں سے بدرجہا زیادہ۔ محبُوبانِ مجازی محبُوبِ حقیقی کی

جمال آرائیوں اور عشوہ گریوں کا کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اذکار اور مشاغل کے علاوہ شیخِ کامل تقاریر اور گفتگو کے ذریعہ بھی مریدین کے دل و دماغ کی اصلاح کرتے ہیں۔ ان تقاریر کے دَوران وہ ایک حالتِ خاص میں ہوتے ہیں جس سے سامعین پر بھی وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ نورِ باطن سے وہ سالک کے قلب پر نگاہ ڈالتے ہیں اور اس کے اندر جو بیماری دیکھتے ہیں اس سے مخالف قسم کی کیفیت اپنے دل میں پیدا کر کے اس کا عکس یا پرتو سالک کے قلب پر ڈالتے ہیں جس سے وہ بیماری رفع ہو جاتی ہے۔ آپ نے سُنا ہو گا کہ ایک بڑھیا کے لڑکے کو گڑ کھانے کی عادت تھی جب وہ اُسے ایک بزرگ کے پاس لے گئی تو انھوں نے فرمایا :

"ایک ہفتے کے بعد آنا۔"

جب وہ ہفتے کے بعد آئی تو انھوں نے لڑکے سے فرمایا :

"گڑ مت کھایا کرو!"

اِس ذرا سی بات کا لڑکے کے دل پر بہت اثر ہُوا اور اس نے گُڑ کھانا چھوڑ دیا جب اُن سے دریافت کیا گیا کہ یہی بات پہلی مُلاقات میں کیوں نہ کہہ دی، تو انھوں نے فرمایا :

"اُس وقت میں خود گُڑ کھاتا تھا کس طرح لڑکے کو منع کر سکتا تھا!"

اس سے عام لوگ یہ معنی لیتے ہیں کہ جب تک آدمی خود کسی کام کا عامل نہ ہو تو اس کی نصیحت کا اثر نہیں ہوتا۔ لیکن اس میں جو راز ہے اس سے کم لوگ واقف ہیں۔ بات یہ ہے اس بزرگ نے لڑکے کے دل میں گُڑ کی نفرت پیدا کرنی تھی۔ اور قاعدہ ہے کہ لڑکے کے دِل میں نفرت پیدا کرنے سے پہلے گُڑ سے نفرت کی کیفیت اپنے قلب میں پیدا کر کے باطنی توجہ کے ساتھ اس کا پرتو لڑکے کے قلب پر ڈالنا تھا۔ اب جب تک خود

گُڑ سے پرہیز نہ کرتے کس طرح ممکن تھا کہ حقیقی نفرت ان کے اپنے دِل میں پیدا ہوتی اس لئے پہلے ایک ہفتہ گُڑ نہ کھانے کی مشق کی اور جب اچھی طرح ترک کر دیا تو پھر توجّہ باطنی سے لڑکے کے قلب میں گُڑ کے خلاف نفرت پیدا کی۔ یہ ہے اولیاء کرام کا رُوحانی بیماریوں کے علاج کا طریقہ۔ اور ہمیشہ اِسی طریقے سے وہ اپنے مریدوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ اس کے برعکس واعظین اور مبلّغین لمبی لمبی تقریریں کرتے رہتے ہیں لیکن اثر کچھ بھی نہیں ہوتا اور اثر کیوں کر ہو سکتا ہے وہ تو پیاسے کے سامنے پانی پر لکچر دیتے ہیں لیکن اس کے برعکس اولیاء کرام پانی پیاسے کے حلق میں ڈالتے ہیں اور وہ پانی ذکر اللہ ہے۔ اِس قسم کے علاج کی کئی مثالیں ہیں۔ ایک دفعہ بغداد میں ایک سوداگر تھا جو بہت مالدار تھا اور ہر وقت اپنے کاروبار میں مصروف رہتا تھا، حتیٰ کہ نماز تک کے لئے اس کے پاس وقت نہ تھا لوگ اُسے بہت سمجھاتے تھے کہ نماز پڑھو لیکن وہ عدیم الفرصتی کی وجہ پیش کر کے ٹال دیتا تھا۔ وہاں مسجد میں ایک فقیر رہتے تھے لوگوں نے اُن سے کہا:

"یہ شخص ہمارا کہنا نہیں مانتا آپ چل کر اس کو نصیحت کریں۔ ممکن ہے راہِ راست پر آجائے۔"

انھوں نے فرمایا:

"جب تمہارا کہنا نہیں مانتا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

لیکن جب لوگوں نے انھیں مجبور کیا تو اس کی دُکان پر تشریف لے گئے۔ وہاں جاکر انھوں نے فرمایا:

"بھائی تم نماز کیوں نہیں پڑھتے۔؟"

اُس نے کہا:

"دیکھئے، کاروبار میں مَیں کس قدر مصروف ہُوں، اَب نماز کے لئے

وقت کہاں سے لاؤں۔؟"

ان بزرگ نے دریافت کیا:

"تم رفع حاجت بھی دُکان کے اندر کرتے ہو؟"

اُس نے کہا:

"نہیں باہر جاکر کرتا ہوں!"

انھوں نے فرمایا:

"اچھّا رفع حاجت کے لئے تمہارے پاس وقت ہے لیکن نماز کے لئے نہیں ہے؟"

یہ کہا اور باطنی توجّہ بھی اس کے قلب پر ڈالی۔ اب کیا تھا وہ سوداگر وجد میں آگیا۔ کپڑے پھاڑ دیئے۔ اور اسی وقت اپنا سارا سامان لُٹا کر تن تنہا ان بزرگ کی خدمت میں جاکر رہنے لگا اور بڑے مرتبے کو پہنچا۔ وہ سوداگر حضرت سری سقطیؒ تھے اور وہ بزرگ حضرت معروف کرخیؒ تھے جو حضرت جنید بغدادیؒ کے دادا پیر ہیں۔
ایک دفعہ حضرت شاہ عبدالقدّوس گنگوہیؒ کسی گاؤں میں اپنے مریدین کے پاس تشریف لے گئے وہاں سے قریب ایک اور گاؤں میں حضرت جلال الدّینؒ درس دیا کرتے تھے اس وقت وہ طریقۂ اولیاءِ کرام کے مخالف تھے۔ ان کا ایک شاگرد تھا جو حضرت شاہ عبدالقدّوس گنگوہیؒ کا مرید تھا۔ اس نے اپنے اُستاد سے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے تاکہ میں فلاں گاؤں میں اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوں۔

انھوں نے اجازت دے دی اور طنزاً کہا:

"اپنے پخنیا پیر سے میرا بھی سلام کہنا۔"

پخنیا انھوں نے اس لئے کہا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سماع سُنتے تھے اور رقص کرتے تھے۔ جب لڑکے نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اُستاد کی طرف سے سلام عرض

کیا تو آپ نے فرمایا :

" انھیں میری طرف سے بھی سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ میرے پیر ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں ! "

جب اُس نے واپس جاکر یہ پیغام دیا تو حضرت جلال الدین پیر جو ہمیشہ تصوّف کی مخالفت کرتے تھے عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ فوراً وجد میں آگئے اور رقص کرنے لگے۔ کپڑے پھاڑ ڈالے اور جسم سے خون نکلنے لگا۔ جب افاقہ ہوا تو حضرت شیخ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ معافی حاصل کی اور مرید ہوگئے اور بڑے مرتبے کو پہنچے۔ اب اِن الفاظ میں یہ اثر کہاں سے آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بات کے ساتھ انھوں نے ان کے قلب پر بھی توجّہ ڈال دی جس سے ان کو وجد آگیا۔ اِس قسم کی مثالیں بے شمار ہیں۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اکثر صحابۂ کرامؓ کی اسی طریقہ سے فوری اصلاح فرمائی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک صحابیؓ سے فرمایا :

" آدمی کا ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جب وُہ مجھے (رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو) اپنی جان و مال اور اولاد سے زیادہ عزیز سمجھے۔ "

اس صحابیؓ نے عرض کیا :

" حضور میں اپنے اندر یہ کیفیت نہیں پاتا۔ "

آپؐ نے فرمایا :

" کیا نہیں پاتے۔؟ "

انھوں نے عرض کیا :

" حضور اَب پاتا ہوں ! "

وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم یہ کہہ کر اس کے قلب کی طرف بھی متوجّہ ہوئے اور توجّہ باطنی سے اس کے اندر فوراً وہی کیفیت پیدا کردی۔ ورنہ چشم زدن

میں اس قدر عظیم الشان تبدیلی کس طرح واقع ہوسکتی تھی۔ ایک دفعہ آپؐ نے ایک صحابیؓ کو حکم دیا:

"فلاں جگہ پر جاکر تبلیغ کرو!"

صحابیؓ نے عرض کیا:

"حضور! میرے اندر یہ اہلیت تو نہیں ہے۔"

آپؐ نے ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو وہ صحابیؓ چلّا اُٹھے:

"حضور اَب میں اپنے اندر یہ اہلیت محسوس کرتا ہُوں!"

اِس قسم کے واقعات کثرت سے احادیث میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اولیاء کرام لوگوں کے سامنے جو گفتگو فرماتے ہیں ان میں خاص اثر ہوتا ہے اور یہ اثر ہمیشہ ان کے الفاظ میں موجود رہتا ہے اور بعد میں جب لوگ ان کے ملفوظات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اُن کے قلوب پر بھی اثر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ چند شرائط کا لحاظ رکھا جائے جو بعد میں بیان کی جائیں گی۔

ملفوظات کی اہمیّت اولیاء کرام کے ملفوظات میں اس قدر برکت ہے اور وہ اس قدر سریع الاثر ہیں کہ سلوک الی اللہ میں ان کو خاص اہمیّت دی گئی ہے اور اکثر بزرگان نے ملفوظات کی نشر و اشاعت کے لئے خاص تاکید کی ہے۔ حضرت شیخ فرید الدّین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" کے مقدّمہ میں ملفوظات کی بہت اہمیّت بیان فرمائی ہے۔ آپ نے ملفوظات کے سولہ فوائد بیان فرمائے ہیں۔ خواہش مند حضرات اصل کتاب میں مطالعہ کرسکتے ہیں۔

خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ معین الدّین حسن اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"جب سیر و سیاحت کے بعد سراج الاولیاء و امام الاصفیاء حضرت خواجہ

عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر بغداد میں رہائش اختیار
کر لی تو مجھے حکم دیا کہ ہر روز چاشت کے وقت میرے پاس آیا کرو ہم
تم کو فقر کی تعلیم و ترغیب دیا کریں گے تاکہ وہ ہمارے بعد یادگار رہے
اور ہمارے فرزندوں اور مریدوں کے لئے یہ چشمہ جاری رہے۔ سو یہ فقیر
موافق فرمان واجب الاذعان کے ہر روز خدمت بابرکت حضرت خواجہ
نور اللہ مرقدہٗ میں حاضر ہوتا تھا اور جو کچھ زبان گوہر فشاں سے ارشاد
ہوتا اسے یہ فقیر قلم بند کرتا جاتا تھا۔"

چنانچہ وہ اشاراتِ حضور بتوفیق اللہ تعالیٰ اٹھائیس مجلسوں پر شامل ہیں اور نام
ان کا انیس الارواح ہے۔

محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:

"جب میں پہلی بار حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دل میں خیال کر لیا کہ جو کچھ شیخ الاسلام
کی زبان سے سنوں گا اسے قلم بند کرتا جاؤں گا۔ ابھی یہ بات میرے دل
میں گزری ہی تھی کہ حضور نے فرمایا کہ اس مرید کے لئے بڑی سعادت
ہے کہ جو کچھ اپنے پیر کی زبان سے سنے گوش ہوش اس کی طرف لگائے
اور اس کو لکھتا جائے۔ ہر حرف کے بدلے ہزار برس کی طاعت کا ثواب
اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور مرنے کے بعد علیین میں جگہ
پاتا ہے۔"

چنانچہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے اپنے شیخ کے ملفوظات جمع کئے اور ان کا نام راحتہ
القلوب رکھا۔ اسی طرح حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ نے اپنے
شیخ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین رضی اللہ عنہ کے ملفوظات جمع

جمع کئے ہیں۔ جن کا نام دلیل العارفین ہے۔ حضرت خواجہ فریدالدّین گنج شکر رضی اللہ عنہ نے جو ملفوظات اپنے شیخ خواجہ قطب الدّین والحق رضؓ کے جمع کئے ہیں ان کا نام فوائد السالکین ہے۔ حضرت امیر خسروؒ نے بھی اپنے شیخ حضرت محبوبِ الٰہی رضؓ کے ملفوظات جمع کئے ہیں جن کا نام راحتہ المحبین اور افضل الفوائد ہے۔ حضرت مولانا بدر الدّین اسحٰقؒ داماد حضرت گنج شکر رضؓ نے بھی آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں نام ان کا اسرار الاولیاء ہے۔ حسن سنجریؒ نے جو ملفوظات اپنے شیخ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے جمع کئے ہیں ان کا نام فوائد الفوّاد ہے۔ کسی اللہ کے بندے نے ان سب کتابوں کو یکجا جمع کرکے پنج گنج کے نام سے طبع کرایا ہے۔ جو عام طور پر ملتی ہے۔ یہ تمام ملفوظات الگ الگ بھی شائع ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ و دیگر حضرات نے قطبِ عالم حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحؒ کے ملفوظات جمع کئے ہیں جو شمائم امدادیہ کے نام سے طبع ہو چکے ہیں۔ مولانا تھانویؒ نے ان ملفوظات پر حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں جو کتاب امداد المشتاق کی شکل میں طبع ہو چکے ہیں۔ حضرت مولانا جلال الدّین رومی رضؓ کے ملفوظات بھی فیہ ما فیہ کی صورت میں محفوظ ہیں۔ ہمارے حضرت اقدسؒ نے اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ وارث حسن صاحبؒ کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ اس کتاب کا نام شمامۃ العنبر ہے اور محفلِ ذوقیہ کراچی سے مل سکتی ہے۔

ہمارے حضرت اقدسؒ کے ملفوظات بھی آپ کے حکم سے لکھے گئے ہیں جب یہ احقر حضرتؒ کی خدمتِ اقدس میں اجمیر شریف میں (جون ۱۹۴۰ء میں) حاضر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"ایک کاپی بنا لو اور جو کچھ ہم کہتے جائیں لکھتے جاؤ!"

چنانچہ اسی روز سے اس بندۂ ناچیز نے جب بھی موقعہ باریابی کا نصیب ہوا شمس العارفین کے ملفوظات قلم بند کرنا شروع کر دیئے اور حضرت کے یومِ وصال (۹ ر ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۱ ستمبر ۱۹۵۱ء) تک تحریر کرتا رہا۔ اور یہ ملفوظات کتاب ہٰذا میں طبع کرائے گئے ہیں۔

دورِ حاضر میں حضرتِ اقدسؒ کے ملفوظات کی اہمیت

حضرتِ اقدسؒ کی جامعیت کا مختصر ذکر تو مقدمہ کے شروع میں ہو چکا ہے۔ اب آپکی خصوصیات کو ذرا وضاحت سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ قارئین آپ کے کمالات اور عُلوِ مرتبت سے آگاہ ہو کر ملفوظات سے کماحقہ فائدہ حاصل کریں۔

۱۔ دنیوی معاملات میں مستعدی

دُنیا داری کے معاملہ میں آپ کا وہی مسلک تھا جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ کا تھا۔ باہمہ اور بےہمہ کے مصداق آپ دُنیا میں رہتے ہوئے دُنیا سے بیزار تھے۔ آپ فرماتے تھے:

"انسان کا کمال اسی میں ہے کہ دُنیا میں رہ کر خواہشاتِ نفس کا شکار نہ ہو۔ جو شخص لوگوں سے کنارہ کر کے جنگلوں اور پہاڑوں میں سکونت اختیار کرتا ہے اس کی کیا بہادری ہے۔ بہادری تو یہ ہے کہ دُنیا کے لالچ کے باوجود لالچ سے مغلوب نہ ہو۔ انسان کے لئے یہی دُنیا معرکۂ عمل اور جولانگاہ ہے۔ جولانگاہ کو چھوڑ کر بھاگ جانا بزدلی ہے۔"

آپ نے تمام مریدین کو یہی تعلیم فرمائی اور یہ عینِ اسلام ہے۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ جب کوئی مرید ترکِ دُنیا اور عزلت کی اجازت طلب کرتا تو آپ فرماتے تھے:

"ہم تمھیں سلوکِ محمدیؐ طے کرا رہے ہیں نہ کہ سلوکِ عیسویؑ۔"

اس اصول کے تحت آپ کی دنیوی زندگی قابلِ رشک اور مکمل نمونہ تھی۔ آپ ہمیشہ نہایت صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ کپڑوں کو اس احتیاط سے رکھتے تھے کہ کسی دن یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ جوڑا اُجلا نہیں ہے۔ لباس کی صفائی کے ساتھ صفائی جسم اور صفائی مکان کا بھی پورا اہتمام فرماتے تھے۔ کمرے کے اندر ہر چیز قرینہ سے رکھتے تھے اور جب کوئی چیز مثلاً قلم۔ پنسل چشمہ یا کتاب استعمال کے لئے اٹھاتے تو ضرورت پوری ہونے کے بعد پھر اسی طرح اُسے اپنے مقام پر احتیاط کے ساتھ رکھتے۔ بیٹھنے کے کمرہ میں تمام سامان از قسم۔ کاغذ، قلم، دوات، سیاہ اور رنگدار پنسل ٹیگ۔ پن۔ قینچی۔ چاقو۔ گوند۔ کلینڈر۔ خط لکھنے کے کاغذ اور لفافے۔ خطوط تولنے کے لئے چھوٹا سا سکیل (SCALE) سب چیزیں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ ٹائپ رائٹر (مشین ٹائپ) بھی رکھتے تھے۔ اور ٹائپ کرنا اچھی طرح جانتے تھے۔ پختگیٔ تحریر کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کوئی ادق سے ادق مضمون لکھنا چاہتے تو کاغذ مشین پر چڑھا کر فوراً ٹائپ کرنا شروع کر دیتے اور جب مضمون ختم کر کے کاغذ نکالتے تو "کاما" تک کی غلطی نہ ہوتی۔ آپ کے کتب خانہ میں ہر قسم کی کتابیں تھیں یہاں تک کہ مختلف سائنٹیفک علوم کے متعلق بھی کئی کتابیں موجود تھیں۔ تمام کتابوں کو نہایت سلیقے سے رکھتے تھے۔ ہر کتاب کے اوپر کاغذ کا کور (COVER) لگاتے تھے اور اس پر کتاب کا نام نہایت خوش خط لکھتے تھے۔ اکثر آپ کا دستور یہ ہوتا تھا کہ جس کتاب کا انڈکس (اشاریہ) نہیں ہوتا تھا اس کیلئے آپ خود انڈکس تیار کر لیتے تھے۔ بعض اہم کتابوں کا خلاصہ بھی آپ بنا کر رکھ لیتے تھے۔ آپ کے پاس کئی بڑے بڑے قلمی بیاض تھے۔ اُن میں سے ایک اشعار کے لئے مخصوص تھا۔ جو اشعار یا غزلیات آپ کو پسند آتے تھے اس بیاض میں لکھ لیتے تھے۔ دوسرا بیاض اقوالِ بزرگان اور اقتباساتِ کتب کے لئے تھا۔ مطالعۂ کتب کے بعد ان میں سے ضروری اقتباسات لے لیتے تھے۔ اسی طرح ایک بیاض عملیات کے لئے مخصوص تھا۔

جہاں تک خطوط کا تعلق ہے آپ تقریباً ہر خط کا جواب دیتے تھے اور بعض اوقات اپنے جوابات کی نقل بھی رکھ لیتے تھے۔ چنانچہ قائدِ اعظم، پکتھال، حبیب اللہ لوگرو اور دیگر اہم شخصیتوں کو جتنے خط لکھے ان کی نقول موجود ہیں۔ آپ ہمیشہ ڈائری لکھا کرتے تھے۔ روزمرہ کے خاص واقعات باقاعدگی سے ڈائری میں درج کرتے تھے۔ اور باقاعدگی اور پابندیٔ اصول کا یہ عالم تھا کہ پوری عمر کی ڈائری اس وقت نہایت صاف ستھری حالت میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے پاس ایک رجسٹر تھا جس میں تمام دوستوں اور متعلقین کے پتے (ADDRESSES) درج تھے۔ ایک اور فہرست تھی جس میں تمام دوستوں کے نام درج تھے۔ ایک علیحدہ فہرست میں دوست نہیں صرف واقفیت رکھنے والے اصحاب کے نام درج ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت کی دنیوی زندگی کس قدر باضابطہ اور باقاعدہ تھی۔ آپ فرماتے تھے:

"جس شخص کی دُنیا اچھی نہیں اس کا دین کیسے اچھا ہو سکتا ہے۔"

۲۔ توکّل علی اللہ لیکن دُنیاوی امور کو اس احسن طریق پر انجام دینے کے باوجود آپ حُبِ دنیا اور حُبِ جاہ سے سخت بیزار تھے۔ خدا کے سوا کسی سے کوئی اُمید، طمع اور خوف نہیں رکھتے تھے۔ سلوک میں قدم رکھنے کے بعد ساری زندگی توکّل علی اللہ میں بسر کی اور حصولِ معاش کے لئے کبھی کوئی کوشش نہیں کی۔

پاکستان بننے کے بعد جب کراچی تشریف لائے تو باوجودیکہ قائدِ اعظم اور گورنر سندھ (غلام حسین ہدایت اللہ) دوست تھے۔ دیگر وزراء اور امراء معتقد تھے لیکن رہنے کے لئے مکان تک کسی سے طلب نہ کیا چہ جائیکہ فیکٹریاں اور رقبہ جات الاٹ کراتے۔ انسان تو انسان آپ دُنیا کی کوئی چیز خُدا سے بھی طلب نہیں کرتے تھے۔ اس معاملہ میں آپ کا نظریہ یہ تھا کہ جب ہم ایک ایسے عظیم الشان شہنشاہ کے مہمان ہیں جو بے مانگے دیتا ہے تو پھر کیوں اُس سے کوئی چیز طلب کریں۔ جب وہ بے طلب عطا

کرتا ہے تو طلب کرنا بے ادبی ہے۔ اگر بادشاہ سے کچھ طلب کرنا ہے تو اس کی شان کے مطابق طلب کیا جائے۔ بادشاہ سے پیسے اور کوڑیاں طلب کرنا اس کی بے ادبی ہے اللہ سے اگر کچھ طلب کرنا ہے تو اُسی کو اُس سے طلب کیا جائے۔ جب وہ ہمارا ہے تو سب کچھ ہمارا ہے لیکن اس کو اس لئے طلب نہ کیا جائے کہ سب کچھ ہمارا ہو جائے بلکہ اُس کو اُسی کی خاطر طلب کیا جائے۔ باقی جو کچھ ملے گا ضمناً ملے گا۔

۳۔ گنہگاروں پر شفقت | زاہدانِ خشک کی طرح آپ گنہگاروں اور خطاکاروں پر سخت گیری نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اُن کے ساتھ کمالِ شفقت سے پیش آتے تھے۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ وہ ڈاکٹر ہی کیا جو بیماروں سے اجتناب کرے یا اُن پر غصہ ہو مصیبت میں تو شفقت اور نرمی (RELIEF WORK) کی ضرورت ہوتی ہے۔ علاج کا طریق بھی آپ کے ہاں نرالا تھا آپ اکثر لوگوں کو ان کی بعض کمزوریوں پر براہِ راست تنبیہہ نہیں فرماتے تھے بلکہ باطنی توجہ سے بیماری کی اصلی وجہ کو نکال دیتے تھے۔ علامات خود بخود رفع ہو جاتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ کی ایک مریدہ نے جو پردہ نہیں کرتی تھیں اور بال کٹواتی تھیں۔ عرض کیا:

"اگر آپ چاہیں تو میں بُرقعہ پہن لوں اور بال کٹوانا بند کر دوں۔"

آپ نے فرمایا:

"فکر مت کرو، ہم جڑ کاٹ دیتے ہیں۔"

آپ کے اس روّیہ کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مریدین پر آپ کی کوئی بات گراں نہیں گزرتی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ان کی اصلاح بھی ہو جاتی تھی۔

۴۔ کمالِ عرفان اور شانِ بقائیت | عرفان کے میدان میں آپ کا مقام اس قدر بلند تھا کہ جس کی مثال متاخرین میں بہت کم ملتی ہے۔ آپ دُنیا میں حُسن ہی حُسن دیکھتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"دُنیا کی کوئی چیز خواہ بُری ہو یا بھلی حُسن اور حکمت سے خالی نہیں ہے۔"

آپ ہر چیز کا مرتبہ پہچانتے تھے اور اس کا حق ادا کرتے تھے۔ اِس معاملہ میں آپ اکثر حضرت مولانا جامیؒ کے مندرجہ ذیل شعر کا حوالہ دیتے تھے ؎

ہر مرتبہ ز وجود حکمے دارد ؛ گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

آپ فرمایا کرتے تھے :

"دُنیا میں شرِ محض کا وجود نہیں ہے۔ اشیاء کے مختلف اِستعمال سے خیر و شر وجود میں آتا ہے۔"

اس لحاظ سے آپ ہر چیز کی قدر کرتے تھے۔ آپ بُری چیز کے استیصال کے حق میں نہیں تھے بلکہ آپ فرماتے تھے :

"بہترین حکمتِ عملی یہ ہے کہ بُری چیز کے زور کو توڑ کر اس سے قوّتِ تخریب چھین لی جائے۔ اُسے بالکل معدوم کرنا حکمتِ ازلی کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو کسی نہ کسی حکمت کی بنا پر پیدا کیا ہے۔"

اکثر بزرگان ہر کام میں احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہیں اور خیر و شر کے درمیان جو باریک لائن (LINE OF DEMARCATION) ہے۔ اُس سے کافی دُور ہو کر چلتے ہیں تاکہ لڑکھڑا کر دُوسری جانب نہ گر جائیں لیکن حضرت اقدسؒ بقا باللہ میں وہ مقام رکھتے تھے کہ عین اُسی لائن پر جاتے تھے اور چلتے نہیں دوڑتے تھے۔ اس اجمال کی تفصیل قارئین کرام حضرتؒ کے ملفوظات متعلق بہ اختلافی مسائل مثلاً پردہ، فوٹوگرافی، سماع، زیارتِ قبور وغیرہ میں پائیں گے۔

جب آپ کو کوئی تکلیف ہوتی تو آپ اس کا اظہار کرتے لیکن آپ کا یہ اظہار بے صبری کی وجہ سے نہ ہوتا تھا بلکہ اس میں اور راز پوشیدہ ہے۔ عرفاء کا قول ہے کہ جو بزرگ

تکلیف کی حالت میں ہائے ہائے کرے اس کا عرفان اس سے بڑھا ہوا ہوتا ہے جو خاموش رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں سے محبت کی وجہ سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں۔ اب اگر وہ اس محبوبانہ چھیڑ چھاڑ کا جواب خاموشی سے دیں، تو سارا کھیل بگڑ جاتا ہے۔ اس لئے وہ شور مچاتے ہیں اور آہ و بکا کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص چھوٹے بچے کو ہنسی مذاق کی خاطر چھیڑتا ہے یا اس کے چٹکی لیتا ہے تو بچے کے شور مچانے سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اگر بچہ خاموش بیٹھا رہے تو اُسے لطف نہیں آتا اور سارا کھیل بے معنی ہو جاتا ہے ؎

تا نہ گرید کودکِ حلوہ فروش ؛ بحرِ بخشائش نمے آید بجوش

۵۔ عشقِ الٰہی عشقِ الٰہی میں حضرتؒ بالکل ڈوبے ہوئے تھے۔ ہر کام اللہ کی خاطر کرتے تھے اور ہر فعل میں اللہ کی رضاجوئی مطلوب تھی۔ اور یہی مومن کا خاصہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط آیہ مبارک اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے آپ صحیح نمونہ تھے۔ آپ کے ہر قول و فعل سے فدائیت و جانبازی اور تسلیم و رضا کے جذبات ٹپکتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

> "بعض لوگ اللہ تعالیٰ۔ رسول اللہ صلعم اور خواجہ غریب نوازؒ سے اس لئے محبت کرتے ہیں کہ ضرورت کے وقت کام آتے ہیں اور مصیبت میں امداد کرتے ہیں۔ یہ بھی نفسانیت ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ بلا غرض اور بے لوث محبت کرے۔"

بہشت اور حور و قصور کی خاطر عبادت کرنے والوں کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے:

> "وہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اِس قدر پارسائی کے باوجود بھی وہ اپنے

نفس کا طواف کر رہے ہیں۔"

اس مضمون کو مرزا غالب نے کیا ہی اچھی طرح ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ

دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

اِس سلسلہ میں خواجہ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

باغِ بہشت و سایۂ طوبیٰ و قصر و حُور

با خاکِ کوئے دوست برابر نمے کنم

قصرِ جنّت دیر و کعبہ جملہ را کردم عدم

جلوہ گاہِ ساقیم را بارگاہے ساختم (نظامیؒ)

آپ فرماتے تھے:

"ہم دوزخ سے نہیں ڈرتے۔ اگر وہ ہمیں دوزخ میں ڈال کر خوش ہوتے ہیں تو ہم خوشی سے دوزخ میں جانے کے لئے تیار ہیں۔ ہمیں اپنی خوشی مطلوب نہیں ہے۔ ہماری خوشی اس میں ہے کہ وہ خوش ہو جائیں۔"

۶۔ وسعتِ ظرف | وسعتِ ظرف کا یہ عالم تھا کہ آپ ہمیشہ تمکین اور استقامت سے رہتے تھے۔ اور کبھی "مغلوب الحال" نہیں ہوتے تھے۔ یہ شانِ بقائیت ہے۔ جو حضرات تلوین کے مقام میں ہوتے ہیں اُن پر اکثر کیفیات کا غلبہ رہتا ہے۔ اور یہ فنائیت فی اللہ کا خاصّہ ہے۔ لیکن جب فنائیت سے گذر کر مقام بقا باللہ میں پہنچتے ہیں تو کیفیات پر غلبہ پا لیتے ہیں اور مسندِ تمکین و ارشاد پر متمکن ہوتے ہیں۔ اس مقام پر ان کو "ابوالحال" کہتے ہیں۔ قوالی میں یا مزارات کی حاضری کے وقت خواہ کیفیات اور ذوق و شوق کا کتنا ہی غلبہ ہو آپ دریا پر دریا نوش کئے جاتے تھے لیکن سمندر کی طرح خاموش

اور پُر سکون رہتے تھے۔ اس مضمون کو حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ (کوٹ مٹھن شریف۔ بہاولپور) نے خوب ادا کیا ہے ؎

(اگرچہ، ہوتے ہوئے، ہیں، ہیں)
تونے جو دریا نوش ہِن۔ پُر جوش تھی خاموش ہِن

(کے، خاموش، ماریں، ڈینگ)
اسرار دے سر پوش ہِن۔ صامت رِہن مارن نہ بک

یعنی اگرچہ وہ دریا نوش ہیں جوش سے بھرے ہوئے ہیں لیکن خاموش ہیں۔ اسرارِ الٰہی کے خزانے ہیں ثابت قدم اور پُرسکون رہتے ہیں اور راز فاش نہیں کرتے۔

آپ فرمایا کرتے تھے:

"مغلوب الحال ہونا کمزوری کی علامت ہے۔ آدمی کو چاہیئے کہ پیتا رہے اور مست نہ ہو کیوں کہ غلبۂ حال سے ترقّی رُک جاتی ہے۔ جب تک کہ دی ہوئی غذا ہضم نہ کرلے مزید کچھ نہیں ملتا۔ الحلاجؒ کا نعرۂ انا الحق اگرچہ درُست تھا لیکن عرفاء کاملین نے اسے پسند نہیں کیا۔"

۷۔ کشف وکرامات سے اجتناب عروج ونزول۔ آفاق وانفس اور اسماء وصفات کی دائمی سیر کے باوجود آپ کشف وکرامات کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ کشف وکرامات آپ کے نزدیک بھان متی (بازی گری) سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ اور اس قسم کے شوق کو آپ چٹوراپن کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ آپ کا مسلک یہ تھا کہ ہر وقت طالبِ مولیٰ رہنا چاہیئے اور کشف کے پیچھے نہیں دوڑنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے طرح طرح کے حجابات حائل ہوجاتے ہیں۔ اور مزید ترقّی بند ہوجاتی ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"حجابات کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ شروع کے حجابات کو حجاباتِ ظلماتی کہتے ہیں۔ یہ معصیت کی وجہ سے اللہ اور بندہ کے درمیان حائل ہوتے ہیں۔ دوسری قسم کے حجاب کو حجاباتِ نورانی کہتے ہیں۔ یہ کشف وکرامات کی

وجہ سے ہوتے ہیں۔ جب سالک کیفیت میں مستغرق ہو کر آگے
نہیں بڑھ سکتا تو اس حالت کو حجاباتِ کیفی کے نام سے موسوم کیا
جاتا ہے۔"

آپ کا قاعدہ تھا کہ مریدین کو کشف نہیں ہونے دیتے تھے۔ اور ان کی آنکھیں بند کر کے آگے لے جاتے تھے۔ کیوں کہ آپ فرماتے تھے:

"اگر سالک کو اپنے مقام کا علم ہو جائے تو اس کی رفتار سست پڑ جاتی
ہے اور بسا اوقات ترقی بالکل رُک جاتی ہے۔"

تصوف کی اصطلاح میں اس قسم کی رفتار کو طَیر کہتے ہیں اور رفتار کے دوران میں کشف و کرامات جاری رہیں تو اسے سَیر کہتے ہیں۔ آپ کے نزدیک طَیر افضل ہے سَیر سے۔ کیوں کہ طَیر میں سالک کی آنکھیں بند ہوتی ہیں اور پردہ ہائے نورانی حائل نہیں ہونے پاتے۔ یہ یاد رہے کہ اس طور پر سلوک طے کرانا بڑے بڑے عالی مقام مشائخ کا کام ہے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ یہ کام جنیدؒ اور بایزیدؒ جیسے اکابر اولیاء سرانجام دیتے ہیں۔ حضرت اقدسؒ فرمایا کرتے تھے:

"ہم جن مریدین کو بہت اُوپر لے جانا چاہتے ہیں۔ ان کی آنکھیں بالکل
بند کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بلند مقامات پر پہنچ جاتے ہیں اور انھیں
خبر تک نہیں ہوتی کہ ہم بھی کچھ ہیں۔"

حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت ابوبکر شبلیؒ کو بھی اسی نوع پر سلوک طے کرایا تھا۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی خاص بات ہے۔ لیکن اس کے باوجود کمزور مریدین کو سہارا دینے کے لئے آپ گاہے بگاہے اُن کی آنکھیں کھول دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"جن لوگوں کو کشف کی ضرورت نہیں ہم ان کو کشف دے کر مفت میں
زیر بار نہیں کرتے ہاں جن کو اس بات کی ضرورت ہے انھیں دکھا دیتے

ہیں تاکہ آگے چل سکیں۔"

یہ عام ظاہری اصول ہے۔ لیکن باطناً ہر مرید پر بالعموم اور سالکین پر بالخصوص آپکی کرامات رُوحانی توجہ اور انوار و برکات روز روشن کی طرح ظاہر تھے۔ سالکین کے قلوب پر ہر لحظہ اور ہر لمحہ آپ کی توجّہات اور انوار کی برسات رہتی ہے اور یہ بات توسلوک کا جزو ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں۔ یہ بات آپ کے وصال کے بعد بھی جاری ہے۔

۸۔ جذبۂ جہاد اگرچہ بظاہر آپ ضعیف تھے۔ لیکن بباطن آپ ایک بہت بڑے جرنیل کا دِل رکھتے تھے۔ کم تعداد اور کمیِ سامان کے متعلّق آپ بالکل فکرمند نہیں تھے۔ اور ہمیشہ اللہ کی استعانت اور قوّت پر بھروسہ رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے:

"شُکر ہے کہ ہم تعداد میں بھارت سے کم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کم تعداد والوں ہی کے لئے مژدۂ فتح دیا ہے۔

وَكَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً م بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ (بقرہ - ۲۴۹)	بارہا ایسا ہُوا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی۔ اور اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔"

فتحِ ممالک اور شوکتِ پاکستان کے متعلّق آپ کے متعدّد مشاہدے اور پیشینگوئیاں درج ملفوظات ہیں۔ اور آپ کے ملفوظات جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے لبریز ہیں۔

۹۔ پاکستان بنانے میں آپ کا ہاتھ یہ بات عام لوگوں کو معلوم نہیں ہے لیکن خواص جانتے ہیں کہ پاکستان بنانے والے بظاہر قائدِ اعظم اور بباطن آپ تھے۔ بات یہ ہے کہ عہدِ قدیم سے فتح ہندوستان میں حضراتِ چشتیہ رضہ کا بہت بڑا حصّہ ہے۔

جب سُلطان محمود غزنوی سومنات کے فیصلہ کن معرکہ میں مصروف تھے۔ تو اس وقت ان کی پُشت پر حضرت خواجہ ابُو محمدؒ محترم چشتیؒ تھے جو آپ کی فوج کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور سومنات اور دیگر اہم مقامات فتح کرائے۔ اس کے بعد خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ معین الدّین حسن سنجریؒ کو حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے ہندوستان سُپرد ہوا اور آپ کی زیرِ سرپرستی محمّد غوری نے اس وقت کے والیٔ ہند راجہ پرتھوی راج کو ختم کیا۔ بعد میں راجپوتوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں علاؤالدّین خلجی اور دیگر فاتحین کی پُشت پر متعدّد چشتی حضرات تھے۔ ان میں حضرت خواجہ شمس الدّین ترکؒ قابلِ ذکر ہیں۔ اسی وجہ سے حضرتِ اقدسؒ اکثر فرمایا کرتے تھے:

"ہندوستان چشتیوں کا ورثہ ہے۔"

اس کے بعد سلاطینِ اسلام کا دَور شروع ہوگیا۔ اور عہدِ مغلیہ کے بعد جب ہندوستان مُسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا تو قطبِ عالم حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے انگریزوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا جس کے نیچے آپکے مریدین اور متعلقین کافی عرصہ تک لڑتے رہے۔ ان میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور مولانا محمّد قاسم صاحبؒ بانیٔ مدرسہ دیوبند جیسے اکابر اولیاء بھی تھے۔ حضرت شیخ المشائخ حاجی صاحبؒ کے وصال کے بعد یہ کام آپ کے خلیفہ شیخ الہند حضرت محمود الحسن صاحبؒ کے سُپرد رہا۔ جب آپ قیدِ مالٹا سے واپس آئے تو ہمارے حضرت کے شیخ حضرت مولانا وارث حسن صاحبؒ کے ہاں تشریف لائے اور ایک ہفتہ تک دونوں حضرات ایک کمرہ کے اندر خلوت میں رہے اور اسی وقت ہندوستان کے چارج کی لین دین ہُوئی۔ اس مُلاقات کے ایک ہفتہ بعد حضرت شیخ الہندؒ کا وصال ہوگیا اور باگ ڈور حضرت مولانا وارث حسنؒ کے ہاتھ میں رہی۔ سال ۱۹۳۶ء میں

آپ کے وصال کے بعد ہمارے حضرتِ اقدسؒ آپ کے جانشین ہوئے اور سیاستِ ہند کو ہاتھ میں لیا۔ اس سلسلہ میں حضرتِ اقدسؒ کا وہ مشاہدہ جو آپ کو حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی معیت میں ہوا (درجِ ملفوظات ۱۹۹ع ہے) اور آپ کا وہ رویائے صادقہ جو آپ نے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے مزار پر دیکھا (درجِ ملفوظات ۳۷۴ع) معنی خیز ہیں۔ خیر یہ تو عالمِ بطون کی باتیں ہیں۔ ظاہر میں بھی حضرتؒ سیاستِ ہند میں عملی حصہ لیتے رہے اور قائدِ اعظم سے خط وکتابت اور ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ مؤخر الذکر کا حضرتؒ سے تعلق اس قدر گہرا ہو گیا کہ جب کسی شہر میں حضرت کی طرف سے ان کو اطلاع ملتی تو آپ سے ملاقات کرنا قائدِ اعظم کا پہلا کام ہوتا۔ آپ اکثر ان کو خط وکتابت کے ذریعہ بیش بہا مشورے ارسال کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب پنجاب میں سکندر حیات خاں اور بنگال میں فضل الحق قائدِ اعظم کو تکلیف دے رہے تھے تو حضرت نے ان کو یہ مختصر لیکن معنی خیز تار دیا:

"SMASH MISCHIEVOUS AND
FORGIVE FOOLS"

یعنی شریروں کو کچل ڈالو اور بے وقوفوں کو معاف کر دو!

غرضیکہ آپ ظاہراً اور باطناً ملک کی سیاست میں برابر حصہ لیتے رہے۔ آپ اجمیر شریف کی طرف سے مسلم لیگ کونسل کے ممبر بھی تھے، اور جب کبھی میٹنگ میں جاتے تو لوگوں کے قلوب پر انقلابی توجہ ڈال کر انھیں خوب مشتعل کر دیتے۔ ایک دفعہ شاید سال سنہ ۱۹۴۲ء میں جب آپ کونسل کے اجلاس میں شرکت کی خاطر دہلی تشریف لے گئے تو واپسی پر فرمایا:

"ہم کھلی آنکھوں سے لوگوں کے قلوب کی طرف متوجہ رہے اور ان کے اندر جذبۂ جہاد پیدا کر دیا۔"

چنانچہ جب ظفر علی خاں تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو انھوں نے نہایت جوش سے کہا

"اب ہم کچھ نہیں چاہتے۔ ہم مرنا چاہتے ہیں۔ جب مریں گے تو پہلے اوروں کو مار کر مریں گے!"

آپ نے پریس کے ذریعہ بھی لوگوں کی بہت رہنمائی فرمائی۔ آپ کے مضامین اکثر منشور و دیگر جرائد میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ جواب "مضامینِ ذوقی" میں یکجا طبع ہو چکے ہیں۔

پاکستان بن جانے کے بعد بھی آپ کا کام ختم نہ ہوا، اور ملک کی تعمیر و ترقی میں گہری دلچسپی لیتے رہے۔ اِس سلسلہ میں آپ کی زیرِ سرپرستی ایک انگریزی ہفتہ وار اخبار 'PEOPLES VOICE' (آوازِ خلق) شروع ہو گیا جس میں حضرت کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ یہ بہت بلند پایہ اخبار تھا لیکن چند وجوہات کی بنا پر کچھ عرصہ کے بعد بند ہو گیا۔ (یہ مضامین "مضامینِ ذوقی" انگریزی میں محفوظ ہیں۔)

ویسے ظاہری طور پر تو آپ کراچی میں قائدِ اعظم کے پاس کبھی نہ گئے لیکن ان کے خاص آدمیوں نے رات کے وقت کئی دفعہ حضرت کو قائدِ اعظم کی کوٹھی کے اندر دیکھا اور اُن سے شکایت کی:

"بغیر اجازت ایک سفید پوش، سفید رنگ اور سفید ریش بزرگ کوٹھی کے اندر داخل ہو جاتے ہیں!"

قائدِ اعظم نے جواب دیا:

"تمہارا کام ہے ان کو پکڑو!"

وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ بزرگ آئے۔ جب ہم ان کو پکڑنے کی خاطر آگے بڑھے تو وہ دیوار کے اندر گم ہو گئے۔

۱۰۔ ادبی ذوق جہاں تک خالص ادب اور صحافت کا تعلّق ہے آپ نے مرید ہونے سے قبل اور بعد اِسلامی لٹریچر اور اِسلامی تمدّن اور معاشرے کی خوب خدمت کی اور مُلک کی فلاح و بہبود کے لئے کافی جدوجہد کی۔ آپ کی ادبی سرگرمیوں کو اچھی طرح وہ لوگ جانتے ہیں جو اس وقت آپ کے شریکِ کار تھے۔ لیکن افسوس ہے ایسے حضرات اَب صفحۂ ہستی پر بہت کم ہیں۔ چونکہ آپ شہرت اور پبلسٹی کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس لئے آپ کی سوانحِ حیات کے متعلّق کم معلومات ہیں۔ بہرحال جو کچھ کبھی کبھی آپکی زبانِ گوہر فشاں سے سُن لیا جاتا تھا، اس سے ظاہر ہے کہ آپ بڑی مدّت تک اِس کام میں سرگرم رہے اور کافی کامیابی حاصل کی۔ آپ کے زمرۂ احباب میں سے چند حضرات حسب ذیل ہیں:

اکبرؔ الہ آبادی، ڈاکٹر اقبال، قائدِ اعظم، ابُوالکلام آزاد۔ (ابتدا میں) سر عبدالقادر، جسٹس شاہ دین چیف جج ہائی کورٹ لاہور۔ مولانا محمّد علی، مولانا شوکت علی، خواجہ حسن نظامی، سر غلام حسین ہدایت اللہ گورنر سندھ اور چودھری خوشی محمّد ناظر (مصنّف نظم جوگی)۔

شاید سب سے پہلے حضرت نے صُوبہ سندھ میں اخبار "الحق" شروع کیا۔ یہ اخبار جو بہت بلند پایہ تھا بہت مقبول عام ہُوا اور اس کی بدولت سندھ میں بے شمار اصلاحات عمل میں آئیں۔ حکّام پر بھی اخبار کا بہت اثر تھا۔ یہاں تک کہ خود چیف کمشنر (گورنر) بھی مرعوب تھے اور اخبار کے وقار اور ہر دلعزیزی کے باعث حضرت اقدسؒ کی بہت قدر کرتے تھے اور اخبار کی رائے کے مطابق اکثر عمل کرتے تھے۔ چونکہ آپ کا رویّہ حق پر مبنی تھا اس لئے خوب بے باکی سے لکھتے تھے اور جو کچھ لکھتے تھے اس کا عوام اور حکومت پر بہت اثر ہوتا تھا۔ مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج تک یہ مصرع زبان زدِ ہر خاص و عام ہے ؏

حق جتانے کے لئے حق۔ حق نے پیدا کر دیا

الحق کی کاپیاں اب تک بعض لوگوں کے پاس تبرکاً موجود ہیں "الحق" کے علاوہ لاہور میں آپ جریدۃ " وکیل " اور کئی اور اخباروں اور رسالوں کی اشاعت میں شریکِ کار رہے۔ جرنلزم میں آپ کی اس قدر شہرت ہوگئی تھی کہ شاہ جارج پنجم جب پرنس آف ویلز (PRINCE OF WALES) کی حیثیت سے سال ۱۹۰۶ء میں ہندوستان کے دورہ پر آئے تو چند مخصوص صحافیوں کو شہزادہ کے ساتھ دورہ پر رہنے کے لئے منتخب کیا گیا، آپ بھی ان میں شامل تھے۔

مرید ہوکر سلوک تمام کرنے کے بعد آپ نے اپنے شیخ کی سرپرستی میں بمبئی سے ایک ماہوار رسالہ موسوم بہ " انوار القدس " جاری کیا جس کے ذریعہ رُوحانیت اور تصوّف کی کافی خدمت ہوئی، اور لوگوں کے درمیان تصوّف کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں ان کا کافی حد تک ازالہ ہوگیا۔ " انوارُ القدس " کے اکثر مضامین " سرِّ دلبراں " میں شائع ہو چکے ہیں۔

۱۱۔ تصانیف

حضرتؒ کے مختلف مضامین کو جمع کر کے اَب طبع کرالیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام " مضامینِ ذوقی " ہے۔ اسکے دو ایڈیشن ہیں ایک انگریزی اور ایک اردو۔ اس کے علاوہ حضرتؒ کی تصوّف و رُوحانیت میں معرکۃ الآرا کتاب " سرِّ دلبراں " بھی شائع ہو چکی ہے جو اِس نوعیت کی پہلی کتاب ہے اس سے قبل اس مضمون پر اتنی بسوط کتاب کسی زبان میں نہیں چھپی۔ مختصراً یہ کہ یہ کتاب تصوّف کا اِنسائیکلوپیڈیا (ENCYCLOPEDIA) ہے۔ ان کے علاوہ آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

کتب سماوی پر ایک نظر۔ برزخ۔ بادہ وساغر (رُوحانی ناول)۔
القا الہام وحی۔ نیو سرچ لائٹ آن ویدک ایرینز (انگریزی)

(NEW SEARCHLIGHT ON VEDIC ARYANS)

صُوفی ازم (انگریزی) وغیرہ۔

اسی "صُوفی ازم" کی ایک گونج انگلستان پہنچی جس نے حبیب اللہ لوگرو (LOVEGROVE) کو گرویدہ بنا کر انھیں رُوحانی دولت سے مالامال کیا۔

ترتیبِ ملفوظات

حضرت اقدسؒ کے ملفوظات اسی ترتیب سے شائع کئے گئے ہیں جس ترتیب سے بیان ہوتے ہیں۔ دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر مضمون کے ملفوظات کو یکجا کر کے طبع کرایا جاتا ہے۔ لیکن احقر نے اوّل الذکر طریق کو ترجیح دی۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ جس موضوع پر اور حاضرین کے جس حال اور کیفیت کے مُطابق حضرتؒ نے گفتگو فرمائی اس سے قارئین آگاہ ہو جاتے ہیں اور اپنے حالات اور کوائف کو اُن پر تطبیق دے کر مفہوم کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ تکرار یعنی ایک بات کے بار بار ذِکر ہونے کو حتی الامکان خارج کر دیا گیا ہے لیکن بعض مقامات پر جہاں تکرار سے نئے معانی اور نئے مطالب ظاہر ہوتے ہیں تکرار کو رہنے دیا ہے۔ تکرار کے متعلق حضرت اقدسؒ فرماتے تھے کہ جب شیخ کامل اپنے مُریدین کے سامنے ایک بات کو بار بار دُہراتے ہیں ہر بار ان سے نئے حقائق کا اِنکشاف مطلوب ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ حضرت مخدوم مہائمیؒ (بمبئی) نے جو بیک وقت ایک مفسّر، محدّث، فقیہہ اور عارف باللہ تھے، اپنی تفسیر میں آیات کے ہر بار واقع ہونے سے مختلف معانی اور حقائق بیان فرمائے ہیں حتیٰ کہ جتنی بار بسم اللہ شریف وارد ہوئی ہے ہر موقعہ پر اس سے سورۃ متعلقہ کے مضمون کے مُطابق نئے معانی کا اِنکشاف کیا ہے۔

آدابِ ملفوظات

ملفوظات سے کما حقہٗ فائدہ حاصل کرنے کے لئے چند آداب ضروری ہیں:۔

اوّل یہ کہ ملفوظات پڑھتے وقت باوضو ہو اور مؤدّب ہو کر بیٹھے۔

دوم یہ کہ توجہ صاحبِ ملفوظات کی رُوح کی جانب ہو۔ اس سے وہ بھی متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور پڑھنے والے کا تزکیۂ نفس کرتے ہیں۔ کیونکہ رُوح مکان و زمان اور موت وحیات کی قیود سے آزاد ہے۔

سوم صاحبِ ملفوظات کی کسی بات پر اعتراض نہ کرے۔ اگر کوئی بات سمجھ ہی میں نہ آئے تو کسی صاحبِ حال سے دریافت کرے۔ ظاہر بین لوگوں سے دریافت کرکے اپنے دماغ کو پراگندہ نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بھی صاحبِ حال سے دریافت کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ (اہلِ ذکر سے دریافت کرو)۔

چہارم ملفوظات شروع سے پڑھنے چاہئیں کیونکہ عام طور پر شروع کے ملفوظات مبتدیوں کی حالت کے مُطابق ہوتے ہیں اور آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ بعد کے ملفوظات متوسطین اور منتہیوں کے مُطابق ہوتے ہیں۔ جن کو نوآموز نہیں سمجھ سکتے۔ رابعہ بصری رح اور حضرت حسن بصری رح کے مواعظ کا قِصّہ آپ کو یاد ہوگا۔

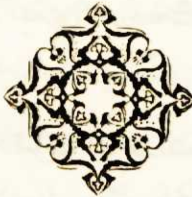
آخیر میں یہ ناچیز اُن حضرات سے معذرت چاہتا ہے۔ جن کا ذِکر ملفوظات میں آیا ہے۔ خاص طور پر اُن حضرات سے جن کو اپنا ذِکر ناگوار معلوم ہو کیونکہ ان کے متعلق واقعات درج کرنے سے غرض فقط تعلیم واِصلاح ہے۔ ہجو و توہین قطعاً نہیں۔

اس کے بعد احقر اراکینِ "محفلِ ذوقیہ" خصُوصاً حضرت شاہ شہیدُ اللہ صاحب مدظلہٗ العالی۔ خطیب مولانا محمّد حُسین صاحب برے۔ مسٹر فرّخ حاجی محمّد صاحب۔ عبداللہ اسماعیل سنگے صاحب و دیگر حضرات کا بے حد مشکور ہے کہ اُنھوں نے اس کارِ عظیم کی تصحیح۔ طباعت واشاعت میں بہت محنت فرمائی ہے۔ نیز سیّد شریف الحسن جن کو حضرت اقدس کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل

ہے، اور جنھوں نے سوانح حیات مہیّا کی ہے اور ملفوظات کے مسودہ کی تصحیح فرمائی ہے۔ احقر بہت ممنون ہے۔

علاوہ ازیں سیّد مقصود حسن صاحب، مسٹر محمّد امیر آیاز صاحب (بہاول پور) اور دیگر حضرات کا جنھوں نے اس کام میں معاونت فرمائی ہے۔ یہ احقر بے حد شکر گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے دینی و دنیوی مقاصد پورے فرمادیں۔ آمین۔

العبد الضعیف
واحد بخش بی اے، چشتی صابری
بہاول پور
۱۲ر نومبر ۱۹۵۴ء





گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

مُلفوظات



جمع کردہ :

حضرت شاہ شہید اللہ فریدی



۴ رجب ۱۳۶۱ھ (۱۹۴۲ء) اجمیر شریف

مقصد براری کیلئے سلسلہ کا اکسیر عمل

تسخیر اور دستِ غیب کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بہت نیچے کی چیزیں ہیں سالک کو ان باتوں میں اُلجھ کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کا تعلق دُنیا سے ہے اور دُنیا طلبی سلوک میں روا نہیں ہے۔ پھر بھی ہمارے سلسلہ میں ایک اکسیر عمل ہے جس سے ضرورت فوراً رفع ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جب کوئی ضرورت پیش آئے دل کو غیر اللہ سے پاک صاف کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ یہ طریق مسنون بھی ہے کہ دِل کو غیر اللہ سے پاک کر کے دو رکعت نماز پڑھے حاجت پوری ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بچے کو کانٹا چبھتا ہے تو وہ جاکر ماں کو چمٹ جاتا ہے۔ ماں خود بخود اس کی تکلیف معلوم کر کے اسے دُور کر دیتی ہے۔ ماں تو جاہل اور بے اِختیار ہے، لیکن اگر یہی روش اللہ تعالیٰ کے ساتھ اِختیار کی جائے جو ہر چیز پر قادر ہے تو وہ ضرور عنایت فرماتے ہیں۔ بس غیر اللہ کو دِل سے نکال کر اُس سے چمٹ جانا چاہیئے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ فرمایا ایک شخص کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور عملِ تسخیر طلب کیا۔ انھوں نے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک خادم نے آکر عرض کیا کہ حضور آج لنگر میں کچھ نہیں ہے۔ نہ آٹا ہے نہ گھی ہے نہ شکر، سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی۔ جب نماز پڑھ چکے تو خادم نے آکر عرض کیا کہ فلاں

رئیس کی طرف سے اتنے اونٹ اناج کے اور اتنے شکر کے اور اتنے ٹین گھی آئے ہیں اور اتنی اشرفیاں بھی اُس نے پیش کی ہیں۔ اس پر انھوں نے اُس آدمی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میرے پاس تو تسخیر کا یہی عمل ہے۔ بس انسان کو چاہیئے کہ بچے کی طرح ماں سے لپٹ جائے۔ ماں خود بخود اس کی تکلیف معلوم کر کے اُسے رفع کر دیگی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دل ماسوا، سے خالی ہو ورنہ اگر سو رکعت بھی پڑھے گا تو کچھ نہ ہوگا۔ فرمایا:

"یہ کام آسان نہیں ہے۔ بہت مشق کی ضرورت ہے"

آدابِ محفلِ سماع

ایک روز ارشاد فرمایا کہ یہ جو محفل سماع میں چوب دار خدام اور مسند نشینی وغیرہ ہے۔ سب مغلوں کی لغویات ہیں۔ محفلِ سماع سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں۔ محفلِ سماع کے آداب اور ہیں۔ خواجہ صاحبؒ بادشاہ ہیں اور بادشاہ کے دربار میں بیٹھنے والوں کو چاہیئے کہ ادب سے بیٹھیں۔ بار بار نشست تبدیل نہ کریں۔ اِدھر اُدھر نہ دیکھیں جسم کو بلا ضرورت حرکت نہ دیں اور بادشاہ کی طرف متوجہ رہیں ورنہ فیضان میں کمی ہو جائے گی۔

۱۲ رجب ۱۳۶۱ھ ۔ ۱۹۴۲ء

اولیائے کرام اور جوگیوں کی کرامت میں فرق

ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو معلوم ہوا کہ شہر میں ایک جوگی آیا ہے جس کے ساتھ دو تین سو چیلے ہیں، اور کرامات میں شہرت رکھتا ہے چنانچہ آپ اُسے دیکھنے کی غرض سے تشریف لے گئے۔

وہاں پہنچ کر چیلوں سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ اُس درخت کے اندر ہیں۔ اَب اُن کے باہر آنے کا وقت آگیا ہے۔ ابھی آجائیں گے۔ وہ درخت اندر سے کھوکھلا تھا اور اس میں ایک چھوٹا سا سُوراخ تھا، جس میں سے گھُس کر وہ درخت کے خالی تنے میں داخل ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ جوگی دُھواں بنکر باہر نکلا۔ چیلوں نے سامنے ایک پانی سے بھرا ہُوا طشت رکھ دیا۔ جس میں وہ پانی بن کر ٹپکا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے نمودار ہُوا۔ اُس نے آپ کو دیکھ کر کہا:

"آپ بھی کرامت دکھائیں!"

حضرت نے فرمایا:

"پہلے تم اپنی کرامت دکھاؤ!"

چنانچہ وہ پھر اُسی طرح دُھواں بَن کر درخت کے اندر گھُس گیا اور پھر دُھواں بن کر باہر نکلا اور پانی کی طرح ٹپک کر اپنی شکل میں آگیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اُسی طرح کیا۔ پہلے آپ دُھواں بن کر درخت کے اندر داخل ہوگئے اور پھر دُھوئیں کی شکل میں باہر آئے اور پانی بن کر ٹپکے اور اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوگئے۔ یہ دیکھ کر جوگی نے کہا:

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ آپ نے تو وہی کیا ہے جو میں نے کیا ہے۔
آپ میں اور مجھ میں کیا فرق ہے۔؟"

حضرت نے فرمایا:

"اچھا پھر وہی کرامت دکھاؤ!"

چنانچہ جب اُس جوگی نے پانی کی شکل اِختیار کی تو آپ نے اُس میں ایک تنکا ڈبو کر رکھ دیا۔ اور چیلوں سے کہا:

"جب میں پانی بن جاؤں تو تم ایک اور تنکا اس میں بھگو کر رکھ دینا۔"

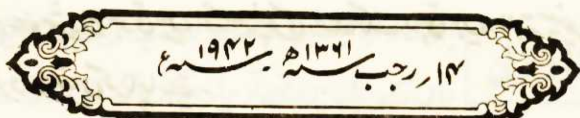
اُنھوں نے اسی طرح کیا جب حضرتؒ پھر اپنی اصلی صُورت میں نمودار ہوئے تو جوگی سے فرمایا :

" اَب ان دونوں تنکوں کو سُونگھو ! "

جب اُس نے تِنکوں کو سُونگھا تو اس کے اپنے تنکے میں پاخانہ کی بدبُو تھی اور جو تنکا حضرتؒ کے پانی میں بھگویا گیا تھا اس میں نہایت نفیس مُشک کی خوشبو تھی۔ اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا :

"یہ ہے فرق مجھ میں اور تم میں ۔ تم یہ چیزیں نجس طریقے سے کرتے ہو اور ہمارا طریقہ پاک ہے ۔"

وہ آدمی سمجھ دار تھا۔ سمجھ گیا اور اپنے چیلوں سمیت مشرف باسلام ہُوا ۔ اُس کی قبر گنگوہ شریف میں موجود ہے ۔



۱۴ ؍ رجب سنہ ۱۳۶۱ھ ۔ سنہ ۱۹۴۲ء

وجد حضرت اقدسؒ ایک کتاب دیکھ رہے تھے ۔ اس میں سے پڑھ کر فرمایا کہ قوالی میں وجد مبتدی کے لئے کمال ہے لیکن منتہی کے لئے نقص ہے اس وجہ سے کہ شروع میں ایک نئی چیز سے محظوظ ہو کر رُوح وجد میں آجاتی ہے ۔ لیکن بعد میں جب کئی بار وہی کیفیت حاصل ہوتی ہے تو اس سے لذّت ضرور محسوس ہوتی ہے لیکن وجد نہیں آتا ۔ جس طرح جب کوئی شخص پہلی مرتبہ قلمی آم یا تلا قند کھائے تو اُس کی خوشی میں وہ مسرّت سے جھُومتا ہے ۔ لیکن بہت دفعہ کھا لینے کے بعد اسے لذّت تو محسوس ہوتی ہے لیکن وجد نہیں آتا ۔

اللہ کی ہستی کا ادراک اپنی ہستی سے !

اِرشاد فرمایا کہ انسان اپنی ہستی کا احساس کر سکتا ہے۔ لیکن دُوسروں کی حیات کا احساس نہیں کر سکتا۔ بس اپنی ہستی کو اللہ کی ہستی کی ایک آواز بازگشت (ECHO) سمجھو۔ اس سے فوراً کام بن جاتا ہے۔ صِرف پندرہ منٹ کا کام ہے۔ صفاتی اذکار و مشاغل سے کچھ نہیں بنتا۔ جو شخص شغلِ ذات نہیں کرتا وہ کبھی اِنتہا تک نہیں پہنچتا۔ بس یہ خیال جما لینا چاہیئے کہ میں نہیں ہُوں وہ ہے۔

۱۵ ر رجب سنہ ۱۳۶۱ھ ۔ سنہ ۱۹۴۲ء

آغازِ سفر کن ایّام میں ممنوع ہے

اِرشاد فرمایا کہ سینچر کی رات کو سفر شروع کر سکتے ہو، کیونکہ جمعہ کی برکات جمعرات کی شام سے شروع ہوتی ہیں اور سینچر کی رات تک رہتی ہیں۔ البتہ سینچر کے دِن کو سفر شروع نہیں کرنا چاہیئے۔

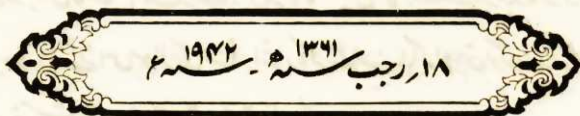
۱۷ ر رجب سنہ ۱۳۶۱ھ ۔ سنہ ۱۹۴۲ء

پھُول کی شان دِکھانے کیلئے کانٹوں کا وجُود لازمی ہے

اِرشاد فرمایا کہ اجمیر شریف میں حضرت خواجہ غریب نواز رح ایک گلاب کا پھُول ہیں۔ باقی سب کانٹے ہیں۔ ایک پھُول کی خاطر سینکڑوں کانٹوں کو پانی دیا جاتا ہے آپ کی شان دِکھلانے کے لئے کانٹوں کا وجُود لازمی ہے۔

قرآن وحدیث میں مذکور وظائف و معمولات کے بارے میں اجازت کی ضرورت نہیں

ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ قرآن وحدیث یا بزرگوں کے ملفوظات میں وظائف وغیرہ کا ذکر ہے۔ کیا ان پر بغیر اجازتِ شیخ عمل کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ قرآن اور حدیث میں جو وظائف اور معمولات ہیں ان کے لئے اجازتِ شیخ کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جو معمولات بزرگوں کے ملفوظات میں درج ہیں وہ مختلف مشائخ اور مختلف سلسلوں کی خاص چیزیں ہیں جو ان کو بذریعہ کشف ملی ہیں یا اُن کے تجربہ کا نتیجہ ہیں یا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو ملی ہیں۔ ان کے لئے اجازتِ شیخ ضروری ہے۔



۱۸ رجب ۱۳۶۱ھ - ۱۹۴۲ء

مادرزاد ولی

ارشاد فرمایا کہ جب حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ ماں کے پیٹ میں تھے تو چار ابدال اُن کے مکان کے پاس سے گزرے۔ ایک نے کہا:

"اِس گھر میں ایک حاملہ عورت ہے، جس کے بطن میں قطب ہے۔ آیئے اُن کو سلام کرلیں۔"

چنانچہ وہ سلام کر کے چلے گئے۔ چند سال کے بعد ان کا پھر وہیں گزر ہوا۔ اس وقت قطب صاحبؒ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ وہ ابدال وہیں رُک گئے اور قطب صاحبؒ کو سلام کیا۔ قطب صاحبؒ نے کہا:

"وعلیکم السلام۔ وعلیکم السلام!!"

اُنھوں نے دریافت کیا:

"دو دفعہ جواب دینے کی کیا وجہ ہے۔؟"

آپ نے فرمایا:

"جب میں ماں کے پیٹ میں تھا تو آپ نے سلام کیا تھا۔ اس کا جواب مجھ پر فرض تھا۔ اُس وقت میں نے اس لئے جواب نہ دیا کہ کہیں والدہ صاحبہ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ اب میں دونوں سلام کا جواب دے رہا ہوں۔"

اِس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ جو حضرات اس طرح پیدا ہوتے ہیں' ان کے لئے بلند مراتب پر پہنچنا کیا مُشکل ہے۔ وہ تو مادر زاد قطب تھے۔ اور ایسی عجیب و غریب ہستی تھے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ یہاں تک کہ بعض کے نزدیک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کِس کا مقام بلند ہے۔ مُرید کا یا شیخ کا۔ حضرت بندہ نواز سیّد محمد گیسو درازؒ نے اس سوال کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بعض لوگوں نے یہ سوال اُٹھایا ہے لیکن میں خود شیخ کی بلندیٔ مرتبہ کا قائل ہوں۔

حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ کے سامنے ایک دفعہ یہ ذکر ہُوا کہ حضرت شاہ بو علی قلندرؒ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اگر تم میرے لئے جاگو تو میں تم کو اپنا دیدار دِکھلاؤں گا!"

یہ سُن کر حضرت بو علی قلندرؒ ایک سال تک نہ سوئے۔ حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ اگر میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی گفتگو ہو جاتی تو میں پچیس سال تک جاگتا۔ کیونکہ فیضِ کلام سے معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔ کمال تو اس میں ہے کہ بغیر اس کے محنت کر رہے ہیں۔ چکّی پیس رہے ہیں۔ جاگ رہے ہیں۔ نہ کچھ دیکھا ہے نہ سُنا ہے۔ صِرف غیب پر ایمان ہے۔ مگر جاگ رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت ایوبؑ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ کس طرح عین مصیبت کے وقت جب اللہ تعالیٰ آٹھ پہر میں ایک دفعہ ان سے دریافت

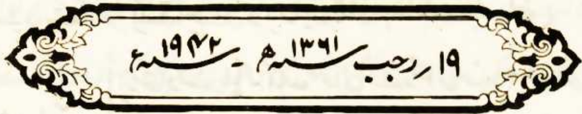
فرماتے تھے:

"ایوب کیسے ہو-؟"

تو دوسرے آٹھ پہر وہ اس ذوقِ کلام میں مست رہتے اور تکلیف و درد بالکل محسوس نہ ہوتا۔

سانپ کی لطیف مزاجی

ارشاد فرمایا کہ سانپ راگ کا عاشق ہے۔ وہ خوشبو کا بھی عاشق ہے۔ سانپ بہت نفیس مزاج جانور ہے۔ تو اُن مولوی صاحبان سے جن کے دل میں راگ کا کچھ اثر نہیں ہوتا سانپ بھی اچھا ہے۔



۱۹ رجب ۱۳۶۱ھ - ۱۹۴۲ء

ایک دفعہ مجھے پیچش ہو گئی۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ دو دفعہ گڑ دسترخوان پر آیا ہے۔ یہ گڑ کی مہربانی ہے۔ اس سے پیٹ میں گرمی ہو گئی ہے۔ اگر یہ دست نہ آتے تو BRONCHITIS (شدید نزلہ) ہو جاتا۔ گرمی کی وجہ سے تمام خرابیاں نکل رہی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شخص رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی:

"مجھے دست آ رہے ہیں!"

آپؐ نے فرمایا:

"شہد کھاؤ!"

دوسرے روز وہ شخص پھر آیا اور عرض کیا:

"شہد کھانے سے دست زیادہ ہو گئے ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا :

"پھر کھاؤ !"

تیسرے دِن وہ پھر آیا اور عرض کیا

"دست اور زیادہ ہوگئے ہیں ۔"

آپؐ نے فرمایا :

"اللہ سچا ہے اور تیرا پیٹ جھوٹا ۔ شہد کھاؤ !"

آخر یہ ہُوا کہ شہد کی گرمی سے پیٹ میں جو خرابی تھی ، سب دُور ہوگئی ۔ اور وہ اچھا ہوگیا ۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے شہد کے متعلق فرمایا ہے :

فِیْہِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ط (اِس میں شفا ہے لوگوں کے لئے)

برکاتِ مصائب

اِرشاد فرمایا کہ ایک صحابی رضؓ نے رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص بہت خوش نصیب ہے ۔ مال و دولت ہے ۔ بیوی بچّے ہیں اور طرّہ یہ کہ کبھی بیمار بھی نہیں ہُوا ۔ آپؐ نے فرمایا :

" اِس سے بچو ! اس پر اللہ کی رحمت نہیں ہے "

مُصیبت اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں پر نازل کرتا ہے تاکہ نفس کا زور کم ہو ۔ اور قربِ الٰہی حاصل ہو ۔ عیش و عِشرت میں نفسانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اللہ سے بُعد ہو جاتا ہے ۔ جب مقصُود اللہ ہے تو مُصیبت رحمت ہُوئی اور عِشرت زحمت ۔ فرمایا دو بھائی تھے ۔ ایک امیر تھا ، دُوسرا غریب ۔ امیر بھائی غریب کو اس کی غربت کی وجہ سے چھیڑا کرتا تھا ۔ ایک دن غریب بھائی نے کہا

"تم اِس واسطے اتراتے ہو کہ تمھیں فرعون کی وراثت ملی ہے اور مجھے حضرت موسیٰؑ کی !"

ایک دفعہ اِرشاد فرمایا کہ بیماری میں جو مشاغل چھُوٹ جاتے ہیں ۔ ان کا اجر ملتا

ہے۔ البتہ جو فائدہ رُوحانیت اور جسمانیت کو مشاغل سے ہوتا ہے۔ وہ نہیں ملتا۔ لیکن اجر ضرور ملتا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا اِنکسار!

ایک روز حضرت اقدسؒ اپنی بیاض میں سے حضرت حاجی صاحبؒ کے اشعار پڑھ کر سُنا رہے تھے۔ ایک مصرعہ یہ تھا ؎

بباطن شاہ کونینم۔ بظاہر خوار مے گردم

فرمایا اُن میں بہت اِنکسار تھا۔ ان کی ملفوظات "شمائم امدادیہ" میں لکھا ہے کہ وہ اپنے مریدین سے فرمایا کرتے تھے کہ میں کُچھ بھی نہیں ہُوں۔ تم لوگوں کا حُسنِ ظن ہے۔ اُمید ہے اس حُسنِ ظن کی وجہ سے مجھے بخش دیا جائے گا۔ آپکی یہ عادت تھی کہ جب سر میں درد ہوتا یا کوئی اور تکلیف ہوتی تو اپنے مریدین سے کہتے تھے کہ میرے لئے دُعا کرو تم طالب اللہ ہو۔ تمھاری دُعا قبول ہو گی۔ ایک طرف یہ اِنکسار اور دُوسری طرف یہ تصرفات۔ اس کے بعد حضرت نے وہ حکایت بیان فرمائی جس میں شریف مکہ کی حاجت براری کا ذِکر ہے (یہ حکایت اور مقام پر درج کی جائے گی) حکایت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ دیکھو تو ایک طرف ایران کا خزانہ لا رہے ہیں اور وزیروں کو معزول اور مقرر کر رہے اور دُوسری طرف یہ عجز و انکسار۔ اس مصرعہ کے یہی معنی ہیں ؎

بباطن شاہ کونینم ۔ بظاہر خوار می گردم

فرمایا حاجی صاحبؒ بہت بڑی ہستی تھے۔ آپ قطبِ مکہ تھے۔ مکہ معظمہ میں تین سو ساٹھ اولیاء اللہ رہتے ہیں۔ اور حاجی صاحبؒ ان سب سے افضل تھے۔ متقدمین میں بھی ایسے لوگ بہت کم گزرے ہیں۔

بمبئی کے سیٹھ کی نذر

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ بمبئی کا ایک سیٹھ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پانچ سو روپے نذر پیش کرنا چاہتا تھا۔ ایک دُوسرا تاجر بمبئی سے مکّہ معظمہ جارہا تھا۔ اُس نے وہ نذر اس کے ذریعہ بھیج دی۔ وہاں پہنچ کر اُس تاجر نے آپ کے پاس خط بھیجا کہ میرے پاس آپ کے پانچ سو رُوپے امانت ہیں۔ کسی آدمی کو بھیج کر منگوا لیجئے۔ حاجی صاحبؒ نے جواب میں لکھا کہ جس نے رُوپے بمبئی سے مکّہ معظّمہ تک پہنچائے ہیں وہی آپکے مکان سے میرے مکان تک پہنچا سکتا ہے یہ جواب سُن کر وہ آدمی حیران ہُوا۔ اور لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کون ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ بہت بڑے بزرگ ہیں اور تم نے ان کو گھر پر بُلا کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ وہ کسی کے مکان پر کچھ لینے کی غرض سے نہیں جاتے۔ چنانچہ وہ شخص رُوپے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور اَدب سے رقم پیش کی اور اپنی طرف سے بھی مزید پانچ سو رُوپے پیش کئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک اور شخص حج کو گیا۔ وہ ایک سرائے میں گیا۔ جہاں سب فقیر رہتے تھے۔ اور فقیروں میں دو دو آنے تقسیم کئے۔ اس وقت حاجی صاحبؒ اس سرائے میں اوپر کے ایک کمرے میں رہتے تھے۔ جب سب فقیروں کو دے چکا تو ان سے دریافت کیا:

"بس اَب کوئی باقی تو نہیں رہ گیا؟"

لوگوں نے کہا:

"اُوپر ایک فقیر رہتے ہیں جو نیچے نہیں آیا کرتے۔ صرف حرم شریف میں جانے کے لئے نیچے آتے ہیں۔"

چنانچہ وہ آدمی اوپر گیا اور دیکھا کہ نہایت ٹھاٹھ سے بیٹھے ہیں۔ فرش بچھا ہُوا اور تکیہ وغیرہ لگے ہوئے ہیں۔ حاجی صاحبؒ کی بظاہر یہ حالت تھی اور حقیقت میں وہ

کئی کئی روز فاقہ سے رہتے تھے۔ ایک دفعہ سات روز کے فاقہ کے بعد ایک دوست سے قرض مانگا۔ لیکن اس کے انکار پر آپ نے عہد کر لیا کہ آئندہ کسی سے حاجت طلب نہیں کریں گے سوائے اللہ کے کیونکہ آپ پر توحیدِ افعالی منکشف ہوئی۔ خیر وہ آدمی تھوڑی سی دیر بیٹھا رہا لیکن شرم کے مارے "دو آنے" نہ دیئے۔ اب وہ اٹھ کر جانے لگا تو حاجی صاحبؒ ننگے پاؤں اس کے پیچھے گئے اور کہا :

" بھائی! وہ "دو آنے" دیتے جاؤ۔ مجھے کیوں محروم کر رہے ہو؟ "

ادھر پانچ سو روپے سے انکار ہے اور وہ ایک ہزار روپے بن جاتے ہیں اور دوسری طرف اس قدر انکسار ہے کہ "دو آنے" کے پیچھے ننگے پاؤں دوڑ رہے ہیں۔

اہلیہ محترمہ کو آخری دعوت

اس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ وصال سے تھوڑی دیر پہلے حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنی بیوی کو بلا کر فرمایا :

" تم دنیا چاہتی ہو یا دین ۔؟ اگر دنیا چاہتی ہو تو میں تم کو مالا مال کر دوں گا۔

اگر دین چاہتی ہو تو محض اللہ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ "

آپ کی بیوی نے کہا :

" مجھے دنیا کی ضرورت نہیں ہے میرے لئے اللہ کافی ہے ! "

یہ سن کر حاجی صاحبؒ نے گھر کا سب سامان خیرات کر دیا۔ حتیٰ کہ لوٹا تک بھی نہ رکھا۔ جس سے آپ کو غسل دیتے۔ وصال کے بعد لوٹا کہیں سے مانگ کر آپ کو غسل دیا گیا۔ حضرتِ اقدس مولانا شاہ وارث حسن صاحبؒ جو اس وقت موجود تھے بیان کرتے تھے کہ جنازہ کے ساتھ اس قدر ہجوم تھا کہ کندھا لگانے کے لئے نزدیک جانا دشوار تھا۔ اب لوگوں کو فکر ہوئی کہ آپ کی بیوی کیسے بسر اوقات کریں گی۔ وہاں کوئی

یار و مددگار نہ تھا۔ لیکن ایسا ہُوا کہ ان کو کبھی کوئی تکلیف نہ ہُوئی اور ہمیشہ عیش و عِشرت سے رہتی تھیں۔ آخر چھ ماہ کے بعد ان کا بھی اِنتقال ہوگیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ حاجی صاحبؒ بہت بڑی ہستی تھے۔ جب کوئی آپ کے پاس جاتا تو خالی واپس نہ آتا۔ کوئی نہ کوئی عطیہ لے کر آتا۔ اجازت یا کچھ اور۔ اَب بھی وہی حال ہے، آپ کے مزار پر بہت فیضان ہوتا ہے۔

۲۲ رجب سنہ ۱۳۶۱ھ (پنجشنبہ) سنہ ۱۹۴۲ء

ضرورتِ شیخ

اِرشاد فرمایا کہ اِنسان کے جسم کے دو حصّے ہیں۔ ایک علوی اور دُوسرا سفلی۔ سر سے ناف تک علوی ہے۔ اور ناف سے نیچے سفلی۔ علوی کا مرکز لطیفہ سِرّ ہے اور سفلی کا مرکز لطیفہ نفس (ناف)۔ لطیفہ سِرّ کے لئے ایک شغل کیا جاتا ہے۔ جسے شغل دائرہ حقّی کہتے ہیں۔ سلوک میں دونوں حصّوں کی نشو ونما کی جاتی ہے۔ یہ شیخ کا بڑا کام ہے کہ ان میں توازن (CORRECT – PROPORTION) رکھا جائے۔ سفلی حصّہ کو مغلوب رکھنا پڑتا ہے اور علوی کو غالب جس طرح سوار اور گھوڑا۔ سوار کو ہمیشہ گھوڑے پر غالب رہنا ضروری ہے۔ ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔ اس لئے شیخ کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ کام سالک خود نہیں کر سکتا۔

شنبہ ۲۴ رجب سنہ ۱۳۶۱ھ، سنہ ۱۹۴۲ء

سلوکِ عیسوی علیہ السلام اور سلوکِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

جب حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ مکان بدلنے کا خیال فرما رہے تھے تو اِرشاد فرمایا کہ مکان بدلنے

میں کم از کم پندرہ دن کی تکلیف رہتی ہے۔ اگر کندھے پر صرف کمبل ہے تو جہاں گئے بیٹھ گئے۔ یہ سلوکِ عیسوی ہے۔ لیکن سلوکِ محمدی میں مجاہدہ کرنا پڑا اس پورے قافلے کے ساتھ۔ اور یہ بہت مشکل کام ہے۔ سلوکِ عیسوی آسان ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہ کوئی مکان تھا نہ بیوی بچے۔ کبھی اِس پیڑ کے نیچے، کبھی اُس پیڑ کے نیچے جا بیٹھتے۔ اُن کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ چلّو سے پانی پیتے تھے۔ خرقہ میں لگی ہوئی سوئی اور ایک ڈورا تھا۔ یہی لے کر چوتھے آسمان پر پہنچے تو حکم ہوا کہ یہ دُنیا کی چیزیں کیوں لاتے ہو لیکن ہمارے رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جوتے کے ساتھ عرش پر گئے حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ جوتا اُتار دو۔ اس کے بعد فرمایا کہ مولانا صاحبؒ نے مجھے حکم دیا کہ نکاح کر لو۔ ایک سال تک میں ٹالتا رہا۔ آخر آپ نے فرمایا:

"میں نے تمھیں نکاح کا حکم دیا ہے۔ اور تم ایک سال سے ٹال رہے ہو۔ تم سلوکِ عیسوی میں پھنس گئے ہو۔ جب تک نکاح نہ کرو گے سلوکِ محمدی طے نہ ہوگا۔ اور تمہاری منزل میں ترقی نہیں ہوگی۔"

میں نے کہا:

"اگر منزل میں ترقی نہ ہوگی تو یہاں سے نہ اُٹھوں گا۔ میرا نکاح آپ جس سے کرنا چاہتے ہیں کر دیجیے۔"

۲۸ رجب ۱۳۶۱ھ (چہار شنبہ) ۱۹۴۲ء

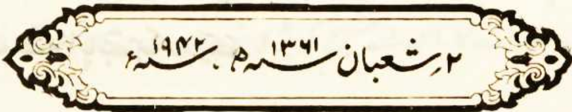
تبرکات میں شفا

ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ ہمارے مولانا صاحبؒ شاہ میناؒ کے مزار (لکھنؤ) پر تشریف لے گئے۔ اور وہاں

ان کو کسی نے تبرّک پیش کیا جو معمولاً چنے کی دال، گائے کا گوشت اور موٹی روٹی ہُوا کرتی ہے۔ تبرّک لے کر آپ فوراً ڈپٹی نہال الدّین صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔ جن کے بھانجے سخت بیمار تھے۔ انکے معدہ میں تکلیف تھی۔ وہاں پہنچتے ہی سیدھے مریض کے کمرہ میں گئے اور تبرّک سامنے رکھ کر فرمایا کہ خوب پیٹ بھر کر کھاؤ"۔ بعد میں فرمایا کہ اگر کوئی اعتراض کرتا تو میں بیدِ ہاتھ میں لے کر مارنے کے لئے تیّار تھا۔ انھوں نے تبرّک کھایا اور شام تک چلنے پھرنے لگے اور دو تین دن میں بالکل اچھے ہو گئے۔ فرمایا:

"کبھی کبھی حقیر چیزیں مفید ثابت ہوتی ہیں۔"

اس موقعہ پر میں نے عرض کیا کہ شبِ معراج کی فاتحہ کھا کر میں بھی پیچش سے اچھا ہو گیا ہُوں۔ اس پر حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ بیماری کے لئے وقت مقرر ہے جو تقدیر میں لکھا ہے۔ یہ ایسا ہے کہ فرض کرو کہ ہم کسی کو سلب مرض کی توجہ دیتے ہیں۔ جو آٹھ دن کے بعد ظاہر ہوگی۔ اس دوران میں اگر کوئی شاہ صاحب آئیں اور کچھ دَم کریں اور دُوسرے دن مریض اچھا ہو جائے تو لوگ تعجب کریں گے کہ اس دَم میں کتنی تاثیر ہے۔



۲ شعبان ۱۳۶۱ھ ۔ ۱۹۴۲ء

وساوس کی وجہ سے شرم محسوس کرنا علامتِ ایمان ہے!

اِرشاد فرمایا کہ ایک صحابیؓ نے رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا کہ کبھی کبھی دل میں ایسے خطرات و وساوس آتے ہیں کہ زبان پر لانے سے مجھے شرم آتی ہے۔ رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم

نے فرمایا :

"یہ ایمان کی علامت ہے ."

کیونکہ خطرات و وساوس تو شیطان کی طرف سے آتے ہیں اور اُن کی وجہ سے شرم محسوس کرنا ایمان کی علامت ہے .

اس کے بعد فرمایا کہ ایک اور صحابیؓ نے عرض کیا :

"جب آپؐ کے حضور میں بیٹھتا ہُوں تو قلب کی کیفیت اور ہوتی ہے اور جب گھر میں بال بچّوں کے ساتھ ہوتا ہُوں تو اور کیفیت ہوتی ہے ."

رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اگر میری صحبت میں اور گھر پر یکساں کیفیت ہوتی تو فرشتے تمہارے ساتھ مصافحہ کرنے کے لئے آجاتے ."

حقیقتِ اِنسان — حقیقتِ کعبہ سے افضل ہے !

اس کے بعد اولیاء اللہ کا ذِکر ہونے لگا فرمایا . ان لوگوں کا حساب ہی الگ ہے . اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور گڈریے کا قصّہ بیان فرمایا جو مثنوی مولانا رومؒ میں درج ہے . اس کے بعد فرمایا کہ سَر محمّد رفیق نے جو حضرت مولانا صاحبؒ کے مُرید تھے اور وائسرائے کی کونسل کے ممبر تھے . ایک دفعہ مولانا صاحبؒ سے دریافت کیا کہ آستانہ خواجہ غریب نوازؒ پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں . مولانا صاحبؒ نے فرمایا . اندر جاؤ . جب وہ اندر گئے تو کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے گردن پکڑ کر پیشانی چوکھٹ پر رکھوائی اور یہ آواز کان میں آئی ؎

سَر رکھدیا ہم نے درِ جاناں نہ سمجھ کر
کافر ہو جو سجدہ کرے بُت خانہ سمجھ کر

اس کے بعد فرمایا کہ حقیقتِ عبد حقیقتِ کعبہ سے بڑی ہوتی ہے۔ کیونکہ کعبہ کے متعلق تو صرف ایک دفعہ اللہ نے "بَیْتِیَ" یعنی "میرا گھر" فرمایا ہے اور وہاں اللہ میاں رہتے تھوڑی ہیں۔ کعبہ کو اللہ سے ایک نسبت ہے۔ وہاں کچھ تجلّیات ہیں۔ لیکن کعبہ صرف ایک صفت کا مظہر ہے اور انسان مظہر جمیع اسماء وصفات ہے۔ اس میں کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ بھی ہے۔

حقیقتِ عبد، حقیقتِ قرآن سے افضل ہے!

حقیقتِ عبد حقیقتِ قرآن سے افضل ہے کیونکہ قرآن شریف صرف ایک صفت کا مظہر ہے۔ صفت کلام۔ اس لئے مولوی صاحبان کے نزدیک بھی قرآن کو تکیہ کے نیچے رکھ کر سو سکتے ہیں۔ مولوی صاحبان اس امر کو جائز بتاتے ہیں۔ لیکن اس کی وجہ نہیں بیان کر سکتے۔ فرمایا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ اس اُونچے مرتبہ پر پہنچنے سے قبل ایک دفعہ حج پر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے کہا:

"جو رُوپیہ تم حج کے خرچ کے لئے لائے ہو۔ یہیں رکھ دو اور میرا طواف کرو۔ اس وقت تم میں اتنی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی کہ حج سے فائدہ حاصل کر سکو، اگر میرا طواف کر لوگے تو تمہارے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی"

حضرت بایزیدؒ فرمایا کرتے تھے:

"واقعی اس وقت میرے اندر یہ صلاحیت نہ تھی۔ اور اُن بزرگ کی صحبت سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔"

حضرت ابراھیم بن ادھمؒ جب حج کو گئے تو ہر دو قدم کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے تھے۔ جب حرم شریف میں پہنچے تو ان کی نظروں سے کعبہ غائب تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی:

"یا اللہ! یہ کیا معاملہ ہے۔؟"

اِرشاد ہوا:

"میری ایک ضعیف بندی حج پر آرہی ہے، کعبہ اس کے اِستقبال کیلئے گیا ہوا ہے۔"

اُنھوں نے کہا:

"اچھا، میں بھی اس اللہ کی بندی کی زیارت کرلوں!"

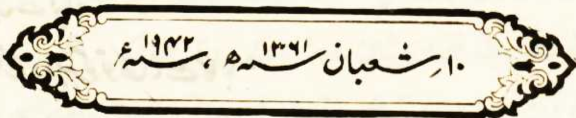
جاکر دیکھا کہ رابعہ بصری رضؓ آرہی ہیں۔ آپ نے فرمایا:

"یہ کیا شور بپا کر رکھا ہے کہ کعبہ اِستقبال کے لئے آتا ہے؟"

حضرت رابعہ رضؓ نے جواب دیا:

"میں نے کیا شور بپا کیا ہے۔ مجھے معلوم بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب آپ نے بتایا کہ کعبہ اِستقبال کو آیا ہے، تب مجھے معلوم ہُوا۔ میں تو چپکے سے آرہی تھی۔ ہاں، شور تو تم نے بپا کیا ہے۔ کہ ہر دو قدم پر دو رکعت ادا کرتے ہُوئے آئے ہو اور ساری دُنیا میں شہرت ہوگئی ہے۔"

فرمایا: رابعہ بصری رضؓ کی نظر بہت اُونچی تھی۔



مجاہدات میں برکت

اِرشاد فرمایا: بعض تکالیف ایسی ہوتی ہیں کہ جن سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن مبتدی نہیں سمجھ سکتا۔ ایک دفعہ میں کسی وجہ سے جنگل میں بھیجا گیا، وہاں تین دن تک کھانا نہ کھایا۔ جب واپس آیا تو خیال تھا فوراً کھانے کو کچھ ملے گا، لیکن مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"آج کھانا مت کھانا!"

اور لنگر والے کو حکم دیا :

" آج رات ذوقی کو کھانا مت دینا ۔ "

رات کے وقت جب لنگر والا آیا تو اُس نے بتایا :

" آج آپ کے لئے کھانا دینے کی ممانعت ہے "

کھانا نہ کھانے کی وجہ سے پچھلی رات مجھے بہت تکلیف ہوئی ۔ صبح مولانا صاحبؒ کے پاس ناشتہ آیا کرتا تھا ۔ اس میں دو تین پیالیاں چائے کی ہوتی تھیں ۔ انھوں نے صرف ایک انڈہ لیا اور باقی سب میرے پاس بھجدیا ۔ تین دن کے فاقہ کے بعد یہ تو کچھ بھی معلوم نہ ہوا لیکن کچھ تو تھا ۔ اس سے ذرا سکون ہوا ۔ اس کے بعد مولانا صاحبؒ نے بُلایا ۔ مجھے ایک قسم کی رُوٹھ ہوگئی کہ تین دن تو ہو گئے ہیں ۔ چوتھے دن بھی فاقہ کروا رہے ہیں ۔ مشاغل وغیرہ کیسے کر سکتے ہیں ۔ جب میں مولانا صاحبؒ کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا :

" مرنے کے بعد تم میرا شکریہ ادا کروگے ۔ اس وقت تمھیں معلوم نہیں ہوتا ۔ "

میں نے کچھ جواب نہ دیا ۔ نہ شکایت کی ۔ نہ ہاں کہا بلکہ خاموش کھڑا رہا ۔ یہ دُرست تھا کہ ہم اس وقت ان باتوں کے فوائد نہیں معلوم کر سکتے تھے ۔ خیر جب رُخصت ہونے والا تھا تو میں نے کہا :

" آج دوپہر کو تو کھانا ملے گا ؟ "

آپ ہنسے اور فرمایا :

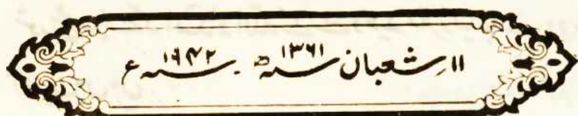
" ہاں آج جس قدر کھانا چاہتے ہو کھاؤ ! "

بعد میں سات سات دِن کے فاقے ہوئے اور ایک رات کا فاقہ تو کچھ بھی معلوم نہ ہوتا تھا ۔

اس کے بعد اِرشاد فرمایا :

" دیکھو ! جہاں میں بیٹھتا ہوں میرے سر کے پیچھے دیوار پر کیسا تیل کا

نشان ہے۔ حالانکہ میں تیل کبھی نہیں لگاتا جسم میں اتنی چکناہٹ ہے۔
باوجود اس راشن کے جو آج کل ہم کھاتے ہیں۔ یہ سب میرے والد مرحومؒ
کی بدولت ہے۔ جب میں چھوٹا تھا تو اس قدر اچھی غذا کھلاتے تھے
کہ اس کا اثر اب تک موجود ہے۔ ورنہ مجھ سے بہت سخت مجاہدے لئے
گئے ہیں۔ سات سات دن تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ میرے بال
بھی قبل از وقت سفید ہو گئے۔ لیکن یہ چکناہٹ صرف اس غذا کا نتیجہ ہے۔"



اولیاء کے پاس دُنیا کا ہونا کیسا ہے؟

ارشاد فرمایا کہ جن اولیاء اللہ کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے اُن کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں اس قدر قوّت ہوتی ہے کہ وہ دین اور دُنیا دونوں کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے حضرت بہاءالدّین زکریا ملتانیؒ کا قصہ بیان فرمایا۔ جو ان ملفوظات میں صفحہ ۸۵ پر درج ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ عبد الباری امروہویؒ کا قصہ بیان فرمایا کہ کس طرح وہ امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے اور شان سے شکار کو جاتے تھے لیکن ساتھیوں سے نکل کر پوشیدہ ہو کر مشغول ہو جاتے تھے۔ حضرت شاہ عبد الرحیمؒ کو بھی شکار پر ساتھ لے گئے اور ایک دریا کے کنارے پر بیٹھ گئے اور وہاں نسبت قہقہہ سے ان کی تکمیل کرادی۔ فرمایا نسبت قہقہہ چشتیوں کی ایک خاص چیز ہے۔ اس سے ایسے قہقہے ہوتے ہیں کہ پسلیاں ٹوٹنے لگتی ہیں۔ نسبت گریہ بھی ہوتی ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں نسبت قہقہہ مخصوص ہے۔ ان ملفوظات میں یہ قصہ صفحہ ۱۲ پر درج ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ دین اور دُنیا کا یکجا جمع ہونا بہت مُشکل اور تکلیف دہ ہے۔ دونوں پہلوؤں کو مدِّ نظر رکھنا پڑتا ہے اور بڑی مُشکل سے توازن قائم ہوتا ہے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ جب ہجرت کرکے مکّہ معظمہ گئے تو شروع میں آپ کو بہت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ ساتُ، ساتُ دِن تک فاقے ہوتے تھے۔ وہاں آپ بالکل اجنبی تھے۔ نہ کوئی جانتا تھا، نہ پہچانتا تھا۔ ایک دن ایک فقیر آیا اور کہا:

"آپ نے کیا شور برپا کر رکھا ہے؟ رات میں نے عالمِ معاملہ میں دیکھا کہ ایک شور مچ رہا ہے کہ امداد اللہ کے لئے وظیفہ مقرر کیا جائے، وہ بہت تکلیف میں ہیں۔"

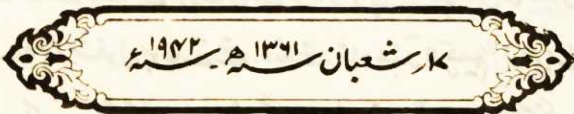
اُسی رات حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے حاجی صاحب سے خواب میں فرمایا:

"آپ کے لئے رقمِ کثیر مقرر ہوئی ہے۔"

حاجی صاحبؒ نے عرض کیا:

"رقمِ کثیر تو میں نہیں سنبھال سکوں گا۔ اس کا حق ادا کرنا بہت مُشکل ہے۔ بس میری ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ یہ میرے لئے کافی ہے۔"

اِس سے ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کس طرح دُنیا سے گریز کرتے ہیں۔ بس سب سے اچھا یہ ہے کہ ضروریات پوری ہوتی رہیں۔



محمد علی جناح کو غیبی اِمداد

اِرشاد فرمایا کہ یہ جو مُسلم لیگ کو کامیابی ہو رہی ہے۔ صِرف جناح کا کام نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کا کام ہے۔ اُسے غیب سے مدد مِل رہی ہے۔ قابلیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور قابلیت کی وجہ سے جناح کو پسند کیا گیا ہے۔ تم کو یاد ہے کہ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

نے عالمِ معاملہ میں دیکھا کہ رسُولِ خدُا صلّی اللہ علیہ وسلّم فرما رہے ہیں :

" محمّد علی جناح سے ہمیں بڑا کام لینا ہے ۔"

امام مالک رضؓ نے اپنے مجموعۂ احادیث میں ایک حدیث درج کی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ کبھی کبھی کسی فاسق سے اِسلام کی بڑی خدمت ہوتی ہے ۔ ایک دفعہ میں نے ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا :

" تاریخ میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی فاسق نے اِسلام کی خدمت کی ہو؟"

اُس نے کہا :

" مجھے تو یاد نہیں ہے ! "

میں نے کہا :

" یہ اَب ہو رہا ہے ۔ اِس حدیث کا محمّد علی جناح کی طرف اشارہ ہے ۔ اب اس فاسق و فاجر سے اسلام کی بڑی خدمت ہو رہی ہے ۔ "

امامِ وقت کی خصوصیات

فرمایا امام مالک رضؓ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو ایسا امام بنانا چاہیئے جو ضروریاتِ وقت کے لئے مناسب ہو۔ اگر کسی وقت فوجی قابلیت کی ضرورت ہے ۔ تو ایسا امام ہونا چاہیئے جو فوجی معاملات میں ماہر ہو ، خواہ وہ فقہ اور دُوسرے علوم میں کمزور ہی کیوں نہ ہو ۔ اگر سیاسی قابلیت کی ضرورت ہے تو ایسا امام ہونا چاہیئے جو سیاست میں خاص قابلیت رکھتا ہو ۔ چنانچہ موجودہ دَور میں جناح اپنی سیاسی قابلیت کی وجہ سے نہایت موزوں آدمی ہے ۔

۲۰ شعبان ۱۳۶۱ھ ۔ ۱۹۴۲ء

اولیاءِ کرام کی تعلیم وصال کے بعد بھی جاری رہتی ہے بلکہ زیادہ مؤثر ہے!

آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جسم بہت تکلیف دہ چیز ہے، بلکہ یہ ایک پنجرہ ہے۔ جب اس کے چھوڑنے کا وقت آئے گا تو ہم بہت خوش ہوں گے۔ اُس وقت ہم بالکل آزاد ہو جائیں گے۔ اور وہ دن ہمارا عید کا دن ہوگا۔ بندہ نے عرض کیا:

"آپ تو خوش ہوں گے لیکن ہم خوش نہیں ہوں گے۔ ہمارے مستقبل کا اعتبار نہیں ہے۔"

آپ نے اِرشاد فرمایا:

"نہیں تعلیم وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہوگا وہ تو جاری رہے گی البتہ PHYSICAL SEPARATION (جسمانی بعد) کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن تعلیم میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ بلکہ وہاں سے تعلیم یہاں سے بھی WIDER SCALE (وسیع تر پیمانہ) پر ہوتی ہے۔"

بندہ نے عرض کیا:

"پھر بھی وہ گفتگو اور ہر چھوٹی چھوٹی بات کے متعلق دریافت کرنا تو نہ ہو سکے گا۔"

اِرشاد فرمایا:

"وہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ دروازہ بھی کھُل جاتا ہے۔"

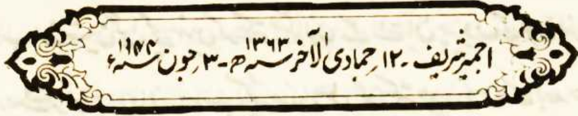
بندہ نے عرض کیا:

"ہاں! اگر کھُلے تو۔"

فرمایا:

"کھُل جائے گا، جب ضرورت ہوگی۔ اس وقت ضرورت نہیں ہے۔"

اس کے بعد حضرتؒ پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور گفتگو کا موقع نہیں ملتا تھا۔ پھر ماہ رمضان المبارک آیا اور حضرتؒ کی طبیعت اب پہلے سے اچھی تھی۔ لیکن روزے اور مشاغلِ رمضان کی وجہ سے ملنے کا موقع بہت کم ہوتا تھا۔



اجمیر شریف۔ ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۶۳ھ۔ ۳ جون ۱۹۴۴ء

مسلمانوں کی کامیابی کا گُر

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

یعنی عزت و قوت اللہ کے پاس اور رسولؐ کے پاس اور مومنوں کے پاس ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔

فرمایا موجودہ زمانے کے لوگ اپنے آپ کو بڑا معزز سمجھتے ہیں۔ لیکن عزت اور چیز ہے ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے بیت المقدس تشریف لے جانے کا واقعہ بیان فرمایا اور بتایا کہ باوجودیکہ معمولی لباس میں تھے لیکن مخالفین پر کس قدر رعب طاری ہوا۔

رسولِ خدا صلعم کا ایک مہینے کی مسافت تک رعب

اس کے بعد فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب ایک مہینے کی مسافت تک پھیلا ہوا تھا اور آپؐ نے خود حدیث شریف میں اس بات کا ذکر فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ آج کل مسلمان بھی غلطی پر ہیں۔ یہ بھی وہی نعرے لگاتے ہیں جو دوسرے لوگ لگاتے ہیں مثلاً

INDUSTRIALIZATION, EDUCATION,
ECONOMIC REFORMS,

(صنعتی ترقی، تعلیم عام، اقتصادی اصلاحات) کے نعرے بلند کئے جا رہے ہیں۔ لیکن ان چیزوں سے کچھ نہیں ہوگا۔ صرف قوتِ ایمانی ایک ایسی چیز ہے جس کے سامنے توپ اور مشین گن کچھ نہیں کر سکتے مسلمانوں کے لئے اِن چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صرف قوتِ ایمانی سے سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ بیان فرمایا کہ کس طرح اُنھوں نے صرف پچیس سپاہیوں سے ایران کے لشکر کو بھگا دیا۔ اگر آج بھی مسلمان وہی قوت حاصل کرلیں تو وہی زمانہ آجائے گا کہ بارہ سال کے اندر مسلمانوں نے اس وقت کی معلوم دُنیا کو فتح کرلیا تھا۔

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے آیہ کریمہ

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (سورہ انفال آیت)	جس وقت آپ نے (مٹی) پھینکی تھی آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا کہ مَا رَمَيْتَ بھی ہے اور إِذْ رَمَيْتَ بھی۔ پھر فرمایا کہ حضرت غوث الاعظمؒ روزانہ کہیں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا:

"میں آپ کو روزانہ دیکھتا ہوں کہ آپ میری دُکان کے سامنے سے گزرتے ہیں۔ کبھی مجھ پر اس قدر رعب طاری ہوتا ہے کہ میں آپ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اور کبھی کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے جلال کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوتا ہے اور تم پر اس کا پرتو پڑتا ہے اور بعض اوقات یا تو جمالی تجلّی ہوتی

ہے یا میں تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اِس لئے تم کو کچھ محسوس نہیں ہوتا۔"

اس کے بعد فرمایا کہ جب آدمی ذات میں SATURATED (فنا) ہو جاتا ہے تو اُس کے صفات بھی ویسے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جب لوہا آگ میں رکھا جاتا ہے تو آگ کی طرح لال ہو جاتا ہے اور اُسی طرح جلانے کی خاصیت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے، تو اُس وقت وہ آگ بن جاتا ہے۔ ذات میں بھی اور صفات میں بھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے مولانا صاحبؒ نے باندرہ (بمبئی) میں بمبئی کے ہندو مسلم فساد کے موقعہ پر فرمایا:

"اگر کوئی تم پر حملہ کرے تو اپنا ہاتھ میرا ہاتھ سمجھ لینا۔ جس کو تم مارو گے وہ فوراً گر جائے گا!"

فرمایا یہ تو ایک چھوٹی چیز تھی کہ ایک مُرید اپنے شیخ کے صفات اِختیار کرتا ہے۔ لیکن جب یہ معاملہ اللہ کے ساتھ ہو تو کیا نہیں کر سکتے۔ جناح کو دیکھو، اُنھوں نے صرف ایک آیت پر عمل کیا ہے۔ اور خلُوصِ دل کے ساتھ۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا.	تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو۔

اور دیکھو کہ اس کی عزت کسی خان بہادر یا ممبر کونسل سے کتنی زیادہ ہے۔ اور وہ نہ نبی ہے نہ صدیقین میں سے ہے۔ نہ شہداء میں سے نہ صالحین میں سے۔ لیکن صحابہ کرامؓ میں وہ کمالات پیدا ہو گئے تھے کہ ساری دُنیا پر چند سال میں چھا گئے۔

۳ جمادی الآخر سنہ ۱۳۶۳ھ - ۵ جون سنہ ۱۹۴۴ء

ولایت نبوّت سے افضل ہے

اِرشاد فرمایا کہ جو لوگ اپنی اغراض کی خاطر مزار کا طواف کرتے ہیں تو وہ گویا اپنا طواف

کرتے ہیں۔ اور جو لوگ مزار کے طواف سے منع کرتے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ صاحبِ مزار مقامِ عبدیّت میں ہے اور عبد اللہ اور مقامِ عبدیّت کعبہ سے افضل ہے کیونکہ کعبہ تو فقط صفات کا مظہر ہے لیکن عبد ذات و صفات کا مظہر ہے۔ اس کے بعد حضرت بایزید بسطامیؒ کا واقعہ بیان فرمایا کہ کس طرح انھوں نے طوافِ کعبہ ترک کر کے ایک ولی اللہ کا طواف کیا۔ یہ واقعہ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۰۲ پر درج ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ۔ اور سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے:

"قیامت میں میرا جھنڈا سب سے زیادہ اونچا ہوگا۔"

اور یہ درست ہے کیونکہ "میرا جھنڈا" سے مطلب "ولایت کا جھنڈا" ہے اور درحقیقت قیامت کے دن ولایت کا جھنڈا سب سے زیادہ اونچا ہوگا۔ ولایت، نبوّت سے بھی افضل ہے۔ کیونکہ ولایت خدا کے ساتھ دوستانہ تعلق کا نام ہے اور نبوّت ایک عہدہ ہے لیکن ہر نبی اعلیٰ ترین ولی بھی ہوتا ہے۔ اِس لئے اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے۔ اگر تم بادشاہ کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے اور اسی وجہ سے وائسرائے کی حیثیت میں بھیجے جاتے تو تم کس چیز کی زیادہ قدر کرتے۔ عہدہ کی یا دوستی کی؟ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے کہا:

"تم کس بات پر اکڑتے ہو۔!"

اُنھوں نے جواب دیا:

"اِس لئے کہ تجھ جیسا خدا رکھتا ہوں۔ اور تو کس بات پر اکڑتا ہے۔
اِس لئے کہ مجھ جیسے نالائق بندے رکھتا ہے؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اچھا چپ رہ!"

وہ بھی ایک تجلّی تھی۔ ایک تجلّی کا دُوسری تجلّی کے ساتھ ٹکراؤ ہوگیا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ رائچور میں ہم رہتے تھے۔ ایک اور شخص بھی مع اپنی بیوی ہمارے قریب رہتا تھا۔ ہمارے غسل خانے اور اُن کے درمیان صرف ایک دیوار تھی۔ ایک دن صبح کے وقت دونوں میاں بیوی نے غسل کیا۔ اُسی روز اُس شخص نے دریافت کیا

"مزار کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں۔؟"

ہم نے کہا:

"رات کو تم نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا یا نہیں۔؟"

اُس نے کہا:

"جی ہاں!"

اُس کی بیوی موجود تھی۔ اُس نے شرم سے اپنا منہ چُھپالیا۔ ہم نے کہا:

"اِس بوسہ کی اجازت تو آپ نے نہیں لی۔ وہ بھی تو غیر اللہ ہے۔"



عبدیت

میں اور عبدُ السّلام حضرت شیخؒ کی معیّت میں دہلی دروازہ کی طرف ٹہلنے کے لئے گئے۔ حضرتِ اقدسؒ نے عبدُ السّلام سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم جانتے ہو عبدیت کیا ہے؟ عبدیت تصوّف کا اِنتہائی مقام ہے۔ جو رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بدرجۂ اتم حاصل ہُوا تھا۔ عبدیت کی موٹی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو بڑی دولت دی جائے۔ لیکن وہ دینے والے کو واپس کر دے یہ کہہ کر آپ اپنی مرضی کے مُطابق خرچ کیجئے۔ وہ لوگ جن کو ساری زمین و آسمان کے تصرّفات حاصل ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو کائنات کو درہم برہم کردیں۔ وہ کچھ بھی نہیں کرتے اِس خیال سے کہ شاید اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔ یہ مقام رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بدرجۂ اتم

حاصل تھا۔ آپ نے اسمِ اعظم کے ذریعہ ساری عمر کبھی دُعا نہیں کی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا:

"جو دُعا اِس اسم کے ذریعہ آپ مانگیں گے قبول ہوگی۔"

لیکن آپ نے کبھی یہ دُعا نہ مانگی اس لئے کہ شاید اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف ہو۔ جن لوگوں کو عبدیت کا مقام حاصل ہے۔ اپنے لئے کچھ نہیں طلب کرتے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو آپ کا جی چاہے دیں ورنہ کچھ نہ دیں۔ ہم کچھ نہیں چاہتے۔ ہم صرف آپ کی خوشی چاہتے ہیں۔

سونا افضل ہے یا جاگنا!

اِس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کی بعض کیفیات کسی عارضی چیز کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک بزرگ تیس برس تک نہ سوئے۔ ایک روز اِتفاق سے آنکھ لگ گئی تو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگیا۔ اَب یہ سوتے پھرتے تھے۔ کبھی اِس درخت کے نیچے کبھی اُس درخت کے نیچے۔ اور کہتے تھے:

"سونا تو بہت اچھی چیز ہے۔"

ایک دن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"تم کیوں سوتے پھرتے ہو۔؟"

اُنھوں نے جواب دیا:

"تیس سال تک نہیں سویا تو کچھ نہ ہوا۔ جب ایک دفعہ سو گیا تو آپ کا دیدار ہوگیا۔ اَب میں اس لئے سوتا ہُوں کہ آپ کا دیدار ہو جائے!"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یہ دیدار صرف تمھارے تیس برس جاگنے کی وجہ سے تھا۔ اَب تیس برس اور جاگو تب کچھ اور ملے گا!"

فرمایا اَب گویا ان کو پاس پورٹ (PASSPORT) مِل گیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ بعض صوفیا کے نزدیک سونا جاگنے سے افضل ہے حضرت جنیدؒ بغدادیؒ اُن میں سے ایک ہیں، وہ یہ وجہ بتلاتے ہیں

"بندہ کا سونا اللہ کا فعل ہے اور بندہ کا جاگنا خود اس کا فعل ہے۔"

میں اِس سے اِتفاق نہیں کرتا کیوں کہ بندہ کا جاگنا بھی اللہ کا فعل ہے۔ جاگنے کے لئے اس نے ذرا سا پردہ ڈال دیا لیکن سب اسی کا فعل ہے۔

گناہ سے وَلی کے عرفان میں اِضافہ اور محبّت میں کمی!

درگاہ شریف کی حاضری سے واپس آنے کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ اس وقت گلبرگہ شریف کے حضرت بندہ نواز سیّد محمّد گیسو دراؒز کی ایک کتاب زیرِ مطالعہ ہے۔ یہ کتاب حضرت ضیاء الدّین سہروردیؒ کی آدابُ المریدین" ہے، جو عربی میں ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ و شرح حضرت بندہ نوازؒ نے کیا ہے۔ اور بعد میں ایک ضمیمہ بھی لکھا ہے۔ جو بذاتِ خود ایک STANDARD WORK- (اصولی کتاب) ہے۔ یہ ترجمہ اَب طبع ہو گیا ہے۔ اس میں بہت عجیب و غریب نکات ہیں۔ مثلاً آپ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص سے جو درجہٴ ولایت میں ہو گناہ سرزد ہو تو ولایت کے مقام میں راجع ہوتا ہے۔ محبّت میں کمی ہوتی ہے۔ لیکن عرفان میں اِضافہ ہوتا ہے۔ اَب یہ بظاہر بہت تعجّب کی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس موقعہ پر حضرتِ اقدسؒ نے بندہ سے دریافت فرمایا:

"تم غور کرو اور بتاؤ کہ اس کی وجہ کیا ہے۔؟"

لیکن بندہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ فرمایا بات یہ ہے کہ عرفان کے معنی ہیں معلوم کرنا۔ جب آدمی گُناہ کرتا ہے تو کم از کم اُسے گناہ کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے اور آئندہ کے لئے FOREARMED (قبل اَز وقت مُسلّح) ہو جاتا ہے۔ مثلاً جُوتے پڑنے کا عرفان نہیں ہو سکتا بغیر جُوتے پڑنے کے۔ مطلب یہ نہیں کہ عرفان بڑھانے کے لئے گناہ کرے۔

سالک کو چاہیئے کہ اعتدال سے کام لے۔ اگر اُس سے گُناہ سرزد ہو گیا تو CONSOLATION (اطمینان کی بات) یہ ہے کہ عرفان بڑھ گیا۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ مقام میں کوئی فرق واقع نہ ہو تو توبہ کرے۔ تو آخر شریعت پر بات واپس آتی ہے کہ گُناہ مت کرو۔ اگر اتفاق سے گناہ ہو جائے تو عرفان تو بڑھ جاتا ہے لیکن تاکہ محبت میں اور مقام میں فرق نہ آئے، وہ صدقہ دے۔ ایثار کرے اور توبہ استغفار کرے۔ اور یہی شریعت کا حکم ہے۔ دَراصل شریعت اس قدر جامع اور قطعی ہے کہ سب نکات اس کے تحت آجاتے ہیں۔ ایک روز حضرت علیؓ اور حضرت ابُوبکرؓ بہت بلند اور باریک شرعی نکات پر گفتگو کر رہے تھے۔ ایک اعرابی آیا اور تھوڑی دیر تک گفتگو سُن کر کہنے لگا:

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔ میں تو فقط پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہوں۔ رمضان کے روزے رکھتا ہوں۔ میرے پاس کبھی اِس قدر جمع نہیں ہُوا کہ زکوٰۃ دُوں۔ اور ایک بار میں نے حج بھی کیا ہے۔ میں تو یہی جانتا ہُوں کہ اللہ ایک ہے۔ رسُولؐ برحق ہے۔ اور قیامت کے دن حشر نشر ہو گا۔"

حضرت ابُوبکرؓ نے فرمایا:

"ہم بھی اِن ہی چیزوں کے اِردگرد چکّر لگا رہے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ عرفان کا یہ سارا سلسلہ شریعت کے نکات کے تحت ہے۔

۲۳ جمادی الآخر ۱۳۶۳ھ - ۱۴ جون ۱۹۴۴ء

جمادات اور نباتات میں بھی حیات ہے!

کل جب حضرتِ اقدسؒ درگاہ شریف کی حاضری کے لئے جا رہے تھے تو راستہ میں ایک بچھڑا مِلا۔ عبد السّلام نے کہا: آپ ہٹیے جانور آرہا ہے۔ حضرت نے فرمایا: کوئی

بات نہیں ہم بھی جانور ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ جانور حیوانِ مطلق ہے۔ اور انسان حیوانِ ناطق۔ یہ غلط ہے۔ رُوحانیت اور سائنس کی رُو سے نباتات میں بھی حیات ہے۔ سائنس دانوں نے ایسی مشینیں ایجاد کی ہیں کہ نباتات کی باتیں معلوم کر سکتے ہیں۔ اب تک ایسی لطیف مشین ایجاد نہیں ہوئی جس سے جمادات کی حیات معلوم کر سکیں۔ بات یہ ہے کہ ہر چیز میں حیات ہے۔ دیکھو یہ بکس ہے۔ اِس میں بھی حیات ہے۔ جب یہ توڑا جائیگا تو پھر بکس نہیں رہے گا۔ ایسا ہے کہ گویا اللہ میاں نے ظہورِ حیات کے لئے ایک میدانِ عدمیّت پیدا کیا۔ پھر اس میدانِ عدمیّت میں حیات کا اظہار کیا۔ مثلاً حیات پر ستّر لاکھ پردے ڈال دیئے تو جمادات ہوئے۔ پھر بیس لاکھ پردے اُٹھائے تو نباتات ہو گئے۔ بیس لاکھ پردے اور اُٹھا لئے تو حیوانات وجود میں آئے۔ اِسی طرح انسان اور پھر آگے ملائکہ۔ کیوں کہ فرشتہ زیادہ علوی اور لطیف چیز ہے۔ اِنسان میں جامعیت ہے۔ اس میں سفلی اور علوی دونوں پہلو موجود ہیں۔ دراصل حیات تو ایک ہی ہے۔ صِرف پردوں کا فرق ہے۔

جلال میں بھی جمال ہے

شام کی حاضری سے پہلے حضرتِ اقدسؒ شاہ حسینؒ میاںؒ (پھلواری شریف) سے ملنے گئے۔ عبدُ السلام اور بندہ ساتھ تھے۔ اثنائے گفتگو میں حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا:

"دُنیا میں ہر چیز اللہ کے جمال کا مظہر ہے۔"

حسینؒ میاںؒ نے کہا:

"آج کل زیادہ تر جلال کا اظہار معلوم ہوتا ہے۔"

(ایامِ جنگ تھے) حضرت نے فرمایا:

"اِس کا نتیجہ جمال ہوگا۔ اور نتیجہ افضل ہے ذرائع سے۔"

حسینؒ میاںؒ نے کہا:

"نتیجہ تو ہمارے بعد ہوگا۔ ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔؟"

حضرت نے فرمایا:

" وہاں سے بھی اس دُنیا کے معاملات میں دِلچسپی لیں گے۔ ساری کائنات میں کوئی چیز ہم سے خارج نہیں ہے، وہاں جانے سے اِضافہ ہوتا ہے کچھ گھٹتا نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی چیز کم ہو جائے۔"

پہلے زمانے کی نسبت آجکل بزرگ زیادہ ہیں!

حاضری سے واپس آنے کے بعد فرمایا کہ پُرانے لوگوں کو اِس زمانے سے بہت کوفت ہوتی ہے کیونکہ وہ پُرانی صورتیں آجکل نظر نہیں آتیں۔ اَب ایک نیا دَور آئے گا جس کے لئے یہ لوگ تیّاری کر رہے ہیں۔ لوگ تو ہیں لیکن اپنے آپ کو چُھپاتے ہیں۔ اس وقت "یا باطِنُ" کا دَور ہے۔ اس کے بعد "یا ظاہِرُ" کا دَور آئے گا۔ اور سب لوگ میدان میں نِکل آئیں گے۔ جب ایک بزرگ سے دریافت کیا گیا

" آجکل پہلے زمانے کے مُقابلہ میں بزرگ کم ہیں یا زیادہ۔؟"

تو اُنھوں نے فرمایا:

" پُرانی چھت کے لئے ستون زیادہ ہوتے ہیں!"


۱۹ رجب ۱۳۶۳ھ - ۱۱ جولائی ۱۹۴۴ء

کنجوسی کی نسبت فضول خرچی کے متعلق زیادہ سخت وعید ہے!

تاراگڑھ کے عُرس کے موقع پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ قرآن شریف میں فضول خرچی کے متعلق سخت وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط	فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

لیکن کنجوسی کے متعلق اتنی سخت وعید نہیں ہے۔ البتہ اگر اس وجہ سے کنجوسی کرتا ہے کہ

اللہ پر بھروسہ نہیں ہے تو بہت بُری بات ہے۔ لیکن اگر اس وجہ سے ہو کہ جمع کردہ کسی اور کام میں لائیں گے جس سے اور زیادہ فائدہ ہو تو اتنی بُری بات نہیں ہے۔

حضرت اقدسؒ کو حضرت حاجی صاحبؒ اور مولانا گنگوہیؒ سے خلافت!

حسب ذیل خواب حضرت اقدسؒ نے دسمبر ۱۹۴۰ء (مطابق ذوالقعدہ ۱۳۵۹ھ) میں بیان فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت اقدسؒ نے اپنے مجاہدات کے زمانے کا خواب سُنایا جس میں آپ کو حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے خلافت ملی۔ آپ نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے خلافت پانے کا واقعہ بھی بیان فرمایا۔

ارشاد فرمایا کہ مجاہدات کے زمانہ میں جب میں اجمیر شریف میں رہتا تھا ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک بہت صاف سُتھرے صحن میں ہُوں جو سفید سنگِ مرمر سے بنا ہُوا ہے۔ وہاں علماء کا ایک جلسہ ہو رہا ہے۔ میرے ایک دوست مولوی اشرف حسین (یا شاید حضرتؒ نے عابد حسین فرمایا) نے میرا تعارف حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے کرایا۔ اس وقت آپ کی صُورت ایک نوجوان کی سی تھی۔ اور سر پر سُنہری تاج پہنے ہُوئے تھے اور نہایت عظیم الشان ہستی معلوم ہوتے تھے۔ آپ مجھے بہت خوشی سے ملے اور میرا امتحان لینے لگے۔ ساتھ ہی آپ نے یہ فرمایا :

"شاید پہلی نظر سے سوالات مُشکل نظر آئیں۔ لیکن ان کا جواب آسان ہوگا۔"

میں نے سارے سوالوں کا ٹھیک جواب دیا۔ شروع سے میں اپنے شیخ مولانا وارث حسن صاحبؒ کو تلاش کر رہا تھا۔ تاکہ مجھے کچھ سہارا مل جائے۔ امتحان کے بعد مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے فرمایا :

"اچھا اَب تم لوگوں کو تعلیم دینا شروع کر سکتے ہو۔"

جب میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے رخصت ہُوا تو پھر مولانا صاحبؒ کو ڈھونڈنا

شروع کیا۔ میں نے ایک سیڑھی دیکھی۔ میں اس پر چڑھنے لگا۔ اوپر جا کر مولانا صاحبؒ کو مریدین کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ مولانا صاحبؒ نے دیکھتے ہی فرمایا:

"تم کہاں تھے۔ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

میں نے ان کو سارا ماجرا سنایا اور آپ بہت مسرت اور دلچسپی سے سنتے رہے۔ پھر خواب ختم ہو گیا اور میں تین دن تک حال میں پلنگ ہی پر پڑا رہا۔ اس کے بعد میں لکھنؤ گیا اور مولانا صاحبؒ سے ملا۔ اس وقت میں نے آپ کو اسی حالت میں پایا۔ جیسے خواب میں دیکھا تھا۔ مولانا صاحبؒ نے دیکھتے ہی اسی محبت سے دریافت فرمایا:

"تم کہاں تھے! میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔"

یہ سن کر میں ہنسنے لگا۔ جب مولانا صاحبؒ نے ہنسنے کا سبب دریافت فرمایا تو میں نے وہ خواب بیان کیا۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد مجھے خلافت نیابتی ملی۔



حقیقی پاکستان کب بنے گا۔؟ | حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اب امام صاحب (امام مہدیؑ) کے زمانے تک دنیا میں امن نہیں ہوگا۔ اب سوال امن کا نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کس طرح مریں۔ کم سے کم کچھ کر کے مرنا چاہیئے۔ جو کام اب ہو رہا ہے اس کا اثر ایک سو سال کے بعد ہوگا۔ بندہ نے عرض کیا:

"پھر پاکستان کا کیا ہوگا۔؟"

فرمایا کہ یہ تو صرف ایک ذریعہ ہے۔ حقیقت میں پاکستان نہیں رہے گا۔ بلکہ سارا ہندوستان اسلامی ملک ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ امام صاحب کے وقت ساری دنیا مسلمان ہو گی۔ اور حقیقی پاکستان تو صرف اس وقت ہوگا۔ اب دنیا میں رہنا مصیبت ہے۔ امن صرف قبر میں ملے گا۔ اور وہ بھی صرف ان لوگوں کو جنھوں نے اچھے اعمال کئے۔ ورنہ

جن لوگوں نے نیک اعمال نہیں کئے ان کے لئے مصیبت کا آغاز ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ دُنیا میں جتنے فساد ہیں سب نفسانیت کی وجہ سے ہیں اور جتنی خوبیاں ہیں سب للّٰہیت کی وجہ سے ہیں۔ بات مختصر یہی ہے۔ فرمایا دُنیا میں دو چیزیں ہیں خدا اور نفس۔ سب بُری چیزوں کی بنیاد نفس ہے۔ اور سب اچھی چیزوں کی بنیاد خُدا ہے۔

وحدتُ الوجود

اس نے فرمایا وحدت الوجود الحمد للّٰہ کے پہلے دو حروف میں موجود ہے۔ ان کے معنی ہیں جامعیت کے یعنی سب تعریف جو ہے۔ اللہ کی ہے تو وجود بھی ایک تعریف ہے۔ اِس لئے جو وجود ہے وہ بھی اللہ ہی کا وجود ہے۔ مسلمان تو وحدت الوجود میں جھگڑے ہوتے ہیں۔ دیکھو آدمی جب کوئی اچھی چیز دیکھتا ہے تو کہتا ہے سُبحان اللہ! مثلاً جب مزیدار آم کھاتے ہو تو کہتے ہو سُبحان اللہ! حالانکہ مزیدار تو آم ہے۔ اللہ سے اس کا کیا تعلق ہے۔ کہنا چاہیئے کہ سُبحان آم! لیکن نہیں سُبحان اللہ کہتے ہیں۔ اگر یہ وحدت الوجود نہیں ہے تو کیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ فاروق احمد[1] نے جو یہ خواب دیکھا تھا کہ مولانا صاحبؒ نے اُن سے فرمایا کہ اب میرا اجمیر شریف میں رہنے کا اِرادہ ہے۔ تم بتاؤ اِس کے کیا معنی ہیں۔؟

بندہ نے عرض کیا:

"شاید اِس کی وجہ یہ ہے کہ بزرگ ہمیشہ دُنیا سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اِس میں کوئی نئی بات تو معلوم نہیں ہوتی۔"

آپ نے فرمایا:

"تم نے بھی دیکھا کہ مولانا صاحبؒ ریڈ لوش رہے ہیں تمھیں یاد ہے کہ مولانا صاحبؒ ایک دفعہ میرے پاس آئے اور دریافت کیا:

---

[1] فاروق احمد صاحب حضرت شاہ شہید اللہ صاحب کے برادر بزرگ تھے۔ ان کا وصال فروری سنہ ۱۹۴۵ء میں بمقام لاہور ہوا اور آستانہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے احاطہ میں ہمسائگی کی نعمت سے نوازے گئے۔

"تم کو معلوم ہے تمہارے پیر کا کیا مقام ہے۔؟" میں نے کہا:

ہاں میرے پیر کا مقام میرے دل میں ہے۔" تو آپ نے فرمایا:

"میں یہی بتلانے آیا ہوں"

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مولانا صاحبؒ (مولانا وارث حسنؒ) میرے ذریعہ اجمیر شریف میں رہتے ہیں۔

حقیقتِ عرس

ارشاد فرمایا کہ عرس عروس سے مشتق ہے۔ عروس کے معنی ہیں دُلھن۔ حدیث میں ہے کہ جب نیک بندہ کی رُوح اللہ تعالیٰ کے سامنے جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ	اب دُلھن کی نیند سو جاؤ۔

اِس سے رُوح کو بے حد خوشی ہوتی ہے کہ آخری اِمتحان میں پاس ہوگئے۔ اور یہ خوشی اُسی تاریخ پر ہر سال دُہرائی جاتی ہے۔ اس لئے اِس خوشی سے لُطف اُٹھانے کی خاطر اہلِ کشف ہر سال اُس مقام پر جاتے ہیں۔ اور اُن کے مُریدین بھی وہیں جاتے ہیں۔ تاکہ پچھلا کام اپنے پیر کو دکھائیں اور نئے احکام لیں۔ اِس کے ساتھ وہ لوگ جو شیخ کی تلاش میں ہوتے ہیں وہ بھی جاتے ہیں۔ کیوں کہ وہاں تمام مشائخ جمع ہوتے ہیں۔ یہ دیکھ کر دُکاندار اور روٹی والے بھی پہنچ جاتے ہیں تاکہ ان کے مال کی بکری ہو اِس طرح عرس بن جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ عرس کے موقعہ پر خواجہ صاحبؒ نہایت خوشی میں ہوتے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ خوشی کے وقت آدمی فیاض ہوتا ہے۔ اس واسطے ان ایّام میں ہر وقت خواجہ صاحبؒ کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ موقعہ سال بھر میں صرف ایک دفعہ ہاتھ آتا ہے۔ دُوسرے کام تو بعد میں بھی کئے جا سکتے ہیں۔ اور خواجہ صاحبؒ سے مختلف رنگوں میں فائدہ اُٹھانا چاہیئے جیسے کہ چاند سے اس کی مختلف صُورتوں میں لُطف اٹھاتے ہیں۔ پہلے براہِ راست چاند کو دیکھتے ہیں۔ پھر چاندنی یعنی چاند کے پَرتو کو دیکھتے ہیں۔ پھر پانی میں چاند کا عکس ہوتا ہے اور اس عکس سے بھی چیزوں پر پَرتو ہوتا ہے۔ لہٰذا

درگاہ شریف میں جانا۔ درگاہ بازار میں گھومنا۔ تماشا دیکھنا۔ یہ سب خواجہ صاحبؒ کا پَرتو ہے۔ اور پھر اولیاء اللہ بھی موجود ہوتے ہیں۔ اُن کے پَرتو سے بھی لُطف اٹھانا چاہیئے۔ پھر مندرجۂ ذیل [illegible]یزی الفاظ میں حضرتؒ نے فرمایا:

"YOU MUST SQUEEZE AS MUCH AS YOU CAN OUT OF THE KHWAJA SAHIB."

(خواجہ صاحبؒ سے جتنا نچوڑ سکو نچوڑ لو)

۔جمادی الاوّل ۱۳۶۳ھ - ۹ مئی ۱۹۴۴ء

قبض اور کیفیات کے تبدّل و تغیّر میں حکمت

ایک دفعہ بندہ نے حضرت اقدسؒ سے شکایت کی کہ کبھی کبھی اچھی کیفیت ہوتی ہے۔ لیکن دُوسرے اوقات میں وہ بند ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"ارے بھائیؔ! یہ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ اصلی سکون تو صِرف قبر میں ملتا ہے۔ یا اِس زندگی میں اگر نفسِ مطمئنّہ کا درجہ مِل جائے۔ پھر بھی یہ سکون عارضی ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کے حالات اور کیفیات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ جب حضرت یُوسف علیہ السّلام کا کُرتہ مصر سے لایا جا رہا تھا تو حضرت یعقوب علیہ السّلام کو دُور سے اس کی خوشبو آگئی لیکن جب حضرت یوسف علیہ السّلام کنوئیں میں تھے۔ تو آپ کو اس کا عِلم نہ ہوسکا۔ یہ معاملہ تو سب کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ کیفیات کے تبدّل و تغیّر میں ایک خاص مزہ کی بات ہے۔ احوال و کیفیات بے انتہا ہیں۔ اگر آدمی صِرف ایک ہی حال میں رہتا تو باقی سب احوال سے محروم رہتا۔ ظاہر ہے

کہ جب تک ایک حالت ختم نہ ہو جائے دُوسری حالت نہیں آسکتی۔ مثلاً
آم کھاتے وقت تم امرتی کی لذّت نہیں حاصل کر سکتے جب تک کلّی نہ کرو۔
اور ایک دو پان نہ کھالو ۔جب آم کی لذّت بھول جاؤ گے۔ تب امرتی
کی لذّت حاصل کرو گے۔ "

اِس کے بعد سیاسیات پر گفتگو ہونے لگی۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا :
" اسلام کا نیا دَور آنے والا ہے جس میں ہندوستان راہنمائی کریگا۔
نئے دَور میں ہندوستان کا بڑا حصّہ ہوگا۔ "

(یہ یاد رہے اُس وقت پاکستان نہیں بنا تھا۔ ہندوستان سے آپ کی مراد مسلمان اور مسلمانوں کی حکومت ہے۔ جس کے متعلق حضرت کئی دفعہ فرما چکے ہیں کہ پورے ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت ہو جائیگی، سیاستِ عالم میں مسلمان بڑا حصّہ لیں گے۔ یہاں ہندوستان سے ہندوؤں کی حکومت ہرگز مراد نہیں ہے)۔

شام کے وقت جب حضرت اقدسؒ درگاہ شریف جا رہے تھے تو ارشاد فرمایا کہ جب میں بمبئی گیا ہوا تھا تو میری لڑکی نے خواب میں دیکھا کہ مولانا صاحبؒ تشریف لائے ہیں، وہ پریشان تھیں کہ گھر میں آپ کی خاطر و مدارات کون کرے گا۔ تو مولانا صاحبؒ نے فرمایا :

" درگاہ میں اچھا اِنتظام نہیں اور یہاں ریڈیو بھی نہیں ہے۔ ہم جاتے ہیں۔"

اِس پر حضرت اقدسؒ نے میرے ریڈیو والے خواب کا حوالہ دے کر فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرا ریڈیو عالمِ بالا میں ACCEPTED ہے (یعنی تسلیم ہو چکا ہے)۔

سلوک اور شادی

اس کے بعد سیّد مقصود حسن نے کہا اب شہید اللہ اور عبد السلام کی شادی کا اِنتظام کرنا چاہیئے۔ حضرت نے فرمایا کہ جس میں تم پھنسے ہوئے ہو اوروں کو بھی پھانسنا چاہتے ہو! لوگ تو اسے شادی کہتے ہیں، لیکن میرے

خیال میں یہ ایک مصیبت ہے۔ اس سے آزادی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ شادی نہیں ایک تعزیت کا موقعہ ہے۔ حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں مختلف قسم کے لوگوں کے مشاغل ہیں۔ مثلاً شادی شدہ عورتیں۔ کنواری عورتیں۔ بیوہ عورتیں یا بیمار لوگ جو مجاہدات نہیں کر سکتے۔ اس میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ ایک مرید آپ کے پاس آیا اور عرض کیا:

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

آپ نے جواب دیا:

"میں جانتا ہوں کہ یہ سنت ہے اور صحابۂ کرامؓ کی بھی یہ روش رہی ہے چنانچہ ایک صحابیؓ کا قول ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ پندرہ دن اور زندہ رہوں گا تو میں شادی کر لوں گا۔ لیکن میں اس وقت شادی کی مصیبت میں تم کو گرفتار دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس سے تمھارا سلوک رہ جائے گا۔"

(اس کتاب کے مقدمہ میں لکھا گیا ہے کہ ملفوظات شروع سے پڑھنے چاہئیں، کیونکہ شروع کے ملفوظات مبتدیوں کے لئے ہوتے ہیں۔ جن کے لئے اور حکم ہیں۔ اور متوسطین اور منتہیوں کے لئے اور حکم ہیں۔ دوسرے مقامات پر حضرت اقدسؒ کا شادی کرنے کے لئے تاکیدی حکم اور اسے سلوکِ محمدیؐ سے تعبیر کرنا اور ترجیح دینا مبتدیوں کے لئے نہیں بلکہ آگے کے لوگوں کے لئے ہے)۔

۱۳؍ رمضان ۱۳۶۳ھ - ۱۴؍ ستمبر ۱۹۴۴ء

ساری کائنات ایک ناچ ہے!

(یہ ملفوظ بھی پہلے کا ہے)

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ یہ ساری کائنات ایک ناچ ہے۔ ناچ حرکت کے حسن کا نام ہے۔ جیسے موسیقی حسنِ آواز ہے۔ اور شاعری حسنِ کلام۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم یہ کرتے ہیں۔ ہم وہ

کرتے ہیں۔ لیکن سب کچھ وہی ہے اور ہے کون۔ وہی ہے۔ وہ مختلف رُوپوں میں چلتے پھرتے ہیں۔ خود ناچتا ہے اور خود دیکھتا ہے۔ اور خود مست ہوتا ہے۔



۲۰ رمضان سنہ ۱۳۶۳ھ ۔ ۲۱ ستمبر سنہ ۱۹۴۴ء

کائنات کیا ہے اپنے آپ کو دیکھنا!

حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو بتاؤں کہ کائنات کیا ہے ۔ ؟ آپ نے گردن جُھکا کر اپنے آپ کو دیکھا، فرمایا بس یہی ہے ۔ پہلی نظر اجمالی ہے ۔ دُوسری تفصیلی ۔ جب کوئی تصویر دیکھتا ہے تو پہلی نظر اجمالی ہوتی ہے ۔ پھر تفصیل کے ساتھ ہر عضو کو دیکھتا ہے ۔ پھر اخیر میں ایک اجمالی نظر ڈال لیتا ہے ۔ یہ آخری اجمالی نظر انسان ہے کیونکہ جو کچھ کائنات کے اندر تفصیل کے ساتھ موجود ہے ۔ وہ انسان کے اندر اجمال کے ساتھ ہے ۔ جب کوئی اپنے آپ کو دیکھنا چاہتا ہے تو فوٹو بنواتا ہے ۔ ہم اللہ میاں کے فوٹو ہیں ۔

نفسِ کُل

پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اَب تم سمجھ گئے کہ نفسِ کُل کیا ہے ۔ ؟ بندہ نے عرض کیا :

"جی ہاں! وہ جو آپ نے فرمایا تھا PASSIVE PRINCIPLE

(منظہر انفعال)"

اس پر حضرت اقدسؒ نے زیادہ تفصیل کے ساتھ یوں بیان فرمایا :

"جب اللہ تعالیٰ نے CREATION (کائنات) کو پیدا کرنا چاہا، تو اپنے ذہن میں اُس نے ایک چیز اپنے سے غیر کا تخیّل کیا ۔ قدرت یعنی علم، قدرت، حقائق وغیرہ وہ تو عقل ہے (عقلِ کُل) یہ خدا ہے ۔ ACTIVE ASPECT میں یعنی بہ حیثیت فاعل اور جس چیز میں وہ ACT کرتا ہے وہی نفس ہے ۔ اگر عارفانہ طریقہ سے کوئی بیان کرنا چاہے تو یوں

کہے گا کہ نفس اللہ میاں کا وہ حصّہ ہے جسے اپنے سے غیر قرار دیا۔ کائنات ہر آن اور ہر لحظہ اللہ کی محتاج ہے۔ اگر وہ نظر پھیر لیں تو آن کی آن میں سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر تم اپنے ذہن میں ایک شخص پیدا کر دو اور اس سے بات کرو۔ پھر جب تم اس سے دھیان ہٹا لیتے ہو تو وہ نہیں رہتا، اسی طرح یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی توجہ کے بغیر نیست و نابود ہو جاتی۔ ہمارے جسم بھی فنا ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ بھی اللہ کی توجہ سے قائم ہیں۔ ہمارا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی ہم پر نظر ہے۔ یہ نظر "قیوم" کی نظر ہے تم اس کی طرف متوجّہ ہو یا نہ ہو وہ تمہاری طرف متوجہ ہے۔ اگر تم اس کی طرف متوجّہ ہو تو پھر وہ ایک اور قسم کی توجہ دیتا ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ ایسا ہوں ایسا ہوں۔"

حقیقتِ معراج

بمبئی میں حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ حقیقتِ معراج سمجھنے کیلئے پہلے کچھ ابتدائی حقائق سمجھنے کی ضرورت۔ اس سے قبل آپ حضرت مولانا رومؒ اور حضرت شمس تبریزؒ کا قِصّہ بیان فرما چکے تھے جس میں حقیقتِ معراج سمجھانے کے لئے حضرت شمس تبریزؒ نے لوگوں کو دکھا دیا کہ جسم لطیف بنایا جا سکتا ہے۔ یہ قصہ صفحہ ــــ پر درج ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ سائنس والے بھی اس کے قائل ہیں کہ رُوح اور جسم دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ مادّہ ایک ہے۔ رُوح جب کثیف حالت اختیار کر لیتی ہے تو جسم بن جاتا ہے۔ اور جسم جب لطیف صُورت اختیار کرتا ہے تو رُوح بن جاتا ہے۔ مادّہ ایک ہی ہے۔ معراج کا مطلب بندہ اور خُدا کے درمیان حجابات کا دُور ہونا اور بندہ کا اپنی حقیقت پہچاننا ہے۔ یہاں ایک مثال دیتا ہوں لیکن یاد رہے کہ مثال ہمیشہ ناقص رہ جاتی ہے کیوں کہ دُنیا میں کوئی ایک چیز دُوسری کے مثل نہیں ہے۔ اس لئے ہر مثال خام رہ جاتی ہے۔ مثال سے صِرف ایک قسم کی مناسبت دکھائی جاتی ہے۔ اور وہ بھی بعض پہلوؤں سے۔ کُلّی طور پر نہیں۔ اب فرض کرو کہ ایک بادشاہ کا لڑکا

کسی دوسرے ملک میں چلا جاتا ہے اور اُس کو کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ میں بادشاہ کا لڑکا ہُوں۔ جب وہ بڑا ہوتا ہے تو اپنے ملک میں کسی طرح واپس آتا ہے اور اس مُلک کی رعایا میں شامل ہوجاتا ہے۔ ایک دن وہ بادشاہ اس کو پہچان لیتا ہے۔ اور اُسے تنہائی میں بُلاکر کہتا ہے:

"میں تیرا باپ ہُوں اور تو میرا بیٹا ہے!"

یہی اُس کی معراج ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو کہتے ہیں کہ معراج اُس وقت ہوئی جب انھوں نے درخت میں آگ کو دیکھا۔ باقی سب انبیاء اور اولیاء کے معراج الگ الگ ہیں۔ یہاں حضرت نے ایک شعر پڑھا جو عام طور پر قوال گاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ موسیٰؑ اور تھا اور تُو اور ہے۔ فرمایا یہ بالکل غلط ہے سب ایک ہیں۔ جتنے انبیاء علیہم السّلام ہُوئے ہیں۔ سب رسُولِ کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے مختلف شانوں کے مظہر ہیں۔ یہ لوگ رسُولِ خُدا صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی فضیلت بیان کرنے کے لئے دُوسرے نبیوں کی توہین کرتے ہیں۔ فرمایا ناسوتی زبان اِس دُنیا کی چیزوں کو بتلانے کے لئے ہے۔ ملکوتی چیزوں کے لئے ملکوتی زبان ہے۔ اور جبروتی چیزوں کے لئے جبروتی زبان ہے، یہ اُونچی چیزیں ہیں۔ ناسوتی زبان میں کیسے بتائی جا سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معراج کی حقیقت بیان میں نہیں آسکتی۔ بغیر اس کے کہ اس کو کچھ بڑھایا جائے یا گھٹایا جائے۔ رسُول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی معراج سب لوگوں کی معراج سے افضل ہے۔ اور اس وقت آپ نے وہ چیزیں دیکھیں جو ہم موت کے بعد دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ یہ جو لوگ دریافت کرتے ہیں کہ کسی موقعہ پر رسُول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم پیر کی شکل میں آئے یا اس کے برعکس۔ یہ ایک بے کار سوال ہے معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ سب کچھ وہی ہے۔ مختلف شکلوں میں۔ یہ سب برزخ ہے۔ جیسے جب نل میں پانی آتا ہے تو پائپ (PIPE) کے ذریعے آتا ہے۔ پائپ برزخ ہے پانی اور نل کے درمیان۔ اللّٰہ میاں جس سیڑھی سے اُترنا

جاتے ہیں۔ اُترتے ہیں۔ یہ اس کی شان ہے کہ چیف آف اسٹاف (CHIEF OF STAFF) بھی ہوتا ہے اور پرائیویٹ سکریٹری (PRIVATE SECRETARY) بھی۔ یہ سب برزخ ہیں۔ عارف کا کام یہ ہے کہ سب کو وہی سمجھے۔ مبتدی کو شروع میں بتایا جاتا ہے کہ سب کچھ شیخ کے ذریعہ سے آتا ہے۔ یہ اُسی طرح ہے جس طرح بچے پڑھتے ہیں۔ g-o = go (ب و بُو دال موقوف بوُد) لیکن جب بڑا ہو جاتا ہے تو ہر وقت ہجے تھوڑی کرتا ہے go (گو) کہہ دیتا ہے۔ برزخ کو برزخ سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ اصلی بُت پرستی یہی ہے کہ تعیّن کو اصل سمجھ لے۔ خواجہ صاحبؒ جب بُت پرستی کے متعلق گفتگو فرماتے تھے تو بُت پرستی نہیں کہتے تھے۔ ہمیشہ تعیّن پرستی کہتے تھے۔ سب اُسی کی مختلف شکلیں ہیں۔ پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسانی صورت میں خود کوئی کام کرتا ہے تو اُس صورت کو اس بات کی خبر نہیں ہوتی

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ط	تُو نے مٹی نہیں پھینکی۔ جب تُو نے مٹی پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اَب لفظ اِذْ رَمَیْتَ سے ظاہر ہے کہ مٹی رسُول اللہؐ نے پھینکی لیکن پھر اُسی وقت کہہ دیا کہ مَا رَمَیْتَ یعنی تُو نے نہیں پھینکی۔ اصلی لقائیت یہی ہے۔ یعنی فناء الفنا جس میں فنا کا احساس بھی نہیں رہتا۔ اگر کسی کو محسوس ہو کہ میں اللہ میں فنا ہوں اور اللہ یہ کام کر رہا ہے۔ میں نہیں کر رہا۔ تو یہ ایک کمی ہے۔

عبدیّت پھر عبدیّت (جو مقامِ لقائیت اور فناء الفنا ہے) کے بارے میں فرمایا کہ فرض کرو ایک غلام ہے جس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ وہ آقا سے کہتا ہے کہ:

"میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ جو کچھ کھلائیں گے کھاؤں گا اور جو کچھ پہنائیں گے پہنوں گا۔"

ایک دُوسرا شخص ہے جس کو وہ آقا پُورا خزانہ، زمین اور اِختیار اور طاقت دار دے دیتا ہے لیکن وہ شخص سب کچھ اُس رئیس کی نذر کر دیتا ہے۔ اور کہتا ہے:

"جیسے آپ حکم دیں گے میں اُسی طرح کروں گا۔"

تو وہ رئیس کس سے زیادہ خوش ہوگا۔ غلام سے یا دُوسرے شخص سے؟ ظاہر ہے کہ وہ دُوسرا شخص اس کی نظروں میں زیادہ عزیز ہوگا۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میں عبدیت بدرجہ اتم تھی۔ کوئی جادُو کر رہا ہے اور آپ کو اس سے سخت تکلیف بھی ہے اور آپ اُسے دفع کرنے کی قوت بھی رکھتے ہیں۔ لیکن اللہ کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم ہے۔ جب تک اللہ حکم نہ دے کچھ نہیں کرتے۔ اسی طرح جب مشرکین وغیرہ سوال کرتے ہیں۔ باوجودیکہ آپ ساری کائنات کی سیر کر چکے ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں۔ آپ جواب نہیں دیتے۔ جب تک اللہ کی طرف سے وحی نہ آجاتی۔ مثلاً لوگ آپ سے حقیقتِ رُوح کے متعلق دریافت کرتے ہیں لیکن آپ خاموش رہتے ہیں جب تک اللہ سے یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ط (آپ سے رُوح کے بارے میں پُوچھتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ رُوح میرے ربّ کے حکم سے ہے) نازل نہیں ہوتا۔ فرمایا:

"عبدیت اِسی کو کہتے ہیں کہ ساری کائنات پر قدرت ہو لیکن کچھ بھی نہ کرے، جب تک کہ اللہ حکم نہ دے۔"

۲۳ رجب ۱۳۶۴ھ - ۳ جُون ۱۹۴۵ء

یافت اور نایافت

حضرت شیخ ادام اللہ فیوضہ نے چند یوم پہلے فرمایا کہ توجّہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ یافت اور نایافت۔ ان میں سے یافت

بہت اعلیٰ ہے۔ یافت کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اللہ کی شان دیکھتا ہے اپنے نقطۂ نظر سے۔ اور اس کا مزہ لیتا ہے۔ نایافت کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ کے نقطۂ نظر سے اللہ کو دیکھتا ہے۔ اور وہی مزہ لیتا ہے۔ جو اللہ اپنی شان سے لیتا ہے۔ یہ مجاہدہ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے۔ اس لئے اسے نایافت کہتے ہیں۔ یہ صرف ایک جھلک ہوتی ہے سوئی کی نوک کے برابر۔ اس کے بعد فرمایا کہ قوالی سننے میں بہترین حالت وہ ہے کہ خیال کرے کہ خود گا رہا ہے اور خود سن رہا ہے اور مزہ لے رہا ہے۔

قبض وبسط آج کی تقریر کے دوران فرمایا کہ مقصد صرف خدا کے کام میں لگے رہنا ہے۔ کشف و کرامات نیچے کی چیزیں ہیں۔ اللہ کی خوشنودی چاہیئے۔ خواہ قبض ہو یا بسط۔ کشود ہو یا دل میں تنگی محسوس ہو۔ بڑی چیز یہ ہے ان حالتوں میں یکساں رہنا چاہیئے۔ دِل ہر وقت حاضر رہنا چاہیئے۔ جو کچھ ہو جائے اس سے راضی رہنا چاہیئے، بسط کی حالت میں شکر کرنا چاہیئے۔ اور حالتِ قبض میں توبہ و استغفار اور اس کے سامنے گڑگڑانا چاہیئے۔ اس کے بعد حضرتؒ نے وہ حدیث پڑھی۔ جس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے ایک دن افطار اور ایک دن فاقہ مانگا تاکہ شکر اور صبر دونوں نعمتیں حاصل ہوں۔ پھر فرمایا کہ اصل نتیجہ مرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے، اس دُنیا میں تو صرف ایک تھوڑی سی جھلک دکھائی جاتی ہے تاکہ حوصلہ افزائی ہوتی رہے۔ اور جس کا ایمان قوی ہوتا ہے اس کو اپنی حالت پر رہنے دیا جاتا ہے۔ بندہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا :

"دیکھو! اس نے فاروق سے زیادہ محنت کی اور وہ (فاروق) دُنیا کے کاموں میں لگے رہے۔ بیوی بچے وغیرہ لیکن وہ پہنچ گئے۔ اور تم یہیں پڑے رہے۔" (فاروق احمد صاحب کا انہی دِنوں انتقال ہوا تھا)

ذی قعدہ سنہ ۱۳۶۴ھ - ۶ نومبر سنہ ۱۹۴۵ء

مصروفیت میں توجہ الی اللہ کا طریقہ

حضرت اقدسؒ نے اِرشاد فرمایا کہ جب کسی کام کاج میں مصروف ہو تو ہر پندرہ(۱۵) بیس(۲۰) منٹ کے بعد ایک دو منٹ یا آدھے منٹ کے لئے ذات کی طرف متوجّہ ہو جایا کرو اور پھر اپنے کام میں لگے رہو۔ اور جب نماز کا وقت آئے، خوب مزے کے ساتھ خُدا کی طرف متوجّہ ہو جاؤ۔ یہ باتیں بغیر مشق کے حاصل نہیں ہوتیں۔ سب سے اعلیٰ حالت یہ ہے کہ ہر چیز میں ذات ہی ذات نظر آئے، شُروع میں یہ حالت تھوڑی دیر کے لئے رہتی ہے۔ جب موت قریب آتی ہے تو یہ حالت دائمی ہو جاتی ہے۔

۶ نومبر سنہ ۱۹۵۰ء

مِسٹر پرائس کا اعتقاد

آج حضرت اقدسؒ نے مسٹر پرائس (PRICE) کے حالات سُنائے جو پشاور میں ریلوے کے افسر تھے۔ فرمایا: ایک زمانے میں ان کی بیوی بیمار ہوگئی تھی اور اُس کی حالت نازک ہوگئی تھی۔ یہ واقعہ ملتان میں ہُوا۔ ان کے بنگلے اور ریلوے اسٹیشن کے درمیان ایک مزار تھا۔ لیکن وہ کبھی اس مزار کی طرف توجّہ نہیں کرتے تھے۔ ایک رات انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان کی بیوی کے کمرے سے نکل رہے ہیں اور اُن کے پاس آکر اُنکے منھ پر دو۲ طمانچے مارے اور فرمایا:

"تو روز میری قبر کے پاس سے گزرتا ہے لیکن سلام نہیں کرتا!"

جب آنکھ کھلی تو منہ پر طمانچے کا احساس باقی تھا۔ پھر بیوی کی آواز آئی۔ گھبرا کر اس کے پاس گئے۔ اس نے بیان کیا:

"ایک بزرگ نے آکر کہا ہے کہ میری قبر کی طرف پیر کر کے سوتی ہے۔ اور بے ادبی اللہ کو ناپسند ہے۔ اس وجہ سے تو بیمار ہے۔ میں نے خود کچھ نہیں کیا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنا رُخ بدل دے اور پھر میں دعا کروں گا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ تو اچھی ہو جائے گی۔"

جب اس نے رُخ بدلا تو بیماری سے اس کو شفا ہو گئی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ مسٹر ڈی کاسٹا (ایک دُوسرے عیسائی جو ریلوے میں نوکر تھے) بزرگوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ جب اُن سے وجہ دریافت کی تو انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ وہ کہتے تھے کہ اِس واقعہ کے بعد مسٹر پرائس نے مزار پر خوب پھول چڑھائے اور قوالی کرائی اور آتے جاتے وقت ہمیشہ ادب کے ساتھ سلام کرتے۔ مسٹر ڈی کاسٹا کی دو لڑکیاں تھیں جو بہت نیک اور بھولی بھالی تھیں۔ ایک تو بالکل ملّانی تھی۔ جس کا نام بیرل (BERYL) تھا۔ اور وہ کسی سینما میں پیانو (PIANO) بجاتی تھی۔ اور تین ساڑھے تین سو روپے ماہوار کماتی تھی۔ دُوسری ذرا حسین تھی اور فلموں میں جانا چاہتی تھی جس سے باپ کو فکر رہتی تھی کیونکہ ان کی ماں مر چکی تھی۔ حضرت اقدسؒ سے اس فکر کا اظہار کرتے تھے، تو آپ اسے اطمینان دلاتے تھے:

"وہ خراب صحبت میں نہیں جائے گی۔ اور تم اُن سے دُوسرے تیسرے روز باتیں کرو۔ اور تبادلۂ خیال کرو تو کوئی خطرہ نہیں۔"

ایک دفعہ وہ کسی فلم کے لئے لاہور گئی۔ لیکن ایک دو ماہ کے بعد بیمار ہو کر واپس آگئی اور پھر نہیں گئی۔ کیونکہ صحبت خراب تھی۔ اُس نے کہا:

"فلم کا شوق ہے لیکن میں عصمت خراب کر کے یہ شوق پورا نہیں کرنا چاہتی۔"

جس وقت آفریدی پشاور پر حملہ کر رہے تھے۔ تو انگریزوں اور انگلو انڈینز (ANGLO INDIANS) کو حکم ملا تھا:

"اپنی عورتوں کو قلعہ میں پہنچا دیں!"

لیکن انھوں نے اپنی لڑکیوں کو بُرقعہ پہنا کر ہمارے پاس بھیجنے کا ارادہ کیا کہ یہ جگہ زیادہ محفوظ ہے۔





مُلفوظات



جمع کردہ :

کیپٹن واحد بخش صاحب سیال

(بی۔ اے)



ماہ جون سنہ ۱۹۴۰ء - سنہ ۱۳۵۹ھ

حضرت محبوب الٰہی رضؓ کو ہندی زبان کیوں محبوب تھی۔؟

ایک روز حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نے حضرت محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

"آپ کو ہندی زبان کیوں محبوب ہے۔؟"

آپ نے فرمایا:

"میں نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا جواب ہندی میں دیا تھا۔"

اسی ضمن میں ہمارے حضرتؒ نے فرمایا کہ جب حق تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا خطاب فرمایا تو تمام رُوحیں وجد میں آگئیں اور بے خود ہو کر اعترافِ ربوبیت میں گرنے لگیں۔ سب سے آگے جو رُوحیں تڑپ کر گریں وہ انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ مقدّسہ تھیں۔ ان کے بعد دُوسری صف میں اولیاء اللہ کی رُوحیں تھیں۔ تیسری صف میں عام مسلمانوں کی رُوحیں تھیں اور چوتھی صف میں کفّار کی رُوحیں تھیں۔ جو وجد میں آکر گریں تو سہی لیکن بجائے سجدے میں گرنے کے اُلٹے ہو کر پُشت کے بل گریں۔

سماع

ارشاد فرمایا کہ ایک روز ایک عالم ہمارے مولانا صاحب (حضرت مولانا الحاج سیّد شاہ وارث حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں سماع پر بحث کرنے کے لئے آیا۔ حضرت نے فرمایا اگر سماع حرام ہوتا تو کیا اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں سب کچھ ختم ہو گیا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک حرام چیز کا معجزہ عطا فرمایا۔ خوش الحانی یا نغمات کا گلے سے نکلنا سماع نہیں تو اور کیا ہے۔؟ فرمایا حضرت اسرافیلؑ کا صُور پھونکنا بھی سماع ہے۔ اس کا وہ

اثر ہو گا کہ تمام کائنات بے خود ہو کر فنا ہو جائے گی۔ ان کی صور کا دوسرا نغمہ اس قدر جان افزا ہو گا کہ تمام خلق زندہ ہو جائے گی اور سب لوگ بے خودی کی حالت میں رقص کرتے ہوئے اللہ کی درگاہ میں پہنچ جائیں گے۔ اُس وقت ساری دُنیا چشتی ہو گی۔

شانِ محبوبیت کا ثبوت

اِرشاد فرمایا کہ ایک روز ایک شخص ہمیں دہلی میں ملا اور دریافت کرنے لگا:

"یہ جو آپ لوگوں نے محبوبِ الٰہی اور محبوبِ سُبحانی کے خطاب دے رکھے ہیں۔ اس کی آپ کے پاس کوئی سند بھی ہے یا یوں ہی جو جی میں آیا کہہ ڈالا؟"

ہم نے کہا:

"آپ کے والد صاحب کا کیا نام ہے۔؟"

اُس نے کہا:

"فلاں"

ہم نے کہا:

"اچھا آپ کے پاس اِس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ واقعی آپ کے والد ہیں۔؟"

اُنھوں نے کہا:

"صاحب! آپ مجھے گالیاں دے رہے ہیں۔"

ہم نے کہا:

"نہیں۔ آپ چونکہ علمی اصطلاحات سے واقف نہیں ہیں اِس لئے ہم آپ کو عام فہم زبان میں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اَب یہ بتایئے کہ آپ کے پاس کیا سند ہے، جس کی بِنا پر آپ کو یقین ہو گیا ہے کہ

وہ فی الحقیقت آپ کے والد ہیں؟"

وہ سٹ پٹاتے۔ ہم نے کہا:

"یہ آپ کی چشم دید بات تو ہے نہیں۔ آپ کے پاس صرف ایک شہادت ہے اور وہ بھی ضعیف، وہ شہادت آپ کی والدہ کی ہے۔ ضعیف اس لئے کہ ممکن ہے تہمتِ زنا کی وجہ سے اُنھوں نے جھوٹ کہہ دیا ہو۔"

یہ سُن کر وہ چُپ ہو گئے۔ ہم نے کہا:

"آپ کو تو صرف اپنی ماں اور چند معمولی قسم کے اشخاص کے کہنے پر یقین ہو گیا ہے کہ وہ آپ کے والد ہیں۔ تو کیا ہم تمام اولیائے کرام جنھوں نے محبوبیت کی شان اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے ان کے کہنے پر ان حضرات کو محبوب الٰہی اور محبوبِ سُبحانی نہ سمجھیں؟"

اولیاء اللہ کی کسی حرکت پر اعتراض نہ کرے!

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ ایک روز حضرت محبوب الٰہیؒ اپنے مُریدوں کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں لڑکے کھیل رہے تھے۔ جب حضرت نے ان کو دیکھا تو آپ پر ایک حالت طاری ہو گئی۔ اور وہیں ٹھہر گئے۔ آپ کے ٹھہر جانے پر تمام مجمع وہیں رُک گیا۔ یہ دیکھ کر لڑکے منتشر ہونے کو تھے کہ حضرت امیر خسروؒ نے اپنی دستار مُبارک اُتار کر لڑکوں کے سامنے پھینک دی اور ہاتھوں اور پاؤں کے بل چلنے لگے۔ اور لڑکوں کے ساتھ کھیل میں مشغول ہو گئے۔ اس سے لڑکے رُک گئے اور اسی طرح کھیلتے رہے۔ جب حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی وہ کیفیت جاتی رہی تو حضرت امیر خسروؒ نے اپنی دستار اُٹھائی اور اپنے شیخ کے ساتھ چلے گئے۔ یہ حکایت بیان فرما کر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ پگڑی پھینک دینا اور بچّوں کے ساتھ کھیلنا ایک ولی اللہ کی شان کے شایان نہ تھا۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ لڑکوں

کے منتشر ہونے سے شیخ کے حال میں فرق آجائے گا۔ جس سے ان کو بھی تکلیف ہوگی۔ اور مریدوں پر بھی اسکا اثر پڑے گا تو آپ نے یہ ناشزا حرکت کی جس سے لڑکے کھیل میں مشغول رہے اور حضرت شیخ کے حال میں فرق نہ آیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اولیاء کرام کی ناشزا حرکات کو دیکھ کر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے ان میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔ بعض اوقات ان حضرات کو بہت ذلیل کام کرنا پڑتے ہیں۔ مثلاً جب ان کو کشف سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص طوائف کے پاس مست بیٹھا ہے۔ تو وہ خیال کرتے ہیں کہ اگر اس کا کانٹا بدل دیا جائے تو اس کا کام بن جائے گا۔ چنانچہ وہ وہاں جاتے ہیں اور اپنا کام کرکے واپس آجاتے ہیں۔ اب ان کا طوائف کے پاس جانا ایک فعلِ مستحن ہے۔ پھر فرمایا کہ اولیاء کرام کے ظاہری افعال پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ فرمایا حضرت قطب صاحبؒ کے وصال کے بعد جب حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو سلطان غیاث الدین بلبن نے آپ کو دعوت دی۔ جب آپ محل کے اندر داخل ہوئے اور ایک طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو بادشاہ کی لڑکی نظر آئی۔ اُسے دیکھ کر آپ نے نگاہ نیچی کرلی۔ اس کے بعد دوبارہ لڑکی کی طرف دیکھا اور پھر نظر نیچی کرلی۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنے مکان پر واپس چلے گئے۔ اب بادشاہ کو خیال ہوا کہ حضرت نے دو دفعہ میری لڑکی کی طرف دیکھا، ممکن ہے پسند آگئی ہو۔ وزیر کے ذریعہ پیغام بھیجا:

"اگر میری لڑکی آپ کو پسند ہو تو میں اُسے آپ کی خدمت میں نکاح کے لئے پیش کرتا ہوں۔"

حضرت باباصاحبؒ نے بادشاہ کی درخواست کو منظور کرلیا۔ اور شادی ہوگئی۔ وزیر کے دِل میں خطرہ آیا کہ یہ کیسے بزرگ ہیں کہ غیر محرم عورت کو دو دفعہ خلافِ شرع دیکھا۔

اور جب بادشاہ نے دعوتِ نکاح دی تو فوراً قبول کرلی حضرت باباصاحبؒ نے اس سے کہا کہ اے وزیر حب میں بادشاہ کے محل میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فرید ادھر دیکھو!"

میں نے دیکھا ایک حسین لڑکی کھڑی تھی۔ دیکھ کر میں نے نگاہ نیچی کرلی۔ اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا:

"کیسی ہے؟"

میں نے عرض کیا:

"یا اللہ! تیری مخلوق ہے۔ نہایت خوبصورت ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"کیا اس کے ساتھ شادی کروگے؟"

میں نے عرض کیا:

"یا باری تعالیٰ ایک بار دیکھا ہے اگر اجازت ہو تو ایک دفعہ اور دیکھ لوں۔"

فرمایا:

"دیکھ لو!"

میں نے دوبارہ دیکھ کر عرض کیا:

"مجھے پسند ہے!"

یہ سُن کر وزیر کے دل سے شبہ دُور ہوا اور سارا ماجرا بادشاہ کو سُنایا۔ بادشاہ سُن کر بہت خوش ہوا اور شکر بجالایا کہ میری لڑکی حق تعالیٰ نے حضرت باباصاحبؒ کے لئے پسند فرمائی۔

شادی ہو جانے کے بعد حضرت باباصاحبؒ اپنی بیوی کو گھر لے گئے اور تین چار روز تک ان کے پاس نہ گئے۔ اس پر انھوں نے عرض کیا:

"مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے کہ آپ میرے پاس نہیں آتے؟"

آپ نے فرمایا:

"تمہارے مال و دولت سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔"

یہ سُن کر انھوں نے اپنا تمام مال جو بادشاہ نے انھیں جہیز میں دیا تھا خیرات کر دیا۔ جب بادشاہ کو معلوم ہوا تو اُس نے اسی قدر اور سامان بھیج دیا۔ اس سے تنگ آکر آپ دہلی چھوڑ کر پہلے ہانسی چلے گئے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد پاک پتن شریف لے گئے۔

معیارِ عشق

ایک دن فرمایا کہ دُنیا میں ہر شخص عاشق ہے۔ ایک شخص چوکیدار ہے تمام رات مجاہدہ کرتا ہے۔ جاگتا رہتا ہے۔ گھر بار، بال بچوں کو اکیلا چھوڑتا ہے۔ سردی گرمی برداشت کرتا ہے۔ یہ سب تکلیفیں اس لئے برداشت کرتا ہے کہ اُسے اُس کا محبوب مل جائے۔ اُس کا محبوب کیا ہے؟ دس روپے ماہوار۔ دُوسرا شخص جج ہے۔ اپنا تمام وقت مقدمات میں صَرف کرتا ہے۔ دن رات قانونی بحث میں مصروف رہتا ہے۔ یہ سب باتیں اِس لئے برداشت کرتا ہے کہ اُسے پانچ سو رُوپے ماہوار ملتے رہیں۔ اسی طرح ہر شخص کا کوئی نہ کوئی محبُوب ہے۔ جِس کی چاہ میں اپنا سارا وقت صَرف کرتا ہے۔ اور قِسم قِسم کے مصائب برداشت کرتا ہے۔ اَب عاشق کی بزرگی اور عظمت کا اندازہ اُس کے محبُوب سے لگایا جا سکتا ہے۔ محبوب جس قدر اعلیٰ و ارفع ہوگا اس کا عاشق بھی اسی قدر اعلیٰ و ارفع ہوگا۔ جو شخص اللہ کا عاشق ہے۔ وہ ان سب عشاق سے بہتر اور برتر ہے۔ کیونکہ اس کے محبوب کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ نہ اس کی کوئی مثل ہے نہ مثال۔

شیطان کا وجود

ایک دن احقر نے عرض کیا کہ شیطان نفس کا دُوسرا نام ہے یا اس کا وجود خارجی دُنیا میں بھی ہے؟ فرمایا انسان کائنات اصغر ہے۔ جو چیز کائنات میں موجود ہے وہ انسان میں بھی موجود ہے۔

اِس لئے شیطان کا وجود انسان کے اندر بھی ہے اور انسان سے باہر کائنات میں بھی۔

رحمتِ ایزدی کی شان

ایک روز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جو شخص مجھے یاد کرتا ہے میں اُسے یاد کرتا ہوں۔

جو شخص میری طرف ایک بالشت چل کر آتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ چل کر آتا ہوں، جو شخص میری طرف چل کر آتا ہے میں اُس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اس قدر رحیم اور مہربان ہے تو کیا اُس سے غافل رہنے والے کا مُنھ پتّھر مار مار کر کُچل نہ دیا جائے؟

دُعائے کُفر

ایک دن حضرت اقدسؒ درگاہ اجمیر شریف میں موجود تھے۔ ایک مست پٹھان سامنے آکر دست بوس ہُوا۔ اُس کی آنکھوں میں درد بھرا ہوا تھا اور بہت بے چین معلوم ہوتا تھا۔ عرض کیا:

"یا حضرت! میرے واسطے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مُسلمان کرے۔"

حضور نے مسکراتے ہُوئے فرمایا:

"خُدا تمہارے کفر کو زیادہ کرے۔"

اور پھر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا ؎

گر اے زاھد دُعائے خیر میگوئی مرا ایں گو
کہ ایں آوارۂ کوئے بتاں آوارہ تر بادا

ماہ اگست سنہ ۱۹۴۰ء ۔ سنہ ۱۳۵۹ھ اجمیر شریف

نمازِ جمعہ خواجہ غریب نوازؒ کی امامت میں

ایک دن عُرس شریف کے موقع پر جمعہ کے روز اس قدر

ہجوم تھا کہ صفیں حضرت اقدسؒ کے مکان تک پہنچ گئیں اور ہم سب نے مکان ہی میں نماز با جماعت ادا کی۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا :

"آج نماز جمعہ ہمارے گھر آگئی ہے !"

یہ بھی فرمایا کہ :

"آج امامت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمائی ہے۔"

پہلے اپنی اصلاح

ایک دفعہ اجمیر شریف جاتے ہوئے احقر نے نمازِ جمعہ جامع مسجد دہلی میں ادا کی۔ بعد فراغت نماز مولوی محمد سعید پسر مولوی احمد سعید کانگریسی نے تقریر کی اور شروع تقریر میں کہا :

"میں سوچ رہا ہوں کہ پہلے کس کا ذکر کروں۔ کانگریس کے متعلق کچھ کہوں، انگریزوں کے متعلق کہوں یا محمد علی جناح کے متعلق کچھ کہوں"۔

اجمیر شریف پہنچ کر یہ واقعہ احقر نے حضرت اقدسؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا :

"کمبخت تم پہلے اپنے متعلق کہو۔ جب تک اپنے آپ کو نہ سدھاروگے، ناممکن ہے کہ دوسروں کی اصلاح کر سکو۔ جب تمہاری اصلاح ہو جائیگی تو دوسروں کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔"

پھر فرمایا :

"خلفائے راشدین کے وقت حاکم ایران نے دربارِ خلافت میں اطلاع بھیجی کہ اہلِ فارس باغی ہو گئے ہیں بندوبست کیا جائے۔ خلیفۂ وقت کے حکم سے حضرت سلمان فارسیؓ بغاوت کو رفع کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کی عمر اسّی نوّے برس کی تھی۔ تن تنہا۔ پانی کا کوزہ اور کچھ کھجوریں لے کر ایران روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر اسلامی فوج کا معائنہ کیا۔ اور صرف پچیس یا انتیس جوان انتخاب کر کے باغیوں کی

فوج کی طرف روانہ ہوئے ۔"

قوّتِ ایمان

آپ نے وہ آدمی تھوڑے تھوڑے کرکے اس طرح جھاڑیوں میں چھپا دیئے کہ ان کی دفاع کی لائن کافی لمبی ہو گئی ۔ جب دشمن کا لشکر سامنے آیا تو انھوں نے تیر اندازی شروع کردی ۔ ایرانی لشکر نے دیکھا کہ دور دور سے تیر آرہے ہیں ۔ شاید بہت بڑی فوج چھپی ہوئی ہے ۔ اِس سے انھیں کافی گھبراہٹ ہوئی ۔ حالات کا جائزہ لینے کے لئے ان کا سردار گھوڑے پر سوار ہو کر آگے آیا ۔ جب حضرت سلمان فارسیؓ کے قریب پہنچا تو انھوں نے گھوڑے کو ٹانگوں سے پکڑ کر اوپر اُٹھایا اور زمین پر اُلٹا دے مارا ۔ یہ دیکھ کر ایرانی لشکر فرار ہو گیا ۔" اس پر حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا :

" قوتِ ایمان کا مقابلہ دُنیا کی کوئی طاقت نہیں کرسکتی ۔"

اس ضمن میں فرمایا کہ ایک عرب تاجر کسی جزیرہ میں گیا ۔ وہاں کی رسم تھی کہ ہر سال جمعہ کی رات کو ایک خوبصورت نوجوان لڑکی کو دُلہن کے سے کپڑے پہنا کر ایک سُنسان مکان میں ، کسی بھُوت کی نذر چڑھاتے تھے ۔ صبح کو جب لوگ وہاں جاتے تو اس مکان میں کچھ بھی نہ ہوتا ۔ وہ عرب ایک بڑھیا عورت کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے ۔ ایک رات اُسی بڑھیا کی لڑکی کی باری آگئی ۔ بے چاری بہت غمزدہ تھی لیکن کیا کرتی ۔ دستور کے مطابق اپنی لڑکی کو نہلا دُھلا کر تیار کیا ۔ عرب صاحب نے بڑھیا سے جب دریافت کیا تو اُس نے سارا ماجرا سُنایا ۔ انھوں نے کہا :

" آج رات یہ کپڑے مجھے پہنا دو اور مجھے بھُوت کی نذر کردو !"

بڑھیا نے خوشی خوشی اسے اپنی بیٹی کے کپڑے پہنائے اور شہر کے لوگوں کو بلایا ۔ تمام لوگ دُلہن کو باجے بجاتے ہوئے لے گئے ۔ اور اس مکان میں چھوڑ کر واپس آگئے ۔ جب صبح ہوئی تو سب لوگ مکان کے گرد جمع ہو گئے ۔ تاکہ دیکھیں کہ کیا ہُوا ۔ جب دروازہ کھولا ، تو کیا دیکھتے ہیں کہ عرب صاحب مصلے پر بیٹھے ہوئے وظیفہ پڑھ رہے

ہیں۔ اور ان کے سامنے راکھ کا ڈھیر لگا ہُوا ہے۔ جب اُس شہر کے بادشاہ نے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا:

"میرے پاس ایک ہتھیار ہے جس سے میں نے اس بھوت کو ختم کر دیا ہے۔ اور وہ ہتھیار "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" ہے۔"

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا:

"جس شخص کے دل میں توحید ہے، دُنیا کی کوئی طاقت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

جہاز کے کپتان کا مُسلمان ہونا

ایک دن حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ جس وقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے حجاز مقدس کی طرف ہجرت کی، آپ کے پاس رُوپیہ پیسہ نہیں تھا۔ آپ مع متعلقین جا کر جہاز میں بیٹھ گئے۔ لوگوں نے ٹکٹ مانگا تو فرمایا:

"ہمارے پاس ٹکٹ نہیں ہے۔"

اُنھوں نے جہاز کے کپتان کو رپورٹ کی۔ اُس نے آکر حضرت سے ٹکٹ طلب کیا۔ آپ نے جیب سے استنجے کے ڈھیلے نکال کر اُس کی جیب میں ڈال دیئے۔ اس سے وہ اور بھی غصّہ ہُوا۔ اور کہنے لگا:

"آپ نے میری بے عزّتی کی ہے!"

آپ نے فرمایا:

"نکال کر دیکھو تو سہی!"

دیکھا تو سونے کے ٹکڑے تھے۔ اُس انگریز نے پہلے بھی مُسلمانوں کی کرامات کے متعلق پڑھا تھا۔ اب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اسے بالکل یقین ہو گیا۔ حضرت کو اپنے کیبن میں لے گیا اور وہیں ٹھہرایا۔ متعلقین کو بھی اچھی جگہ دی اور پُوری جماعت کو نہایت آرام کے ساتھ لے گیا۔ جدّہ پہنچتے پہنچتے وہ مسلمان ہو گیا اور داخلِ سلسلہ ہُوا۔

جب حضرت حاجی صاحبؒ مکہ معظمہ گئے تو وہ بھی کپتانی کو خیر باد کہہ کر ساتھ چلا گیا اور آپ کی خدمت میں رہنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اُس نے ایک مشک خرید لی اور پانی بھر کر گزر اوقات کرتا تھا۔ جب دو آنے جمع ہو جاتے تو مشک چھوڑ کر ذکر اللہ میں مصروف ہو جاتا۔ حضرت مولانا شاہ وارث حسنؒ نے بھی اُسے مشک اُٹھاتے ہوئے مکہ معظمہ میں دیکھا۔

عُرس کے دھکوں میں برکت

ایک دن عبد السلام صاحب نے حضرتؒ سے کہا کہ آج درگاہ شریف میں بہت دھکے لگے ہیں۔ پہلے تو میں صبر کرتا رہا۔ لیکن بعد میں ایک دھکا میں نے بھی مارا۔ یہ سُنکر حضور نے فرمایا:

"خبردار! ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ یہاں کے دھکوں میں بڑی برکت ہوتی ہے!"

فرمایا:

"ہمارے مولانا صاحبؒ جب درگاہ شریف جاتے تو بہت سے رُوپے اپنے رومال میں باندھ کر لے جاتے۔ جو شخص دھکا دیتا، رُوپوں کی مُٹھی بھر کر اُسے دے دیتے۔"

فرمایا:

"دھکا کسی کو نہ دینا چاہیئے کیونکہ سب لوگ امیر ہوں یا غریب خواجہ غریب نوازؒ کے مہمان ہوتے ہیں۔"

خواجہ غریب نوازؒ کی عطا کا نرالا طریقہ

ایک روز ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے دینے کا طریقہ باقی حضرات سے علیحدہ ہے، اکثر مزارات پر صاحب مزار، زائرین کو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کر کے فیضان دیتے ہیں۔ لیکن خواجہ غریب نوازؒ ہر

شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق فرداً فرداً دیتے ہیں۔

حق تعالیٰ کا اصل نام کیا ہے؟

ایک دن فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اصل نام "ہ" ہے جو آ۔ ی اور و لگانے سے ھا۔ ھی۔ ھو پڑھا جاتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اسم اللہ میں الف احدیت کا ہے۔ اور دو لاموں میں سے ایک جمال کو ظاہر کرتا ہے، دوسرا جلال کو۔ اس طرح اسم ذات یعنی "ہ" کے ساتھ تین صفات یعنی احدیت، جمال اور جلال مل کر اللہ ہوا۔ فرمایا: حضرت داؤد علیہ السّلام کے نغمے ھی ھا ھو ہوتے تھے۔ جو ذکرِ اسم ذات ہے۔ جب حضرت داؤد علیہ السّلام یہ نغمے الاپتے تھے تو انسان، پالتو اور جنگلی جانور سب ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور محویّت کا یہ عالم ہوتا تھا، کہ کوئی کسی سے نہ ڈرتا تھا۔ اور مجمع میں سے کئی جنازے نکلتے تھے۔

توحید

ایک روز مسئلہ توحید اور تعلق مابین خالق و مخلوق پر ذیل کی مثال دے کر بیان فرمایا۔ تم اپنے دل کے اندر ایک خیالی دُنیا پیدا کرو۔ اِس دُنیا کے اندر آدمی ہوں گے، جانور ہوں گے، مکان ہوں گے ــــ مختلف صُورتیں، مختلف کام کرتی نظر آئیں گی۔ وہ دُنیا تمہارے ساتھ قائم ہے۔ جب تک تمہارا خیال ہے۔ دُنیا بھی ہے۔ جب خیال بدلا تو آناً فاناً تمہاری دُنیا نیست و نابود ہو جائے گی۔ وہ دُنیا تم سے جُدا نہیں ہے۔ بلکہ تمہاری ذات میں شامل ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خالق و مخلوق یعنی تم اور تمہاری دُنیا میں کیا نسبت ہے۔ تم اور تمہاری دُنیا کی شکل و صُورت، قد و قامت، جسم اور جسامت میں کوئی تناسب قائم نہیں ہو سکتا۔ اگر خیالی دُنیا کے انسان اپنے خالق کی ذات کے متعلق غور کریں اور اس کی شکل و صُورت اور قد و قامت کا اندازہ لگانے کی کوشش کریں تو ناممکن ہے کہ صحیح اندازہ قائم کر سکیں، اسی طرح تمام کائنات خالقِ حقیقی سے قائم ہے۔ اور اسی سے ہے۔ اس سے ہرگز جُدا نہیں ہے۔ انسان کی کیا مجال کہ خالق کا تصوّر کر سکے جس طرح

تم نے توجہ ہٹائی تو تمہاری دُنیا معدوم ہوگئی۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ، کائنات سے توجہ ہٹالے تو کائنات نیست و نابود ہو جائے گی۔ فرمایا:

"انسان کے لئے حق تعالیٰ کا تصوّر ناممکن ہے۔ اگر کوئی شکل و صورت سامنے آئے تو اسکو ہٹا دینا چاہئے۔ وہ بے چون ہے۔ بے مثل و بے مثال ہے شکل و صورت، رنگ و بو سے منزّہ اور پاک ہے۔"

اس پر احقر نے عرض کیا:

"اگر خدا تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں ہے تو خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُورَتِہٖ کا کیا مطلب ہے؟"

فرمایا:

"رسُول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم جوامع الکلم ہیں۔ آپ کا کلام جامع ہوتا ہے۔ اس سے کئی معنی نکل سکتے ہیں۔ اس حدیث کے ایک معنی یہ ہیں کہ انسان میں وہ صفات موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ میں ہیں۔ دُوسرے یہ کہ لفظ صورتہ میں مثالی تخلیق کی تشبیہ دی گئی ہے۔ (یعنی پہلے حضرتِ آدمؑ کی علمی صورت اللہ کے علم میں موجود تھی، اس کے بعد ان کی تخلیق خارجی اس کے مطابق ظہور میں آئی۔) جب ایک شخص مکان بنوانا چاہتا ہے تو پہلے اپنے دل میں اس کا نقشہ تیار کرتا ہے تخلیق سے قبل اللہ تعالیٰ نے بھی نقشہ تیار کیا۔ وہ حقیقتِ محمدیؐ ہے۔ اس کے بعد کاغذ پر خاکہ تیار کیا جاتا ہے۔ وہ لوحِ محفوظ ہے۔"

اس کے بعد فرمایا:

"مثال دینا بہت مشکل ہے۔ بے مثل کی مثال کس طرح دی جاسکتی ہے۔ انسان اپنی عقل کے مطابق جو مثال تلاش کرتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی خامی ضرور ہوتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کائنات کی

ایک چیز دُوسری سے بالکل مختلف ہے۔کائنات کا ہر ذرّہ۔ اپنی ذات میں یکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مثال نامکمل رہ جاتی ہے۔"

ذکر اللہ کس طرح ہر وقت قائم رہ سکتا ہے

ایک دفعہ فرمایا کہ سالک کو چاہیئے کہ ہر وقت دل سے اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہے۔ بے شک دُنیا کے کام کرتا رہے۔لیکن ذکر اللہ سے کبھی غافل نہ رہے۔جب ایک شخص کے دانت میں دَرد ہوتا ہے تو اگرچہ وہ بظاہر اپنے کاروبار میں مصروف رہتا ہے لیکن درد کا احساس کبھی نہیں جاتا۔ یا مثلاً جب کسی آدمی کا کوئی قریبی رشتہ دار فوت ہو جاتا ہے تو اسے کاروبار کے ساتھ ساتھ اپنے عزیز کا غم بھی لگا رہتا ہے۔ اسی طرح سالک کو چاہیئے خواہ کیسی ہی مصروفیت ہو ذکر اللہ سے غافل نہ رہے۔ "دست بکار دل بہ یار" مشہور ہے۔

مُظہر کا کمال، مَظہر کی بدصُورتی میں ہے

ایک روز ارشاد فرمایا کہ مُظہر (ظاہر کرنے والا) کا کمال مَظہر (وہ چیز جو ظاہر ہوتی ہے) کی بدصُورتی میں ہے۔حق تعالیٰ چونکہ جمیل ہے خوبصورت مظاہر میں اس کا ظہور آسان ہے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ جمیل کا ظہور بدصورت اعیان و مظاہر میں ہو۔

انبیاء علیہم السّلام معصوم ہیں اولیاء محفوظ

ایک دن ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السّلام معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء کرام محفوظ۔ احقر نے عرض کیا:

"پھر حضور سرورِ کائنات صلعم کیوں دن میں سو بار استغفار کیا کرتے تھے ___؟"

ارشاد فرمایا:

"نبی اور وَلی کا کام بہت مشکل ہوتا ہے۔ طالبوں کے قلوب کی اصلاح

کے لئے انھیں اپنے بلند مقامات چھوڑ کر نیچے آنا پڑتا ہے۔ اگر ایسا نہ کریں تو طالب اُن کی بات نہ سمجھ سکیں۔ اس لئے جب رسُولِ خدا ﷺ صحابۂ کرامؓ کی ہدایت کے لئے اپنا اعلیٰ مقام چھوڑ کر نیچے آتے تو تنزّل کی حالت میں استغفار کرتے۔"

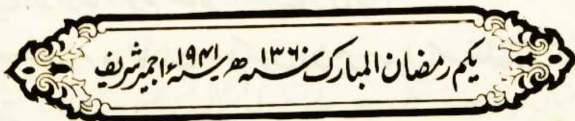
استغفار کی دُوسری وجہ جو شاید اسی تقریر یا کسی دُوسری تقریر میں حضرتِ اقدسؒ نے بیان فرمائی یہ ہے۔ اِرشاد فرمایا:

"چونکہ ذات کی کوئی اِنتہا نہیں ہے۔ اس لئے سالک جس قدر بلند سے بلند مقام پر پہنچتا ہے۔ اُس سے اوپر بلند تر مقامات ہوتے ہیں۔ اس عروجی پرواز میں جب سالک بلند مقام پر پہنچ کر اپنی سابقہ حالت یعنی پست مقام کا خیال کرتا ہے تو اُسے افسوس ہوتا ہے کہ پہلے میری یہ حالت تھی اس لئے لازماً اس کے منہ سے کلماتِ اِستغفار نکلتے ہیں۔"

تجلّیات میں تکرار نہیں

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حُسن و جمال کا یہ عالم ہے کہ جو تجلّی اپنے بندے پر ایک دفعہ فرماتا ہے۔ دُوسری دفعہ وہی تجلّی پھر نہیں فرماتا بلکہ ہر آن اور ہر لحظہ نئی تجلّیات کا ظہور ہوتا ہے ؎

گھڑیوں بڑھتا ہے حسینوں کا جمال ❊ اور سے اور ہوئے جاتے ہیں



یکم رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ سنہ ۱۹۴۱ء اجمیر شریف

قرآن شریف باآواز بلند پڑھنے میں احتیاط

پونے دس بجے تراویح شروع ہوئی نماز کا اِنتظام حضرت کے مکان

پڑھتا ہر چار رکعت کے بعد حلقۂ ذکر ہوا۔ آخر میں ایک صاحب جو کسی اور مسجد میں نماز ادا کرکے حاضر ہوا کرتے تھے، الگ بیٹھے ہوئے کچھ پڑھ رہے تھے۔ بعد اختتام نماز حضرت نے دریافت فرمایا:

"ارے بھائی تم کیا پڑھ رہے تھے؟"

اُنھوں نے جواب دیا:

"سورۂ یٰسین پڑھ رہا تھا۔"

اس پر آپ غصّہ ہوئے اور فرمانے لگے:

"نصِ قرآن ہے کہ جب قرآن شریف پڑھا جائے تو حاضرین کو چاہیئے کہ سُنیں لیکن آج کل یہ حالت ہے کہ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے ہوتے ہیں اور کوئی بیچ میں قرآن پڑھنے لگ جاتا ہے۔ لوگ قرآن کی طرف متوجّہ نہیں ہوتے۔ اس سے سب گنہگار ہو جاتے ہیں۔ پڑھنے والا بھی اور سُننے والا بھی۔ پڑھنے والا زیادہ گنہگار ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس نے دُوسروں کو بھی گنہگار کیا۔ اس کا گناہ تمام سامعین کے گناہ کے برابر ہوتا ہے۔"

اِس کے بعد فرمایا:

"لوگ مزارات کی حاضری کے دوران بھی یہی حرکات کرتے ہیں حالانکہ صاحب مزار کے ساتھ بھی وہی آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں، جو دنیاوی زندگی میں ان کے ساتھ ملحوظ رکھے جاتے ہیں کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ اس سے اور لوگوں کا بھی ہرج ہوتا ہے۔ اب وہ صاحبِ مزار کی طرف متوجّہ ہوں یا قرآن پڑھنے والوں کی طرف۔ اگر قرآن پڑھنا ہے تو گھروں میں یا مسجدوں میں جاکر پڑھیں۔ تم اتنے خوش الحان تو ہو نہیں کہ صاحب مزار بہشت کی لذات چھوڑ کر تمہاری قرأت کی طرف متوجّہ ہوں۔ تم

سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے قرآن پڑھنے سے خوش ہوتے ہیں۔ وہ خوش
نہیں ہوتے ان کی طبیعت منغّض ہوتی ہے۔ تم اندھے ہو دیکھ نہیں
سکتے، اگر ان کے جاہ و جلال کو یہ لوگ دیکھ لیں تو یہ جو آستانہ پکڑ
کر چلّاتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں کبھی نہ کریں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ
ہماری دُعا قبول نہیں ہوتی۔ دُعا خاک قبول ہو، تم کو مانگنے کا طریقہ
ہی نہیں آتا۔ بجائے خوش کرنے کے ان کو ناراض کر دیتے ہو۔"

جس وقت نمازِ عشاء ہو رہی تھی ایک فقیر نیچے بازار میں بیٹھا زور زور سے
بھیک مانگ رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ اُوپر لوگ نماز پڑھ رہے ہیں اور ذِکر کر رہے
ہیں ضرور ان کو تنگ کرنا چاہیئے تاکہ کچھ دے دیں۔ اس فقیر کی طرف اشارہ
کر کے فرمایا:

"اِس فقیر کو اب کون دے گا سخت تنگ کر رہا ہے۔ اگر کوئی دے گا
بھی تو اس لئے کہ جائے بَلا دُور ہو!"

ایک شخص نے کہا:

"فقیر کی وجہ سے نماز میں بہت ہرج واقع ہُوا ہے۔"

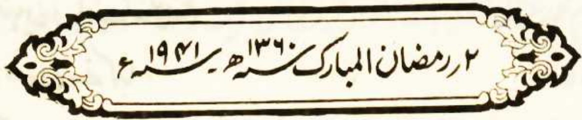
آپ نے فرمایا:

"تم اپنی نماز دُرست کرو، تمھیں اوروں سے کیا کام۔ ویسے تو پرندے
بولتے رہتے ہیں، اور کُتّے بھونکتے رہتے ہیں، اب کیا ڈنڈا لے کر سب
کے پیچھے دَوڑتے پھرو گے۔ بس تم اپنی نماز کو سنبھالو۔ حضرت علیؓ کے
پاؤں سے نماز ہی میں تیر نکالا گیا تھا۔ لیکن آپ کو ذرّہ بھر احساس
نہ ہُوا۔ حالانکہ یہی تیر نکالنے کے لئے نماز سے قبل لوگوں نے بے حد
کوشش کی لیکن شدّتِ درد کی وجہ سے تیر نہ نکل سکا۔"

اسکے بعد اُسی آدمی نے پانی پیا۔ حضورؒ نے فرمایا:

" ذکر کے فوراً بعد پانی مت پیا کرو۔ کچھ دیر ٹھہر کر پانی پینا چاہیئے۔
جس طرح ورزش کے بعد پانی پینا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔
اسی طرح ذکر اللہ کے بعد بھی نقصان دیتا ہے۔ کم از کم دس منٹ
ٹھہر جایا کرو۔ "

اِس کے بعد آپ اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔



قرآن پڑھنے کا طریقہ

آج یہاں تراویح اور حلقہ ہائے ذکر کے بعد حاضرینِ مجلس میں سے ایک صاحب نے عرض کیا:

" حافظ صاحب قرأت بہت جلدی جلدی پڑھتے ہیں جس سے
قلب میں جماؤ نہیں ہوتا۔ "

حضورؒ نے فرمایا:

" اِس کا علاج وہی ہے کہ پہلے اس خیال سے پڑھو کہ ہم پڑھ رہے ہیں
اور اللہ سن رہا ہے۔ دُوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ پڑھ رہا ہے اور
ہم سُن رہے ہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ وہی پڑھ رہا ہے اور وہی سُن
رہا ہے۔ "

اس کے بعد فرمایا:

" جب ہم حیدر آباد (دکن) میں تھے تو وہاں ایک نابینا حافظ صاحب
قرآن شریف سُنا کرتے تھے۔ (یہاں قاری تاج محمد صاحب کی طرف
اِشارہ ہے) وہ ایک صاحبِ ذوق آدمی ہیں اور عالم بھی ہیں۔ قرأت
کے دَوران ان کو نیند آجاتی تھی لیکن قرآن شریف بالکل دُرست

پڑھتے جاتے تھے۔ اس پر طرّہ یہ کہ اُسی نیند میں ان کو بزرگانِ دین کی زیارت بھی ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ قرآن پڑھتے پڑھتے انھیں نیند آگئی اور خواب میں کسی عالم سے ایک اختلافی مسئلہ کے متعلق دریافت کیا۔ اُس عالم نے کہا:

'حضورِ سرورِ کائنات خود اس جگہ موجود ہیں۔ ان سے کیوں نہیں دریافت کر لیتے؟'

انھوں نے کہا:

'کہاں ہیں۔؟'

جواب دیا:

'وہ ہیں'

اِس کے بعد انھیں رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت بھی ہوگئی اور مسئلہ بھی دریافت کر لیا۔"

اِس کے بعد فرمایا:

"وہ حافظ صاحب نہایت ذوق و شوق سے پڑھتے تھے اور ہر شب تین مساجد میں تراویح پڑھاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہاں کی حاضری کی وجہ سے انھیں تکان بالکل نہیں ہوتی۔"

اِسی سلسلہ میں حضرت اقدسؒ نے فرمایا:

اِنتہا پر نظر

نماز خوب ذوق و شوق سے پڑھنی چاہیئے۔ پہلے دُوسرے اور تیسرے آسمانوں کی سیر میں نہ اُلجھنا چاہیئے۔ سیدھا اُوپر جانا چاہیئے ہاں واپسی پر سیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسے ایک لڑکا جو اسکول جاتا ہے، اگر اسکول جاتے وقت راستہ میں کھیلتا کودتا جائے اور اِدھر اُدھر کی چیزوں میں مشغول ہوتا رہے تو کچھ بھی حاصل نہ کر سکے گا۔ لیکن اگر تعلیم کے

بعد کھیل کود میں مشغول ہو تو کوئی ہرج نہیں۔ اِنسان کو چاہیئے کہ خالص ذات کا طالب ہو۔

فرمایا: امام محمّد غزالیؒ عالم تھے اور اُن کے چھوٹے بھائی حضرت احمد غزالیؒ صُوفی تھے۔ امام محمّد غزالیؒ بعد میں صوفی ہُوئے۔ حضرت احمد غزالیؒ شرُوع میں اپنے بڑے بھائی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے، جس سے لوگ چہ میگوئیاں کرتے تھے۔ امام محمد غزالیؒ کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی۔ ایک دفعہ انھوں نے اپنی والدہ سے شکایت کی:

"احمد میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔"

والدہ صاحبہ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو بُلا کر تنبیہ کی اور کہا:

"آیندہ ان کے پیچھے نماز پڑھا کرو!"

تعمیلِ حکم میں بھائی کے پیچھے نماز کی نیت باندھی لیکن درمیان میں نیّت توڑ کر چلے گئے۔ اِس سے امام محمد غزالیؒ اور بھی غصّہ ہُوئے اور پھر والدہ صاحبہ کی خدمت میں جاکر شکایت کی۔ دریافت کرنے پر حضرت احمد غزالیؒ نے جواب دیا:

"نماز میں ہمارے امام تو حیض و نفاس کے مسائل میں اُلجھے ہوُئے تھے۔ امامت کیا خاک کرتے، یہی وجہ ہے کہ میں نماز چھوڑ کر چلا گیا۔"

یہ سُنکر اُن کی والدہ صاحبہ نے کہا:

"نہ محمّد کو نماز پڑھنی آتی ہے نہ تم کو۔ وہ نماز میں مسئلے سُلجھاتے رہے اور تم اُن کی جاسوسی کرتے رہے۔"

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر شبلیؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے مُرید تھے۔ ایک دن شیخ اور مرید باہر سَیر کو جا رہے تھے دیکھا کہ چند ابدال اُڑتے ہوُئے آئے اور حضرت جنیدؒ کے سامنے اُتر پڑے، نماز کا وقت تھا۔ حضرت جنیدؒ نے حضرت شبلیؒ سے کہا:

"نماز پڑھائیں!"

شبلیؒ امام ہوئے اور حضرت جنیدؒ اور وہ ابدال پیچھے کھڑے ہو گئے۔ نماز کے دوران حضرت شبلیؒ نے دیکھا کہ کہیں سمندر میں ایک جہاز غرق ہو رہا تھا جس میں ان کے مرید تھے۔ انھوں نے اپنا دستِ تصرّف بڑھا کر جہاز کو غرق ہونے سے بچالیا۔ یہ دیکھ کر ابدالوں نے نیّت توڑ دی اور کہنے لگے:

"نماز پڑھاتے ہیں یا ملّاحی کرتے ہیں؟"

حضرت جنیدؒ نے فرمایا:

"انھوں نے ملّاحی کی اور تم نے جاسوسی کی، نماز نہ تمہاری ہے نہ ان کی۔ آؤ میں نماز پڑھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر آپ امام ہو گئے اور سب کو عرش پر جا کھڑا کیا۔ نماز کے بعد فرمایا:

"ہوا میں اُڑنا اور پانی میں تیرنا کوئی کمال نہیں ہے۔ ہوا میں تو پرندے بھی اُڑتے ہیں اور پانی پر تنکے تیرتے ہیں۔"

جب آپ واپس گھر آئے تو شبلیؒ سے فرمایا:

"وقت تنگ ہے جلدی مہمانوں کے لئے کھچڑی تیار کر لو!"

وہ چلے گئے لیکن کھچڑی تیار کرنے میں کافی دیر لگا دی۔ جب حضرت جنیدؒ اندر گئے تو دیکھا کہ انھوں نے ہانڈی کے نیچے اپنی ٹانگ لگا دی ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے دریافت فرمایا:

"یہ کیا کر رہے ہو؟"

انھوں نے عرض کیا:

"آج لکڑیاں ختم ہو گئی ہیں۔ چونکہ پیر کا فرمان تھا کہ کھچڑی تیار کر لاؤں، اس لئے میں نے اپنی ٹانگ پر کھچڑی پکانی چاہی لیکن میری ٹانگ کو آگ قبول نہیں کرتی۔"

اس پر حضرت جنیدؒ نے فرمایا:

"ٹانگ نکال لو، میں خود کھچڑی پکاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر آپ ہانڈی کی طرف متوجہ ہوئے اور دو منٹ میں کھچڑی تیار ہوگئی۔ حضرت جنیدؒ نے ابدالوں سے فرمایا:

"آئیے کھچڑی کھائیے!"

انھوں نے عرض کیا:

"آپ کی توجہ سے پکی ہوئی کھچڑی کو ہمارے پیٹ کب برداشت کرسکتے ہیں۔"

اپنی مشغولیت کا امتحان

ایک دفعہ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ہم نماز کے دوران اپنے انہماک کا TEST (امتحان) کرنے کے لئے کبھی کبھی ریڈیو کو پوری رفتار پر چلا کر نماز شروع کردیتے ہیں تاکہ معلوم ہوسکے کہ ریڈیو کی آواز سے نماز میں ہرج ہوتا ہے یا نہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک روز ماموں[1] میاں نے بھی کہا:

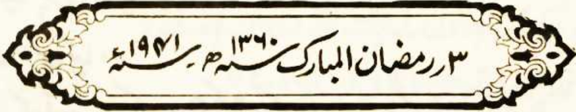
"حضرت نے فرمایا کہ اس TEST (امتحان) میں جس روز نماز پڑھتے ہوئے ریڈیو کی آواز ہمارے کانوں میں آئی، ہم ریڈیو کو توڑ دیں گے!"

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اس قدر منہمک ہوتے تھے کہ ایک ہی کمرہ میں ریڈیو کی آواز تک سنائی نہیں دیتی تھی اور یہ بعید از قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ کے پاؤں سے نماز ہی میں تیر نکالا گیا اور آپ کو درد کا بالکل احساس نہ ہوا۔ ایک دن احقر نے بھی حضرتِ اقدسؒ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ پاک پتن شریف میں بعد نماز جمعہ سنتیں پڑھ رہے تھے۔ دھوپ تھی۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ فرض کے بعد اکثر لوگ

---

[1] حضرت کے نسبتی برادر ھارون صاحب۔

اُٹھ کر اِدھر اُدھر سایہ دار جگہ تلاش کر رہے تھے۔ ہل چل اِس قدر تھی کہ اطمینان سے بیٹھ کر نماز پڑھنا مشکل تھا لیکن حضرت نماز میں اِس قدر منہمک تھے کہ دُنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ تھی۔ نہایت سکون اور اطمینان اور محویت سے نماز ادا کی اور بعد ادائے نماز دُوسرے مقام پر چلے گئے۔



۳ ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۰ھ سنہ ۱۹۴۱ء

عذرِ ترکِ جماعت

آج رمضان المبارک کی تیسری شب کو بعد فراغت نمازِ عشاء، تراویح و حلقہ ہائے ذِکر نماز با جماعت کا ذِکر ہونے لگا۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا: ہمارے ایک دوست مولوی عبد السّلام کہتے ہیں:

"ہم نے تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے، الگ پڑھ لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ہمارے امام صاحب نے بَروقت نماز شروع کر دی۔ ایک مقتدی کو اپنی دُکان بند کرتے کرتے دیر ہوگئی۔ اور جماعت میں شامل نہ ہوسکا۔ مسجد میں آتے ہی امام صاحب پر برس پڑا، کہنے لگا: مِیاں ذرا ٹھہر جاتے تو کیا ہوجاتا۔ معلوم نہیں اتنی جلدی تم لوگوں کو کیوں ہوتی ہے۔ بس نماز ختم کرکے فوراً اپنے گھر جانا چاہتے ہو۔ دوسرے دن امام صاحب نے ذرا دیر سے نماز پڑھائی تو دُوسرے مقتدی بگڑ گئے۔ کہنے لگے کہ خُدا کی نماز پڑھاتے ہو یا سیٹھ صاحب کی۔ تم لوگ تو امیروں کے حلوہ مانڈہ کے اِنتظار میں رہتے ہو، غریبوں سے تمھیں کیا کام۔ اگر اُس نے لمبی سورت پڑھی تو کچھ مقتدی ناراض ہوگئے کہ میاں تمام دن کے تھکے ہُوئے ہوتے ہیں کچھ ہمارا بھی تو خیال کرنا چاہیئے۔ اگر نماز جلدی جلدی ختم کرلی تو بھی

چَین نہیں۔ بعض مقتدی صاحبان ناراض ہو گئے کہ جلدی کس بات کی ہے ذرا قرآن شریف کی لذّت تو پانے دیا کرو۔"

مولوی عبدالسّلام صاحب کہتے ہیں:

"جب امام کی یہ قدر و قیمت رہ گئی ہے تو کیوں کر ان کے پیچھے نماز جائز ہو سکتی ہے۔ آجکل کے اِمام تو لوگوں کے تنخواہ دار نوکر ہیں۔ امام یعنی سردار نہیں ہیں۔ بس ناچار ہم نماز الگ پڑھ لیتے ہیں۔"

اِس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ ہمارے ایک دوست بمبئی میں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم مسجد میں نماز پڑھنے گئے، وہاں ایک مخبوط الحواس آدمی بھی موجود تھا۔ پھٹے پُرانے کپڑے تھے۔ جب جماعت شروع ہوئی تو صف میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا:

"نیت کرتا ہُوں نماز کی۔ نیت کرتا ہُوں نماز کی۔ نیت کرتا ہُوں نماز کی۔"

نماز ختم ہوگئی لیکن وہ یہی کہتا رہا۔ میں نے کہا:

"میاں نماز تو ختم ہوگئی ہے۔ لیکن آپ اَب تک نیت باندھ رہے ہیں۔"

اُس نے کہا:

"آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ نیت باندھتے ہی آپ کو جواب مِل گیا۔ مجھے تو اَب تک جواب نہیں مِلا کہ ہاں شروع کرو!"

میں یہ سُن کر حیران رہ گیا اور وہ آن کی آن میں غائب ہو گیا۔ اس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جب تک جواب نہ لے لیتے تھے نماز میں آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت امام مالکؒ مدینہ منوّرہ میں رہتے تھے اور وہیں درس بھی دیا کرتے تھے۔ نماز با جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ بیماروں کی عیادت کے واسطے بھی جایا کرتے تھے۔ اور میّت کے ساتھ بھی جاتے

تھے لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ فرض پڑھ کر خلوت میں چلے جاتے لیکن عیادتِ بیماراں کے لئے اور جنازہ کے ساتھ بدستور جاتے رہے۔ اس کے بعد ایک ایسا وقت آیا کہ آپ نے فرض باجماعت پڑھنا بھی بند کردیا اور میّت کے ساتھ جانا اور بیمار پُرسی کرنا بھی چھوڑ دیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا:

"میرے پاس عذر ہے"

اُنھوں نے دریافت کیا:

"کیا عذر ہے۔؟"

تو آپ نے فرمایا:

"میں پابند نہیں ہُوں کہ ہر کس و ناکس کو اپنا عذر بتاؤں۔ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہُوں اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ وجہ ظاہر ہے جماعت میں دائیں بائیں کوئی کثیف القلب آجاتے ہوں گے، جن کا اثر امام صاحبؒ کے قلب پر پڑتا ہوگا۔ فرمایا ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے کثیف قلب کا اِس قدر اثر پڑتا ہے کہ باوجود صاف کرنے کے کئی دن تک وہ اثر نہیں جاتا۔ صاف کرتے کرتے ہاتھ چھل جاتے ہیں لیکن کثافت دُور ہونے میں نہیں آتی۔ لیکن بعض اوقات ایسے مقتدی بھی مِل جاتے ہیں جنکے انوار کا اثر تمام جماعت پر ہوتا ہے۔ اَب جو لوگ اہلِ بصیرت ہوتے ہیں وہ دیکھ لیتے ہیں کہ کِس قسم کے لوگ جماعت میں شریک ہو رہے ہیں اور فیصلہ کر لیتے ہیں کہ جماعت میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ بے شک نماز باجماعت ضروری ہے، اور سُنتِ نبویؐ ہے۔ رسُولِ خداؐ نے تو یہاں تک فرمایا ہے:

"میں چاہتا ہوں کہ امام کسی اور کو بناؤں اور جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے، جاکر اُن کے گھروں کو آگ لگادوں۔ لیکن ان کے بال بچّوں کا خیال آتا ہے کہ ناحق جل جائیں گے۔"

حضرتؒ نے فرمایا بے شک جماعت ضروری ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ ضروری ہے۔ دو سو ہندوؤں یا عیسائیوں کے ساتھ نماز با جماعت ادا کرنے سے کیا حاصل۔ اِس سے بہتر ہے کہ انسان خلوت میں بیٹھ کر اطمینان سے اپنی نماز پڑھ لے ۔ اور PASS MARKS (کم سے کم نمبر جو پاس ہونے کے لئے ضروری ہیں) کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

ملفوظات پڑھنے کے آداب

آج رمضان شریف کے تیسرے روز حضرت اقدسؒ اُوپر کی منزل سے تشریف فرما ہُوئے۔ بندہ اکیلا موجود تھا۔ عرض کیا:

"بزرگوں کے ملفوظات پڑھتے وقت کیا آداب بجا لانے چاہئیں۔؟"

فرمایا:

"باوضو ہو۔ بے ادبی سے لیٹا ہُوا نہ ہو۔ اور سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ ملفوظات پڑھتے وقت صاحبِ ملفوظات کی رُوح کی جانب متوجہ رہنا چاہیئے اور طبیعت کو RECEPTIVE (قبولیتِ فیضان کے لئے مستعد) رکھنا چاہیئے۔ بزرگوں کا قال حال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان کا کلام اگر ان شرائط کے ساتھ پڑھا جائے تو قلب میں وہی حال طاری ہو جاتا ہے۔"

فرمایا:

"بزرگوں کی رُوحانیت کی طرف متوجّہ ہونے سے یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی تمہاری طرف متوجّہ ہو جاتے ہیں۔ عالمِ ارواح کا حال بعینہٖ ناسوتی دُنیا کا سا ہے۔ اِس دُنیا میں اگر تم کسی آدمی کو دُور سے آواز دو تو وہ فوراً گردن موڑ کر تمہاری طرف دیکھے گا" (یہ فرماتے ہُوئے حضرت اقدسؒ نے اپنی گردن دائیں جانب موڑ دی)۔

فرمایا:

" اگر وہ شخص یہ کہے کہ مجھے کام ہے میں اس وقت نہیں آسکتا تو بھی وہ تمہاری جانب متوجّہ تو ہو گیا۔ بس یہی بڑی بات ہے۔ بزرگانِ دین کیمیا نظر ہوتے ہیں، جہاں ان کی نظر پڑی کام بن گیا۔ جب تم ان کی طرف متوجّہ ہوتے ہو تو وہ ضرور تمہاری طرف متوجّہ ہوتے ہیں۔"

اس کے بعد احقر نے عرض کیا:

" درگاہ شریف کی حاضری کے وقت اکثر یہ خیال رہتا ہے کہ ذات کی طرف متوجّہ ہونا چاہیئے یا حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی طرف یا شیخ کی طرف۔؟ "

فرمایا:

" سب ایک ہیں ذات سے کوئی جُدا نہیں، ہاں جب درگاہ میں حاضری کے لئے جاؤ تو خواجہ غریب نوازؒ کی طرف متوجّہ ہو، پھر ذات کی طرف، پھر اپنے قلب کی طرف یہ دیکھنے کے لئے کہ قلب میں کیا وارد ہو رہا ہے۔ اور پھر ذات کی طرف۔ اسی طرح یہ چکّر جاری رہے۔ دَراصل جب تم حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی جانب متوجّہ ہوتے ہو تو تمہاری توجہ FILTER ہو کر (چھَن کر) ذات کی طرف چلی جاتی ہے۔ خواجہ صاحبؒ ایک MAGNIFYING GLASS (خُورد بین) ہیں۔ آپکی طرف متوجّہ ہونا ذات کو MAGNIFYING GLASS سے دیکھنا ہے۔"

فرمایا:

" اصل بات یہ ہے کہ سب جھگڑے دوئی کے ہیں۔ جب دوئی مٹ جاتی ہے تو سب خدشات رفع ہو جاتے ہیں۔"

اِس موقعہ پر حضرت اقدسؒ نے یہ شعر پڑھا ؎

دوئی بہ مذہب عشّاق معنوی کفر است
خُدا یکے و پیمبر یکے و پیشر یکے

۴ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ

عِشق کا اِمتحان آج حضرت اقدسؒ اپنے کمرہ میں تشریف فرما تھے۔ بندہ اکیلا حاضرِ خدمت تھا۔ حضرتؒ نے ایک کتاب سے دو مکتوب پڑھ کر سُنائے مضمون یہ تھا :-

(۱) جب بندہ خُدا کا عاشق ٹھہرا تو چاہیے وہ لطف سے پیش آئے یا قہر سے بندہ دونوں حالتوں میں خوش رہے۔

(۲) جب بلا و مصیبت حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوتے تو ورودِ نعمت کہیں زیادہ تھا۔ پہلے آپ صندوق میں بند کئے گئے اور دریا میں پھینک دیئے گئے۔ پھر دشمن کے قبضہ میں آگئے۔ اس کے بعد آپ سے ایک آدمی قتل ہوگیا - ان مصائب کے بعد ہی آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔

عروج و نزول ایک موقعہ پر احقر نے عرض کیا کہ کسی وقت طبیعت میں ایسی لطافت ہوتی ہے کہ تھوڑی سی آواز شاق گزرتی ہے۔

فرمایا :

" ہاں ایسا ہوتا ہے۔ کبھی کیسے کبھی کیسے۔ کبھی عروج ہوتا ہے کبھی نزول۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا یا تو آپ نے کوسوں دُور حضرت یوسف علیہ السّلام کی خوشبو کو پالیا یا یہ کہ وُہ

چاہ میں تھے اور آپ کو اس کا علم نہ تھا۔ انھوں نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

حضرت اقدسؒ نے فرمایا:

"اسی مضمون کو سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب ادا کیا ہے، ان کا شعر ہے ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم"

اس کے بعد فرمایا:

"لطف اسی میں ہے کہ حالت بدلتی رہے کسی چیز کا حسن اسکے نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے۔"

توکّل

ایک دفعہ ایک مُرید نے عرض کیا کہ میرے پاس آٹھ سو روپے ہیں۔ جب سروس میں تھا تو کچھ رقم گھر بھیج دیا کرتا تھا جس سے انھوں نے چاندی خرید کر رکھ دی ہے یہ چیز بندہ کو ناگوار گزرتی ہے۔ کئی دفعہ والدہ صاحبہ سے کہا ہے کہ اُسے خرچ کر ڈالیں لیکن وہ نہیں مانتیں۔ فرمایا:

"ہاں تمہارے مسلک کے لئے دُرست نہیں ہے، ان کے مسلک میں درست ہے۔"

فرمایا:

"رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سال بھر کا خرچ اپنی ازواج مطہرات کو دے دیا کرتے تھے اور اپنے لئے دُوسرے وقت کے کھانے کیلئے بھی نہ رکھتے تھے۔"

کوشش اور توکّل

اِس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ کل حاضری کے وقت حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں دوبارہ ملازمت

کے لئے عرض کیا۔ آج صبح دِل میں خیال پیدا ہُوا کہ اس کے متعلق ہز ہائی نس نواب بہاولپور کو درخواست دینی چاہیئے۔ اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ:

"ان کو آنے دو (نواب صاحب اس وقت ایران و عراق کے سفر پر تھے) دیکھا جائے گا، جو کچھ ہونا ہے بِلا کوشش ہو جائے گا۔ شرط نا سوتی پُورا کرنے کے لئے برائے نام کچھ کر دیا جائے گا۔"

فرمایا:

"یہ غلط ہے کہ کام کوشش سے ہوتا ہے۔ رسُولِ خداؐ فرماتے ہیں کہ سعی سے قضا تبدیل نہیں ہوتی، دُعا سے ہو جاتی ہے۔ کوشش قضا کو نہیں بدل سکتی۔ جب تک خود لکھنے والا نہ بدل دے۔"

فرمایا ایک دن امام حسنؓ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک جگہ نماز پڑھنے کے لئے گھوڑے سے اُترے۔ گھوڑا کسی شخص کو دیا تاکہ آپ نماز پڑھ لیں۔ جب آپ نماز میں مصروف ہُوئے تو وہ شخص گھوڑے کی لگام اُتار کر چلا گیا۔ لیکن گھوڑا اسی طرح کھڑا رہا۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر بغیر لگام سوار ہوئے اور اپنی راہ لی۔ راستہ میں ایک جگہ کوئی میلہ تھا جہاں ایک عارضی بازار لگتا تھا۔ اِدھر اُدھر کے لوگ وہاں جمع ہو کر اپنی ضروریات کی چیزیں خریدتے تھے۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ ایک شخص وہی لگام نیلام کر رہا ہے۔ آپ نے لگام کو پہچان لیا اور دوبارہ خریدنے کا ارادہ کیا۔ نیلام کنندہ نے آپ کو پہچان لیا اور لگام بغیر قیمت دینی چاہی لیکن حضرت امام صاحبؓ نے مُفت لینے سے انکار کیا اور فرمایا:

"ہم تمہارا نقصان نہیں کرنا چاہتے۔ قیمت ضرور لینی پڑے گی۔"

اس پر اُس شخص نے عرض کیا:

"حضور! میں نے اس پر ڈھائی درہم خرچ کئے ہیں، صرف

ڈھائی درہم لوں گا۔ زیادہ نہیں لوں گا۔"

آپ نے جب جیب میں ہاتھ ڈالا تو ڈھائی درہم ہی نکلے، فرمایا:

"جب میں نے نماز شروع کی تو دل میں ارادہ کرلیا کہ جو کچھ میری جیب میں ہے اسے دے دوں گا، لیکن اس نے صبر نہ کیا اور جو چیز اُسے صبر کے بعد حلال ہو کر ملنی تھی وہ بے صبری اور کوشش سے اُسے حرام ہو کر ملی۔"

اس کے بعد فرمایا:

"یہ ہے کوشش۔ ملتا وہی ہے جو کچھ مقدر میں ہو، کوشش سے انسان حلال کو حرام بنا دیتا ہے۔"

اس کے بعد فرمایا:

"حضرت امام حسن رضؓ ایسے فیاض تھے کہ جو کچھ ہوتا اللہ کی راہ میں لُٹا دیتے تھے۔ لیکن جب کسی سے لین دین فرماتے تو کوڑی کوڑی کا حساب کرتے۔"

لوگوں نے دریافت کیا:

"حضرت! اس کی کیا وجہ ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"وہ اور بات ہے یہ اور بات ہے۔ وہ خدا سے معاملہ ہے اور یہ بندوں سے سودا ہے۔"

خوفِ موت کا علاج

اس کے بعد فرمایا کہ رسولِ خداؐ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا:

"مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"تیرے پاس کچھ ہے۔"

عرض کیا:

"جی ہاں بہت مال ہے۔"

فرمایا: "سب خدا کی راہ میں دے دو۔"

اس دوران حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ یہ لوگ کس پابندی سے رسولِ خداؐ کے حکم کی تابعداری کرتے تھے۔ وہ شخص سیدھا گھر گیا اور جو کچھ گھر میں تھا سب کچھ خیرات کر ڈالا۔ بیوی نے بہت شور مچایا:

"بال بچے بھوکے مر جائیں گے!"

لیکن اس نے اس کی بالکل پروا نہ کی۔ ایک دن وہ شخص راستہ میں آنحضرت صلعم سے ملا۔ آپؐ نے پہچان کر دریافت فرمایا:

"کیا حال ہے۔ اب بھی موت سے ڈر لگتا ہے!"

اس نے عرض کیا:

"نہیں۔ حضور اب تو مرنے کا شوق ہے۔"

اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" (انسان کا دل اسی جگہ لگتا ہے، جہاں اس کی پیاری چیز ہوتی ہے)

اس کے بعد حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

"سبحان اللہ کیا کلام ہے۔ یہاں فلسفیوں کا دماغ نہیں پہنچ سکتا۔ اب چونکہ وہ شخص اپنا سب کچھ آخرت کو پارسل کر چکا تھا اس لئے دنیا میں اس کا جی نہیں لگتا تھا۔"

فرمایا:

فرض کرو ایک شخص اپنا مال اسباب کتابیں وغیرہ کلکتہ بھیج دے تو اب

اس کو یہاں کیا چین آئے گا۔ ہر وقت یہی خواہش دامن گیر رہے گی کہ جلدی کلکتہ پہنچ جاؤں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ "دہ در دُنیا اور ستّر در آخرت" کے حساب سے اَب آخرت میں اُسے ستّر گنا ملنے کی اُمید تھی۔

شکوۂ اقبال کی حقیقت

ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ ہمارے مولانا صاحبؒ کے ایک مرید حج پر گئے کسی نے ان کو "شکوۂ اقبال" دے کر کہا:

"اسے لے جاؤ اور کعبۃ اللہ کے پاس کھڑے ہو کر پڑھنا۔"

خیر انھوں نے لے کر بکس میں رکھ لیا۔ جب مکّہ معظّمہ پہنچے تو وہاں کی حاضری کی مستیوں میں بھُول گئے۔ وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے جب خیال آیا تو انھوں نے کعبۃ اللہ کے پاس بیٹھ کے پڑھا۔ فوراً ان پر حالتِ انقباض طاری ہوگئی۔ بہت پریشان ہوئے اور اس حالت سے نکلنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ حالت رفع نہ ہُوئی۔ حتیٰ کہ وہ خودکشی پر آمادہ ہوگئے۔ ایک رات خواب میں حضرت مولانا صاحبؒ کی زیارت ہوئی انھوں نے فرمایا:

"شکوہ جیسی مردُود چیز ساتھ لائے ہو اس لئے باری تعالیٰ خفا ہیں۔ اسے فوراً دُور کر دو۔"

صبح جب وہ بیدار ہُوئے تو "شکوہ" کو بکس سے نکال کر آگ میں ڈال دیا۔ اس کے بعد ان کا قبض جاتا رہا۔ اور ان کی حالت پہلے کی طرح ہوگئی۔

سَدا سہاگی

ایک مرتبہ سَدا سہاگیوں کا ذِکر ہو رہا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ دہلی میں ایک عالم رہتے تھے جن کا نام مولوی موسیٰ تھا۔ ایک دفعہ وہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے ہاں فاتحہ کے لئے حاضر ہُوئے۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ ہیجڑے کھڑے گا رہے ہیں، یہ دیکھ کر اُن کے دل میں خیال آیا کہ صاحبِ مزار کو یہ چیزیں منظور ہیں۔ تب یہاں ہونے دیتے ہیں اگر وہ نہ چاہتے تو یہ لوگ یہاں

کیسے آسکتے ہیں۔ یہ خیال تھوڑی دیر کے لئے ان کے دل میں آیا اور چلا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد وہ حج پر گئے اور قافلہ کے ساتھ مکہ معظّمہ سے مدینہ طیّبہ جارہے تھے کہ ایک رات خواب میں آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہوئی، آپؐ بہت خشمگیں تھے اور حکم فرمایا:

"ہمارے پاس مت آؤ واپس چلے جاؤ۔"

جب بیدار ہوئے تو مغموم تو بہت تھے لیکن واپس کیسے جا سکتے تھے قافلہ کے ساتھ چلتے رہے۔ دوسری رات پھر آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سختی سے فرمایا:

"واپس چلے جاؤ!"

اس سے وہ بہت گھبرائے لیکن پھر بھی سفر جاری رکھا۔ تیسری رات رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"واپس چلے جاؤ، ورنہ دولتِ ایمان سے بھی محروم کردیئے جاؤگے۔"

اَب وہ بہت بے چین ہوئے، قافلہ کو چھوڑ کر وہیں بیٹھ گئے۔ آگے جا نہیں سکتے تھے۔ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پُشت دے کر پیچھے بھی نہیں جا سکتے تھے۔ حیران تھے کہ کیا کریں۔ لوگوں سے کسی اہل اللہ کا پتہ دریافت کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ دائیں جانب فلاں گاؤں میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کی خدمت میں گئے، اور پورا ماجرا بیان کیا۔ انھوں نے تھوڑی دیر کے لئے گردن جھکالی اور آنکھیں بند کرلیں اس کے بعد سر اُٹھا کر فرمایا:

"رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ سے سخت ناراض ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے کسی ولی اللہ کی شان میں کوئی بے ادبی سرزد ہوئی ہے۔"

چنانچہ مولوی صاحب نے سوچنا شروع کیا اور کچھ دیر کے بعد وہی واقعہ یاد آیا۔ جب ہیجڑے حضرت محبوب الٰہیؒ کے دربار میں گا رہے تھے اور جو بے ادبی کا خیال اُن کے دل میں گزرا۔ اب وہ وہاں سے رُخصت ہوکر واپس دہلی پہنچے اور معافی

طلب کرنے کی خاطر دربار میں حاضر ہوئے لیکن معافی اس طرح پر مانگی کہ ہیجڑوں کے سے کپڑے پہن لئے ہاتھوں میں چوڑیاں پہن لیں۔ ناک چھدوا لئے اور وہی ہیجڑوں کی طرح گاتے بجاتے حاضر ہوتے۔ اس سے اُن پر ایک نظرِ عنایت ہوئی اور اُن کا کام بن گیا۔ پہلے وہ خالی تکلف سے گا رہے تھے اب کیف و مستی کی حالت میں آکر گاتے رہے اور اس کے بعد گھر چلے گئے لیکن وہ کپڑے نہ اُتارے۔ کسی محرمِ راز نے اُن سے کہا:

"اَب تو کام بن گیا ہے۔ اَب ان کپڑوں کو اُتار دیجئے!"

انھوں نے کہا:

"واہ جس لباس کی وجہ سے میں نوازا گیا ہوں اَب اس سے کس طرح جُدا ہو سکتا ہوں۔"

چنانچہ وہ ہمیشہ اُسی لباس میں رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اُن کے لئے کس قدر زبردست مجاہدہ تھا۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ عالم تھے۔ سب لوگ انھیں جانتے تھے لیکن انھوں نے کوئی پروانہ کی اور ہیجڑوں کا لباس پہن کر درگاہ میں حاضر ہوئے، یہ بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ اس کے بعد جب لوگوں نے ان کو تنگ کرنا شروع کیا تو دہلی سے احمد آباد چلے گئے اور وہاں کسی بڑی طوائف کے ہاں ملازم ہو گئے۔ اور روزانہ اس کی خدمت کرتے اور برتن مانجتے۔

ایک دفعہ احمد آباد میں قلتِ باراں کی وجہ سے سخت قحط پڑا۔ جس سے جانور مرنے لگے اور لوگ بے حد تشویش میں تھے۔ تمام لوگ جمع ہو کر ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ دُعا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ بارش بھیجے۔ انھوں نے فرمایا:

"میں تو کوئی چیز نہیں ہوں، فلاں طوائف کے ہاں ہیجڑوں کے لباس میں ایک بزرگ رہتے ہیں ان کے پاس جاؤ۔ اگر انھوں نے ہاتھ اُٹھا دیئے تو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔"

چنانچہ سب لوگ وہاں گئے۔ اور دیکھا کہ اُسی حلیہ کے ایک آدمی بیٹھے برتن مانج رہے ہیں۔ میلے کچیلے کپڑے ہیں۔ چوڑیاں پہنے ہوئے ہیں اور ناک بہہ رہی ہے۔ انھوں نے کہا:

"حضور دُعا کیجئے، اللہ تعالیٰ بارش بھیجے مُلک برباد ہوگیا ہے۔"

اُنھوں نے جواب دیا:

"مجھے دُعا سے کیا تعلق! اگر کوئی ٹپّہ دادرا سُننا ہو تو سُناؤں۔ دُعا کسی اللہ والے سے جاکر منگواؤ۔"

لوگوں نے کہا:

"حضور! ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ آپ اِن باتوں کو چھوڑ دیں، ہم کبھی نہیں مانیں گے۔"

جب لوگوں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے کہا:

"سوکن نے راز فاش کر دیا۔"

پھر اُٹھے اور باہر میدان میں آکر آسمان کی طرف دیکھا۔ اور دونوں مُٹھیاں بند کر کے بازوؤں کو اُوپر اٹھایا اور کہا:

"بارش بھیجئے ہو یا توڑ دوں سُہاگ کی چوڑیاں!"

یہ کہنا تھا کہ مُوسلا دھار بارش ہونے لگی۔ وہ وہاں سے بھاگے۔ لوگ بھی ان کے پیچھے بھاگے۔ جب کچھ دُور پہنچے تو ایک مقام پر زمین شق ہوگئی اور وہ اندر گھُس گئے، لوگوں نے اس مقام کو کھودنا شروع کیا۔ چنانچہ وہ وہاں سے بھاگ کر دُوسرے مقام پر زمین کے اندر گھُس گئے۔ جب لوگوں نے وہاں کھودنا شروع کیا تو تیسرے مقام پر گم ہوگئے اور جب لوگوں نے پھر کھودنا شروع کیا تو چوتھے مقام پر گُم ہو گئے۔ اَب لوگوں نے کھودنا بند کر دیا اور وہ ہمیشہ کے لئے گُم ہو گئے۔ اَب ان چاروں مقاموں پر مقبرے بنا دیئے گئے ہیں اور آپ موسیٰ سہاگ رح کے نام سے مشہُور ہیں۔ آپ کے مسلک کے لوگ اب تک موجود ہیں اور اجمیر شریف اور دیگر مقامات پر زنانہ کپڑوں میں نظر آتے ہیں۔

اولیاءِ کرام کی خدمت میں بلاوضو جانا بے ادبی ہے!

حضرتِ اقدسؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اولیاءِ کرام کی خدمت میں باوضو ہوکر جانا چاہیے۔ کیونکہ ان کی صحبت عبادت ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ شیخ کے سامنے نوافل نہیں پڑھنی چاہئیں صرف فرض اور سنّت موکدہ پڑھنی چاہئیں۔ وجہ یہ ہے کہ ولی اللہ کی صحبت خود نوافل کا حکم رکھتی ہے۔ نوافل میں نوافل کس طرح پڑھ سکتے ہیں۔ فرمایا انسان کامل اللہ کا مظہرِ اتم ہے۔ اور کعبہ بھی اللہ کا مظہر ہے۔ لیکن انسان کامل کا مرتبہ کعبہ سے بہت بلند ہے۔ ایک دفعہ حضرت کا ایک مُرید حضرت کے سامنے دست بستہ کھڑا تھا۔ کسی نے اعتراض کیا کہ غیر اللہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر مت کھڑے ہو۔ جب بعد میں حضرت سے اس کا ذِکر کیا گیا تو فرمایا کہ اس سے کہنا چاہیے تھا کہ کعبہ کے سامنے کیوں دست بستہ کھڑے ہوتے ہو۔ کیا کعبہ غیر اللہ نہیں ہے۔؟

اسمِ اعظم

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت امام جعفر صادقؓ سے کسی نے کہا:

"مجھے اسمِ اعظم بتائیے۔"

آپ نے فرمایا:

"پہلے مجھے اسمِ اصغر بتا دیجئے تو میں اسمِ اعظم بتا دوں۔"



۶ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ - ۲۸ ستمبر ۱۹۴۱ء بروز اتوار

اپنے ایمان کا امتحان

آج کی تقریر میں عجب رنگ تھا حضرتِ اقدسؒ نہایت جوش و خروش سے تقریر فرما رہے تھے اور سامعین پر عجیب کیفیت طاری تھی پہلے احقر اکیلا بیٹھا تھا۔ حضرت ساڑھے دس بجے صبح باہر

تشریف لائے۔ بعد میں عبد السلام صاحب بھی آگئے اور کہا :

"فلاں حافظ صاحب بہت تنگ ہیں۔ ان کے ایک دوست کی بیوی نہایت بدمزاج ہے۔ اس نے سب لوگوں کو تنگ کر رکھا ہے۔"

اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ یہ سب نفس کے جھگڑے ہیں۔ تمام لڑائی فساد نفس کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ جیسے یہ موجودہ جنگ ہے۔ یہ بھی نفسانیت کی وجہ سے ہے۔ ہر شخص "مَیں میں" کہہ رہا ہے جب "یہ مَیں" ختم ہو جائے گی تو سب جھگڑے خود بخود ختم ہو جائینگے۔ طالب کو چاہیئے اپنے نفس کو ٹٹولتا رہے اور دیکھے کہ کہیں نفسانیت کا غلبہ تو نہیں ہو رہا ہے۔ فرمایا کہ ہمارے مولانا صاحب (حضرت مولانا شاہ وارث حسن صاحبؒ) اکثر اپنے قلب کا امتحان لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔ ایک مولوی صاحب بھی اسی ڈبہ میں سوار تھے۔ وہ بات بات پر قال اللہ وقال الرسول رٹ رہے تھے۔ ہمارے مولانا صاحبؒ نے دریافت فرمایا :

"آپ کے ساتھ کتنا سامان ہے ؟"

انھوں نے کہا :

"ایک ٹاٹ کا بیگ ہے اور ایک دری ہے جس کی قیمت ڈھائی روپے ہو گی۔"

آپ نے فرمایا :

"میں تارکِ دنیا ہوں لیکن میرے پاس یہ ایک چمڑے کا بیگ ہے جس کی قیمت کم سے کم پچیس روپیہ ہے۔ اور یہ قالین کا جا نماز ہے جس کی قیمت پچاس روپے ہے۔ اس بیگ میں پچاس روپے نقد اور سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ ہے۔"

جب ریل گاڑی اسٹیشن پر رکی تو آپؒ نے مولوی صاحب سے فرمایا :

"آیئے پلیٹ فارم پر نماز باجماعت پڑھ لیں۔"

مغرب کا وقت تھا۔ سامان گاڑی میں چھوڑ کر باہر آئے اور جلدی سے خود امام ہو گئے ۔ اور لمبی قرأت شروع کردی تھوڑی دیر کے بعد گاڑی نے سیٹی بجائی اور چل دی ۔ وہ مولوی صاحب فوراً نماز توڑ کر گاڑی پر سوار ہو گئے۔ لیکن ہمارے مولانا صاحبؒ نے اطمینان سے نماز کو ختم کیا۔ اور دُعا مانگ کر بیٹھ گئے۔ جب تمام لوگ پلیٹ فارم سے چلے گئے تو اسٹیشن ماسٹر آیا اور اس نے دریافت کیا :

" آپ کا ٹکٹ کہاں ہے ؟ "

آپ نے فرمایا :

" میرے پاس نہ ٹکٹ ہے نہ پیسے ہیں۔ آپ جو چاہیں کریں ۔ ہتھکڑی لگائیں یا قید کردیں ۔"

اُس وقت ایک قُلی وہاں پر کھڑا تھا۔ اُس نے اسٹیشن ماسٹر کو بتایا :

" یہ صاحب تو سیکنڈ کلاس سے اُترے ہیں۔ اور نماز پڑھ رہے تھے ۔ "

اسٹیشن ماسٹر بہت متاثر ہُوا اور آپ کو باہر لے آیا۔ ایک کمرہ خالی کرکے آپ کو وہاں بٹھایا اور پانی وغیرہ رکھوا دیا۔ چونکہ وہ ہندو تھا۔ ایک مُسلمان نوکر سے کہا :

" آپ کے لئے کھانا تیّار کرو ۔ "

اِس اثناء میں اُس نے اگلے اسٹیشن پر تار دیا کہ گاڑی میں ایک مُسافر کا سامان رہ گیا ہے ۔ وہ واپس بھجوا دیا جائے۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے پچیس رُوپے اور ایک سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ آپ کی نذر کیا۔ آپ نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اور فرمایا :

" ہمارے ساتھ جب کوئی احسان کرتا ہے تو ہم رُوحانی طور پر اس احسان کا عوض ضرور دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ تم غیر مُسلم ہو اس لئے ہم تمھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچانا چاہتے ۔ "

اس پر وہ آبدیدہ ہو گیا۔ اور بڑی منت سماجت کرنے لگا۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا :

" اچھا چونکہ تمہارا تعلق بھی ریل کے محکمہ سے ہے اور ہمارا ٹکٹ بھی چلا

گیاہے۔ ہم صرف تمہاری جانب سے یہ ٹکٹ قبول کرتے ہیں۔"
اِتنے میں وہ سامان بھی واپس آگیا۔ آپ نے اپنا ٹکٹ بیگ سے نکال لیا۔ اور اسٹیشن ماسٹر سے فرمایا:

"لو اپنا ٹکٹ واپس لو، میرا ٹکٹ مل گیا ہے۔"

اُس نے عرض کیا:

"نہیں حضور، جب آپ ایک دفعہ مجھ سے قبول فرما چکے ہیں تو میں ہرگز واپس نہیں لوں گا۔ لائیے میں اس کو واپس کرکے اس کی قیمت حضور کو پیش کرتا ہوں۔"

اُس کی عقیدت مندی کو دیکھ کر مولانا صاحبؒ نے وہ رقم اُس سے لے لی۔ اور پھر جہاں جانا تھا چلے گئے۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد وہی مولوی صاحب اتفاقاً گاڑی میں مِل گئے اور وہی قال اللہ وقال الرسول رٹنے لگے۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"بس مولوی صاحب آپ کی قال اللہ وقال الرسول مَیں دیکھ چکا ہوں۔ آپ ڈھائی رُوپے کے واسطے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر گاڑی کی طرف بھاگ گئے۔ گویا ڈھائی روپیہ کی قدر و قیمت آپ کے ہاں خُدا سے زیادہ ہے۔"

یہ سُنتے ہی مولوی صاحب نے حضرت مولانا صاحبؒ کو پہچان لیا۔ بہت نادم ہوئے۔ تائب ہُوئے اور بیعت کی۔ مولانا صاحبؒ اکثر اسی طرح اپنے نفس کا اِمتحان لیا کرتے تھے۔ ہزاروں رُوپے کا سامان چھوڑ دیا کرتے تھے۔ کبھی واپس مل جاتا تھا، کبھی نہیں ملتا تھا۔ لیکن قلب کی حالت میں فرق نہیں آتا تھا۔ اِس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اِنسان کو چاہیئے کہ قلبِ مطمئن حاصل کرنے کی کوشش کرے، جب قلب مطمئن مِل جاتا ہے تو مصیبت مصیبت نہیں رہتی۔ ہر چیز میں لُطف حاصل ہوتا ہے۔ نفس ہر وقت اِنسان کو دھوکا دیتا رہتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت نفس کی مخالفت میں کمربستہ رہے۔

مخالفتِ نفس سے بڑے بڑے برکات حاصل ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

"کل میرے سامنے دُنیا کی سب سے بدترین چیز لاکر پیش کریں۔"

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

"بہت اچھا"

اِس کے بعد آپ ایسی چیز کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک جگہ ایک مرا ہوا کُتا پایا جو بہت ہی سڑا ہوا تھا۔ اور سخت بدبُودار تھا۔ انھوں نے خیال کیا اس سے زیادہ گندی چیز اور کیا ہوسکتی ہے۔ جونہی اُٹھانے کے لئے آگے بڑھے، کُتّے سے آواز آئی:

"خبردار! مجھ کو مت چھُونا میں بُرا نہیں ہوں۔ مجھ میں سات صفات ایسے ہیں جو اولیاء اللہ میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً شب بیداری۔ وفاداری۔ مالک سے خلوص۔ بھوک پر قناعت وغیرہ۔ میرا باطن پاک ہے لیکن ظاہر نجس۔ اِنسان کا ظاہر پاک ہے اور باطن نجس۔"

یہ سُن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ گئے۔ کچھ دُور جاکر دیکھا پاخانہ پڑا ہوا تھا۔ دِل میں خیال آیا اسی کو لے جاؤں۔ جونہی اُٹھانے کے لئے آگے بڑھے، پاخانہ سے آواز آئی:

"حضرت میں تو اناج ہوں چند گھنٹے حضرتِ انسان کی صحبت میں رہ کر اس حالت کو پہنچا ہوں۔"

یہ سُن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے چل دیئے۔ دُوسرے دن جب اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا:

"موسیٰ! لے آئے ہو بدترین چیز؟"

انھوں نے عرض کیا:

"جی ہاں حضور۔"

فرمایا:

"کہاں ہے؟"

عرض کیا:

"حضور میں ہوں۔"

یہ سُنکر حق تعالیٰ نے فرمایا:

"اگر یہ جواب نہ دیتے تو میں تمہارا نام پیغمبروں کی فہرست سے خارج کر دیتا۔"

یہ کہہ کر حضرت اقدسؒ نے فرمایا، اِنسان کو چاہیئے کہ اپنے نفس کو اس طرح ذلیل سمجھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ باری تعالیٰ میں عرض کیا:

"مجھے خزانۂ خداوندی دیکھنے کی خواہش ہے۔"

حق تعالیٰ نے فرمایا:

"آنکھیں بند کرو!"

تھوڑی دیر کے بعد فرمایا:

"اَب آنکھیں کھول دو۔"

جب آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو ایک ایسے مقام پر پایا، جہاں پُرانے جُوتوں اور پھٹے ہُوئے کپڑوں کے ڈھیر لگے ہُوئے تھے۔ اور لاغر و کمزور جانور موجود تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

"بارِ خدایا یہی ہے آپ کا خزانہ"

فرمایا:

"کائنات کے خزانے تو میں انسان کے حوالے کر چکا ہوں۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ	کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔

یہ وہی ہے جو تم لوگ اللہ کی راہ میں دیتے ہو۔"

اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ لوگوں کی عادت ہے کہ سب سے بُری چیز اللہ کی راہ میں دیتے ہیں حالانکہ حکم ہے

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ	تم نیکی ہرگز حاصل نہ کرسکو گے جب تک اپنی پیاری چیزوں سے کچھ خرچ نہ کرو۔

لیکن نفسانیت کی بنا پر انسان سب سے بُری اور ناکارہ چیز خُدا کی راہ میں دیتا ہے۔

فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ	تم میں سے کوئی ایماندار ہو نہیں سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

لوگوں کا یہ قاعدہ ہے کہ اچھی چیز اپنے لئے رکھ لیتے ہیں اور بُری چیز دُوسروں کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ نفسانیت کی وجہ سے ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ نفس کی مخالفت ہر وقت کرتا رہے، جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اللہ کی ملکیت سمجھے اور خود بھی اللہ کا ہو رہے۔ اللہ خود بخود اس کا ہو جائے گا۔

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ	جو کوئی اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ جس کا اللہ ہو جائے اس کو کس چیز کی پروا ہے؟ اللہ کے جُملہ خزانے اور جو کچھ کائنات میں ہے سب کچھ اس کا ہو جاتا ہے۔ لیکن اِنسان کو چاہیئے ماسوا اللہ کی ذرّہ بھر رغبت دل میں نہ پیدا ہونے دے۔ ہر آن اور ہر لحظہ اللہ کا طالب رہے۔ اللہ کے مال کی طلب دِل سے نکال دے۔ جب اس پر پُورا عامل ہو جائے گا تو انسان کے لئے نہ غم رہے گا۔ نہ خوشی۔ مٹی اور سونا اس کے لئے برابر ہو جائیں گے۔

فرمایا حضرت غوث الاعظمؓ بڑے مالدار تھے۔ ایک دفعہ آپ کو کسی نے اطلاع دی کہ:

"آپ کا سامان سے لدا ہوا جہاز غرق ہو گیا ہے۔"

آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنے قلب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

"الحمد للہ"

کچھ دیر کے بعد ایک اور آدمی آیا اور اس نے کہا:

"جہاز کے غرق ہونے کی اطلاع غلط تھی، جہاز صحیح سلامت کنارے لگ چکا ہے۔"

آپ نے دوبارہ گردن جھکا کر قلب پر نگاہ ڈالی اور کہا:

"الحمد للہ"

لوگ حیران ہوئے کہ دوسری بار تو خیر الحمد للہ کہنے کا موقعہ تھا۔ پہلی بار حضور نے کیوں الحمد للہ کہا۔ براہِ راست کسی کو پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سب نے حضرت کے صاحبزادہ حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ سے عرض کیا:

"آپ اس کا سبب دریافت کریں۔"

انھوں نے جا کر حضرت سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا:

"جب میں نے جہاز کے غرق ہونے کی خبر سنی تو میں نے قلب کو دیکھا کہ اس کی حالت میں تو فرق نہیں آیا، تو وہ اپنے کام میں لگا ہوا تھا قلب پر نقصان کا کوئی اثر نہ پاکر الحمد للہ کہا۔ پھر جب میں نے جہاز کے صحیح سلامت ہونے کی خبر سنی تو دیکھا کہ خوشی کی خبر پاکر قلب کی حالت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا اور قلب کو اپنے کام میں مصروف پایا۔ اس پر الحمد للہ کہا۔"

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا یہ ہے قلبِ مطمئن۔ نہ خوشی سے خوش ہوتا ہے

نہ غمی سے مغموم۔ ہر کام کو اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے اور ہر حال میں خوش رہتا ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ بغداد میں ایک درویش رہتے تھے جنکے بہت سے لوگ معتقد تھے۔ اور ہر وقت ان کے ہاں مجمع لگا رہتا تھا۔ اولیاء کرام سے ظاہر بین اور خود پرست مولویوں کی ہمیشہ مخالفت رہی ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ عالم و فاضل ہم ہیں پھر ان جاہل فقیروں کے پاس لوگ کیوں جاتے ہیں۔ چنانچہ حسد کی آگ نے وہاں کے مولویوں کو اس قدر برانگیختہ کیا کہ انھوں نے سازش کر کے بادشاہِ وقت کو بھڑکایا کہ فلاں شخص کا لوگوں پر بہت اثر ہے۔ امراء، وزراء، اور فوجی افسر انکے معتقد ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ کسی وقت بغاوت کرا کے آپ کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیں۔ بادشاہ کانوں کے کچے ہوتے ہیں۔ فوراً حکم دے دیا:

"اس کو زنجیروں میں جکڑ کر یہاں لے آؤ اور ہمارے سامنے قتل کر دو۔"

اپنے سامنے قتل کا حکم اس لئے دیا کہ شاید معتقد لوگ اُن کو کہیں گم نہ کر دیں۔ چنانچہ بادشاہ کے آدمی زنجیریں لے کر اُن کے ہاں پہنچ گئے۔ آپ اُس وقت حجرہ کے اندر مشغول تھے۔ ان کے مُریدین نے بادشاہ کے آدمیوں سے کہا:

"ٹھہر جاؤ تھوڑی دیر میں آپ باہر آئیں گے جو بات کہنی ہو اُن سے کہہ لینا۔ اگر آپ زبردستی حجرہ کے اندر جاتے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ پیر کے بعد مُرید کا زندہ رہنا بے فائدہ ہے۔ ابھی قتل و خون کا بازار گرم کر دیں گے۔"

وہ لوگ سمجھ دار تھے۔ انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُن بزرگ نے حُجرہ کا دروازہ کھولا اور بڑے ذوق شوق سے رقص کرتے ہوئے زنجیروں کو پہننے لگے یہ کہتے ہوئے:

"جلدی کرو مجھے زیور پہناؤ، دوست نے میرے لئے زیور بھیجے ہیں۔ اور مجھے اپنے پاس بلایا ہے۔"

چنانچہ وہ لوگ زنجیروں میں جکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گئے۔ بادشاہ کے سامنے بھی وہ یہی کہتے رہے :

"اے جلّاد! جلدی اپنا کام کر مجھے دوست نے بلایا ہے، مجھے جلدی دوست سے ملا دو۔"

جب بادشاہ نے یہ ماجرا دیکھا تو سخت حیران ہوا اور کہنے لگا :

"جو شخص موت کا اس قدر طلب گار ہے وہ تخت و تاج کا کبھی خواہاں نہیں ہو سکتا۔"

چنانچہ بادشاہ نے قدموں پر گر کر معافی کی درخواست کی، زنجیروں کو الگ کر کے ان کو رخصت کیا اور اشرفیوں کا ایک تھال بھی نذر کیا۔ وہ بزرگ تھال سر پر رکھ کر رقص کرتے ہوئے باہر آئے اور کہتے رہے :

"الحمد للہ دوست نے یاد کیا تھا اور اپنے دربار میں بلا کر یہ انعام دیا ہے۔"

گھر پہنچ کر کھانے وغیرہ پکوائے اور سب کچھ ایک دم خرچ کر ڈالا۔ یہ لوگ زر کو جمع تھوڑا ہی کرتے ہیں۔ جب حضرتؒ یہ حکایت بیان فرما رہے تھے تو بعض سامعین پر گریہ طاری تھا اور حضرتؒ نہایت ذوق شوق سے فرماتے جا رہے تھے۔ کہ انسان کو چاہیئے کہ ایسا قلب پیدا کرے جو ہر حال میں خوش ہو۔ ہر حال کو اُسی سے سمجھے اور ہر بات میں اُسی کو دیکھے۔ کچھ دیر کے بعد احقر نے عرض کیا :

"حضور نفس کے ساتھ جہاد کرتے وقت دِل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ بھوک وغیرہ سے جسم لاغر ہو کر عبادت کے قابل نہیں رہے گا۔"

آپ نے فرمایا یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ دل میں وساوس پیدا کر کے آدمی کو نیکی سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ شیطان کی ہر وقت مخالفت کرتا رہے۔ اور دِل میں یہ کہے کہ کمزور ہو جاؤں گا تو کیا ہوا زیادہ سے زیادہ مر جاؤں گا۔ موت تو اپنے وقت پر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے وقت سے

پہلے موت دیدی تو سر آنکھوں پر۔ جا کر جلدی اُس سے مِل لیں گے۔

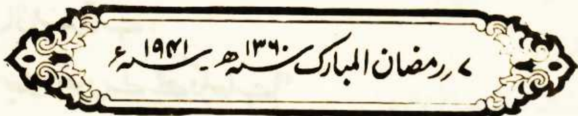
اِس کے بعد ارشاد فرمایا کہ شیطان اسی طرح نمازمیں بھی وسوسہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ اِس سے تو نماز نہ پڑھنا بہتر ہے۔ جب نماز پڑھتے وقت دِل میں خیالات آتے ہیں تو نماز کِس کام کی ۔ فرمایا اس کا علاج بھی یہی ہے کہ شیطان کی مخالفت کی جائے۔ اور یہ کہے کہ جو کچھ بھی ہے تیرا کہا نہیں مانوں گا۔ تو میرا دشمن ہے۔ میرے باپ، دادا کا دشمن ہے۔ تو نے میرے باپ کو جنّت سے نکلوایا اس سے شیطان عاجز آکر پیچھا چھوڑ دیتا ہے۔ اِس تقریر کے دَوران احقر کے دل میں خیال پَیدا ہُوا کہ دشمنانِ اِسلام کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے تو لاغر جسم کسی کام کا نہیں ہے۔ کمزور جسم سے جہاد کیسے کریں گے۔ حضرت اقدسؒ روشن ضمیری سے اس وسوسہ سے مطلع ہُوئے اور فوراً جواب دیا کہ قوّتِ ایمانی کے بغیر دشمن کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ جب تک موت کا شوق دل میں پَیدا نہ ہو لڑائی نہیں ہوسکتی یہی تو ایک چیز تھی جس سے اِسلام نے عظیم الشان بادشاہوں پر فتح پائی اور یہی چیز ہم سے چھین لی گئی ہے۔ جہاد میں لوگ اسی واسطے جاتے تھے کہ زندہ واپس نہ آئیں اور جو زندہ واپس آجاتے تھے انھیں اُن کی عورتیں اور باقی لوگ ملامت کرتے تھے اور وہ خود بھی شرمندہ ہوتے تھے کہ زندہ واپس آگئے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو اس کا پُورا علم تھا۔ اس لئے نہایت چالاکی سے انھوں نے یہ چیز ہم سے چھین لی ہے اور ھم کو نہایت بُزدل بنادیا ہے۔ اس کے بعد احقر سے فرمایا "کلیاتِ اکبر دینا۔"

احقر نے طاق سے کتاب اُٹھا کر دی۔ اور آپ نے اکبرالہ آبادی کی نظم "برقِ کلیسا" نکالی اور فرمایا کہ یہ نظم مجاز کی صُورت میں سیاسی اہمیت رکھتی ہے اور اس شعر کو تکرار سے پڑھا ؎

آگ میں کودتے ہیں توپ سے لڑجاتے ہیں

آپ نے فرمایا کہ یہ انگریز عورت بالکل حکومت کی ترجمانی کررہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انگریز ہٹلر اور جاپانیوں سے تو اچھے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم سے اچھے نہیں

ہیں۔ ہم خود حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ مومن کی وہ شان ہے کہ کسی کا مطیع نہیں رہ سکتا۔
کلمہ طیبّہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں بھی پالٹیکس بھری ہوئی ہے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم خُدا کے سوا کسی کی اطاعت قبول نہیں کرتے۔ جب خُدا
کی حکومت مومن کی حکومت ہے، اور خدا کی طاقت مومن کے ساتھ ہے تو مومن کیوں
کسی دوسری طاقت کے آگے سر جھکائے۔ اور کیوں کسی غیر کی عظمت قبول کرے
اور کیوں اس سے مرعوب ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب
گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ ایک انگریز کا اُستاد تھا۔ جو اس انگریز سے اس لئے اُنس
رکھتا تھا کہ وہ انگریز اور صاحب بہادر ہے۔ اور وہ انگریز اس مولوی صاحب کی
اس لئے قدر کرتا تھا کہ وہ مسلمان تھا اور اسلام کے اُصولوں سے واقف تھا۔
اسلام کی حرمت اس کے دل میں تھی۔ اس لئے مولوی صاحب کو عزت کی نگاہ سے
دیکھتا تھا۔ اتفاقِ قدرت سے وہ مولوی صاحب گنگوہ شریف میں فوت ہوگئے۔
اور وہ انگریز الہ آباد میں مرگیا۔ اور قدرت کو چونکہ یہ راز دکھانا منظور تھا ایسا
اتفاق ہُوا کہ سخت بارش ہُوئی اور دونوں قبریں کھُل گئیں۔ لوگوں نے دیکھا کہ
انگریزوں کے قبرستان واقع الہ آباد میں مولوی صاحب کی نعش پڑی تھی اور مسلمانوں کے
قبرستان واقع گنگوہ شریف میں اس انگریز کی نعش موجود تھی۔ اس کے بعد ارشاد
فرمایا کہ اس سے اس حدیث کی تصدیق ہوگئی کہ " اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ " یعنی
آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ اُس کو محبّت ہوتی ہے



طریقۂ ذِکر

آج رات بعد تراویح و حلقۂ ذِکر حضرت اقدسؒ نے فرمایا
کہ بھائی تم ذِکر سب ایک ساتھ کیوں نہیں کرتے؟ نہایت
بدذوقی اور بے شوقی کے ساتھ کرتے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت میں پھنسے

ہُوئے ہو۔ اس سے ہم پر بوجھ پڑتا ہے۔ اَب ہمارا زمانہ ذِکر کا نہیں ہے۔ ہمارا وقت تو یہ ہے کہ مراقبات میں پڑے رہیں۔ ذِکر جہری جوانی کی چیز ہے۔ فرمایا، وہ ہمارے پیر بھائی ڈپٹی نہال الدین جب ذکرِ جہری کیا کرتے تھے تو کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ جاتے تھے۔ بار بار مرمت کرائی جاتی تھی۔ ذِکر نہایت خوبصورتی سے اور ایک آواز ہو کر کرنا چاہیے اگر ہم چُپ ہو جائیں تو مضائقہ نہیں۔ تم باقاعدہ جاری رکھا کرو۔ جب تبدیل کرنا ہُوا تو ہم تبدیل کر دیا کریں گے۔ فرمایا کہ اَللّٰهُ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اللہ خوبصُورت ہے اور خوبصورتی سے محبّت کرتا ہے۔ اس لئے ذِکر کو بہ احسن طریق ادا کرنا چاہیئے۔ تم سمجھتے ہو یہ معمولی چیز ہے۔

برکتِ ذکر

ذِکر بہت بڑی چیز ہے۔ متفق علیہ حدیث شریف ہے۔ اور متفق علیہ وہ حدیث ہے، جس کی صحت پر سب کا اِتفاق ہو اور جِس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ فرشتے زمین پر نازل ہو کر ذِکر کرنے والوں کی تلاش میں رہتے ہیں جب کہیں ذِکر ہوتا دیکھتے ہیں تو اوروں کو بھی وہیں بُلا لیتے ہیں۔ اور آسمان دُنیا تک ذِکر کرنے والوں کو گھیر لیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے پُوچھتا ہے:

"تم نے میرے بندوں کو کیا کرتے چھوڑا؟"

وہ عرض کرتے ہیں:

"اِس حال میں چھوڑا کہ تیری حمد اور بڑائی اور پاکی بیان کرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"بھلا انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟"

وہ کہتے ہیں:

"نہیں"

اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے:

"اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر کیا ہو؟"

فرشتے کہتے ہیں:

"اگر دیکھ لیں تو زیادہ تیری تسبیح، تحمید اور تمجید بیان کریں گے۔"

اللہ تعالیٰ پھر پوچھتا ہے:

"وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟"

فرشتے کہتے ہیں:

"دوزخ سے"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"کیا انھوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟"

عرض کرتے ہیں:

"نہیں"

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اگر اس کو دیکھ لیں تو کیا کریں گے؟"

عرض کرتے ہیں:

"اگر دیکھ لیں تو اس سے زیادہ گریز اور نفرت کریں"

پھر پوچھتا ہے:

"وہ کیا مانگتے ہیں؟"

وہ کہتے ہیں:

"جنت کے سائل ہیں۔"

اللہ فرماتا ہے:

"کیا انھوں نے جنت کو دیکھا ہے؟"

وہ عرض کرتے ہیں:

"نہیں"

اللہ فرماتا ہے:

"اگر وہ دیکھ لیں تو کیا ہو!"

وہ کہتے ہیں:

"اگر وہ دیکھ لیں تو اور زیادہ اس کے حریص ہو جائیں گے۔"

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔"

فرشتے عرض کرتے ہیں:

"یا الٰہی! ان میں فلاں شخص تھا جو ذِکر کے ارادے سے نہیں آیا تھا بلکہ اپنے کسی کام سے آیا تھا۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"یہ وہ لوگ ہیں (ذاکرین) کہ ان کا ہم نشین ان کے طفیل محروم نہیں رہتا۔"

حدیث شریف کے الفاظ ہیں:

لَا یَشْقیٰ جَلِیْسُھُمْ	ان کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ دیکھو ذاکرین کے پاس بیٹھنے والوں کا تو آتے ہی خاتمہ بالخیر ہو گیا۔ اس کے بعد جو کچھ کیا وہ زائد ہے۔ لوگوں کا مقصود خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔ لیکن سالکین کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے۔ گویا جو عام لوگوں کی اِنتہا ہے۔ وہ سالکین کی اِبتدا ہے۔ یہ یقینی امر ہے۔ اور مذکورہ بالا حدیث شریف سے تو ثابت ہے کہ کسی ایک شیخ الذاکرین کے ہاتھ بیعت کرتے ہی خاتمہ بالخیر یقینی ہو جاتا ہے۔ فرمایا ذِکر جیسی اعلیٰ چیز کو بنا سنوار کر اور احسن طریق سے ادا

کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ سورۃ المزمل آیت ۴	قرآن شریف کو ٹھہر ٹھہر کر اور صاف صاف پڑھو۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی صحابیؓ کے گھر کے قریب سے گذرے وہ نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہیں ٹھہر گئے۔ اور جب تک انھوں نے تلاوت کو ختم نہ کیا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہیں ٹھہرے رہے۔ آپؐ کے ساتھ جتنے آدمی تھے وہ بھی ٹھہرے رہے۔ صبح جب لوگوں نے ان سے کہا:

"رات رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کے ساتھ تمہارے گھر کے نزدیک ٹھہرے رہے"

تو وہ افسوس کرنے لگے:

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میری تلاوت سن رہے ہیں تو میں اور بھی خوش الحانی سے پڑھتا۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے۔ قیامت کے دن ایک شخص کے نامۂ اعمال میں سب گناہ ہی گناہ ہوں گے اور ایک نیکی بھی نہیں ہو گی حق تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے:

"آج انصاف کا دن ہے ہم کسی پر ظلم نہیں کریں گے۔ اس شخص کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی ہے جو تم کو بھی معلوم نہیں۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ اُس نے خلوصِ دل سے ہمارا نام پکارا تھا۔ اس کو ترازو میں ڈالو۔"

جب اللہ کا نام ترازو میں ڈالا جائے گا تو وہ پلڑا اس کے گناہوں سے بہت زیادہ بھاری ہو جائے گا۔ فرمایا یہ ہے برکت اسمِ ذات کی کہ ایک دفعہ خلوص سے اللہ کا نام لینے کی وجہ سے تمام عمر کے گناہ نیست و نابود ہو گئے۔

حقیقتِ وتر

وِتروں کے متعلق فرمایا کہ وِتر رات کی آخری نماز ہونی چاہیئے، مغرب کے تین فرض دن کے وتر ہیں۔ تین اس لئے ہیں کہ تمام دِن کی نمازوں کے مجموعہ کے ساتھ اگر تین رکعت جمع کردی جائیں تو مجموعہ طاق ہوجاتا ہے۔

اَللّٰہُ وَتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ	اللہ طاق ہیں طاق کو پسند فرماتے ہیں۔

اِس طرح تمام رات کی نماز کے ساتھ تین رکعت وتر جمع کردیئے جائیں تو مجموعہ طاق ہوجاتا ہے۔

وحدت اور کثرت

ایک دفعہ احقر نے عرض کیا کہ جب اللہ کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں ہے تو پھر اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ آپ نے حضرت شاہ تراب علی صاحبؒ کی یہ رباعی پڑھی ؎

آنکھ مونَدی تو عدم کی سیر ہے گم ہے وجود

آنکھ کھولی تو وہی ہے ظاہر و باطن کھلا

اس طرح تنزیہہ بوجھ اور اس طرح تشبیہ جان

دونوں عالم میں نہیں دیدار اس کے ماورےٰ

اِس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ نے وحدت اور کثرت پیدا کی ہے۔ دونوں کا علیحدہ علیحدہ مقام ہے اور دونوں کی علیحدہ علیحدہ لذّت ہے۔ کبھی عبد کبھی معبود۔ کبھی دوئی۔ کبھی یگانگت۔ ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر موزوں ومناسب ہے۔ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ سُورج کی روشنی رات سے پہچانی جاتی ہے، اگر رات نہ ہو تو روشنی کو کوئی روشنی نہ کہے گا۔ مٹھاس تلخی سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر تلخی نہ ہوتی تو مٹھاس کی لذّت اُٹھ جاتی۔ اگر بدصُورتی نہ ہوتی تو خوبصورتی کو کون پسند کرتا۔

اس کے بعد عبد السلام صاحب آئے جو بخار کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بس ایک بخار سے یہ حال ہو گیا ہے۔ جب ہمیں بخار تھا تو ڈاکٹر بھٹہ چاریہ حیران تھا کہ ایک سو پانچ۔ ایک سو چھ درجہ کا بخار ہے۔ لیکن آپ چپ چاپ پڑے ہیں۔ فرمایا ظاہر میں تو ہم چپ ہوتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر کو کیا معلوم کہ اندر کیا گذرتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کمزور دل نہیں ہونا چاہیئے اور کمزوریٔ دل گوشت نہ کھانے سے ہوتی ہے۔ اس لئے تم کو خوب گوشت کھانا چاہیئے۔

گوشت کھانے کے فوائد

فرمایا حضرت محی الدین ابن العربیؒ کی RESEARCH (تحقیق) یہ ہے کہ گوشت کھانے سے انسان کی روحانیت میں جانور کی روحانیت شامل ہو جاتی ہے۔ اور اس سے انسان کی روحانیت زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ فرمایا یہ جو روایت ہے کہ قربانی کا جانور جنت میں جائے گا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کی روحانیت انسان کی روحانیت میں شامل ہو جاتی ہے۔ اور جب انسان جنت میں جائے گا تو وہ جانور بھی خود بخود ساتھ ہو گا۔ اس لئے جانور کا ذبح کرنا ظلم نہیں ہے۔ یہ جانور کے ساتھ بھلائی ہے۔ اس سے جانور کی روح انسان کی روح میں PRESERVE (محفوظ) ہو جاتی ہے۔ PRESERVATION (حفاظت) کو ظلم کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اسکے برعکس جانور کو حرام موت مرنے دینا ظلم ہے۔ کیونکہ اس سے وہ خاک میں مل جاتا ہے۔ آپ نے انگریزی میں فرمایا:

"IT IS REDUCED TO DUST."

(یہ خاک میں مل جاتا ہے)۔ اس کے بعد عبد السلام سے دریافت فرمایا:

"ہمارے ساتھ دعوت پر چلو گے؟"

انھوں نے عرض کیا:

"حضور میں کمزور ہوں۔ واحد بھائی حضور کے ساتھ جائیں گے۔"

خیال کی قوّت

آپ نے فرمایا کہ یہ سب خیال ہے۔ کمزوری کا خیال دِل سے نکال دو تو کمزوری جاتی رہتی ہے۔ خیال کی مضبوطی سے کرامات ظہور میں آتے ہیں۔ یہ دُنیا کیا ہے۔ خیال ہی کا کرشمہ ہے ۔ کُنْ فَیَکُوْن اللہ تعالیٰ نے خیال فرمایا کہ ہو جا۔ ہو گیا۔ جنّت میں بھی جب اِنسان کسی پھل کی خواہش کرے گا۔ فوراً مُنہ میں آجائے گا۔ فرمایا کہ آخرت میں خیال کن فیکونی درجہ رکھتا ہے۔ خیال کیا اور پورا ہو گیا۔ لیکن اس دُنیا میں خیال حکمت پر مبنی ہے اور حکمت تدریجی ہوتی ہے۔ کیونکہ دُنیا عالمِ اسباب ہے۔ بچّہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔ پھر پیدا ہوتا ہے اور جوان ہوتا ہے ۔ اِس کے برعکس آخرت میں چونکہ اسباب اُٹھ جاتے ہیں وہاں جو چاہا ہو گیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السّلام کے معجزات بھی خیال کی مضبوطی سے ظہور میں آئے جو اشارہ فرماتے ہو جاتا ۔ فرمایا ایک دِن حضرت عیسٰی علیہ السّلام جن کا گھر تھا نہ بار ۔ درخت کے نیچے بیہوش پڑے تھے۔ ایک آدمی آیا درخت کے نیچے بیٹھ کر تھیلے سے کھانا نکالا اور کھانے لگا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد اس کی نظر حضرت عیسٰی علیہ السّلام پر پڑی جملہ معترضہ کے طور پر حضورؒ نے فرمایا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے زمانہ میں حکمت کا زور تھا۔ اِس لئے آپ کو حکمت شکن معجزے عطا ہوئے۔ حضرت موسٰی علیہ السّلام کے زمانہ میں جادُو کا زور تھا۔ اِس لئے آپ کو وہ عصا دیا گیا جس سے سب سحر نیست و نابود ہو جاتے تھے۔ ہمارے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانۂ مبارک میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا۔ یہاں تک کہ عرب باقی دُنیا کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے، اِس لئے رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو وہ قرآن مِلا جس کے سامنے ان کی فصاحت و بلاغت ہیچ تھی۔ قرآن شریف نے دعویٰ کیا کہ

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ	جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے۔ اس کی صداقت میں اگر کوئی شک وشبہ ہے تو لے آؤ اس

مِّثۡلِهٖ | جیسی ایک سورت بنا کر۔

اِس کے بعد فرمایا کہ جب اُس آدمی نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو بے ہوش پڑا ہُوا دیکھا تو اُسے خیال ہُوا کہ یہ شخص شاید بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہے۔ چنانچہ اُس نے نزدیک جا کر آپ کے مُنہ میں کھانا دیا۔ اس سے حضرت عیسٰی علیہ السّلام اُٹھ بیٹھے اور اس سے دریافت فرمایا:

"تُو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟"

اُس نے کہا:

"کیا کہوں مُصیبت کا مارا ہُوں۔ عرصہ ہُوا ایک لڑکی لڑکا فوت ہو گئے تھے، جن کے غم میں میری بیوی رو رو کر اندھی ہو گئی ہے۔ ایک بڑی لڑکی ہے جو کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہے۔ مَیں مفلس و نادار ہُوں۔ روزی کمانے کی خاطر سفر پر گیا تھا۔ اَب کُچھ اشرفیاں کما کر لایا ہُوں، جو اس ہمیانی میں ہیں اور گھر جا رہا ہُوں۔"

جب وہ اُٹھ کر روانہ ہُوا تو حضرت عیسٰی علیہ السّلام اس کے پیچھے ہو لئے۔ اس شخص کے دِل میں خوف پیدا ہُوا اور دل میں کہنے لگا کہ غلطی ہوئی اس آدمی کو اشرفیوں کے متعلق بتا دیا۔ اَب جنگل کا موقعہ ہے ایسا نہ ہو کہیں یہ میرا گلا گھونٹ دے۔ خیر چلتا رہا اور کچھ نہ کہا۔ جب اپنے گاؤں پہنچا اور گھر کے اندر داخل ہُوا تو حضرت عیسٰی علیہ السّلام بھی اندر چلے گئے۔ اَب چونکہ اپنی گلی میں کُتا بھی شیر ہوتا ہے۔ اس آدمی نے کہا:

"میں نے روٹی کا ٹکڑا دے کر عجب آفت مول لی۔ یہاں تک بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔"

حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے فرمایا:

"خیر مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری لڑکی کہاں ہے؟"

اُس نے کہا :

"وہ ہے ۔"

آپؑ نے دیکھا کہ تمام جسم پر کوڑھ تھا۔ آپؑ نے پانی کا ایک گھونٹ مُنہ میں لیا اور پھر کُلی کا ایک چھینٹا اس پر مارا وہ فوراً اچھی ہوگئی پھر فرمایا :

"تمہاری عورت کہاں ہے ؟"

اُس نے کہا :

"وہ بیٹھی ہے ۔"

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اُسے مخاطب کرکے فرمایا :

"کب تک مکر کرے گی ۔ اُٹھ اور دیکھ !"

اُس نے آنکھ کھولی تو سب کچھ نظر آنے لگا ۔ پھر فرمایا :

"تمہارے لڑکے اور لڑکی کی قبریں کہاں ہیں ؟"

وہ آپؑ کو ان کی قبروں پر لے گیا ۔ اس کی عورت بھی ساتھ گئی کہ بچوں کی قبریں تو آنکھوں سے دیکھ آوں گی ۔ جب وہاں پہنچے تو آپؑ نے فرمایا :

قُمْ بِاِذْنِ اللهِ	اللہ کے حکم سے اُٹھ کھڑے ہو۔

دونوں لڑکی اور لڑکا قبروں سے باہر نکل کر ماں باپ کو لپٹ گئے ۔ اس سے وہ آدمی حیران تھا اور کہنے لگا :

"جو کام آپ نے کئے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اندر زبردست قدرت ہے ۔ کیونکہ کوڑھی کو ٹھیک کرنا ، نابینا کو بینا کرنا اور مُردہ کو زندہ کرنا تو کسی حکیم کے بس میں نہیں ہے ۔ لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی وہ یہ کہ جب آپ میں اس قدر طاقت موجود ہے تو آپ درخت کے نیچے اس حالت میں کیوں پڑے تھے ؟"

آپؒ نے فرمایا :

"وہ حالت بھی تب ہی یہ ہوا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتی تو یہ بھی نہ ہوتا۔"

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ خیال میں بہت قوت ہے اور اس سے انسان بہت کام کرسکتا ہے۔

۹ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۰ھ - یکم اکتوبر سنہ ۱۹۴۱ء

جنّات کا تحفہ

آج حسب معمول حضرت اقدسؒ گیارہ بجے باہر تشریف لائے کچھ دیر جنگ کی حالت پر گفتگو فرماتے رہے۔ پھر بمبئی کی دیوالی کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ اس سال جنگ کے بلیک آؤٹ کی وجہ سے دیوالی نہیں ہوسکے گی۔ صرف لوگ مٹھائی کھالیں گے۔ اس کے بعد فرمایا کہ پشاور میں ہمارے بھائی کے مکان میں جنّات رہتے تھے، اور اچھے لوگ تھے۔ ہم جانتے ہیں وہ اچھے تھے۔ فرمایا ایک روز کچھ آثار پاکر گھر والوں نے کہا :

"معلوم ہوتا ہے کہ کہیں ہمسایہ کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے۔"

ہم نے کہا :

"نہیں تمہارے گھر میں ہے۔"

پھر ہم نے جنّات کی طرف مخاطب ہوکر کہا :

"ارے بھائی تمہارے ہاں خوشی ہوئی ہے۔ ہم بھی تمہارے ہمسایہ ہیں۔ ہمیں بھی مٹھائی کھلائی ہوتی۔"

اس کے تھوڑی دیر بعد ایک آدمی دروازہ پر مٹھائی کا تھال لے کر آیا اور دے کر چلا گیا۔ ہم نے پوچھا :

"کون دے گیا ہے؟"

انھوں نے کہا :

"کوئی شخص تھا جسے ہم نہیں پہچانتے ۔"

اس کے بعد عبدالسلام نے عرض کیا :

"حضور وہ جنّات کا عمل بھی تو ہے ۔"

فرمایا ہاں ایک دفعہ ہم آگرہ میں توکل کی حالت میں تھے ۔ تین دن رات متواتر ہمارے چولھے میں آگ نہ سُلگی ۔ صاحبزادی کے متعلق فرمایا وہ چھوٹی تھیں ۔ ان کے لئے دوکان سے دودھ آتا تھا ۔ مقصود حسن کچھ بڑے تھے ۔ انھوں نے ہمارے کہنے سے یہ عمل کیا کہ فاتحہ کے بعد یہ الفاظ کہے :

"چچا سعدی شیرازی مٹھائی کھلاؤ تازی"

اور پھر سو گئے ۔ ایک شخص مٹھائی کی ٹوکری لایا ۔ اور کہنے لگا :

"میرے ہاں خوشی ہوئی ہے اور یہ آپ کا حصہ ہے ۔"

اس کے بعد فرمایا کہ یہ بچّوں کا کھیل ہے ۔ اس لئے ہم اس میں مشغول نہیں ہوتے جب اللہ تعالیٰ خود بخود کوئی تحفہ بھیجتے ہیں تو ہم لے لیتے ہیں ۔ اب کیا کہیں کہ ہم یہ نہیں لیتے ہم کو اور چاہیے ۔ اور جب نہیں دیتے تو بھی خوش رہتے ہیں ۔

موت کی محبّت

جب موت آئے گی چلے جائیں گے ۔ بلکہ عزرائیلؑ سے کہیں گے کہ اتنے دن کیوں نہیں آئے ۔ اب ہمیں جلدی دوست سے ملا دو ۔ اس کے بعد فرمایا کہ مومن کو موت سے ڈر نہیں لگتا ۔ بلکہ وہ موت سے خوش ہوتا ہے ۔ لیکن دُنیا داروں کے لئے موت عذاب بن جاتی ہے ۔ اب موت کا اچّھا لگنا دو طرح کا ہے ۔ بعض لوگ موت کو اس لئے اچّھا سمجھتے ہیں کہ اس کی وجہ سے دُنیا کے مصائب سے نجات پاتے ہیں اور بعض لوگ اس لئے موت سے محبّت رکھتے ہیں کہ وہ دوست سے ملاتی ہے ۔ ان دونوں نظریات میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ پہلی صورت میں موت سے محبّت نفسانی ہوتی ہے ۔ آدمی نہیں جانتا کہ وہ موت

کی خواہش کرنے کے باوجود بھی اپنے نفس کے گرد طواف کر رہا ہے۔ دُوسری صورت مستحسن ہے اس میں نفسانیت کو دخل نہیں۔ فرمایا انسان کو اللہ سے نسبتِ عشق پیدا کرنی چاہیئے۔ اب جس کو اللہ سے عشق ہو گا وہ موت سے کب ڈرتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ موت کے وقت گھبراہٹ کا ہونا اس کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ گھبراہٹ فِطری ہوتی ہے۔ جب انسان ایک نئی جگہ پر جانے کے لئے تیاری کرتا ہے تو فطرتاً اس کے دل میں گھبراہٹ ہوتی ہے۔ اس کے بعد دریافت فرمایا:

"حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (اوچ شریف) کا عُرس کب ہے؟"

احقر کو چونکہ معلوم نہ تھا اس لئے خاموش ہو کر سوچتا رہا۔ آپؒ نے فرمایا شاید عیدالاضحیٰ کے دن ہے۔ فرمایا جب عید کے روز رُوح قبض کرنے کے لئے عزرائیلؑ آئے تو آپ نے فرمایا:

"جاؤ تم ہمارے بال بچّوں کی عید خراب کرنے کے لئے آئے ہو۔ پھر آنا۔"

وہ چلے گئے اور شام کو پھر آئے۔ آپ تیّار تھے اور فرمایا:

"جلدی اپنا کام کرو!"

کافر شاہ صاحب

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا ایک مُرید تھا جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ جنّات کا علم جانتا تھا۔ جڑی بُوٹیوں سے بھی واقفیت تھی۔ لوگوں کا خیال تھا کیمیا بھی جانتا ہے۔ ان سب چیزوں سے اس کو اطمینانِ قلب میسّر نہ تھا۔ اس لئے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں آکر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ کلیر شریف میں نہر کے کنارے جھونپڑی میں ایک فقیر رہتا تھا۔ جو اپنے آپ کو کافر شاہ کہتا تھا اور لوگ بھی اُسے اسی نام سے پُکارتے تھے۔ وہ کہتے ہیں ایک روز کافر شاہ نے کہا:

"آج عصر کے وقت میرے پاس آنا۔"

میں عصر کے وقت اُن کے پاس گیا۔ لیکن عصر کی نماز ابھی نہیں پڑھی تھی۔ نماز سے پہلے چلا گیا تھا۔ خیال تھا کہ وہیں پڑھ لوں گا۔ میرے پہنچتے ہی انھوں نے کہا:

"لو یہ کفن ہے۔"

اور خود چادر اوڑھ کر لیٹ گئے اور لیٹتے ہی جاں بحق ہو گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ اب میں حیران تھا کہ کیا کروں۔ میں اکیلا تھا نماز نہیں پڑھی تھی عصر کا وقت جا رہا تھا۔ میں نے کہا:

"اگر مُردے کو اکیلا چھوڑ کر وضو کرنے جاؤں تو جنگلی جانوروں کا خطرہ ہے۔ کیا کروں کوئی اور آدمی نہیں جسے چھوڑ کر جاؤں۔"

اِتنے میں وہ چادر ہٹا کر اُٹھ بیٹھے اور کہنے لگے:

"جاؤ نماز پڑھ لو۔ اور فکر مت کرو، لوگ آجائیں گے۔"

ان کے یکایک اُٹھ بیٹھنے سے میں بہت ڈرا اور کانپتا ہُوا وضو کرنے چلا گیا۔ جب میں نماز پڑھ کر واپس آیا تو وہ پھر چادر لے کر لیٹنے لگے۔ میں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

"اجی حضرت! یہ تو بتایئے کہ آپ نے یہ کمالات کہاں سے حاصل کئے؟"

وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے ایک ہاتھ سے ٹھوڑی کو اور دُوسرے سے پیشانی کو پکڑ کر ان کا چہرہ حضرت صابر صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار کی طرف کیا اور کہا کہ وہاں سے جب میں نے نظر کی تو دیکھا کہ آسمان سے لگا کر مزار شریف تک ایک نُور کا ستون نظر آ رہا تھا اور اس ستون کے اندر کئی ہزار عالم تھے۔ یہ کہہ کر پھر وہ لیٹ گئے اور لیٹتے ہی جاں بحق ہو گئے۔ اس کے بعد لوگ آنے شروع ہوئے اور کہنے لگے:

"ہم نے سُنا ہے کہ کافر شاہ صاحب کا وصال ہو گیا ہے۔"

غرضیکہ انھیں تجہیز و تکفین کے بعد وہیں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہ کر حضرتؒ نے فرمایا کہ کافر کے معنی چھپانے والا بھی ہیں۔ یعنی رازِ معرفت چھپانے والا۔ پھر آپ نے امیر خسرو علیہ الرحمتہ کے یہ اشعار پڑھے ؎

کافرِ عشقم مسلمانی مرا در کار نیست

ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنّار نیست

از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب

دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

فرمایا بیمارِ عشق کہتا ہے کہ اے ناداں طبیب جاؤ، ہم تمہارا علاج نہیں چاہتے ہمیں تو اس کا دیدار چاہیئے۔ فرمایا کہ کیا بلند ہستیاں تھیں۔

بہترین ساز

فرمایا ایک روز حضرت امیر خسروؒ بادشاہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ سازوں میں کون سا ساز بہتر ہے۔ کسی نے کہا ستار بہتر ہے۔ کسی نے کہا سارنگی۔ کسی نے کچھ کہا۔ کسی نے کچھ کہا۔ حضرت امیر خسروؒ خاموش بیٹھے سُن رہے تھے۔ لوگوں نے کہا:

"حضرت! آپ بھی فرمائیے، آپ کیوں چُپ بیٹھے ہیں؟"

بادشاہ نے ان کی طرف دیکھا اور رائے زنی کا اشارہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

"بہترین ساز ہے، دیگ پر چمچہ کی آواز۔"

سب لوگ مذاق سمجھ کر ہنسنے لگے اور آپ خاموش ہو گئے۔ دس پندرہ روز کا وقفہ دے کر آپ نے بادشاہ اور سب امراء وزراء کو کھانے اور سماع کی دعوت پر بلایا۔ سب خوش ہوئے کہ حضرت امیر خسروؒ فنِ موسیقی کے ماہر ہیں۔ ان کے ہاں نہایت اعلیٰ قسم کے گانے سُنیں گے۔ خیر آپ نے سب اہتمام کیا۔ اچھے اچھے گانے والے بُلائے گئے اور بہت دیر تک گانا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ بارہ بج گئے۔ ایک بج گیا۔ دو بج گئے۔ تین اور چار بج گئے۔ اب سب لوگوں کے چہرے بھوک سے فق ہو رہے تھے،

اور ذوق وشوق میں فرق آگیا۔ آپ نے اندر جاکر باورچی سے کہا:

"اب زور سے دیگ پر چمچہ مارو!"

جب اُس نے چمچہ مارا تو اس کی آواز سُن کر سب لوگوں کی جان میں جان آئی اور محفل میں پھر وہی رونق بحال ہوگئی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا:

"میں نے نہیں کہا تھا کہ دیگ پر چمچہ کی آواز بہترین ساز ہے، اب تم نے خود دیکھ لیا کہ کس قدر دلکش اور جاں پرور آواز ہے۔"

اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ بادشاہ کے سامنے حضرت امیر خسروؒ کا یہ جواب کوئی مذاق نہ تھا بلکہ دُوسرے الفاظ میں آپ نے سب کو حتیٰ کہ بادشاہ کو بھی بتادیا کہ سرُود اور گانے کے متعلق بحث کرنا اصحابِ معرفت کا کام ہے۔ تمہاری کیا ہستی ہے کہ تم اس بات کا فیصلہ کر سکو کہ بہترین ساز کیا ہے۔ تم تو پیٹ کے کُتّے ہو۔ تمہارے لئے بہترین ساز دیگ پر چمچہ کی آواز ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے عبدالسّلام کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ان کو بہت بُھوک اور پیاس لگ رہی ہے۔ فرمایا آج کے روزہ میں خوب مزہ آئے گا۔ مزہ اسی روزہ میں آتا ہے جب سخت بُھوک لگے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کافر شاہ کا قصّہ سُن لیا۔ اب

ریتی شاہ صاحب

ریتی شاہ صاحب کا قصّہ سُنو۔ اِرشاد فرمایا کہ آگرہ میں ایک مجذوب رہتے تھے۔ جن کا نام ریتی شاہ تھا وہاں ایک اور شخص رہتے تھے جن کے قبضہ میں جنّات تھے۔ ان کا نام حسن خان تھا۔ ان کے دوست طرح طرح کی فرمائش کرتے تھے اور وہ ہاتھ لمبا کر کے دُور دراز مقامات سے چیزیں اُٹھا کر ان کو دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ہری لونگ ملایا اور افریقہ سے لادیتے تھے۔ ریتی شاہ صاحب کے ہاتھ میں ایک نہایت خوبصورت اور قیمتی تسبیح رہتی تھی۔ لوگوں نے حسن خاں سے کہا:

"تمہارا کمال تب ہے کہ ریتی شاہ کی تسبیح منگواؤ۔"

انھوں نے کہا :

"بہت اچھا۔"

اور ہاتھ بڑھایا اب جو لوگ ریتی شاہ صاحب کے پاس بیٹھے تھے، ان کا بیان ہے ریتی شاہ صاحب نے "ہشت" کہہ کر ہاتھ جھٹک دیا۔ ادھر حسن خاں اُسی وقت پاگل ہوگیا۔ اسی شام اس کو والی آسرائے کو اپنا کمال دکھانا تھا۔ وہ بھی نہ ہوسکا۔ غرضیکہ بیماری میں اس کی حالت ایسی خراب ہوئی کہ لوگ اس کے کمرے کو روزانہ صاف کرتے تھے لیکن پھر بھی وہ غلاظت سے بھرا رہتا تھا۔ آخرکار اسی حالت میں وہ مرگیا۔

ریتی شاہ ہمارے مولانا صاحبؒ (حضرت مولانا شاہ وارث حسنؒ) کے دوست تھے۔ جب مولانا صاحبؒ آگرہ تشریف لاتے تو اُن سے ملتے اور باتیں کرتے تھے۔ ایک دن ریتی شاہ صاحب کھڑے تھے کہ ایک ہندو لڑکا آیا جو نہایت خوبصورت تھا۔ ریتی شاہ صاحب نے کہا :

"ارے تو میرے پیٹ میں آجا۔"

مولانا صاحبؒ نے فرمایا میں نے جلدی سے اُن کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا :

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

لیکن وہ کہہ چکے تھے۔ وہ فوراً گرے اور جان بحق ہوگئے۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر وہ یہ کہتے کہ میں تیرے پیٹ میں آجاؤں تو لڑکا مرجاتا۔ کیونکہ کسی کے پیٹ میں جانے کا نتیجہ تو یہی ہوتا ہے۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ اب میں اکیلا تھا۔ حیران تھا کہ کیسے ان کی تجہیز و تکفین کی جائے۔ میرے پاس صرف ڈھائی روپے تھے۔ ڈھائی روپے سے کیا ہوسکتا تھا۔ خیر میں نے چادر اُن کے منہ پر ڈال دی۔ اتنے میں لوگ آئے اور کہنے لگے : "ہم نے سُنا ہے کہ ریتی شاہ کا وصال ہوگیا ہے۔"

میں نے کہا :

"ہاں!"

انھوں نے کہا :

"آپ بے فکر ہو جائیں، سب انتظامات ہم خود کریں گے۔"

مولانا صاحبؒ نے فرمایا :

"اچھا میں مانتا ہوں لیکن ایک شرط پر۔ وہ یہ کہ ان کو قبر میں میں اُتاروں گا۔"

وہ سب راضی ہو گئے۔ جب قبرستان میں گئے تو میں نے کہا

"اَب تم لوگ ہٹ جاؤ۔"

انھوں نے کہا :

"آپ دُبلے پتلے آدمی ہیں یہ موٹے پہلوان ہیں، آپ کیسے اُن کو اُٹھائیں گے۔ ہم آپ کی مدد کر دیتے ہیں۔"

میں نے کہا :

"ہرگز نہیں۔ تم نے جو وعدہ کیا ہے۔ اس کے مُطابق عمل کرنا ہو گا۔"

خیر وہ لوگ الگ ہو گئے۔ میں قبر کے اندر کھڑا ہو گیا اور اُن سے کہا

"اَب نعش کو اُٹھا کر میرے ہاتھوں پر رکھ دو۔"

میں نے کہا :

"ککڑی کی طرح ہو جاؤ!"

اَب ان کا وزن بالکل کم ہو گیا۔ اور ککڑی کی طرح میرے ہاتھوں پر پڑے تھے۔ میں نے ان کو نیچے اُتارا اور زمین پر لٹا کر مُنھ سے کپڑا اٹھایا۔ یہ دیکھ کر انھوں نے زور سے قہقہہ لگایا۔ میں نے کفن پھر اُن کے مُنھ پر ڈال دیا۔ اور باہر آ کر قبر بند کروا دی۔ میں نے اس لئے لوگوں سے نیچے اُتارنے کا وعدہ کرایا تھا کہ میں ان کو جانتا تھا کہ کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کریں گے۔ جس سے لوگوں میں اختلاف پڑ جائے گا۔ کوئی کہے گا زندہ ہیں، دفن مت کرو، کچھ لوگ دفن کر دیں گے اور دوسرے لوگ آ کر اُن کی نعش کو باہر نکال

دیں گے وغیرہ۔ میں نے نہ چاہا کہ اس طرح ان کی مٹی پلیٹ رہو، اس لئے خود قبر میں اُتارا تاکہ اوروں کو ان کی حرکات کا علم نہ ہو۔ مولانا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دفعہ میں اس جگہ سے گذرا جہاں ریتی شاہ صاحب بیٹھا کرتے تھے اِس خیال سے کہ ایک دفعہ اُن کے بیٹھنے کی جگہ کو دیکھ لوں کیونکہ وہ میرے دوست تھے اور وہیں بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہی ہندو لڑکا ان کی جگہ پر بیٹھا ہے۔ میں نے ذرا گہری نظر سے دیکھا تو اس کو صاحبِ خدمت پایا۔ اس کے والدین پریشان تھے کہ کیا ہو گیا ہے۔ لیکن وہ وہیں مست ہو کر بیٹھا رہتا۔

مجذوب کی حقیقت

اِس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ کبھی کبھی حُسن بھی فائدہ دے جاتا ہے۔ اِسی تقریر کے دَوران فرمایا کہ مجذوب ہو جانا درمیانی منزل ہے۔ جیسے ایک شرابی پی کر مست ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح مجذوب بھی مغلوب الحال ہو کر مست ہو جاتا ہے۔ اس سے اس کی ترقی رُک جاتی ہے۔ یہ ایک نقص ہے۔ مجاذیب کے نزدیک نہیں جانا چاہئیے اور نہ اُن کے مزارات پر جانا چاہئیے۔ مجاذیب سے فائدہ کی بجائے نقصان پہنچنے کا احتمال زیادہ ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجذوب جب سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس پر جاتے ہیں تو بالکل ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اُن کا جذب ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ شان ہے کہ ظرف بھی دیتے ہیں اور مظروف بھی۔ باقی اولیاء اللہ ظرف کے مطابق دیتے ہیں۔ گلاس لے جاؤ تو گلاس بھر دیتے ہیں۔ مٹکا لے جاؤ تو مٹکا بھر دیتے ہیں اور کبھی ظرف سے زیادہ دیا تو ظرف چھلک جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن ظرف کو زیادہ نہیں کرتے۔ البتہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ چونکہ نائبِ رسُولؐ ہیں اس لئے اُن میں بھی وہی شان کسی حد تک ہے۔ آپ ظرف بھی دیتے ہیں اور مظروف بھی۔

عرب کا حسن

اِس کے بعد فرمایا کہ عبدالقیوم صاحب (اجمیر شریف کے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر جو حضرت کے معتقد تھے اور اکثر ملا کرتے تھے) کے ایک دوست جو سائنس دان تھے اور مذہب کے معاملات میں بہت بدظن۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات پڑھ رہا تھا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن و جمال کا ذِکر تھا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہُوا کہ عرب ایک نہایت گرم مُلک ہے۔ وہاں کے لوگ کس طرح حسین ہو سکتے ہیں۔ یہ خیال میرے دل میں آیا اور تھوڑی دیر کے بعد رفع ہوگیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دِن میں اجمیر شریف کی درگاہ میں نماز پڑھنے کے لئے گیا۔ ایک نہایت خوبصورت عرب نے نماز پڑھائی۔ وہ اس قدر خوبصورت تھے کہ مَیں نے عُمر بھر ایسا حسین انسان نہیں دیکھا۔ دراصل بات یہ تھی کہ نماز شُروع ہونے سے پہلے وہ وہاں آئے تھے اور امام مسجد نے از راہِ اخلاق اُن سے امامت کے لئے کہا۔ وہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھنے کے بعد میں بیٹھا ہُوا تھا کہ وہ شخص آئے اور میرے کندھے کو ہلا کر کہا:

"دیکھ لیا عرب کا حُسن!"

حُسن و جمال کا فرق

اِس کے بعد احقر کی طرف مخاطب ہو کر دریافت فرمایا:

"حُسن و جمال میں کیا فرق ہے؟"

احقر خاموش ہو کر سُننے کے اِنتظار میں بیٹھا رہا۔ آپ نے فرمایا:

"تم سے پوچھ رہا ہوں، تم بتاؤ؟"

عرض کیا:

"حضور کی کتاب سرِّ دِلبراں میں دیکھا ہے۔"

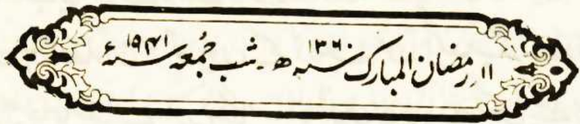
فرمایا:

"ہاں یہ بات تم نے وہیں دیکھی ہوگی۔"

اس کے بعد خود ہی فرمایا کہ حُسن ایک یا دو اجزاء کی خوبصورتی کا نام ہے۔ مثلاً کسی کی آنکھ، ناک اچھے ہیں تو کہا جائے گا حَسین ہے لیکن جمیل وہ ہے جو ہر پہلو سے اور ہر لحاظ سے خوبصورت ہو" اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ "اس کے بعد احقر نے عرض کیا:

"حُسن کو دیکھتے وقت کبھی طبیعت میں صعود ہوتا ہے اور کبھی نزول۔"

فرمایا صعود و نزول دونوں اسی کی شانیں ہیں۔ ہاں بے کیفی نہ ہو۔ فرمایا اِس صعود و نزول کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ ظاہر میں ایک شخص حَسین ہوگا، لیکن باطن میں نہایت کثیفُ القلب۔ اس کی کثافت کا اثر دیکھنے والے پر پڑتا ہے جس سے وہ متأثر ہوتا ہے۔ اِس کے علاوہ حضرتِ اقدسؒ نے اور وجوہات بھی بتائے لیکن احقر اچھی طرح سمجھ نہ سکا۔



۱۱ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ۔ شب جمعہ ۱۹۴۱ء

آج شب حافظ صاحب نے وتروں میں پہلی رکعت میں اِذَا جَآءَ دُوسری میں تَبَّتْ یَدَا اور تیسری میں لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ پڑھی۔ بعد فراغت نماز حضرت اقدسؒ نے حافظ صاحب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آج تَبَّتْ یَدَا سے لِاِیْلٰف پر پہنچ گئے۔ خیر نماز تو ہو جاتی ہے امام اعظمؒ کے نزدیک ترتیب ضروری ہے۔ دراصل سورۃ کا پڑھنا تو القا پر منحصر ہے۔ سورۃ فاتحہ کے بعد جس سورۃ کا القا ہوتا ہے وہی پڑھی جاتی ہے اور وہ القا چشم زدن میں ہو جاتا ہے۔ فرمایا وہی شجرِ موسیٰؑ کا تصوّر کرنا چاہیئے ؎

روا باشد انا اللہ از درختے
چرا نبود روا از نیک بختے

شجرِ موسےؑ یعنی جب درخت اِنِّیٓ اَنَا اللّٰہ کہہ سکتا ہے۔ تو ایک خدا رسیدہ انسان کیوں نہیں کہہ سکتا۔ دراصل وہ درخت نہیں تھا جو" اِنِّیٓ اَنَا اللّٰہ " کہہ رہا تھا۔ بلکہ وہ خود تھا۔ حدیث شریف میں ہے۔ نماز میں بندہ خدا سے ہم کلام ہوتا ہے اور قرآن شریف پڑھتے وقت خدا بندہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اِس لئے نماز کو معراج المؤمنین کہا گیا ہے۔ فرمایا شاعر نے ایک ہی شعر میں منصورؒ کا مسئلہ حل کر دیا ہے۔

مسئلہ خیر و شر اس کے بعد جنگ کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ آج کل انگریزوں کے بہت جہاز ڈوب رہے ہیں۔ مچھلیاں بہت خوش ہوں گی۔ ان کی خوب دعوت ہو رہی ہے بکھن۔ ڈبل روٹی اور گوشت خوب کھاتی ہوں گی۔ فرمایا بندہ نواز حضرت سیّد محمد گیسو درازؒ نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ بڑے زور کا قحط پڑا۔ اس زمانہ میں قحط بہت تکلیف دہ ہوتا تھا۔ آج کل تو ریلوں کے ذریعہ فوراً ایک جگہ سے دوسری جگہ اناج بھیجا جا سکتا ہے۔ اور مہنگا سستا غلہ مِل ہی جاتا ہے لیکن پہلے زمانہ میں ملتا ہی نہیں تھا اور لوگ اکثر بھوک سے مر جاتے تھے۔ حضرت گیسو درازؒ نے لکھا ہے کہ قحط کے دَوران ایک دفعہ ہم سفر کر رہے تھے۔ چیلوں اور کوّوں کو دیکھا کہ بہت خوش ہیں۔ اور ہمیں کشف کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کہہ رہی ہیں:

" تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ نہایت اچھا وقت مِل رہا ہے۔ گوشت خوب کھانے کو ملتا ہے۔ "

اِس کے بعد فرمایا کہ اس سے ظاہر ہوا کہ دنیا میں شرِ محض کا وجود نہیں ہے۔ جو کچھ شر اس دنیا میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ حقیقی شر نہیں ہے بلکہ شرِّ اعتباری ہے۔ اَب یہ آگ ہے۔ بہت فائدہ مند چیز ہے۔ اس پر کھانا پکاتے ہیں۔ سردیوں میں گرمی

پہنچاتی ہے اور کئی مفید کام اس سے ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں ہاتھ ڈال دیا جائے یا چھپر میں لگا دی جائے تو شر بن جاتی ہے۔ اسی طرح تلوار کو لو اس سے دشمن کو مارنا اس کا جائز استعمال ہے لیکن اگر اس سے اپنی اولاد کو ذبح کیا جائے تو باعثِ شر ہے۔

ضرورتِ شیخ

اس کے بعد حافظ صاحب نے عرض کیا کہ آج رات ریڈیو پر مصر سے قرآن شریف سُنا جا سکے گا۔ آپؒ نے فرمایا کہ کسی اور وقت۔ ہم تھکے ہوئے ہیں۔ اب ہم بڈھے ہوگئے ہیں۔ وہ جوانی کا زمانہ گیا جب مجاہدہ میں مزہ آیا کرتا تھا۔ اب تو گیان دھیان کا وقت ہے۔ کل بھی نہیں سوئے۔ آج شبِ جمعہ ہے۔ آج بھی نہیں سوئیں گے۔ آج ہمیں کچھ کام کرنا ہے جو کچھ کرنا پڑتا ہے۔ تم لوگوں کی خاطر کرتے ہیں۔ جو جو مشاغل تم لوگوں کو بتائے جاتے ہیں۔ اُن کو ہمیں خود بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس کا GIST (خلاصہ) نکال کر رُوحانی توجہ کے ذریعہ تمھاری طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ فرمایا اسی لئے تو شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ ہر ایک شخص کتابیں پڑھ کر ولی اللہ بن جاتا۔ شیخ کو بہت محنت کرنی پڑتی ہے اور یہ سب کچھ تمھاری خاطر کیا جاتا ہے۔ ورنہ ہم تو فرض نماز کے بعد پڑے ہیں سیر میں۔

۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ ۔ ۱۹۴۱ء

عشق و سرفروشی

آج بعد فراغت تراویح وحلقۂ ذکر حضرت اقدسؒ دیر تک تشریف فرما رہے۔ اور آج آپ کی تقریر میں خاص کیف تھا۔ موضوع عشق و سرفروشی تھا۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے پاس ایک نوجوان آیا اور عرض کیا :

"میں فلاں لڑکی پر عاشق ہوں میرے والدین نے بہت کوشش

کی ہے کہ میری شادی اس لڑکی سے ہو جائے۔ لیکن لڑکی کے والدین
رضامند نہیں ہوتے۔ اور آج اس لڑکی کی شادی کسی اور سے ہو
رہی ہے۔ برات ان کے گھر پر آپہنچی ہے۔"

مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا:

"ارے بھائی میں تو مولوی ہوں، مجھے گنڈے تعویذ سے کیا تعلق،
میں تو قرآن وحدیث کا درس دیا کرتا ہوں۔ کوئی مسئلہ وغیرہ پوچھنا
ہو تو پوچھ سکتے ہو۔"

اس نے کہا:

"نہیں حضور، مجھے آپ پر اعتقاد ہے، ہر گز نہیں مانوں گا۔"

آپ نے بہتیرا سمجھایا وہ باز نہ آیا۔ مجبور ہو کر آپ نے تعویذ لکھ دیا اور فرمایا:

"فوراً اسے سفید کپڑے میں باندھ کر اپنے بازو پر باندھ لو۔"

اس نے اپنے کرتے کو چیر ڈالا اور تعویذ کو فوراً بازو پر باندھ کر گھر چلا گیا۔ تھوڑی
دیر کے بعد لڑکی والوں کی طرف سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا:

"جلدی آؤ، شادی کر لو، ان لوگوں سے ہمارا جھگڑا ہو گیا ہے، اب
چونکہ دلہن تیار بیٹھی ہے۔ دیر کی گنجائش نہیں ہے۔"

انھوں نے جا کر شادی کر لی اور لڑکی کو گھر لے آئے۔ اب شہر میں اس تعویذ کا عام
چرچا ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا:

"ارے بھائی! دکھاؤ تو سہی یہ کس قسم کا تعویذ ہے۔!"

اس نے کہا:

"ہر گز نہیں دکھاؤں گا۔"

ایک دن وہ غسل کر رہا تھا اور اس کے کپڑے حمام سے باہر رکھے تھے۔ نہاتے وقت
اس نے اپنا تعویذ بھی اتار کر وہیں رکھ دیا تھا۔ یار لوگ تاک میں تھے۔ اٹھا لیا اور

کھول کر دیکھا تو یہ لکھا تھا۔

" یا اللہ ! میں جانتا نہیں اور یہ مانتا نہیں۔ یہ تیرا بندہ ہے اور تُو اس کا رب۔ اب تو جان اور تیرا کام۔"

اس کے بعد فرمایا کہ انسان کو چاہیئے کہ اللہ سے صحیح نسبت پیدا کرے۔ حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا :

" صحیح نسبت کس طرح پیدا ہوتی ہے ؟"

فرمایا صحیح نسبت والوں کی صحبت میں بیٹھنے سے۔

تعویذ دردِ زہ اس کے بعد فرمایا پنجاب میں دردِ زہ کا ایک تعویذ مروّج ہے اور بہت مجرّب ہے۔ ایک دفعہ ایک دَرویش اپنے کچھ مُریدوں کے ساتھ ڈیرہ جات یعنی ڈیرہ غازی خان، ڈیرہ اسمٰعیل خان کے علاقہ میں گئے۔ بڑے زور کی بارش ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان میں چھید ہو گیا ہے اور بوندیں نہیں پانی گر رہا ہے۔ اُن دَرویش نے سامنے ایک مکان خالی دیکھا، اور اس میں گھُس گئے اور اپنے گھوڑے وغیرہ اس میں باندھ دیئے۔ لوگوں نے کہا :

" ارے میاں کس ظالم کے گھر کے اندر داخل ہوئے ہو۔ یہ ایک نہایت ظالم شخص کا گھر ہے۔ وہ ابھی آئے گا اور تم سب کو باہر نکال دے گا۔"

انھوں نے کہا :

" اب بارش ہو رہی ہے۔ کہاں جائیں، خدا بہتر ہی کرے گا۔"

اُس وقت مالک مکان کی عورت کو دردِ زہ شروع ہوا، اُس نے اپنے خاوند سے کہا،

" جلدی جاؤ اور دائی کو بُلا لاؤ !"

وہ باہر آیا اور ان دَرویش کو اپنے مکان کے اندر بیٹھا ہُوا دیکھ کر کہنے لگا :

" اچھّا ہُوا آپ ہمارے گھر پر اُترے ہیں۔ مہربانی فرما کر کوئی تعویذ دیجئے میری عورت دردِ زہ میں مُبتلا ہے، اس وقت بارش ہو رہی ہے،

دائی کو کہاں سے بُلا کر لاؤں۔"

اُنھوں نے پنجابی زبان میں تعویذ لکھا۔ جس کا مضمون یہ تھا:

"ہم نے اور ہمارے جانوروں نے بارش میں اس کے مکان میں پناہ لی۔ ہماری بلا سے اس کی عورت مرے یا بچے۔"

تعویذ دے کر کہا:

"فوراً جاکر اس کی ران پر رکھ دو۔ لیکن باندھنا مت۔ جس وقت بچہ باہر آئے فوراً تعویذ ہٹا لینا ورنہ تمام انتڑیاں باہر آجائیں گی۔"

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور بِلا تکلیف بچہ پیدا ہوگیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب تک اجازت کے ساتھ اس تعویذ کا وہی اثر باقی ہے۔

مولانا کریم رضا صاحبؒ

اس کے بعد مولانا کریم رضا صاحبؒ کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ مولانا کریم رضا صاحبؒ گیا کے رہنے والے تھے اور اجمیر شریف میں بارہ سال مقیم رہے۔ وہ بڑے رند تھے۔ اور دہلی میں اکثر طوائفوں کے ہاں جایا کرتے تھے۔ درویشی سے پہلے وہ بہت بڑے متشرع عالم تھے اور صوفیوں پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے ہاں چند دوست آئے اور کہنے لگے:

"ہم حضرت وارث علی شاہ صاحبؒ کی خدمت میں جارہے ہیں۔ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔"

انھوں نے کہا:

"نہیں بھائی میں تو ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ وہ خلافِ شرع کام کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے ہاں جانا ناجائز ہے۔"

ان کے دوستوں نے انھیں بہت مجبور کیا اور کہا:

"اگر آپ ہمارے ساتھ نہیں چلتے تو ہم واپس چلے جائیں گے۔"

اَب وہ خلیق تھے مہمانوں کو آزردہ خاطر دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ مان گئے لیکن اس شرط پر کہ اگر انھوں نے کوئی خلافِ شرع بات کہی تو میں انھیں وہیں پکڑ لوں گا۔ انھوں نے کہا:

"بہت اچھا آپ کو اختیار ہے"

چنانچہ وہ روانہ ہو گئے، جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت وارث علی شاہ صاحبؒ کے گرد طوائفیں بیٹھی ہیں۔ اب مولوی کریم رضا صاحبؒ سٹ پٹائے لیکن آچکے تھے کوئی چارہ نہ تھا جاکر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھتے ہی شاہ صاحبؒ نے دریافت فرمایا:

"مولوی صاحب! رُوح مذکر ہے یا مؤنث؟"

یہ عالم تھے اور جانتے تھے کہ رُوح مؤنث ہے۔ اگر کہتے کہ مؤنث ہے تو یہ ان کے اعتراض کا جواب تھا اور مذکر کہہ نہ سکتے تھے۔ خاموش ہو کر سوچتے رہے۔ مولوی کریم رضا صاحبؒ کہتے ہیں کہ جب میں نے شاہ صاحبؒ کی طرف نظر کی تو دیکھا سر سے پاؤں تک عورت ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا:

"ہم تو یہ ہو چکے ہیں۔ اَب صرف کھال کا کیا جُرم ہے۔"

اس سے مولوی صاحب پر حالت طاری ہو گئی۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو اپنے سابقہ خیالات سے توبہ کی اور وہیں سے ان کا کام بن گیا۔

مولانا کریم رضا صاحبؒ طوائف کے حضور میں!

اس کے بعد فرمایا کہ الٰہی جان دہلی میں ایک نہایت خوب صورت طوائف تھی ایک دن دسہرہ کا جلوس قاضی کے حوض سے گذر کر چاوڑی بازار (طوائفوں کا بازار) میں جا رہا تھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اُوپر چبوترہ پر الٰہی جان کرسی پر بیٹھی ہوئی ہے اور مولوی کریم رضا صاحبؒ اس کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا ایک دفعہ ایک کشمیری طوائف دہلی آئی جو نہایت حسین تھی، اس کے علاوہ نہایت اچھا گاتی تھی۔ فارسی سے اچھی طرح واقف تھی اور بہت حاضر جواب تھی۔ مولوی

کریم رضا صاحبؒ کو اس سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اس کے مکان پر گئے اور دستک دی حضرت نے فرمایا اب یہاں ایک POINT (نکتہ) ہے۔ وہ باہر آئی اور دریافت کیا:

"کیا چاہتے ہو؟"

انھوں نے کہا:

"مَیں اور تو کچھ نہیں چاہتا، صرف آپ کے پاس بیٹھ کر کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

اُس نے کہا:

"اِس پر بھی قیمت لگتی ہے۔ میں پانچ منٹ آپ کے پاس بیٹھوں گی، اور پچیس رُوپے لُوں گی۔"

انھوں نے کہا:

"مَیں غریب آدمی ہوں، میرے پاس اِتنے رُوپے کہاں ہیں۔"

اس نے کہا:

"نہیں ہیں تو پھر جاؤ!"

اُن کے ایک دوست تھے جن کا نام مولوی احمد حُسین صاحب تھا۔ جن کا مزار جے پور میں ہے۔ مولوی کریم رضا صاحبؒ نے یہ ماجرا جاکر ان سے بیان کیا۔ انھوں نے کہا:

"ارے بھائی چلو ہم تم کو لے چلتے ہیں۔

جب وہ دونوں وہاں پہونچے تو مولوی کریم رضا باہر بیٹھ گئے۔ اور کہنے لگے:

"مَیں تو بلا اجازت اندر نہیں جاؤں گا۔"

مولوی احمد حسین صاحب گئے اور دستک دی۔ وہ باہر آئی اور وہی گفتگو ہوئی۔ اُنھوں نے کہا:

"بس یہی ہے، جو کچھ تو مانگتی ہے ہم دے دیں گے۔"

اور اندر چلے گئے۔ وہاں جاکر ایک نظر اس پر کردی۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ اُس نے ان کو نہایت ادب سے بٹھایا اور توجہ سے باتیں کرتی رہی۔ مولوی صاحب نے کہا:

"ہمارے ایک دوست ہیں جو باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اندر نہیں آتے، جاؤ انھیں منالاؤ۔"

وہ گئی اور مولوی کریم رضا صاحبؒ کو اندر لے آئی۔ کچھ دیر کے بعد جب وہ اُٹھنے لگے تو اُس نے کہا:

"اجی حضرت! جاتے کہاں ہیں تشریف رکھئے۔"

خیر وہ اُٹھ کر باہر آگئے۔ باہر آکر مولوی کریم رضا صاحبؒ نے کہا:

"بھائی آپ نے یہ اچھا کام نہیں کیا۔ آپ نے کِس پر یہ نظر ڈالی۔ آپ جانتے ہیں یہ کس کی تجلّی ہے۔ اگر ہم چاہتے تو ہم بھی یہ کرسکتے تھے۔ لیکن یہ ادب کے خلاف ہے۔ اگر ہم چاہتے تو دسہرہ کے روز ہم کرُسی پر بیٹھ جاتے اور الٰہی جان ہمارے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی رہتی۔ لیکن یہ بہت بُری بات ہے۔ اس میں کوئی لُطف نہیں ہے۔"

اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ یہ ہے عِشق، اَب جس میں ہمّت ہے اس آگ میں کوُدے۔ یہ تو جلادیتی ہے۔ یہ جانبازی کا کام ہے معمولی بات نہیں ہے۔

اخفاءِ اولیاءِ کرام

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک نوجوان کانپور یا لکھنؤ میں نفی اثبات کیا کرتا تھا۔ ان سے ایک بزرگ نے کہا:

"اگر نفی اثبات سیکھنا چاہتے ہو تو دہلی جاؤ اور فلاں طوائف کے ہاں ایک بڈھا رہتا ہے اُن سے جاکر سیکھو۔ اُن سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔"

اَب وہ تلاش کرتے کرتے اس طوائف کے مکان پر پہنچا اور اس سے دریافت کیا:

"فلاں صاحب کہاں ہیں؟"

اُس نے کہا:

"وہ 'کلوا' معلوم نہیں کہیں جُوا کھیلنے گیا ہوگا۔ ہم جتنا کام اس کو دیتے ہیں، تھوڑی سی دیر میں ختم کرکے کہیں چلا جاتا ہے۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ آگیا۔ نوجوان آداب بجا لایا۔ وہ حیران ہُوئے اور کہا:

"اجی حضور!"

اُس نوجوان نے کہا:

"حضرت مَیں آپ سے نفی اثبات سیکھنے آیا ہُوں۔"

انھوں نے کہا:

"اجی حضرت! مَیں تو ایک جاہل آدمی ہُوں، مجھے کیا معلوم۔ مجھے تو برتن مانجنے آتے ہیں۔ جتنے چاہو منجوالو۔"

اُس نوجوان نے کہا:

"حضرت مَیں فلاں جگہ سے آیا ہُوں اور فلاں بزرگ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

ان بزرگ کا نام سُنتے ہی وہ ادب سے بیٹھ گئے اور اس کو نفی اثبات کی تعلیم دینے لگے۔ اَب جب "لَا اِلٰہَ" کہتے تو وہ خود، طوائف کا مکان اور پُوری کائنات گُم ہو جاتی اور جب "اِلَّا اللہُ" کہتے تو سب کچھ موجود ہو جاتا۔ یہ ذکر کرتے کرتے انھوں نے ایک چھلانگ لگائی اور گُم ہو گئے۔ تمام شہر تلاش کیا گیا مگر ان کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد فرمایا کہ کس قدر یہ لوگ اپنے آپ کو چُھپا کر رکھتے ہیں۔ اَب یہ کتنا زبردست مجاہدہ ہے۔

فقر امارت کے پردہ میں

اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارے سلسلہ کے بزرگ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے شیخ کے وصال کا وقت آگیا۔ لیکن ان کی ابھی تک تکمیل نہیں ہُوئی تھی۔ اور وہ ایک

کونے میں کھڑے رو رہے تھے۔ ان کے شیخ نے فرمایا:

"مجھے معلوم ہے کہ تم کیوں رو رہے ہو، تم فکر مت کرو۔ میری تجہیز و تکفین میں شامل رہنا اور تین دن یہاں رہ کر فلاں جگہ جانا۔ وہاں ایک صاحب رہتے ہیں جن کا نام عبدالباری ہے۔ ان کے ہاں تمھاری تکمیل ہو جائے گی۔"

چنانچہ اپنے شیخ کے وصال کے بعد تین دن وہاں رہے۔ اس کے بعد مقام مذکور کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک اور پیر بھائی بھی ہو لئے، تمام شہر میں دریافت کیا۔ لیکن اس نام کا کوئی درویش یا بزرگ نہ ملا۔ لوگوں نے کہا:

"عبدالباری صاحب ایک رئیس تو ہیں، کوئی درویش نہیں ہے۔"

چنانچہ وہاں جا کر دیکھا وہ رئیس بڑے ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ نوکر چاکر اصطبل وغیرہ سب کچھ موجود تھا اور وہ روزانہ شکار کو جایا کرتے تھے۔ ان کی شان و شوکت دیکھ کر حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کا ساتھی تو رخصت ہو گیا۔ اس خیال سے کہ یہ امیر کبیر ہیں۔ درویش تھوڑے ہی ہیں۔ لیکن آپؒ وہیں ٹھہر گئے۔ جب ان کی نظر شاہ عبدالرحیمؒ پر پڑی تو نوکر سے کہا:

"اس فقیر کو پیسہ دے دو!"

نوکر نے ان کو پیسہ دیا تو انھوں نے پیسہ ہاتھ میں لے کر چوما اور آنکھوں سے لگایا اور چلے گئے۔ دوسرے دن پھر آئے۔ انھوں نے اسی طرح پیسہ دلوایا اور نوکر سے کہا:

"کھانا بھی دے دو۔"

تیسرے دن جب وہ پھر آئے تو وہ بہت غصے ہوئے اور کہنے لگے:

"تم ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ پیسہ دیا۔ کھانا دیا۔ اور کیا چاہیئے!"

یہ کہہ کر انھیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ لیکن وہ خاموش رہے۔ سب کچھ برداشت کر رہے تھے۔ زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ وہ اوپر سے مار رہے تھے۔ اس کے بعد شکار

کی تیاری ہوگئی۔ انھوں نے کہا :

" ہمارا سامان اس فقیر کے سر پر رکھو۔"

چنانچہ وہ شکار پر روانہ ہوگئے۔ اور جب جنگل میں پہنچے تو کسی کو اِس طرف کسی کو اُس طرف بھیج دیا اور خود ایک جھاڑی کے نیچے بیٹھ کر مشغول ہوگئے اور ان کو بھی اپنے پاس بٹھالیا اور ایک شغل بھی بتا دیا۔ چنانچہ وہ روزانہ شکار کے بہانے اس طرح جنگل میں نِکل جایا کرتے تھے اور اپنے کام سے فارغ ہوکر واپس آجایا کرتے تھے۔ واپسی پر جو کچھ مِل جاتا شکار کر لیتے۔ یا خالی ہاتھ واپس آجاتے اور اپنے خدّام وغیرہ سے پُوچھتے :

" تم نے کیا کیا مارا ؟ "

چنانچہ اس روز جب وہ شغل سے فارغ ہوئے تو دریا پاس تھا۔ دونوں اُس کے کنارے پر چلے گئے۔ چشتیوں میں ایک نسبت ہے، جسے نسبت قہقہہ کہتے ہیں۔ وہ ان دونوں پر طاری ہوگئی اور اسی قہقہہ میں عبدالرحیم صاحبؒ کی تکمیل ہوگئی۔ اَب حضرت شاہ عبدالباری صاحبؒ نے فرمایا :

" وہ دُوسرا شخص چلا گیا ہے۔ اس کا حصّہ بھی تم لے لو کیونکہ وہ پھر مجھے نہیں مل سکے گا۔ "

اس کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحبؒ شیخؒ سے رُخصت ہوکر واپس آئے۔ واپسی پر اپنے اس ساتھی سے مُلاقات ہوئی اور انھوں نے سب ماجرا سُنایا۔ یہ سُن کر وہ بھاگتا ہُوا انکے شہر میں گیا لیکن جب وہ شہر کے اندر داخل ہُوا تو اُنکا جنازہ نِکل رہا تھا۔ اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ کس طرح انھوں نے اپنے آپ کو امارت اور شان وشوکت میں چھُپا رکھا تھا۔

ایک دفعہ حضرتِ اقدسؒ نے عبدالسّلام کو مخاطب کر کے فرمایا :

" اَب تم عشق سے اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتے ہو یا مجاہدہ سے ؟ "

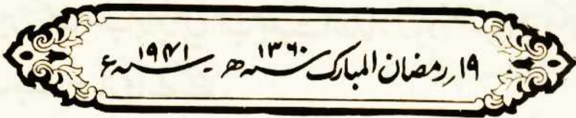
انھوں نے عرض کیا:

"حضور! اب مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔"

فرمایا:

"اگر تھپیڑ کھانے ہوں تو آؤ اس کوچہ میں قدم رکھو، بہت کٹھن راہ ہے۔ قِسم قِسم کی مُصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ آج کل تو کھانا دیا جاتا ہے۔ آرام سے رکھا جاتا ہے لیکن اسکے باوجود ایک جھڑکی بھی نہیں برداشت کر سکتے۔ اصل بات یہ ہے کہ آجکل طلبِ صادق نہیں ہے۔"

اِس کے بعد حضور بالاخانہ میں تشریف لے گئے۔ اِس تقریر کے دوران اکثر سامعین پر گریہ طاری رہا۔



۱۹ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۱ء

ذِکر بہ وقت اکل و شرب

ایک دفعہ اِرشاد فرمایا کہ ہر نوالہ کھاتے وقت اور پانی پیتے وقت دِل سے "هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ[1]" کہنا چاہیئے۔ فرمایا یہ تصوّر یہاں تک بڑھ جائے کہ معلوم ہو کہ وہی اپنے ہاتھ سے مُنہ میں لقمہ ڈال رہا ہے۔

مہم سَر کرنے کا عمل

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ مقولہ ہے کہ "دو دل کوہ را بشکنند" اور تین دل مِل کر بڑی سے بڑی مہم سَر کر لیتے ہیں۔ سُورہ یٰسین قرآن کا دِل ہے۔ پچھلی رات وقت کا دِل ہے۔ اور اِنسان کا دِل مل کر بڑی سے بڑی مہم سَر کر سکتے ہیں۔ فرمایا اگر پچھلی رات سُورۂ یٰسین اکتالیس بار پڑھی جائے تو مشکل حَل ہو جائے گی۔

---

[1] یعنی "وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔"

نیک و بد میں فرق

شام کے چار بجے درگاہ شریف جاتے ہوئے راستہ میں سیاست پر گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اب مولوی صاحبان فسق و فجور اور کفر کے فتوے لگاتے پھرتے ہیں۔ فرمایا کہ دراصل نیک و بد میں صرف اتنا فرق ہے کہ آپ اور ہم کلکتہ جانا چاہتے ہیں۔ آپ امیر ہیں۔ آپ نے جلدی سے سامان وغیرہ تیار کر کے ناشتہ کیا اور موٹر میں سوار ہو کر اسٹیشن پر جا بیٹھے اور ہم ابھی تک گھر میں ہیں۔ گدڑیا لپٹی ہوئی ہے۔ ناشتہ تیار نہیں ہوا۔ ٹانگہ ابھی نہیں ملا۔ اب ہماری نسبت آپ کلکتہ سے زیادہ قریب ہیں لیکن کلکتہ والوں کے نزدیک دونوں اجمیر میں ہیں۔ حق تعالیٰ اس قدر بلند ہیں اور درمیان میں اس قدر DISTANCES (فاصلے) ہیں کہ دو آدمیوں میں تھوڑا سا فرق کچھ معنی نہیں رکھتا۔ سب برابر ہیں۔ اب جمعیت العلماء زیادہ متشرع ہو۔ لیکن دوسری طرف جناح بازی لے گئے۔

خدمتِ خلق عبادت ہے

خدمتِ خلق بھی ایک ارفع و اعلیٰ عبادت ہے۔ (سعدیؒ)

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

جناح کو کسی قسم کی پروا نہیں ہے۔ لکھ پتی آدمی ہیں۔ ہزاروں روپے ماہوار کما لیتے ہیں۔ محض خلوص اور خدمت کے جذبہ سے انھوں نے یہ کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

شب ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۱ء

عشاق کیلئے حساب کتاب نہیں

آج رات بعد تراویح و حلقۂ ذکر آپ میزان اور یوم قیامت کا ذکر

فرماتے رہے بعدہٗ فرمایا بس نجات صرف ایک چیز میں ہے۔ اور وہ ہے عشقِ الٰہی اور اللہ سے صحیح نسبت پیدا کرنا۔ عشاق کے لئے نہ حساب ہے نہ کتاب جب خلق نفسی نفسی پکار رہی ہوگی عشاق عرش کے سایہ کے نیچے نور کی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تماشہ دیکھتے رہیں گے اور ٹھٹھے مار کر ہنستے رہیں گے۔ فرشتے عرض کرینگے:

" یا الٰہ العالمین! تمام مخلوق تو اس وقت پریشانی میں مبتلا ہے۔
یہ کون لوگ ہیں جو قہقہے لگا رہے ہیں؟ "

اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

" اِن کو مت چھیڑو، یہ میرے عشاق ہیں۔ "

حساب کتاب کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا:

" سب سے پہلے بہشت میں داخل ہونے کا حق میرے عشاق کا ہے۔ ان سے پہلے بہشت سب پر حرام ہے۔ جاؤ ان کو بہشت میں لے جاؤ۔ "

چنانچہ فرشتے ان کے پاس جا کر بہشت کی جانب بلائیں گے۔ لیکن وہ کہیں گے:

" ہم بہشت کو کیا کریں گے۔ ہم نہیں جاتے۔ "

فرشتے جا کر عرض کریں گے:

" یا الٰہی! وہ تو بہشت میں نہیں جاتے۔ "

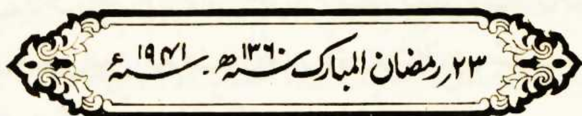
اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

" اِن کو زنجیروں میں جکڑ کر بہشت میں لے جاؤ۔ "

فرمایا عشاق کی شان تو دیکھو کہ وہاں بھی زنجیروں میں جکڑے جا رہے ہیں۔ فرشتے تعمیلِ حکم کریں گے۔ لیکن وہ ایک اِنچ بھی ان کو نہ ہلا سکیں گے۔ دوبارہ جا کر عرض کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

" دیکھ لی میرے عشاق کی طاقت۔ بس اسی طاقت کا اندازہ کرانا مطلوب تھا۔ اَب جاؤ اور اُن سے کہو کہ بہشت میں چلو۔ وہاں اللہ تعالیٰ

اپنا دیدار دکھائے گا۔ بہشت سے باہر دیدار نہیں ہوگا۔"
یہ سن کر وہ دوڑتے ہوئے اور رقص کرتے ہوئے بہشت کے اندر چلے جائیں گے۔ فرمایا اب کہاں رہا حساب کتاب۔ یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔



۲۳ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۰ھ ۔ سنہ ۱۹۴۱ء

مصائب کے برکات

آج ایک شخص حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"حضور! مصائب میں مبتلا ہوں اور پریشان ہوں۔ دعا فرمادیں۔"

آپ نے فرمایا کہ یہ شکایت کا مقام نہیں ہے۔ شکر کا مقام ہے۔ فرمایا مصائب میں برکات پوشیدہ ہوتی ہیں۔ وہ قوی جو انسان کے اندر چھپی ہوئی بے کار ہوتی ہیں مصائب اُن کو عمل میں لاکر انسان کی پختگی کا باعث ہوتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا:

"اپنے بیٹے کو ذبح کر ڈالو!"

اب اللہ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خون کی ضرورت نہیں تھی اگر اپنے پاس بلانا مقصود ہوتا تو کسی اور طریقہ سے بلا لیتا۔ لیکن اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش مطلوب تھی۔ ان کے اندر ایثار و توکل کا جذبہ موجود تھا جس کا خود انھیں بھی علم نہ تھا۔ چنانچہ جب مطالبہ کیا گیا تو اللہ کی مرضی پوری کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ اب بیٹے کا ایثار دیکھئے۔ انھوں نے کہا:

"اباجان! آپ آنکھوں پر پٹی باندھ لیں ایسا نہ ہو کہ شفقتِ پدری سے چھری نہ چلے اور میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیجئے تاکہ کوئی رکاوٹ درمیان میں پیدا نہ ہو اور چھری بھی تیز کر لیجئے تاکہ دیر نہ ہو۔"

یہ انتظام کر لینے کے بعد انھوں نے چھری چلادی چھری چل گئی لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی گردن پر نہ چلی۔ آزمائش مطلوب تھی اور وہ ہوگئی۔ اَب جو چیز حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور اسمٰعیل علیہ السّلام میں بالقوۃ موجود تھی اس کو بالفعل ظاہر کرنا مطلوب تھا۔ فرمایا ہر مُصیبت میں کوئی نہ کوئی راز پوشیدہ ہوتا ہے مُصیبت کو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سمجھنا چاہیئے۔ فرمایا لوہار کا دایاں ہاتھ زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی قوّت کو اِستعمال میں لایا جاتا ہے اور سادھو لوگ ہاتھ کو اُوپر رکھ کر اسے بالکل بے کار کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اُس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا۔

آپ نے فرمایا دَراصل مُصیبت اور تکلیف پہنچنا ان کی عنایت ہے۔ پنجاب کی ایک دَرویشہ تھیں جو درگاہ شریف میں اکثر ہمیں مِلا کرتی تھیں۔ ایک دن جب ہم باہر نکلے تو دیکھا کہ وہ مولسری کے درخت کے نیچے بیٹھی رو رہی ہیں۔ ہم نے جا کر پُوچھا:

"کیا تکلیف ہے، کوئی درد ہے یا مُصیبت ہے۔ بیمار ہو کِس وجہ سے رو رہی ہو!"

اُس نے کہا:

"آج پندرہ روز گذر چکے ہیں کہ مُجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ اِس لئے رو رہی ہُوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پندرہ دن یاد نہیں فرمایا۔"

اس کے بعد فرمایا کہ حدیث شریف ہے کہ ایک دن رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں کِسی نے عرض کیا:

"فلاں شخص بہت مالدار ہے۔ بیویاں ہیں، بچّے ہیں۔ اُونٹ گھوڑے بھیڑ بکری کی کوئی کمی نہیں ہے اور طرّہ یہ کہ کبھی بیمار بھی نہیں ہُوا۔"

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اس کا ایمان سلامت نہیں ہے۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص محبُوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

مُرید ہونے کی غرض سے حاضر ہُوا۔ اُس نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ ولی اللہ کی شناخت یہ ہے کہ ان میں یہ تین چیزیں موجود ہوں ۔ یا ان میں سے کوئی ایک یا دو۔ "علّت۔ قلّت اور ذلّت" جب وہ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ خوب امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے ہیں۔ دیگیں پک رہی ہیں۔ ہزاروں لوگ جمع ہیں۔ شاہی خاندان مُرید ہے۔ امیر، وزیر اور فوجی افسر غلامی میں کمربستہ ہیں۔ آپ کے لنگر کا وہ عالم تھا کہ شام کے وقت پچیس اُونٹ پیاز اور لہسن کا چھلکا اُٹھا کر باہر پھینکتے تھے۔ اس شخص کے دِل میں وسوسہ پیدا ہُوا کہ ان تینوں باتوں میں سے یہاں تو کوئی بھی نظر نہیں آتی۔ خیر جب مجلس برخاست ہوئی اور لوگ جانے لگے تو وہ بھی اُٹھ کر روانہ ہُوا ۔ آپ نے ایک خادم سے کہا :

"اس شخص کو بُلا لاؤ۔"

خادم اس کو بُلا لایا۔ آپ اسے الگ کمرہ میں لے گئے اور فرمایا :

"آنکھیں بند کرو!"

جونہی اُس نے آنکھیں بند کیں، دیکھا کہ ایک عالم حضرت محبُوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی شکایت میں مشغول ہے۔ لوگ کہہ رہے ہیں :

"درویشی کہاں کی ہے، یہ تو عیش پرستی ہے۔ شاہی خاندان مُرید ہے۔ امیر۔ وزیر سب معتقد ہیں۔ بس خوب مزے سے گذرتی ہے۔"

اِس کے بعد آپ نے پیراہن اُوپر اُٹھا کر کہا :

"دیکھو میری ناف میں ناسُور ہے۔ اور سات سال سے مَیں اس کی پرورش کر رہا ہُوں۔ لیکن مَیں نے اَپنے خاص خادم تک کو اس کا عِلم نہیں ہونے دیا۔ اور تم کو مَیں نے اِس لئے اپنے راز سے آگاہ کیا کہ تم بدظن ہو کر جا رہے تھے۔ تمہارا خاتمہ خراب ہونے سے بچا لیا۔ اَب یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ اگر کسی پر ظاہر کیا تو ذلیل ہو جاؤ گے۔"

فرمایا اُس شخص نے یہ راز کسی سے نہ کہا اور جب آپ کا وصال ہُوا۔ تب اُس نے لوگوں کو

بتایا۔ اس کے بعد آپ نے خادم سے کہا :

" میرا کھانا لاؤ ! "

وہ ایک جو کی روٹی طشتری میں رکھ کر لے آیا۔ آپ نے فرمایا :

" یہ میری خوراک ہے۔ وہ دیگیں وغیرہ جو تم نے دیکھی ہیں لوگوں کے لئے ہیں۔ میرے لئے تو یہی نانِ جویں ہے۔ "

یہ دیکھ کر اس کو یقین ہوگیا کہ فی الواقع آپ میں ذِلّت، عِلّت، قِلّت تینوں علاماتِ فقر موجود ہیں۔ چنانچہ وہ مُرید ہوگیا۔

مُصیبت میں شُکر کرنا

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز ارشاد فرمایا :

" مُصیبت پر صبر کرنا تو عورتوں اور ہیجڑوں کا کام ہے۔ مرد تو مُصیبت پر شُکر ادا کرتے ہیں۔ "

اَب لوگوں میں اِتنی جرأت نہ تھی کہ مزید دریافت کرتے۔ آپ کے ایک صاحبزادہ تھے جن کا نام شاہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ تھا (حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالرزاقؒ کے پوتے ہیں) کرم ہائے تو مارا کرد گُستاخ کے مصداق آپ ان پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے اور وہ بھی آپ سے آزادانہ گفت گو کرلیتے تھے۔ لوگوں نے اُن سے کہا :

" ہم میں تو اتنی جرأت نہیں ہے۔ آپ ان سے دریافت فرمائیے کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ مُصیبت میں کِس طرح شُکر کیا جاسکتا ہے ؟ "

چنانچہ انھوں نے آپ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا :

" تُو نے وہ حدیث نہیں پڑھی کہ جس شخص کے کانٹا چُبھتا ہے۔ اُس کا ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے۔ اور ایک نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے اور جس کو ایک روز بُخار آتا ہے۔ اس کے ایک سال کے گناہ معاف

ہو جاتے ہیں۔ یہ کیا کم شکر کا مقام ہے!"

اِس کے بعد فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دِن ایک ایسے شخص کو بہشت کے کنارہ پر کھڑا کیا جائے گا۔ جس پر دُنیا میں سب سے زیادہ مصائب نازل ہوئے ہوں گے۔ اور تھوڑی دیر وہاں ٹھہرنے کے بعد اس کو وہاں سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا:

"تم پر دُنیا میں بہت مُصیبتیں نازل ہوئیں۔"

وہ کہے گا:

"نہیں باری تعالیٰ کچھ بھی نہیں، تمام عُمر خوب آرام سے گذری۔"

ایک اور شخص کو جس نے دُنیا میں نہایت عیش وعشرت سے عمر گذاری ہو گی۔ دوزخ کے کنارے لا کھڑا کیا جائے گا اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا:

"تم نے دُنیا میں بہت آرام پایا۔"

وہ کہے گا:

"نہیں حضور! مَیں تو بہت مُصیبت میں رہا۔"

اِس کے بعد حضرت اِقدسؒ نے فرمایا کہ عاقبت میں نعمت اور تکلیف کا یہ عالم ہے کہ چند لمحوں کے لئے بہشت کے جھونکوں سے تمام زندگی کی مُصیبت اور دَرد و اَلم بھُول جائے گا۔ اور دوزخ کی ذرا سی گرم ہوا سے زندگی بھر کا عیش وآرام فراموش ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ انبیا ءعلیہم السلام اور اولیائے کرامؒ پر سب سے زیادہ بلائیں نازل فرماتا ہے حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لو جیسا حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ معاملہ ہُوا ویسا آپ کے ساتھ ہُوا۔ حضرت مُوسیٰ علیہ السلام نے بادشاہ کے محل میں پرورش پائی۔ فرعون کی بیوی کو آپ سے اُنس تھا۔ شہزادگی میں عُمر بسر کی۔ پھر آپ کے ہاتھ سے ایک آدمی قتل ہو جاتا ہے۔ اور بے سروسامانی کی حالت میں جنگلوں میں بھاگ گئے

بھاگے پھرتے ہیں۔ ایک جگہ شادی ہوتی ہے، اس کے بعد حکم ہوتا ہے :

"جاؤ اور فرعون کا مقابلہ کرو!"

آپ کے پاس نہ فوج ہے نہ خزانہ اکیلے تن تنہا انسان کو حکم ہوتا ہے

"فرعون جیسے بادشاہ کا مقابلہ کرو!"

چنانچہ انھوں نے حکم کی تعمیل کی اور کامیاب ہوگئے۔ اسی طرح حضرت خواجہ غریب نوازؒ جب ہندوستان آئے تو ایک فرعون نہیں سینکڑوں فرعون موجود تھے۔ آپ کو بہت تکالیف کا سامنا ہُوا۔ بغیر فوج اور بے یار و مددگار پرتھوی راج کا مقابلہ کیا اور آج یہ حالت ہے کہ پرتھوی راج کا یہاں نام و نشان نہیں ہے۔ صرف تارا گڑھ میں اسکے قلعہ کے کچھ نشانات باقی ہیں۔ ہم آج اس لئے ذلیل ہیں کہ مُسلمان نہیں رہے۔ اگر پکے مُسلمان ہوجائیں تو کوئی طاقت ہمارا مقابلہ نہیں کرسکے گی۔ ہم تو صرف مردم شُماری کے مُسلمان ہیں۔ بس مُسلمان کے گھر پیدا ہوگئے اور مُسلمان کہلانے لگے۔ اِس کے بعد جس شخص نے شروع میں دُعا کے لئے عرض کیا تھا، اس نے جانے کی اجازت طلب کی۔ حضورؒ نے فرمایا کہ ہاں بس یہی سمجھ لو کہ جس قدر مصیبت درپیش ہو شکوہ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ شُکر گذار ہونا چاہیئے ؎

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ ای

نرخ بالا کُن کہ ارزانی ہنوز

اَب انسان پچھلی زندگی کے تمام حالات بھُول گیا ہے۔ ماں کا پیٹ یاد نہیں رُہا۔ اور مُستقبل کا علم نہیں معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے۔ صِرف حال کی چند گھڑیاں ہیں اِس میں جو کچھ پیش آئے خوشی سے برداشت کرلینا چاہیئے۔ ایک انسان کو جب نہ اپنا ماضی یاد ہے نہ مُستقبل کا کچھ علم ہے تو کیوں نہ وہ اَپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ تو اس کی ہر بات کو جانتا ہے۔ اس کے ماضی حال اور مُستقبل کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اِس لئے کیوں نہ ایسی ہستی پر

توکل کر کے اپنا سب کچھ اُس کے سپرد کردے۔ فرمایا کہ مُصیبت کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ جَب باپ اپنے بیٹے سے پیار کرتا ہے تو اس کو چھیڑتا ہے۔ وہ چڑتا ہے۔ اس سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور اسے اور چھیڑتا ہے۔ فرمایا بعینہٖ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندے کو تکلیف دے کر چھیڑتا ہے۔ جب وہ چڑتا ہے تو اور تکلیف دیتا ہے۔ بہتر ہے کہ چڑے نہیں اور خاموش اور خوش رہے۔ پھر مصیبت نہیں آئے گی۔ حضرتِ اقدسؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ دَرحقیقت بہتر تو یہ ہے کہ نعمت پر چڑے تاکہ اور نعمت نازل ہو۔ فرمایا ایک عورت تھی جِس کو لڑکے بہت چڑاتے تھے۔ ایک بزرگ نے اس سے کہا:

"تم تین دن روزہ رکھ لو اور کسی سے کوئی بات نہ کرو۔"

اس نے تین دِن روزہ رکھا، لڑکے جتنا چھیڑتے تھے وہ کوئی جواب نہ دیتی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ انھوں نے چھیڑنا بند کردیا۔

سَالک کا حقیقی نصبُ العَین

ایک دن اِرشاد فرمایا کہ یہ پہلے آسمان کی سَیر کرنا اور دُوسرے، تیسرے اور چوتھے آسمانوں کی سیر کرنا لغو ہے، یہ سب غیراللہ ہے۔ اصل چیز ذات ہے۔ اِنسان کو طالبِ ذات ہونا چاہیئے۔ صفات میں نہیں اُلجھنا چاہیئے۔ شیطان صفات ہی میں اُلجھ کر نار اور طین کے جھگڑے میں مُبتلا ہوگیا اور اِنکار کر بیٹھا۔ وہ بھی صَاحبِ مشاہدہ تھا۔ آدمؑ کا پیدا ہونا وغیرہ سب اُس کی آنکھوں کے سامنے ہُوا تھا۔ لیکن گمراہ ہوگیا۔ صفات سے آگے نہ بڑھ سکا۔ جو لوگ کشف وکرامات اور آسمانوں کی سَیر سے خوش ہوتے ہیں اُن کی ترقی رُک جاتی ہے۔ بلکہ اُن کے اندر اگر بڑائی پیدا ہوگئی تو مردُود ہوجانے کا اندلیشہ ہے۔ جب تک ذات کو نہ پائے گا غیراللہ میں رہے گا۔ یہ سُن کر احقر کے دِل میں خیال پیدا ہُوا کہ ہم طالب ذات کیسے ہوں۔ آپ نے فرمایا بس یہی۔ استغراق ہونا چاہیئے ذات میں پورے انہماک کے ساتھ۔

کم خوردن یا بسیار خوردن

ایک دِن زیادہ کھانے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ اِرشاد فرمایا کہ پشاور میں کابل کے ایک درویش آئے ہوئے تھے۔ جو ہر روز ایک دُنبہ کھا جایا کرتے تھے۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ عجب دَرویش ہیں پورا دُنبہ کھا جاتے ہیں۔ اور پھر بھی دَرویش بنے ہوئے ہیں۔ ایک دِن جب وہ بیتُ الخلا سے باہر نکلے تو نوکر سے فرمایا :

" فلاں فلاں کو بُلاؤ۔"

آپ نے اُن لوگوں کا نام لیا جو اس قِسم کی چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے۔ جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا :

" ذرا بیتُ الخلا میں دیکھو تو !"

انھوں نے جا کر دیکھا کہ ایک سُوکھی مینگنی پڑی تھی۔ فرمایا :

" تم لوگوں نے میرا کھانا دیکھا، لیکن میرے مشاغل نہیں دیکھے۔ اب اس قدر مشاغل بغیر خوراک کے میں کس طرح کر سکتا ہُوں۔ جس قدر کھاتا ہوں، سب جَل بھُن کر ختم ہو جاتا ہے۔"

اِس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اصل چیز کام ہے۔ کھانے میں کمی بیشی کام کی خاطر کرنی چاہیئے۔ اگر کم کھانے سے کام نہ ہو سکے تو زیادہ کھاتے اور اگر زیادہ کھانے سے کام میں ہرج آئے تو کم کھائے۔ کم کھانا زیادہ کھانا کوئی معیار نہیں ہے۔ کھانا تو زندہ رہنے کے واسطے ہوتا ہے۔ اگر کم کھانے سے مشاغل میں ھرج واقع ہو تو خوب کھائے۔

حیرت محمودہ و حیرت مذمومہ

ایک دِن ارشاد فرمایا کہ رسُولِ خُدا صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اوائل میں یہ دُعا کیا کرتے تھے :

" رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا "	پروردگار میرے علم کو زیادہ کر۔

کچھ عرصہ کے بعد آپ یہ دُعا مانگنے لگے :

"رَبِّ زِدْنِی تَحَیُّرًا" | پروردگار میرے تحیّر کو زیادہ کر۔

اس کے بعد فرمایا تحیّر کی دو اقسام ہیں۔ ایک حیرت محمودہ۔ دُوسری حیرت مذمومہ۔ حیرت مذمومہ جہالت کا نتیجہ ہے۔ مثلاً ایک گنوار کے دِل میں تاج محل کو دیکھ کر جو حیرت پیدا ہوگی وہ جہالت کی وجہ سے ہوگی۔ اِس لئے اسے حیرت مذمومہ کہا جائے گا۔ لیکن حیرت محمودہ علم کا نتیجہ ہے۔ ایک نہایت قابل اور ماہرِ فن انجنیئر جب تاج محل کو دیکھے گا تو اس کی ہر خوبی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جائے گا۔ فرمایا ایک دفعہ دہلی میں ہمارے ایک دوست کے ہاں ایک امریکن انجنیئر آیا ہُوا تھا۔ اُس نے اپنے میزبان سے کہا :

"مَیں جامع مسجد دیکھنا چاہتا ہُوں، آپ میرے ساتھ چلیں۔"

چنانچہ وہ دونوں وہاں گئے۔ انجنیئر نے مسجد کی ہر ایک چیز کو غور سے دیکھا اور جہاں جاتا دیر تک حیرت سے دیکھتا رہتا۔ اور ساتھ ساتھ اپنے دوست کو ہر مقام کی خوبی اور فنِ تعمیر کے نکات سے بھی آگاہ کرتا جاتا۔ واپسی پر جب باہر والے دروازہ پر آیا تو اس انجنیئر نے مُڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا اور پھر دوڑ کر مینار کے پاس گیا اور پیٹھ کے بل لیٹ کر اُوپر مینار کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُٹھا اور دُوسرے مینار کے نیچے اسی طرح لیٹ گیا اور اس کو بھی بغور دیکھا۔ ان کے دوست نے دریافت کیا :

"میری سمجھ میں نہیں آیا۔ آپ نے یہ حرکات کیوں کی ہیں؟"

اُس نے کہا :

"جب میں نے میناروں کو غور سے دیکھا تو معلوم ہُوا کہ وہ ٹیڑھے ہیں۔ اَب میں حیران تھا کہ اِس قدر عالیشان عمارت میں یہ غلطی کس طرح رہ گئی۔ بہرحال یہ غلطی تو نہیں ہو سکتی ضرور اس میں کوئی حکمت ہوگی۔

سوچ سوچ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان فن کاروں نے عمداً اس لئے مینار ٹیڑھے بنائے ہیں کہ اگر وہ گریں تو اپنے ہی قدموں پر گریں تاکہ باہر کی جانب کوئی نقصان نہ ہو۔"

حضرتؒ نے فرمایا کہ کچھ عرصہ ہوا ایک مینار پر بجلی گری۔ لیکن جب وہ نیچے گرا تو نزدیک کی کسی عمارت کو کوئی گزند نہیں پہنچا بلکہ عین اپنے قدموں میں گرا۔ اور نواب بھوپال نے دوبارہ اس کی تعمیر کرائی۔ فرمایا اس انجنیئر کی حیرت۔ حیرتِ محمودہ ہے۔

حبیبُ اللہ لو گروو

ایک دن فرمایا کہ حبیبُ اللہ لو گروو (LOVE - GROVE) ایک نومسلم انگریز تھے۔ ان کو روحانیت کی طرف کافی میلان تھا۔ اور تلاشِ حق میں بہت پھرے۔ ایک رات خواب میں مولانا رُوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں مسجد میں جانے کا اشارہ فرمایا۔ وہ مطلب سمجھ گئے اور صبح مسجد میں جاکر مشرف باسلام ہوئے۔ اس کے بعد حضرت مولانا روم صاحبؒ ان کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ صُورتِ مثالی میں اُن کے سامنے آکر تعلیم فرماتے۔ ایک دفعہ انھوں نے حضرت مولاناؒ سے اجازت لیکر آپ کا فوٹو لیا۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ہم نے ایک دفعہ انگریزی میں تصوّف پر ایک مضمون صُوفی ازم کے نام سے لکھا تھا جو ایشیاٹک ریویو (ASIATIC REVIEW) میں چھپا تھا۔ وہ رسالہ لندن میں کہیں ان کی نظر سے گُذرا جس سے متاثر ہوکر ایڈیٹر رسالہ کی معرفت ہمارے ہاں خط لکھا۔ اِس کے بعد ہماری خط وکتابت اُن کے ساتھ ہوتی رہی۔ ایک دفعہ انھوں نے مولانا رومؒ کی وہ تصویر بھی ہمارے پاس بھیج دی۔

ایک دن حیدرآباد میں ہمارے ایک دوست نے باتوں باتوں میں کہا:

"میرے پاس حضرت مولانا رومؒ کی ایک دستی تصویر ہے۔"

ہم نے کہا:

"وہ تصویر ہمیں ضرور دکھائیے۔"

انھوں نے کہا :

"جی ہاں تلاش کروں گا۔"

ہم نے کہا :

"تلاش ولاش نہیں، ابھی دکھائیے !"

چنانچہ وہ گھر گئے اور تصویر لے آئے۔ جب ہم نے دونوں تصویروں کا مقابلہ کیا تو دونوں ایک جیسی تھیں۔ احقر نے بھی ایک دفعہ پاکستان ٹائمز کے سالانہ نمبر میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی ایک تصویر دیکھی۔ جو ایران کے کسی کتب خانہ سے نقل کی گئی تھی۔ اُس میں اور مولانا رومؒ کے اس فوٹو میں جو حضرت اقدسؒ کے پاس تھا بہت مشابہت تھی۔ بریگیڈیئر نذیر علی شاہ صاحب بھی لندن میں ایک دفعہ انکے مکان پر گئے۔ وہ کہتے ہیں ان کی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی اور ایک درویش صفت انسان تھے۔ اِس کے بعد فرمایا، ایک دفعہ حبیبُ اللہ لوگرو و لندن میں سر عبدالقادر سے ملے۔ اس زمانہ میں وہ وہاں اَڈوائزر ٹو دی سکریٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا تھے۔ حبیبُ اللہ لوگرو و نے ان سے ہمارے متعلق دریافت کیا۔ تو انھوں نے کہا :

"وہ تو میرے دوست ہیں اور میں اُن کو خوب جانتا ہُوں۔"

جب سَر عبدالقادر واپس آئے تو ایک دفعہ اُن سے ملنے کا اِتفاق ہُوا، کہنے لگے :

"اجی حضرت ! حبیبُ اللہ لوگرو و تو آپ کے شیدائی ہیں جب مَیں نے آپ کا لکھا ہُوا خط دیکھنا چاہا تو انھوں نے اپنے قلب کے نزدیک کی جیب سے نہایت اَدب سے نکالا اور مجھے دِکھا کر پھر احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔"

وہ کہتے تھے کہ حبیبُ اللہ صاحب ہمیشہ اس خط کو اپنے پاس رکھتے تھے اگرچہ پسینہ وغیرہ سے کچھ خراب بھی ہوگیا تھا لیکن وہ اُسے اپنے سے جُدا نہیں کرتے تھے۔

سُورۂ فاتحہ کے اثرات پر امریکن ڈاکٹروں کی حیرت!

اِرشاد فرمایا کہ ڈاکٹر زین العابدین جو جامعہ ملیہ دہلی میں پروفیسر ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم امریکہ گئے۔ وہاں بعض لوگ ہم سے دریافت کرنے لگے:

"صُوفی اور رُوحانی لوگ کون ہوتے ہیں۔؟"

چونکہ مجھے زیادہ علم نہیں تھا۔ میں نے اُن سے کہا:

"وہ تعویذ وغیرہ لکھتے ہیں اور اگر کوئی بیمار ہوجائے تو کچھ پڑھ کر پانی پر دَم کر دیتے ہیں۔ جس کے پینے سے بیمار تندرست ہوجاتا ہے۔"

یہ سُن کر وہ بہت حیران ہُوئے اور دریافت کیا:

"کیا پڑھتے ہیں؟"

مَیں نے کہا:

"سُورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں۔"

اُنھوں نے کہا:

"اچھا آپ سُورۂ فاتحہ پڑھیں اور ہم اس کے تاثرات کا فوٹو لیں گے۔"

ان کے پاس ایک خاص کیمرہ ہے۔ جس سے وہ فضا کے تاثرات کا عکس لے لیتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے مجھ سے تین چار دفعہ سُورۂ فاتحہ سُنی اور فوٹو لے لئے۔ تاثرات دیکھنے کے بعد انھوں نے کہا:

"عجیب بات ہے کہ سُورۂ فاتحہ کے پڑھنے سے وہی تاثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو ہمارے سینی ٹوریم میں ہیں۔ یہ سینی ٹوریم ہم نے سائنٹیفک طریقہ پر تیار کیا ہے۔ جس میں مختلف قسم کے نظاروں آوازوں وغیرہ کو یکجا جمع کرکے اس کے اندر ایک ایسی صحت آور فضا کر دی گئی ہے کہ مریض اس کے اندر رہ کر اس کے تاثرات کی بدولت بغیر دوا

کے اچھا ہو جاتا ہے۔"

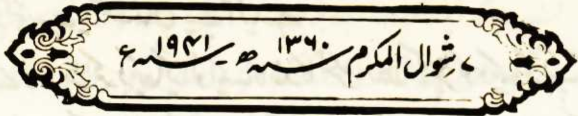
اِس سلسلہ میں حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ جو کچھ انسان پڑھتا ہے اس کے تاثرات فضا میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اِس لئے سالک کو چاہیئے کہ عبادت کا کمرہ بالکل علیحدہ رکھے اور اس کے اندر کسی کو داخل نہ ہونے دے۔ اس میں صرف مصلّیٰ ہونا چاہیئے اور ہمیشہ اسے مقفّل رکھنا چاہیئے۔ تاکہ کسی دوسرے کے تاثرات اس کے ساتھ شامل نہ ہو جائیں اور کمرہ اتنا ہی بڑا ہونا چاہیئے کہ اس میں لیٹ سکے اور اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے۔ یا پھر عبادت جنگل میں کرنی چاہیئے۔ وہ مقام بھی تاثرات سے مبرّا ہوتا ہے۔

برکاتِ بلا

ایک دفعہ حضرت اقدسؒ کے ایک مرید بشیرؔ نے عرض کیا :- "حضور! بخار نہیں چھوڑتا۔" حضرتؒ نے فرمایا: ارے میاں ایک دن کے بخار سے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جب اِس قدر عنایت ہے تو کیوں خواہ مخواہ شکایت کرتے ہو۔ فرمایا بلا و مصیبت کا اظہار کرنا حق تعالیٰ کی شکایت کرنا ہے۔ حالانکہ یہ شکایت کا مقام نہیں ہے۔ شُکر کا مقام ہے کہ معمولی سی تکلیف سے اس قدر عظیم مصیبت سے نجات ملتی ہے۔ فرمایا ایک بزرگ نے دُعا کی :

> "یا اللہ! جب تیری اس قدر نوازش ہے کہ ایک دن کے بخار سے سال بھر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو میری موت سے قبل مجھے بھی اِتنے ہی دن بخار میں مبتلا رکھیئے جتنے سال میری عُمر ہے۔ تاکہ ساری عُمر کے گناہ معاف ہو جائیں۔"

ایک دن اُن کو بخار آنا شروع ہُوا۔ اور وہ گنتے گئے۔ اور اِس طرح سے ان کو معلوم ہو گیا کہ فلاں دن اجل آئے گی۔ جب دن پُورے ہو گئے تو ان کا وصال ہو گیا۔



آزمائشِ عشق

آج عشق کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا عشق بہت مشکل منزل ہے۔ جان پر کھیلنا پڑتا ہے۔ اگر اس راہ میں قدم رکھنا ہے تو پہلے خوب سوچ لینا چاہیئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عاشق تھے اور آپ کے عشق کی بہت کڑی آزمائش لی گئی لیکن آپ اپنی بات کے سچے اور عشق میں پکے تھے۔ ہر آزمائش میں پورے اُترے۔ آگ میں ڈالے گئے۔ بیوی، بچے اور وطن ترک کرنا پڑا۔ چہیتے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ معمولی آزمائشیں نہیں ہیں۔ فرمایا اللہ میاں کسی اور کا نہیں بننے دیتے۔ جب دیکھا کہ بیٹے سے محبت کر کے غیر اللہ کی جانب راغب ہو گئے تو اسی بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنے بیٹے سے بہت محبت ہے تو صاحبزادہ کو کنوئیں میں پھینکوا کر قید کروا دیا گیا اور اس طرح باپ سے بیٹے کو جُدا کر دیا۔ فرمایا جب انسان غیر اللہ سے محبت کرتا ہے تو غیرتِ ایزدی جوش میں آجاتی ہے۔ ابنیاء علیہم السلام کی طرح اولیاء کرام کی بھی آزمائش ہوتی ہے۔

فرمایا: حضرت مظہر جان جاناںؒ کی بیوی بہت سخت مزاج تھیں اور ہر وقت آپ کو تنگ کرتی رہتی تھیں۔ باوجودیکہ آپ اس قدر نازک مزاج تھے کہ ذرا سی نامناسب بات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ فرش پر تنکا پڑا ہُوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ایک دن آپ کی جائے نماز کے نیچے کاغذ کا ٹکڑا آگیا۔ جب آپ جائے نماز پر کھڑے ہُوئے تو فرمانے لگے:

"ارے غلام علی! (آپ کے خادم خاص) دیکھ تو آج زمین اونچی

ہو گئی ہے یا آسمان نیچے آگیا ہے۔"

جب جائے نماز ہٹا کر دیکھا گیا تو ایک کاغذ کا ٹکڑا نکلا۔ کیچڑ کو دیکھ کر آپ کو قے آجاتی تھی۔ اِس نازک مزاجی کے باوجود آپ اپنی بیوی کی ہر حرکت اور ہر بات کو برداشت کر لیتے تھے۔ اور جو کچھ وہ کہتیں سُن کر خاموش ہو جاتے اور کچھ جواب نہ دیتے۔ آپ کا ایک پٹھان مرید تھا۔ ایک دِن خادم موجود نہیں تھا تو اس پٹھان کو گھر پر کام کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ حضرت مرزا صاحبؒ کی بیوی کسی بات پر خفا ہوئیں اور پوچھا:

" یہ کام تم نے ایسا کیوں کیا۔؟ "

پٹھان نے کہا:

" حضرت نے ایسا فرمایا تھا۔"

اُنھوں نے کہا:

" تیرے حضرت کی ایسی کی تیسی۔"

اور پھر اسی طرح حضرت کو گالیاں دینی شروع کیں۔ پٹھان سے نہ رہا گیا اور کہنے لگا:

" شرم نہیں آتی۔ اِس قدر بڑے بزرگ کو سخت سُست کہتی ہو!"

اِس پر وہ اور بھی بگڑیں اور بہت شور مچایا۔ یہ سُن کر حضرت مرزا صاحبؒ باہر آئے اور پٹھان سے کہا:

" چُپ چُپ کچھ نہ کہو، خاموش رہو!"

پٹھان نے کہا:

" حضور! آپ کو گالیاں دیتی ہیں۔"

فرمایا:

" کچھ فکر نہیں اِسی بیوی کی وجہ سے تو میں نوازا گیا ہُوں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو مجھ پر یہ عنایات نہ ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دِن مجھ سے

فرمایا کہ ایک عورت ہے جو بہت تند مزاج ہے۔ لیکن مجھے بہت پیاری ہے۔ کیا اس سے شادی کرو گے؟۔ مَیں نے عرض کیا: جی ہاں! کروں گا۔ چنانچہ شادی ہو جانے کے بعد ہمیشہ مَیں ان کی تنگ مزاجی کو برداشت کرتا رہا ہُوں اور اسی وجہ سے مجھ پر یہ عنایات ہُوئی ہیں۔"

اِس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ مرزا صاحبؒ کس قدر نازک مزاج تھے لیکن اِمتحان کے لئے کس قدر سخت مزاج بیوی دی گئی۔

بزرگوں کو آزمانا بڑی غلطی ہے

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دن حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے ہاں یہ واقعہ بیان ہو رہا تھا کہ کسی نے اِمتحان کی خاطر حضرت مرزا جان جاناںؒ حضرت مولانا فخرؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو اپنے گھر پر دعوت دی۔ جب ان میں سے ہر ایک بزرگ آتے گئے تو اس نے ان کو الگ الگ کمرہ میں بٹھایا۔ اور ایک دُوسرے کی موجودگی سے اُن کو بے خبر رکھا۔ اَب اُن سب کو بٹھا کر وہ کہیں باہر چلا گیا اور شام کو بہت دیر کے بعد واپس آ کر پہلے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا:

"حضرت! کیا کروں آج میری بیوی سخت بیمار ہوگئیں۔ ان کے لئے دوا لینے کی خاطر سارا دن سرگرداں پھرتا رہا۔ کھانا وغیرہ تیّار نہ ہو سکا۔ لیجئے یہ دو آنے ہیں۔ بازار سے روٹی خرید لیجئے گا۔"

آپ نے وہ دو آنے لئے اور فرمایا:

"کوئی بات نہیں گھروں میں ایسا ہو جاتا ہے۔"

جب وہ حضرت مولانا فخرؒ کی خدمت میں گیا اور معذرت کے طور پر وہی قصہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا:

"خیر آج میرا پیٹ بھی خراب تھا۔ میزبان کی خاطر کچھ نہ کچھ ضرور کھانا

پڑتا اور اگر کچھ کھا لیتا تو بیمار ہو جاتا۔"

انھوں نے بھی دو آنے لے لئے۔ اسی طرح وہ شخص حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کی خدمت میں گیا اور وہی ماجرا بیان کیا۔ انھوں نے وہ دو آنے لے لئے اور فرمایا:

"آئندہ فقیروں کے ساتھ ایسا مذاق نہ کرنا۔"

اِس پر حضرت مولانا گنگوہیؒ سے ان تینوں حضرات کا مرتبہ دریافت کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا:

"حضرت مرزا صاحبؒ کا مرتبہ زیادہ بلند تھا۔ ان کا مزاج نہیں دیکھتے کہ کس قدر نازک تھا اس کے باوجود انھوں نے دو آنے لے لئے اور اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ آئندہ فقیروں کے ساتھ ایسا مذاق نہ کرنا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا فخرؒ تو پس چکے تھے۔ ان کے لئے اِس بدتمیزی کو برداشت کرنا کیا مشکل تھا۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک عورت نے حضرت مولانا فخرؒ کی دعوت کی۔ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ کھیر میں شکر نہیں ڈالی جاتی تھی۔ بلکہ دسترخوان پر شکر الگ رکھ دی جاتی تھی اور مہمان اپنی مرضی کے مُطابق کھیر میں شکر ڈالتا اس عورت نے غلطی سے پسا ہُوا نمک ان کے آگے رکھ دیا۔ چنانچہ نمک کے دو تین چمچے انھوں نے کھیر میں ڈال دیئے اور خوب مزے سے کھا کر چلے گئے۔ جب عورت کو پتہ چلا کہ اُس نے چینی کی بجائے نمک کا برتن دسترخوان پر رکھ دیا تھا تو آپ کے پیچھے دوڑی۔ معافی مانگی اور کہا:

"مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مَیں نے شکر کی بجائے نمک آپ کے سامنے رکھ دیا۔"

آپ استغراق کی حالت میں تھے۔ فرمایا:

"اچھا نمک تھا۔ کوئی ہرج نہیں معمولی بات ہے۔"

اِس کے بعد فرمایا جب ان کی یہ حالت تھی تو اس شخص کی بدتمیزی سے ان کو کیا تکلیف ہوتی۔ اصل امتحان تو حضرت مرزا صاحبؒ کا تھا کہ انھوں نے سب کچھ برداشت کرلیا ورنہ دو آنے اس کے مُنہ پر مارتے اور ایسی سزا دیتے کہ وہ کبھی نہ بھولتا۔

عاشقی بہتر ہے یا معشوقی؟

اِس کے بعد عشق کے متعلق گفتگو ہونے لگی فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا :

" عاشق بننا چاہتے ہو یا معشوق؟

آپ نے سوچا کہ اگر عاشقی طلب کرتا ہوں تو عاشقی سرفروشی ہے۔ بے حد آزمائش و امتحان اور بلا و مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ اگر معشوقی چاہوں تو یہ بھی نامناسب بات ہے۔ اپنے منہ سے کس طرح محبوبیت کا مرتبہ طلب کیا جا سکتا ہے چنانچہ آپ بہت فکرمند تھے کہ کیا جواب دُوں۔ اللہ تعالیٰ نے چوبیس گھنٹے کی مہلت دے کر فرمایا :

' اچھا کل اِسی وقت جواب دینا۔"

آپ رات کے وقت تشویش کی حالت میں گشت لگا رہے تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا پریشانی بڑھتی جاتی۔ اِس تشویش کے عالم میں ایک طرف سے آواز آئی :

" بس۔ اِتنی عبادت کی۔ اتنے مراتب حاصل کیے۔ معمولی سے سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔"

آپ نے اس طرف دیکھا تو ایک غریب فقیر پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ایک دُکان پر بیٹھا بھاڑ جھونک رہا تھا۔ بہت حیران ہوئے کہ یہ راز تو میرے اور اللہ کے درمیان تھا۔ ان کو کیسے معلوم ہُوا اور خوش بھی ہوئے کہ کوئی تو ہمدرد ملا۔ جونہی آپ آگے بڑھے انھوں نے کہا :

" بس وہیں رہو۔ آگے مت آؤ۔ کل بارہ بجے مجھ سے مِلنا۔ میں سوال کا جواب تمھیں بتا دوں گا۔"

جب دُوسرے دِن وقتِ مقرّرہ پر وہاں گئے اور دیکھا تو کوئی بھی نہ تھا۔ لوگوں سے دریافت کیا :

" یہاں ایک دَرویش رہتے تھے، وہ کہاں ہیں؟ "

انھوں نے کہا :

" یہاں تو کوئی دَرویش وغیرہ نہیں رہتے۔ "

جب آپ نے بتایا :

" یہاں بیٹھ کر جھاڑ پھونکا کرتے تھے۔ "

تو لوگوں نے کہا :

" اچّھا وہ بَدمعاش۔ اجی صاحب آپ کو تو اس کا علم نہیں وہ تو بہت ظالم تھا۔ کئی سنگین جُرم کیے۔ کئی لوگوں کو قتل کیا اور آخر کار آج وہ گرفتار کر لیا گیا اور گدھے پر بٹھا کر اُسے تمام شہر میں پھرایا گیا اور اس کے بعد پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ پھانسی کے بعد اُتار کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ ایسے مُجرم کا یہ حشر ہوتا ہے۔ اور پھر ان ٹکڑوں کو شہر کی فلاں جانب ایک گھُورے پر پھینک دیا گیا ہے۔ تاکہ کُتّے اور چیل کوّے کھا جائیں۔ "

اَب حضرت محبوب سُبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت حیران ہُوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ انھیں یہ تو یقین تھا کہ وہ ولی اللہ ہیں۔ اگر ولی اللہ نہ ہوتے تو انھیں اس راز کا علم نہ ہوتا۔ بہر حال یہ خیال کر کے کہ ولی اللہ جو وعدہ کرتے ہیں پُورا کرتے ہیں۔ آپ اُس گھُورے پر تشریف لے گئے، جہاں اُن کے جسم کے ٹکڑوں کو پھینک دیا گیا تھا جب آپ نزدیک پہنچے تو ان ٹکڑوں میں حرکت ہُوئی اور اکٹھے ہو گئے۔ اِس کے بعد وہ دَرویش اُٹھ بیٹھے۔ یہ دیکھ کر کوّے وغیرہ اُڑ گئے۔ انھوں نے اُٹھتے ہی کہا :

"عاشقی کا حشر دیکھ لیا۔ تمام عمر بھاڑ جھونکوائی۔ پھر گدھے پر سوار کر کے بازار میں پھروایا۔ لوگوں سے گالیاں دلوائیں۔ بدمعاش اور مجرم کہلوایا، اس پر بھی اکتفا نہ کیا۔ دار پر لٹکوایا جسم کے ٹکڑے کروائے اور شہر کی سب سے گندی جگہ پر ٹکڑوں کو کتوں کے آگے پھینکوا دیا۔ یہ ہے عاشقی۔ اب تم نازک مزاج ہو یہ حیثیتیں کب برداشت کر سکتے ہو۔ رہا معشوقی، یہ بھی بہت نازک معاملہ ہے۔ اپنے منہ کس طرح معشوقی طلب کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا نہ تو عاشقی مانگو اور نہ معشوقی۔ اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرو کہ یا اللہ! تو مالک ہے۔ تیرا فیض عام ہے۔ جو چیز تو پسند کرے میں راضی ہوں۔ میں اس قابل نہیں کہ خود طلب کروں۔"

یہ کہہ کر وہ لیٹ گئے۔ جسم کے اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور کوّے اور کتّے پھر نزدیک آنے لگے۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں ہٹایا۔ لیکن وہ پھر آ گئے۔ آپ نے جلال کی نظر سے ان کی طرف دیکھا تو سب جل کر راکھ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی چادر کو زمین پر بچھایا اور ٹکڑوں کو جمع کر کے سر پر رکھ کر اپنی خانقاہ میں لے آئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا۔ نعش میں بدبو ہو گئی تھی۔ لوگوں نے عرض کیا:

"حضور! آپ کی طبع مبارک بہت لطیف ہے آپ یہ بدبو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ آپ الگ ہو جائیں، ہم سب کچھ کر لیں گے۔"

آپ نے فرمایا:

"تم لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اس مرد نے میرے ساتھ کیا احسان کیا ہے۔"

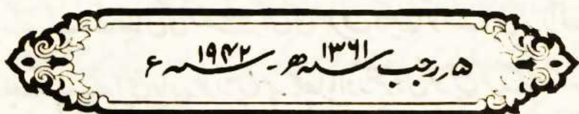
چنانچہ تجہیز و تکفین کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی اور وہیں خانقاہ کے اندر آپ کو دفن کیا گیا۔ حضرت غوث الاعظم رضؓ نے حکم دیا:

"جو شخص میرے پاس آنا چاہے، پہلے ان کے مزار پر فاتحہ پڑھے اور پھر میرے

پاس آئے اور واپسی پر بھی فاتحہ پڑھ کر جائے۔"

چنانچہ یہ دستور آج تک قائم ہے۔ اِس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ یہ ہے عاشقی۔

فلسفۂ معصیت ایک دفعہ فرمایا کہ دُنیا میں معصیت کا وجود بھی ضروری ہے۔ کیونکہ دُنیا میں حق تعالیٰ کی شفقت، رحمت اور عنایت اس قدر بے پایاں ہے کہ اسکو COUNTERACT یعنی توازن قائم رکھنے کے لئے معصیت کا وجود لازمی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ حضرت غریب نوازؒ کی درگاہ میں بھی لوگوں کی خرافات۔ خادموں کی بدتمیزی اور نازیبا حرکات میں یہی حکمت ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ کی کائنات میں حُسن ہی حُسن ہے۔ اور حُسن کے لئے خال کا ہونا ضروری ہے۔ معصیت ایک خال ہے، جو حُسن کی رونق کو دوبالا کر دیتا ہے۔



۵ رجب سنہ ۱۳۶۱ھ ۔ سنہ ۱۹۴۲ء

تقدیر کو کوئی چیز نہیں بدل سکتی مگر دُعا آج صبح حضرتِ اقدسؒ اپنی علالت کا ذکر فرما رہے تھے۔ سیڑھیوں سے گرنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اتنے زور سے سر کے بل گرے کہ پہلے کھڑکی میں جا کر سر لگا، پھر نیچے آپڑے اور گرتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ عبد القیوم صاحب موجود تھے وہ اُٹھا کر اُوپر لے گئے۔ لیکن نہ تو کوئی چوٹ آئی، نہ سر پھُوٹا، نہ ہڈی ٹوٹی۔ عینک گر گئی تھی۔ رات کا وقت تھا، لوگ آتے جاتے رہے۔ اغلب تھا کہ کسی کے پاؤں کے نیچے آکر ٹوٹ جاتی لیکن وہ بھی صحیح سلامت مِل گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گرتے ہی کسی نے گود میں لے لیا اور بے ہوش کر کے

عارضی درد وغیرہ کی تکلیف سے بھی محفوظ کرلیا۔ یہاں تک کہ عینک تک کو محفوظ رکھا۔ یہ ایک کرشمۂ قدرت تھا اور اللہ تعالیٰ کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ اس قدر زبردست حادثہ میں بچالیا۔ تو معمولی زکام میں کیوں اس قدر پریشان ہوتے ہو فرمایا گھر والے دو دفعہ اُمید چھوڑ بیٹھے تھے۔ بس ہم یہ جانتے ہیں کہ موت کا ایک وقت معیّن ہے۔ نہ ایک ساعت پہلے آسکتی ہے نہ بعد اپنے وقتِ مقررہ پر آئے گی اور اسکو کوئی نہ روک سکے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تقدیر کو کوئی چیز نہیں بدل سکتی مگر دُعا۔ صرف دُعا ہی سے تقدیر بدل سکتی ہے۔ کسی دنیوی سبب سے نہیں بدل سکتی۔ بزرگ جب بیماری کا علاج کرتے ہیں تو دراصل وہ موت سے بچنا نہیں چاہتے بلکہ اللہ کی پیدا کردہ جڑی بوٹیوں کے اثرات کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے علاج کروانا سُنّت ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ہر مومن کی دُعا قبول ہوتی ہے لیکن اس کی تین صُورتیں ہیں: ——

- ایک یہ کہ دُعا ہُو بہو قبول ہوجائے۔ یعنی جو کچھ طلب کیا ہے وہ اسی دُنیا میں مِل جائے۔

- دُوسری صورت یہ ہے کہ جو چیز بندہ نے مانگی تھی وہ اللہ کے علم میں اس کے لئے مفید نہ تھی تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض کوئی دُوسری نعمت اسی دُنیا میں عطا فرمادے۔

- تیسری صورت یہ ہے کہ جو دُعائیں اس دُنیا میں قبول نہیں ہوتیں ان کا ثمرہ آخرت میں مِل جائیگا اور اس کو دیکھ کر سب لوگ خواہش کریں گے کہ کاش دُنیا میں ہماری سب دُعائیں نامنظور ہوتیں اور ان سب کا ثمرہ یہاں ملتا۔

۲۱ اپریل ۱۹۴۳ء

کم عقلی کی وجہ

آل انڈیا مُسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی کے موقعہ پر فرمایا کہ دُنیا LUNATIC ASYLUM (پاگل خانہ) بنی ہوئی ہے۔ ان لوگوں (یعنی انگریز و ہندو) کی عقل ماری گئی ہے۔ فرمایا "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ" عقل بھی ایک نور ہے۔ جتنا جتنا یہ لوگ خدا سے دُور ہوتے جاتے ہیں عقل سے بھی دُور ہوتے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہونے کی وجہ سے عقل میں زیادتی ہوتی ہے اور دُور ہونے سے عقل کم ہوتی ہے۔

رُوح کی غذا چند نوالے

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر نے صرف آلو اور چاول سے روکا ہے اور ہمیں ان دو چیزوں سے رغبت ہے اِس لئے اللہ تعالیٰ نے رغبت کی چیز لے لی۔ پارٹی کے ایک دو آدمی کھانا کھا کر تحلیلِ غذا کے لئے باہر گئے ہوئے تھے۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ اِس قدر کھا لیتے ہیں کہ اسے ہضم کرنے کے لئے ان کو سیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرمایا رُوح تو اپنی خوراک چند نوالوں سے لے لیتی ہے۔ باقی جس قدر کھایا جاتا ہے موجب فساد ہوتا ہے۔

اقلیت کی حکومت

ایک موقعہ پر فرمایا کہ ہمیشہ اقلیت کی حکومت رہتی ہے۔ MAJORITY RULE یعنی اکثریت کی حکومت کا دُنیا میں کہیں وجود نہیں ہے۔ فرمایا انگریز اقلیت میں ہیں لیکن ہندوستان پر حکومت کر رہے ہیں جب مسلمان ہندوستان میں آئے تو اقلیت میں تھے۔ لیکن حاکم بن کر رہے۔ محمد بن قاسم کے ساتھ تھوڑے آدمی تھے لیکن اِتنے بڑے مُلک پر حکمران تھا۔

شیر جنگل میں ایک ہوتا ہے۔ گیدڑ، بھیڑیے، ہرن بے شمار ہوتے ہیں لیکن حکومت شیر ہی کی ہوتی ہے۔ فرمایا کائنات میں بھی حکومت اللہ کی ہے۔ جو ایک ہے اور IRREDUCIBLE MINORITY (ناقابلِ تخفیف اقلیت) ہے۔ فرمایا پاکستان بھی ہم کو SATISFY (مطمئن) نہیں کرسکتا۔ ہم تمام ملک پر حکومت کریں گے۔ یہ لوگ ہمارے اصول قبول کر کے بھائی بن جائیں یا غلام بن کر رہیں۔ کوئی COMPROMISE نہیں ہوسکتا۔ فرمایا COMPROMISE منافقت ہے۔ اور منافقت کفر سے بھی بدتر ہے۔ درکِ اسفل منافقین کی جگہ ہے فرمایا: اسلام اور کفر کے درمیان COMPROMISE (مصالحت) ہو ہی نہیں سکتا۔ یا مسلمان ہوجائے یا کافر رہے۔ درمیان میں کوئی چیز نہیں ہے۔ کسی نے عرض کیا:

"مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟"

فرمایا:

"ہر وقت جذبۂ جانبازی اور قوتِ ایمان کی ضرورت ہے۔"

اس کے بعد اجمیر شریف کی ہندو مسلم شورش ۱۹۲۴ء کا ذکر فرمانے لگے۔

اجمیر شریف کا ہندو مسلم فساد

فرمایا اس شورش میں اگرچہ مسلمان اقلیت میں تھے اور نہتے تھے۔ پھر بھی انھوں نے جلانے کی لکڑیاں وغیرہ ہاتھ میں لے لیں۔ اس ہمت اور جانبازی سے ہندوؤں کا مقابلہ کیا کہ نعشوں کے ڈھیر لگا دیے۔ جب پولیس ناکام ہوگئی تو فوج بلائی گئی۔ درگاہ شریف کے اندر کافی تعداد میں مسلمان جمع تھے۔ فوج کا کمانڈر انگریز تھا۔ اُس نے آتے ہی بلند دروازہ کے سامنے مشین گن لگادی اور گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ لیکن کسی ایک شخص کے بھی گولی نہ لگی۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ دونوں ہاتھوں سے دو رومال فضا میں ہلا رہے تھے اور گولیاں دروازہ کے دونوں طرف دیوار میں پیوست ہوجاتی تھیں۔ یہ منظر اس فوجی افسر نے بھی دیکھا۔ اور

جب وہ فوج کو واپس لے جارہا تھا تو مسلمانوں نے چھتوں پر سے اینٹ پتھر برسانے شروع کئے۔ اس وقت بھی وہی بزرگ ظاہر ہوئے اور ہاتھوں کا سایہ کئے ہوئے
"نکل جا نکل جا!"
کہتے ہوئے دھکے دے کر اس افسر کو محفوظ راستہ تک پہنچا دیا جب شہر میں کچھ امن ہوگیا تو وہ انگریز افسر متولی نثار احمد مرحوم کے ہمراہ درگاہ شریف آیا اور اِدھر اُدھر حجروں میں کسی کو تلاش کرنے لگا۔ متولی صاحب نے دریافت کیا:

"آپ کو کس کی تلاش ہے؟"

کہنے لگا:

"اوہ ہم ایک بڈھے کو دیکھتا ہے۔ اُس نے ہمارا جان بچایا ہے۔ ہم کو بچانے کا واسطے ہمارا اُوپر ہاتھ رکھا تو اُس کا ہاتھ کو پتھر بھی لگا ہے۔ ہم اس کو انعام دے گا۔"

متولی صاحب مسکرائے اور اُس سے کہا:

"وہ اَب آپ کو نہیں مِل سکتا۔ وہ خود صاحبِ مزار تھے۔ اس قسم کے واقعات یہاں بہت ہوتے ہیں۔"

وہ انگریز یہ سُنکر بہت متاثر ہوا اور یہ ساری باتیں اُس نے دورانِ مقدمہ اپنے بیان میں کہیں۔ نقل چیف کمشنر کے دفتر میں اس وقت بھی موجود ہے۔ جس کا جی چاہے جاکر دیکھ لے۔

فنائیت فی الشیخ

اِرشاد فرمایا ہمارے مولانا صاحبؒ سے کسی نے ایک مرتبہ فنائیت فی الشیخ۔ فنائیت فی الرسول۔ اور فنائیت فی اللہ کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا فنا فی الشیخ کا ہونا ہی فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ ہونا ہے۔ کیونکہ شیخ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہوتا ہے، اِس لئے جب شیخ میں فنائیت کا مقام حاصل ہوگیا تو فنائیت فی

الرسُول اور فنائیت فی اللہ خود بخود حاصل ہوگئی۔ اگر پانی کا ایک گلاس سمندر میں ڈال دیا جائے تو کہا جائے گا کہ یہ پانی سمندر میں فنا ہوگیا ہے۔ اگرچہ وہ تھوڑا سا پانی پورے سمندر میں فنا نہیں ہُوا۔ سمندر کے ایک چھوٹے سے حصّہ میں فنا ہُوا ہے۔ اِس کے بعد حضورؒ نے پان کی ڈبیہ اُٹھا کر فرمایا اگر اس کو سمندر میں ڈال دیں تو جتنا اِس کا حجم ہے اتنی جگہ میں فنا ہوگی۔ لیکن اس کو فنا فی السمندر ہونے کا مقام حاصل ہوگیا۔ لہٰذا فنا ہونے کے لئے ذات کے کسی ایک مظہرِ کامل میں فنا ہو جانا ذات میں فنا ہو جانا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ حسن سنجریؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

مورِ مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

برکاتِ مصائب

اس کے بعد مصائب کے برکات کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ ایک مُرید نے عرض کیا:

"تکلیف کے وقت میں اپنے قلب میں ایک قسم کی رضا اور خوشی محسوس کرتا ہُوں۔"

آپ نے فرمایا:

"ہاں انشراحِ قلب ہو جاتا ہے۔"

اُس نے پھر عرض کیا:

"اِس خوشی سے ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں یہ ایک قسم کا چیلنج نہ ہو جائے۔ اور آزمائش نہ شروع ہو جائے۔"

حضورؒ نے فرمایا:

"جب مصیبت کے نزول پر شکر اور خوشی کا احساس ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ اپنی طرف منسوب کرنا بُرا ہے۔ بس یہی سمجھے کہ مُصیبت بھی اُسی نے دی ہے اور صبر و شکر اور خوشی بھی اُسی

نے دی ہے ۔"



۱۱ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ ۔ ۱۹۴۳ء

آج دو بجے حضورِ اقدسؒ حسبِ معمول تشریف لائے۔ حضرت شاہ شہید اللہ صاحب۔ حاجی عبدالحق صاحب۔ عبدالسلام صاحب اور احقر حاضرِ خدمت تھے۔ آتے ہی فرمایا کہ آج کا DAWN (ڈان) دیکھا TONE (انداز) بدل گیا ہے۔ روما (ROME) پر قبضہ ہو جانے کے بعد حالات تبدیل ہو گئے ہیں۔ فرمایا یہ لوگ (انگریز) مکاری پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس شخص کو کسی فن میں کمال ہوتا ہے اس کی موت اکثر اسی میں ہوتی ہے۔ شیر کا شکاری اکثر شیر کے ہاتھوں مرتا ہے سانپ کا پکڑنے والا اکثر سانپ کا شکار ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ مکاری اور ڈپلومیسی میں ماہر ہیں۔ جب فوج سے کچھ نہ ہوسکا تو ڈپلومیسی کو بروئے کار لاتے ہیں اور اس پر وہ ناز کرتے ہیں۔ فرمایا یہ اپنی ڈپلومیسی سے تباہ ہونگے۔ اپنے اس ناز میں ایسا کام کر بیٹھیں گے جس سے تباہ ہو جائیں گے۔

اولیائے کرام کی تصانیف کے برکات

اس کے بعد امام غزالی علیہ الرحمۃ کی کتاب طبِ جسمانی و طبِ روحانی کا درس دیا۔ درس ختم ہونے پر حضرت شاہ شہید اللہ صاحب نے کہا:

"اس کو دو تین مرتبہ پڑھنا چاہیئے۔"

آپؒ نے فرمایا: دس مرتبہ پڑھنا چاہیئے۔ جس طرح قرآن پڑھتے وقت ہر دفعہ معانی اور انکشافات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام کی تصانیف میں بھی وہی برکت ہوتی ہے۔ بار بار پڑھنے سے مدارج طے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانِ کامل اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ اس کے کلام میں بھی کسی حد تک وہی بات ہوتی ہے۔ فرمایا

ایک شخص کو حضرت بایزید بسطامیؒ کے ۲۳ معراجوں کا علم تھا اور چوبیسویں معراج کا علم نہ تھا۔ ایک دفعہ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ کی کتاب "تذکرۃ الاولیاء" وضو کرکے اٹھائی اور پڑھنے لگا۔ بس اسی وقت چوبیسویں معراج کا علم ہوگیا۔ اسے بتایا گیا کہ چونکہ تم نے ایک ولی اللہ کی کتاب کی حرمت کی ہے۔ اس کی برکت سے تمھیں یہ انعام ملا ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

"اس قسم کی کتابیں اور بھی ہیں۔"

مثنوی گلشنِ راز

مثلاً مثنوی گلشنِ راز۔ یہ ایک بزرگ کی لکھی ہوئی ہے۔ اور بہت مختصر کتاب ہے۔ اس کی شرح ایک اور بزرگ نے لکھی ہے، جو مرتبہ میں ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ کتاب پڑھنی چاہیئے لیکن آجکل ملنا مشکل ہے۔ ہم نے ایک کاپی بہت مشکل سے حاصل کی۔ ایک دفعہ ہمارے مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

" آج کتاب پڑھنے کو جی چاہ رہا ہے۔ کوئی کتاب لادو۔"

میں نے وہی مثنوی اٹھا کر دی۔ دیکھ کر فرمایا:

"ارے اس کی تو ہمیں عرصہ سے تلاش تھی۔ تم نے کہاں سے لی۔ اچھا یہ ہمیں دے دو، تم اور لے لو۔"

چنانچہ وہ کتاب میں نے حضور کی خدمت میں پیش کردی اور ہم نے محمد حسین سے کہا

"ایک اور نسخہ تلاش کردو۔"

ان کے کسی دوست کے گھر میں کاغذوں اور کتابوں کے ڈھیر کے اندر وہ کتاب مل گئی۔

اس کے بعد احقر نے عرض کیا:

" حاجی صاحب نے آج غنیۃ الطالبین حاصل کرلی ہے۔"

حاجی صاحب نے کہا:

" ترجمہ بہت خراب ہے۔ آیات اور احادیث کا بھی ترجمہ کردیا گیا ہے۔" فرمایا پنجاب

میں بھی یہی حال ہے۔ عام فہم بنانے کے لئے کتاب کو خراب کر دیتے ہیں۔ ابنِ جوزی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "تلبیسِ ابلیس" ہے۔ اس میں انھوں نے تمام فرقوں کے نقائص بیان کئے ہیں علماء و فقہاء کے علاوہ صوفیائے کرام پر بھی نکتہ چینی کی ہے اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی الزام لگایا ہے۔ جن کے وہ ہم عصر تھے۔ ابنِ جوزی نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو حکم فرمایا:

"اس کے کوڑے لگاؤ۔"

جب وہ بیدار ہوئے تو کوڑوں کے نشان جسم پر موجود تھے اور درد بھی محسوس ہو رہا تھا۔ فوراً توبہ کی اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاکر مرید ہو گئے اور تصوف کی حمایت میں بہت کتابیں لکھی ہیں اور اکابر اولیاء میں سے ہوئے ہیں۔ اب لاہور میں اس کتاب "تلبیسِ ابلیس" کا ترجمہ کیا گیا ہے اور غیر مقلد لوگ اس کو صوفیائے کرام کی مخالفت میں استعمال کر رہے ہیں۔ اور یہ کسی کو نہیں بتلاتے کہ اس کے بعد وہ تائب ہو گئے۔ اور بہت سی کتابیں اس کی تردید میں لکھیں۔

ترجمہ قرآن بغیر متن

اس کے بعد حاجی صاحب نے کہا کہ آجکل لاہور میں ترجمہ بغیر متن کا سوال اُٹھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ بالکل غلط ہے۔ ترجمہ بغیر متن بہت نقصان دہ ہے۔ قرآن شریف کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے اور آج تک اس میں زیر زبر کا فرق نہیں ہوا۔ لیکن توریت اور انجیل میں تحریف اِس وجہ سے ہوئی کہ متن کے بغیر ترجمہ کیا گیا۔

فرمایا: اصل چیز تو متن ہے۔ قرآن شریف کا ہر حرف پڑھنے سے دس نیکیاں صرف متن ہی سے مل سکتی ہیں ترجمہ سے نہیں۔ فرمایا: بعض لوگ ایک صفحہ پر متن اور دوسرے پر ترجمہ لکھ دیتے ہیں۔ یہ بھی خطرناک ہے۔ ترجمہ بین السطور ہونا چاہیئے تاکہ ہر شخص غلطی کو دیکھ کر درست کر سکے۔ اگر متن الگ اور ترجمہ الگ ہے تو مقابلہ کرتے وقت

بہت تکلیف ہوتی ہے۔ نیز فرمایا کہ آجکل کتابوں کے ترجمہ میں دھوکہ ہوگیا ہے۔ عبارات نکال ڈالنے کے علاوہ ترجمہ کرنے والے متن کے مفہوم کو بالکل بگاڑ دیتے ہیں اور ترجمہ کرتے وقت ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، جن سے معنی مختلف ہو جاتے ہیں۔

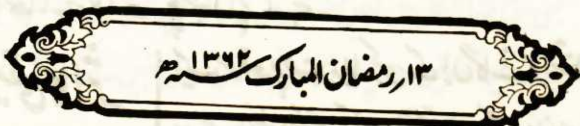
اولیاء کی خدمت میں حاضری کے آداب

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اولیاء کرام کی خدمت میں بغیر اجازت نہیں جانا چاہیئے۔ جب ایک معمولی افسر کے پاس آدمی بغیر اجازت نہیں جا سکتا تو اولیاء کرام کے سامنے کس طرح جا سکتا ہے۔ فرمایا ایک دفعہ ایک بزرگ اپنے مقام پر بیٹھے تھے اور دروازہ پر پہرہ دار کھڑا تھا۔ جو بغیر اجازت کسی کو اندر آنے نہیں دیتا تھا۔ ایک صاحب آئے۔ دربان نے انھیں روکا اور شیخ سے اجازت حاصل کر کے انھیں اندر جانے دیا۔ جب وہ شیخ کی خدمت میں پہنچے تو کہنے لگے: ع

درِ درویش را درباں نہ باید (درویش کے دَر پر دَربان نہیں ہونا چاہیئے)

انھوں نے فی البدیہہ جواب دیا۔ ع

بباید تا سگِ دُنیا نیاید (ہونا چاہیئے تاکہ دُنیا کا کُتا نہ آئے)



۱۳ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ

آج سہ پہر بعد درس طبِ جسمانی اور طبِ رُوحانی حضرت اقدسؒ نے حضرت شاہ شہید اللہ صاحب سے فرمایا:

"آج کچھ سمجھ میں آیا؟"

انھوں نے کہا:

"کچھ تھوڑا تھوڑا سمجھ میں آگیا ہے۔"

فرمایا: جو شخص دریا میں غوطہ لگاتا ہے۔ اس کے جسم کو دریا کا پانی اسی قدر چھوتا ہے جتنا اس کے جسم کا محیط ہے۔ اب اگر وہ چاہتا ہے کہ زیادہ پانی اس کے جسم کو لگے تو کسی اور جگہ غوطہ لگائے۔ اسی طرح ہر نئی جگہ پر غوطہ لگاتا رہے، کچھ نہ کچھ پانی اس کے جسم کو لگتا رہے گا۔ لیکن دریا ختم نہ ہوگا۔

فقیری آسان مشیخت مشکل

اس کے بعد فرمایا کہ فقیری آسان ہے۔ لیکن مشیخت مشکل ہے۔ فقیر چاہے کھانا کھائے یا نہ کھائے۔ جنگل میں چلا جائے۔ شہر میں آجائے۔ اللہ میاں سے جھگڑے جو چاہے کرتا پھرے۔ لیکن شیخ کا کام بہت مشکل ہے۔ اسے ہر بات کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ سب سے مشکل بات یہ ہے کہ اپنے مریدین کے قلوب کے تزکیہ کے لئے انھیں اپنی بلندیاں چھوڑ کر نیچے اُترنا پڑتا ہے اور پھر اُوپر جانا پڑتا ہے۔ اسی طرح ہر وقت اُترتے چڑھتے رہتے ہیں۔ اور غلیظ اور بدبُودار قلوب کو دھونے میں انھیں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی ڈرائنگ روم سے نکل کر بیت الخلا میں جا بیٹھے۔ یا باورچی خانہ یا غسل خانہ میں چلا جائے۔ شیخ کو نیچے آکر مرید سے تھوڑا اُوپر رہنا پڑتا ہے۔ ورنہ بلند مقام پر رہ کر مُرید کی صفائی نہیں کر سکتے۔ جیسے ایک دراز قد آدمی جب چھوٹے بچے کو اوپر اٹھاتا ہے تو اسے نیچے جُھکنا پڑتا ہے۔

موسیقی کا اثر

ایک موقعہ پر فرمایا۔ کسی کے ہاں گانے کا انتظام تھا بہت سی طوائفیں آئی ہوئی تھیں۔ ایک دن صاحب خانہ نے سب کو مِل کر گانے کے لئے کہا۔ جب سب نے مل کر گانا شروع کیا تو خیمہ میں آگ لگ گئی۔ اسی طرح کلیر شریف میں بھی ہمارے سامنے ایک خیمہ جل گیا۔

فرمایا ایک دفعہ الور میں ہم مسرور شاہ کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ وہ ہمارا وسط کا زمانہ تھا۔ بارہ بجے رات کو اگر گانا سُننے کا خیال آجاتا تو بھوک سے زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔ ایک رات میں نے شاہ صاحب سے کہا:

" آج کچھ حالت خراب ہو رہی ہے گانا سنوائیے ! "

انھوں نے کہا :

" یہاں راجہ کے قوال ہیں اگر وہ کسی کے ہاں جائیں تو راجہ ان سے ناراض ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کے مکان پر چلے چلیں اور وہیں گانا سُن لیں۔ "

چنانچہ ہم اُن کے مکان پر گئے۔ وہ سب سوئے ہُوئے تھے۔ انھیں جگایا اور گانے کیلئے کہا۔ انھوں نے فوراً قوالی شروع کردی۔ ہم نے کہا :

" ہم یہ نہیں سُنتے۔ تم اپنے ہُنر کی چیز سناؤ۔ "

چنانچہ انھوں نے پکّے راگ شروع کئے۔ اور خوب گائے۔ ہم نے کہا :

" یہ ہُنر ساتھ نہ لے جانا کسی کو بتا کر جانا۔ "

اُس نے کہا :

" حضور ! یہ میرا لڑکا ہے۔ اس کو بھی بتانے کو جی نہیں چاہتا۔ اگلے زمانہ میں عُمر بڑی ہوتی تھی۔ آرام کا سامان مہیّا ہوتا تھا۔ غذا اچھّی ملتی تھی۔ لہٰذا ایک ایک سُر سات سات سال تک نکالا کرتے تھے۔ اور اس کا اثر بھی ہوتا تھا۔ جنگل میں کہیں شیر مل جاتا تو جیسے اُس نے "سا" کہا شیر بھاگ گیا۔ کنوئیں سے پانی نکالنا ہُوا رسّی ڈول نہیں ہے "سا" کہا اور پانی خود بخود اُوپر آگیا۔ "

فرمایا : یہ صرف CONCENTRATION (جماؤ) کی بات ہے۔ خُدا تو ہر جگہ موجود ہے۔ جو کام رغبت اور لگاؤ سے کیا جائے اس کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

فرمایا : اِسی طرح ناچ ہے۔ یہ تمام کائنات ناچ رہی ہے "کن" کی آواز کے بعد کائنات DANCE (رقص) میں آگئی۔ اگر دُنیا سے الگ ہو کر ایک طرف کھڑے ہو جاؤ اور دُنیا کا تماشہ دیکھو تو تمام حرکات ایک دِلچسپ ناچ ہیں۔ ناچ

MOVEMENT (حرکت) کا حُسن ہے۔ MUSIC (موسیقی) آواز کا حُسن ہے اور شاعری کلام کا حُسن ہے۔ وہی حُسن ہے۔ "اَللّٰہُ جَمِیۡلٌ یُحِبُّ الۡجَمَال" عارف ہر چیز کو دیکھ کر وجد میں آجاتا ہے اور خشک مزاج مولوی ہر چیز کو دیکھ کر جل بھن جاتا ہے۔ یہاں پر اکبر الٰہ آبادی کا ایک شعر پڑھا۔ جس کا مطلب یہ ہے:

"اے فلاسفر تو بھی کائنات کو دیکھتا ہے اور میں بھی دیکھتا ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تو دیکھتا ہے اور سوچتا رہتا ہے اور میں دیکھتا ہوں اور وجد میں آجاتا ہوں۔"

فرمایا: ہندوستان ہمیشہ رُوحانیت کا مرکز رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام لنکا میں اُترے، اسی وجہ سے جنوبی ہندوستان میں جھاڑیوں وغیرہ کے پتّوں میں خوشبو پائی جاتی ہے۔ اور یہ وہی خوشبوئیں ہیں جو آدم علیہ السلام بہشت سے لائے تھے۔

اسمِ رحیم کی تعریف

ایک دفعہ فرمایا کہ لفظ رحیم کی تعریف صُوفیاءِ کرام اس طرح کرتے ہیں، کہ اگر ایک چیز کسی عام آدمی سے مانگی جائے تو وہ ضرور تنگ دِل ہوگا۔ اگر کوئی بہت نیک دِل انسان ہے تو تنگ دِل نہیں ہوگا بلکہ وہ چیز دے کر خوشی محسوس کرے گا۔ لیکن رحیم کے یہ معنی ہیں کہ اگر اسے نہ مانگیں تو ناراض ہوتا ہے۔

خدمتِ خلق

ایک موقعہ پر فرمایا کہ دُنیاوی کاروبار میں انسان کو خدمتِ خلق کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر دو عہدے ہیں، ایک میں تنخواہ زیادہ ہے اور خدمت کا موقع کم ملتا ہے۔ اور اگر دُوسری جگہ ہے جس میں کام زیادہ ہے اور تنخواہ کم ہے۔ مثلاً ڈاکٹر وغیرہ کا عہدہ تو وہی کم تنخواہ والا عہدہ قبول کرنا چاہیئے۔ دُنیا میں مُسلمان کا مشغلہ خدمتِ خلق ہونا چاہیئے۔ مُسلمان نفس پرست نہیں ہوتا ہے۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

حفظِ مراتب ایک موقع پر فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک مست ہاتھی آرہا تھا اور مہاوت چِلّا چِلّا کر کہہ رہا تھا :

"ہٹ جاؤ، مست ہاتھی آرہا ہے۔"

ایک گرو کا چیلا راستے میں جارہا تھا۔ اُس نے مست ہاتھی کو دیکھ کر کہا :

"وہی تو ہے"

اور نزدیک سے گذرا۔ ہاتھی نے اسے سُونڈ سے پکڑ کر پاؤں کے نیچے روند ڈالا۔ جب لوگوں نے گرو سے جاکر کہا تو اُس نے چیلے کو گالی دے کر کہا کہ :

"اس کا حشر ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا، کیونکہ اس نے "یا مُضِلُّ" کے مظہر کو تو دیکھا۔ لیکن "یا ھادی" کا مظہر جو اُوپر بیٹھا خطرہ سے متنبّہ کر رہا تھا، اس کی پروا نہ کی۔"

فرمایا : ع

کافر نہ شدی لذّتِ ایماں چہ شناسی

کے یہی معنی ہیں۔ ہر ایک چیز اپنی اپنی جگہ پر الگ حکم رکھتی ہے۔ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

ہر مرتبہ ز وجود حکمے دارد
گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

فرمایا : ایک دفعہ ایک بزرگ نے لوگوں سے کہا :

"کائنات میں کسی غیر کا وجود نہیں ہے۔ سب کچھ وہی ہے۔"

لوگوں نے پاخانہ لاکر آپ کے سامنے رکھا اور کہا :

"اگر سب کچھ وہی ہے تو اسے کھائیے!"

انھوں نے کہا: "ہاں لے آؤ!"

چنانچہ وہ خنزیر کی صورت میں تبدیل ہو گئے اور اسے مزہ سے کھالیا اور پھر اپنی صورت میں آ گئے۔ ہر جانور کے لئے اپنی اپنی خوراک ہے اور پاخانہ خنزیر کی مرغوب غذا ہے۔ فرمایا: اسی طرح ہر ایک چیز کا الگ الگ مقام ہے۔ اور الگ الگ مرتبہ ہے۔ ہر چیز کو اسی اعتبار سے دیکھنا چاہئیے۔

علمِ غیب

ایک دفعہ علمِ غیب کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا کہ بزرگ بھی عجیب عجیب باتیں کہہ دیتے ہیں۔ ایک دِن مولانا اشرف علی تھانوی سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا:

"ارے بھائی! جسے تم علمِ غیب کہتے ہو وہ علمِ غیب تو اللہ کو بھی نہیں ہے۔ علمِ غیب کے معنی یہ ہیں کہ اس چیز کا علم جو غیب ہے۔ اب اللہ سے کون سی چیز غائب ہے۔"

فرمایا: جو بزرگ مستقبل کی باتیں بتاتے ہیں تو وہ بھی لوحِ محفوظ پر دیکھ کر بتاتے ہیں، وہ علمِ غیب تھوڑا ہی ہے۔ لندن میں ایک لڑکی تھی جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جاتی تھی تو لوگ اس سے جا کر دریافت کرتے تھے۔ وہ بتا دیتی تھی کہ کہاں پڑی ہے۔ ایک صاحب ہندوستان سے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس (گول میز کانفرنس) میں شریک ہونے کے لئے لندن گئے ہوئے تھے۔ اُن کے کچھ ضروری کاغذات گم ہو گئے۔ انھوں نے جا کر اُس لڑکی سے دریافت کیا۔ اُس نے کہا:

"ہندوستان میں تمھارے گھر کے اندر فلاں کمرے میں اور فلاں بکس میں کپڑوں کی تہہ میں پڑے ہوئے ہیں۔"

جب وہ ہندوستان واپس آئے تو پہلا کام یہی کیا کہ گھر جا کر وہی کمرہ اور وہی بکس کھولا۔ کپڑوں کو اُٹھا کر دیکھا تو کاغذ موجود تھے۔ اُس آدمی نے مجھ سے کہا:

" دیکھئے مشرک لڑکی کو بھی علمِ غیب ہے ۔"

مَیں نے کہا :

" بھائی وہ علمِ غیب کہاں ہے ۔ اُس نے تو دیکھ کر بتایا ہے یہ جو قرآن شریف میں ہے

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ط	اس کے ہاں غیب کی کُنجیاں ہیں جنکو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا عِلم چونکہ لامحدود ہے ۔ اس کا احاطہ کرنا قوّتِ بشر سے بعید ہے ۔ لیکن دِل کی آنکھیں کھُل جانے کے بعد اگر ارواح اور فرشتے وغیرہ نظر آنے لگیں تو اس میں کیا مضائقہ ہے ۔ "

سماع

اِس کے بعد فرمایا کہ دیوبند کے ایک بزرگ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ گاڑی میں سفر کر رہے تھے ۔ اِتفاقاً مولانا محمد حُسین صاحبؒ الہٰ آبادی کی ایک چوکی بھی سفر کر رہی تھی ۔ قوالوں نے جب انھیں دیکھا تو ان کو حضرت مولانا محمد حُسین صاحبؒ یاد آ گئے ۔ اور وہ غمگین ہوئے ۔ ان بزرگ سے عرض کیا :

" حضرت وہ دِن تھے کہ آپ کے پیر بھائی ہم سے سُنا کرتے تھے اگر فرمان ہو تو کچھ عرض کریں ۔ "

فرمایا : " اچھا "

جب انھوں نے گانا شروع کیا تو ان پر بہت رقّت طاری ہُوئی اور سخت بے قرار ہُوئے ۔ اس کے بعد فرمایا :

" یہی وجہ تھی کہ ہمارے شیخ نے ہمیں سماع سے منع فرمایا تھا کیونکہ ہم میں قوّتِ برداشت نہیں ۔ "

سماع کسی سلسلہ میں ممنوع نہیں

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضور اس کی کیا وجہ ہے کہ دُوسرے سلسلوں کے مشائخ سماع کو حرام سمجھتے ہیں۔ فرمایا سماع کو کوئی حرام نہیں سمجھتا۔ اس میں سب متفق ہیں صرف علماء ظواہر میں اختلاف ہے۔ سلسلۂ نقش بندیہ کے امام حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقش بندؒ کا مقولہ ہے:

" نہ انکار می کنم نہ ایں کار می کنم "

یعنی نہ مجھے سماع سے اِنکار ہے اور نہ سماع سُنتا ہوں۔ ان کے سماع نہ سننے کی وجہ یہ ہے کہ نسبت نقش بندیہ میں خاموشی ہے وہ سب کام خاموشی سے کرتے ہیں اور اسی میں ان کے مدارج طے ہوتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نسبتِ نقش بندیہ کا تعلق حضرت اُبو بکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ اور آپ فطرتاً بہت خاموش تھے۔ اس لئے سلسلہ نقش بندیہ میں خاموشی اِختیار کی جاتی ہے اور شور و شغب موافق نہیں آتا۔ اسکے برعکس نسبتِ چشتیہ میں ذوق و شوق اور جوش و خروش ہے خوب گانا سنتے ہیں، اور رقص کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ سے کسی نے دریافت کیا:

" نسبتِ نقش بندیہ اور نسبتِ چشتیہ میں کیا فرق ہے؟ "

فرمایا:

" نقش بندیوں کا نشہ، افیون کی پنک کی طرح ہوتا ہے لیکن چشتیوں کا نشہ شراب کا سا نشہ ہے۔" یہ ہے نقش بندی حضرات کا سماع کے متعلق خیال۔

حضرت غوثِ اعظم رضؓ اور سماع

اب رہا سلسلہ قادریہ۔ قادریہ سلسلہ کے امام حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں آدابِ سماع پر ایک باب لکھا ہے۔ (حاجی عبدالحق نے اسی شام کو کتاب بازار سے خریدی۔ پہلے دِن جلدی میں وہ باب نہ

ملا۔ لیکن دوسرے دن مِل گیا۔) اس کے بعد فرمایا کہ اِمام محمد غزالیؒ کے بھائی امام احمد غزالیؒ نے ایک رسالہ لکھا ہے (وہ رسالہ احقر کے پاس موجود ہے) اس میں آپؒ نے لکھا ہے:

"سماع فعلِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ اور جس شخص نے سماع کو حرام کہا اس نے فعلِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو حرام کہا۔ اور فعلِ رسُول کو حرام کہنے والا بالاتفاق کافر ہے[1]۔"

اِمام ابُوحنیفہؒ اور سماع

فرمایا حضرت اِمام ابُوحنیفہؒ کے پڑوس میں ایک گوّیا رہتا تھا جس کا نام عبداللہ تھا اور جو آخر رات میں گانا گایا کرتا تھا۔ اور اکثر ایک شعر گایا کرتا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ اِس دُنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے۔ ایک دفعہ اس کا گانا بند ہوگیا۔ آپؒ نے دریافت فرمایا:

"اس کو کیا ہُوا آجکل گانے کی آواز نہیں آرہی ہے؟"

لوگوں نے عرض کیا:

"اس کو کوتوال پکڑ کر لے گیا ہے۔ اور اب وہ جیل خانہ میں ہے۔"

یہ سُن کر آپؒ جیل خانہ گئے۔ اور داروغہ جیل سے کہا:

"عبداللہ کو رہا کردو!"

داروغہ جیل حضرت اِمام صاحبؒ کا اِس قدر احترام کرتا تھا کہ یہ بھی نہ دریافت کیا کہ کِس عبداللہ کی رہائی مطلوب ہے۔ جیل خانہ میں جتنے عبداللہ نام کے تھے سب کو رہا کردیا۔ چنانچہ رہا ہونے کے بعد وہ گوّیا اِمام صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ آپؒ نے اُس سے دریافت کیا:

"پھر تو تم نہیں گاؤ گے کہ دُنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے؟"

---

[1] سماع پر بانیٔ سلسلۂ سہروردیہ حضرت شیخ شہابُ الدین سہروردیؒ کی تصنیف "عوارف المعارف" میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

اُس نے عرض کیا :

" اگر حضور چاہیں تو بندہ مکان پر حاضر ہو کر اپنا گانا سُنایا کرے ۔"

آپ نے فرمایا :

" بس تم اپنے گھر پر گالیا کرو ۔"

امام صاحب کے اِسی فعل سے حنفیوں نے سرودِ ہمسایہ کو حلال ٹھہرایا ہے ۔

امام احمد حنبلؒ اور سماع

فرمایا حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ کا ایک لڑکا تھا ۔ اُسے گانا سُننے کا بہت شوق تھا ۔ ایک دفعہ شہر میں ایک بڑا ماہرِ فن گویّا آیا جو آخر رات میں ستار بجایا کرتا تھا ۔ اَب ان کے دِل میں اس گویّے سے ستار سُننے کا شوق پیدا ہُوا ۔ رات کو باہر اس لئے نہیں جا سکتے تھے کہ والد صاحبؒ ناراض ہوں گے ۔ اور گھر پر اس لیے نہیں بُلا سکتے تھے کہ والد صاحبؒ گھر پر خود موجود تھے ۔ آخر کار جب شوق نے بہت مجبور کیا تو گویّے کو مکان پر بُلا لیا ۔ اور اس کے آنے کی کِسی کو خبر نہ کی ۔ پچھلی رات بالاخانہ پر اسے لے گئے اور دروازے بند کر کے اس سے کہا :

" آہستہ آہستہ اپنا سِتار بجاؤ ! "

اُس نے آہستہ آہستہ شروع کیا اور آپ سُنتے رہے لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا ، تو خود بھی جوش میں آکر بولنے لگے اور گویّا بھی بے پروا ہو گیا ۔ غرضیکہ خوب شور مچ گیا اور خوب مجلس گرم رہی ۔ کچھ دیر کے بعد انھیں خیال پیدا ہُوا کہ کہیں امام صاحبؒ بیدار نہ ہو جائیں ۔ جب نیچے جھانکا کیا دیکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ رقص کر رہے ہیں ۔ سماع چونکہ تھوڑی دیر کے لئے بند ہو گیا تھا ۔ امام صاحبؒ نے پکار کر کہا :

" ارے بند مت کرو ، جاری رہنے دو ۔"

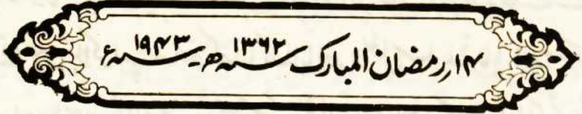
امام صاحبؒ کے لڑکے نے کہا :

" حضرت ! آپ تو منع فرمایا کرتے تھے ۔"

آپ نے فرمایا:

"ایسی چیز سے کب منع کرتا ہوں۔"

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو گانا سن کر وجد آگیا تھا۔



ماضی اور حال کے مجاہدہ میں فرق

آج بعد دوپہر حضرت اقدسؒ حضرت مولانا فخرؒ کی سوانح حیات کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ تم لوگ افسوس کرتے ہو گے کہ اس زمانہ میں پیدا ہوئے۔ پہلا زمانہ کتنا اچھا تھا کثرت سے مشائخ موجود تھے اور روحانیت و عرفان کا دور دورہ تھا۔ لیکن تم کو معلوم نہیں کہ اس زمانہ میں مجاہدہ بھی بہت سخت لیا جاتا تھا۔ فرمایا حضرت مولانا فخرؒ کی خدمت میں ایک شخص جن کا مولوی عبد اللہ نام تھا اور چند اور لوگ بیعت کی غرض سے حاضر ہوئے۔ آپؒ نے لنگر خانہ میں کہلوا دیا:

"انھیں کھانے کو کچھ نہ دیا جائے۔"

دو تین دن کے فاقہ کے بعد باقی سب لوگ رخصت ہو گئے۔ صرف مولوی عبد اللہ رہ گئے۔ اسی طرح پانچ روز گذر گئے اور کچھ نہ ملا۔ اب بھوک کے مارے ان کا برا حال ہو گیا۔ پانچویں روز باہر سے کچھ کھانا آیا اور حضرت نے انھیں اپنے پاس بلوا بھیجا بہت خوش ہوئے کہ اب کھانا ملے گا۔ آپ نے ان کے سامنے کھانا دوسرے لوگوں کو تقسیم کر دیا اور ان کو کچھ نہ دیا۔ حضرتؒ کو خربوزہ بہت پسند تھا۔ خربوزہ کھا کر چھلکے باہر صحن میں پھینک دیئے۔ مولوی عبد اللہ کو خیال آیا کہ رات کو جب سب لوگ سو جائیں گے تو یہ چھلکے کھا کر پیٹ بھر لوں گا۔ ادھر حضرتؒ نے انھیں بلا کر کہا:

" ایسا نہ ہو کوئی چھلکوں پر پھسل جائے، اِن کو اُٹھا کر کہیں دُور
پھینک دو ۔"

ان کی روشن ضمیری دیکھ کر ان کا اعتقاد اور پُختہ ہوگیا۔ اور انھوں نے دِل میں مصمّم اِرادہ کرلیا کہ خواہ مر جاؤں یہاں سے ہرگز نہ جاؤں گا ۔ سات روز گذر جانے کے بعد حضرتؒ نے انھیں بُلا کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور داخلِ سلسلہ فرمایا۔ اور سلوک تمام کرنے کے بعد انھیں خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم لوگ یہ کب برداشت کر سکتے ہو۔ تمھارے لئے یہی زمانہ اچھا ہے۔ اس زمانہ میں لوگ کمزور، کم ہمّت اور کم عمر ہوتے ہیں اس لئے مجاہدہ بھی اِتنا سخت نہیں لیا جاتا ۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت شاہ عبدُالحق ردولویؒ کا ایک مُرید تھا۔ جن کا نام نجتیار تھا وہ بھی آپ کے خلفاء میں سے ہیں ۔ ایک دفعہ آپ نے انھیں بُلا کر کہا :

" یہاں کنواں کھود دو !"

کھودنے کے لئے سامان کی ضرورت ہوتی ہے ۔ انھوں نے یہ دریافت نہ کیا کہ سامان وغیرہ کہاں سے لاؤں ۔ جیسے ہی حُکم مِلا، عرض کیا :

" بہت اچّھا ! "

اور کام شروع کردیا۔ کنواں کھود کر حضرتؒ کو اِطّلاع دی تو حضرت نے فرمایا :

" اچّھا اب کنواں بند کردو ! "

اتنی محنت سے تن تنہا انھوں نے کنواں کھودا تھا۔ جب بند کرنے کا حکم ملا تو یہ بھی نہ کہا کہ اگر بند کروانا مقصود تھا تو کھدوایا کیوں گیا۔ فوراً بند کر کے زمین ہموار کردی۔ جب یہ کام مکمّل ہوگیا تو اسی میں ان کی تکمیل ہوگئی۔ اِس کے بعد فرمایا۔ اصل بات CONCENTRATION (جماؤ) ہے۔ ان کی تمام توجّہ کنواں کھودنے پر تھی۔ اور شیخ کی توجّہ ان پر تھی ۔ دونوں اپنا کام کر رہے تھے ۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت نظام الدّین بلخیؒ کی خِدمت میں ایک شخص حاضر

ہو کر بیعت سے مشرف ہُوا۔ آپ نے اُسے پانی بھرنے کی خدمت سپرد کی۔ بس وہ ہمیشہ یہی کام کرتا رہتا تھا اور کچھ نہیں کرتا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد اُسے رُخصت کر دیا۔ اور فرمایا :

" بس جاؤ، تمھارا کام ہو گیا۔"

اَب وہ حیران تھا کہ مَیں نے تو کچھ نہیں کیا اور نہ کچھ حاصل ہی ہُوا، کیا کروں۔ خیر تعمیلِ حکم میں وہ روانہ ہو گیا۔ اَب ہر منزل پر اس کا ایک مقام طے ہوتا گیا۔ بلخ ہندوستان سے بہت دُور ہے۔ جب گھر پہنچا تو تکمیل ہو گئی۔ فرمایا یہ بھی CONCENTRATION کی بات ہے۔ بس اسے ایک کام میں لگا دیا۔ جب توجہ ایک جگہ جم گئی تو شیخ نے اپنا کام کر دیا۔

حضرت مولانا فخرؒ اور انکے خلفاء

فرمایا کہ حضرت مولانا فخرؒ کے بہت خلفاء تھے۔ حضرت خواجہ نور محمدؒ صاحب مہارویؒ (بھاول پور) بھی آپ کے خلیفہ ہیں۔ پنجاب میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ حضرت خواجہ نور محمد صاحب مہارویؒ کے ذریعے پھیلا ہے۔ فرمایا : مولانا فخرؒ کے ایک اور خلیفہ جے پور میں ہیں جن کا اسمِ گرامی مولانا ضیاء الدینؒ ہے۔ جے پور میں اِسلام ان کے ذریعے پھیلا ہے۔ اِس سے پہلے جے پور میں مُسلمان کم تھے۔ اذان دینے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ اذان کو وہ لوگ منحوس سمجھتے تھے۔ منحوس اِس لئے کہ جہاں اذان ہوتی تھی ان کا کُفر رخصت ہو جاتا تھا۔ مولانا ضیاء الدینؒ شہر میں گئے اور ایک جگہ ٹھہر کر اذان دی اور اکیلے نماز پڑھ لی۔ چنانچہ یہی ان کا دستور رہا ــــ ھندوؤں میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ راجہ کو رپورٹ کی گئی۔ راجہ سمجھدار تھا۔ اُس نے کہا :

" فقیروں کو چھیڑنا اچھا نہیں، انھیں اپنے حال پر رہنے دو۔"

ایک دفعہ رانی پر آسیب کا اثر ہُوا۔ اور پنڈتوں نے راجہ سے کہا :

"اب اس فقیر کے آزمانے کا وقت ہے۔"

راجہ نے کہا:

"اچھا رانی کو وہاں بھیجتے ہیں۔"

انھوں نے کہا:

"حضور بھیجنا کیسا یہیں بُلوا لیجئے۔"

راجہ نے کہا:

"نہیں یہ بے ادبی ہے۔ رانی کو ان کے ہاں بھیجیں گے۔"

رانی ان کے مکان پر گئی۔ آپ نے اُس کے کان میں اذان دِی اور وہ اچھی ہوگئی۔ راجہ زیادہ معتقد ہوگیا۔ اور کبھی کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ ایک دفعہ وہ دیوی کی پُوجا کے لئے جارہا تھا۔ مولانا صاحبؒ کا مکان راستہ میں تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے آپ کی خدمت میں جاکر بیٹھا اور پھر اجازت طلب کی۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"جاتے کہاں ہو، تھوڑی دیر اور بیٹھو۔"

اُس نے کہا:

"دیوی کے درشن کے لئے جارہا ہوں۔"

آپ نے فرمایا:

"ٹھہر جاؤ دیوی جی یہیں آجاتی ہیں۔ مَیں وضو کرکے نماز پڑھ لوں۔"

جیسے ہی انھوں نے وضو کرنا شروع کیا۔ راجہ نے دیکھا کہ دیوی پانی کا لوٹا ہاتھ میں لے کر اُن کو وضو کرا رہی ہے۔ اِسی طرح اس نے آپ کے پاؤں پر پانی ڈالا اور وضو پُورا کرکے جب آپ نماز میں مشغول ہُوئے تو وہ بیٹھ گئی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے راجہ سے فرمایا:

"دیکھ لیا تم نے دیوی کو!"

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اِس طرح اسلام پھیلایا ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت مولانا فخرؒ کے ایک اور خلیفہ ہیں جن کا اسمِ گرامی مولانا شمسُ الدّینؒ ہے اور اجمیر شریف میں درگاہ شریف کے اندر چار یاروں میں ان کا مزار ہے۔ اجمیر شریف سے باہر ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ شہر کے اندر اِس لئے نہیں رہتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی وقت بے وضو ہو جائیں یا کوئی بے اَدبی سرزد ہو۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی :

" مجھے دَرگاہ شریف میں دفن کرنا۔ "

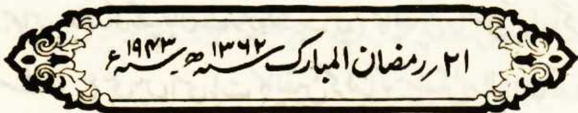
جب ان کا وصال ہُوا تو اس وقت اجمیر شریف کے گرد و نواح میں طاعون پھیلا ہُوا تھا، اور باہر سے آنے والے جنازوں کا داخلہ بند تھا۔ چنانچہ آپ کا جنازہ شہر کے دَروازہ پر روک دیا گیا۔ آپ کے مریدین لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جب جھگڑا بڑھنے لگا تو آپ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا :

" یار زندوں کو بھی اندر نہیں جانے دیتے ؟ "

جب لوگوں نے یہ دیکھا تو کہنے لگے :

" تم لوگوں نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ہے۔ ایک زندہ کو پلنگ پر لٹا کر لے آئے ہو۔ "

چنانچہ وہ پھر پلنگ پر لیٹ گئے۔ اور جنازہ اندر لے جا کر آپ کو درگاہ شریف کے احاطہ میں دفن کر دیا گیا۔



یقین اِرشاد فرمایا کہ یقین بہت ضروری چیز ہے۔ تمام رِیاضات و مشاغل یقین حاصل کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ سُلطان بایزید بسطامیؒ سے کسی نے دریافت کیا :

" آپ نے تیس (۳۰) برس میں کیا کیا ریاضتیں کیں ؟ "

آپ نے فرمایا :

" میری ادنیٰ ریاضت کا تم یقین نہیں کروگے اور اگر اعلیٰ ریاضت کی کیفیت بیان کروں تو تم سُن نہیں سکوگے ۔"

اُس نے عرض کیا :

" اچھا ادنیٰ ریاضت کے متعلق بیان فرمایئے۔"

آپ نے فرمایا :

" ایک روز میرے نفس نے پلاؤ کھانے کی خواہش کی لیکن میں اسکی مخالفت کرتا رہا۔ جب نفس نے بہت مجبور کیا تو میں نے کہا اچھا تیری یہ خواہش پوری کئے دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ اور کوئی خواہش نہ کروگے۔ جب نفس نے مان لیا تو میں نے پلاؤ پکوایا اور نفس سے کہا، اَب کھا جتنی تیری مرضی ہو۔ پلاؤ کھانے کے بعد نفس نے کہا پانی ۔ میں نے کہا : خبردار اَب کوئی خواہش نہ کرنا ۔ تیرے ساتھ شرط ہوئی ہے۔ چنانچہ میں نے سال بھر اپنے نفس کو پانی نہ دیا ۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں :

" ان مجاہدات کے بعد مجھے نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ (ہم اس سے اس کی رگِ جان سے زیادہ قریب ہیں) کا یقین حاصل ہوا ۔ اگر شروع ہی میں اسی بات کا یقین کر لیتا تو تیس (۳۰) سال اِس قدر سخت مجاہدات نہ کرنے پڑتے ۔"

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ بس یقین کی ڈگری کے مطابق انکشاف ہوتا ہے۔ جس کو " نَحۡنُ اَقۡرَبُ " کا یقین ہے ۔ اس کا کام فوراً ہوجاتا ہے۔ فرمایا مراقبہ یقین پوری قوت سے کرنا چاہیئے بس پورا یقین کر کے مراقبہ پر جانا چاہیئے ۔ فرمایا ہمارے

مولانا صاحبؒ ایک دفعہ حج پر صرف ایک چادر، عصا اور تسبیح لے کر روانہ ہوئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے :

" اُس دفعہ جس قدر آرام حاصل ہُوا، پہلے کبھی نہ ہُوا تھا۔"

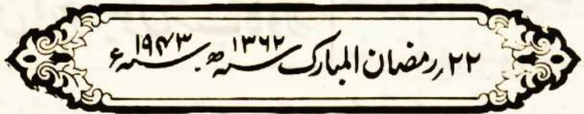
حالانکہ بیسیوں آدمی ساتھ ہُوا کرتے تھے ۔

یوم کی تعریف

فرمایا "کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ" میں یوم کے معنی تجلّی کے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر تجلّی میں نئی شان ہے۔ دن بھی تو سُورج کی تجلّی کی ایک بھینک کا نام ہے۔

شریعت کی زکوٰۃ اور طریقت کی زکوٰۃ

فرمایا کہ شریعت کی زکوٰۃ چالیس رُوپیہ پر ایک رُوپیہ ہے اور طریقت کی زکوٰۃ چالیس رُوپے پر اکتالیس رُوپے ہے ۔ ایک رُوپیہ اس بات کا جرمانہ ہے کہ اِتنا رُوپیہ جمع کیوں کیا۔



جھُوٹا خواب بیان کرنا اللہ پر جھُوٹ بولنا ہے

آج اِمام غزالیؒ کی کتاب طبِّ جسمانی وطبِّ رُوحانی کے درس کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت عمرؓ کا مقولہ ہے :

" خواب اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی ہے ۔ اور جھُوٹا خواب بنا کر بیان کرنا اللہ تعالیٰ پر جھُوٹ بولنا ہے ۔"

فرمایا اللہ تعالیٰ بندہ سے ہم کلام ہوتا رہتا ہے ۔ کبھی خواب کے ذریعے اور کبھی کسی دُوسرے آدمی کی وساطت سے۔ بس شک کو دِل میں جگہ نہیں دینی چاہیئے اور ہمیشہ پُختہ یقین رکھنا چاہیئے۔ وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے ۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ جو بات دریافت کرنی ہو اسی سے دریافت کرلو۔ نجومیوں

فال بینوں اور قیافہ دانوں کے پیچھے نہیں دوڑنا چاہیئے۔ اسی ایک کے دروازے پر بیٹھ جانا چاہیئے۔ بس دل میں یہ کہے کہ یہاں سے ہرگز نہیں اُٹھیں گے۔ کھانا نہیں کھائیں گے بھوکے مر جائیں گے۔ لیکن یہ در نہیں چھوڑیں گے۔ اگر سالک اس استقلال سے کام لے تو پردہ بہت جلد اُٹھ جاتا ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ ہر وقت انسان سے ہم کلام رہتا ہے۔ صوفیائے کرام کا مقولہ ہے کہ ذات وصفات میں تعطّل نہیں ہے۔ کلام بھی ایک صفت ہے۔ اس لئے اس کا کلام بھی ہر وقت جاری ہے۔ بس دل میں یہی مراقبہ کرکے بیٹھ جائے تو ہم کلامی نصیب ہو جائے گی۔ اور اس بات کا شک دل میں نہ آنے دینا چاہیئے کہ پردہ اُٹھے گا یا نہیں اُٹھے گا۔ بس یقینِ محکم سے جم کر بیٹھ جائے۔ خود بخود پردہ اُٹھ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔ یعنی میں اپنے بندے کے خیال کے مطابق اس سے معاملہ کرتا ہوں۔

رمضان کی چوبیسویں شب کا ورد

فرمایا کل چوبیسویں شب ہے۔ بعد مغرب "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" ہر دو سورتوں کا ورد رکھنا چاہیئے۔ تراویح کے بعد بھی پڑھتے رہو۔ حتّٰی کہ پڑھتے پڑھتے سو جاؤ۔ سال بھر اس کا اثر رہتا ہے۔ موذی جانور جادو اور آسیب سے امان ملتی ہے اور خطرات و وساوس سے حفاظت رہے گی۔ فرمایا چوبیس کے عدد میں ایک حکمت ہے۔ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نبوّت کے بعد تیرہ برس مکّہ معظّمہ میں اور گیارہ برس مدینہ منوّرہ میں رہے۔ آپؐ کی نبوّت کا زمانہ چوبیس برس ہے، اس لئے چوبیسویں شب کو خاص درجہ حاصل ہے۔

قیافہ، نجوم اور علمِ جفر میں شق القمر کے بعد فرق

اِس کے بعد فرمایا۔ جن لوگوں پر کوئی مصیبت یا برے دن آتے ہیں۔ وہ یا تو چھ سال رہتے ہیں یا بارہ سال

اور پامسٹری والے (قیافہ دان) سات سال بتاتے ہیں فرمایا ان لوگوں کو علم نہیں ہے۔ تمام علم انبیاء علیہم السّلام کی بدولت حاصل ہوئے ہیں۔ علمِ نجوم حضرت ادریس علیہ السّلام کو کشف کے ذریعے معلوم ہوا اور ان سے یہ علم چلا آرہا ہے۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں معجزۂ شقّ القمر کے بعد نظامِ شمسی میں فرق آگیا اور اگلے علم سب غلط ہو گئے۔ لیکن ان لوگوں کو اس کا فرق معلوم نہیں ہُوا۔ اور اَب جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے۔ یہ فرق بڑھتا جاتا ہے کیونکہ ایک نقطہ سے جب دو لکیریں نکلتی ہیں تو شروع میں ان میں کم تفاوت ہوتا ہے لیکن جتنا ان کو بڑھایا جائے اتنا ہی تفاوت بڑھتا جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ائمہ اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین علمِ نجوم سے خوب واقف تھے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ علم منکشف ہُوا۔ ایک نجومی آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور اپنا علم آپ کے سامنے بیان کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا:

"یہ سب غلط ہے!"

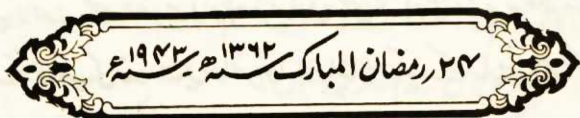
فرمایا:

"آنکھیں بند کرو!"

جب اُس نے آنکھیں بند کیں تو اصلی حالت اس کو نظر آنے لگی۔ یہ دیکھ کر وہ آپ کے ہاتھ پر مُسلمان ہو گیا۔ اَب اس کو صحیح علم حاصل ہو گیا۔ لیکن اس نے یہ کام کرنا چھوڑ دیا۔ کیونکہ اہل اللہ کے لئے یہ بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ فرمایا علمِ جفر بھی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا۔ اور اس علم کو جو جفر کہا جاتا ہے وہ آپؓ ہی کے اسم گرامی جعفرؓ کا مخفّف ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہمارے مولانا صاحبؒ کے بھانجے سیّد ہاشم میاں کو علمِ جفر میں کافی مہارت ہے۔ انھوں نے یہ علم حکیم صاحب کو بھی سکھایا ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے ایک حکایت بیان فرمائی۔

جس میں اِمتحان کے پرچے علمِ جفر کے ذریعے معلوم کئے گئے تھے۔

فرمایا اس کا اُصول یہ ہے کہ تمام حروف تہجی کے گروپ کر دیئے گئے ہیں۔ اَب یک سوال اور اس کے جواب میں تمام حروف پُورے کر دیئے جاتے ہیں اس لئے جب سوال کے حروف معلوم ہو گئے تو PERMUTATION AND- COMBINATION کے ذریعہ باقی حروف کو جوڑ کر جواب نکال لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور اصول اور قواعد بھی ہیں۔ فرمایا: لوگ نجوم کی وجہ سے اس لئے کافر ہو گئے کہ انھوں نے کواکب کو متصرف حقیقی سمجھا حالانکہ کواکب کی مثال قلم کی سی ہے۔ قلم کے اُوپر ہاتھ ہے۔ اور ہاتھ کے اُوپر دماغ۔ لیکن یہ لوگ قلم کو متصرف حقیقی سمجھ کر گمراہ ہو گئے۔



نیند کے برکات

فرمایا وہ یاد ہے سورۂ فلق اور ناس کا ورد۔ بس پڑھتے پڑھتے سو جاؤ۔ سو جانے سے وظیفہ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ فرمایا سالک کے لئے جس طرح جاگنا ضروری ہے۔ اسی طرح نیند بھی ضروری ہے۔ کیونکہ نیند میں ایسی باتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ جن کا حالتِ بیداری میں نہیں ہو سکتا۔ فرمایا حضرت محی الدین ابن العربیؒ لکھتے ہیں:

"رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سب سے زیادہ ریاضت کرنے والے تھے۔ رات کو ۲ نفل طویل کر کے پڑھتے۔ پھر اتنی دیر سو جاتے اور پھر اُٹھ کر دو نفل پڑھتے۔"

فرمایا رات کو جاگنا تو آسان ہے لیکن سو کر جاگنا مشکل ہے اور ہر دو نفل کے بعد سو جانا اور پھر جاگنا تو نہایت ہی مشکل ہے۔ حضرت ابن عربیؒ فرماتے ہیں:

" مَیں نے اس سُنّت پرعمل کیا اور بہت فائدہ حاصل کیا ۔"

بات یہ ہے کہ سونے کا فائدہ بیداری کے وقت حاصل ہوتا ہے ۔کیونکہ جو چیز نیند میں حاصل ہوتی ہے اس کی بدولت بیداری میں زیادہ فیضان مِلتا ہے ۔فرمایا اسی لئے کوئی شغل کرتے کرتے سوجانا ضروری ہے ۔ اِس سے رُوح اس کام میں لگ جاتی ہے اور حالتِ خواب میں بھی کام جاری رکھتی ہے ۔

حُبِّ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم

ایک دفعہ اِرشاد فرمایا کہ حضرت صہیبؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے ۔آپ رُومی تھے اور پہلے پہل جب مکّہ میں آئے تو وہاں کسی کے غلام کی حیثیت سے رہتے تھے اور بعد میں تجارت کرتے کرتے بہت مالدار ہوگئے تھے ۔یہ وہی شخصیت ہیں ،جن کے متعلق یہ شعر ہے ؎

حَسَنؓ زبصرہ بلالؓ از حبش صہیبؓ از رُوم
زخاکِ مکّہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

فرمایا جب حضرت صہیبؓ مکّہ سے مدینہ آنے لگے تو آپ کے پاس بہت مال تھا ۔لیکن کفار نے سَب مال روک دیا ۔انھوں نے کہا :

" تم تو ہمارے غلام تھے ۔گھر سے کیا لائے تھے ۔سب کچھ یہاں کا جمع کیا ہُوا ہے ۔"

اِس پر آپؓ نے فرمایا :

" اچھا مال روکتے ہو تو روک لو، لیکن مجھے جانے دو ۔"

چنانچہ وہ اکیلے تن تنہا چلے آئے اور رسولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔

فرمایا یہ لوگ رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر فریفتہ تھے کہ اپنے جان ومال ، ماں باپ اور اولاد سب سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو محبوب رکھتے تھے ۔

ایک دن سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عُمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا

" جب تک تم مجھے اپنے مال واسباب اور اولاد بلکہ اپنی جان سے زیادہ محبُوب نہیں سمجھوگے، مومن نہیں ہوسکتے ۔ "

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا :

" حضُور میں تو اپنے اندر ایسی محبّت نہیں پاتا ۔ "

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :

" کیا نہیں پاتے ؟ "

عرض کیا :

" اَب پاتا ہُوں ۔ "

اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اس گفتگو کے دَوران حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کو فیضانِ نبوی پہنچا اور اسی وقت ان کی حالت میں فرق آگیا ۔

ایک مرتبہ حضرت اقدسؒ نے امام غزالیؒ کی کتاب کے درس کے دَوران فرمایا کہ مراتب وجود اور دیگر حقائق سب کشف کے ذریعہ معلوم ہوجاتے ہیں ۔ کتابوں کے پڑھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ مکشوفات بیان کرنے کے لئے الفاظ مل جاتے ہیں ، اور کیفیات سمجھنے میں آسانی رہتی ہے ۔

حضرت عُمرؓ کا عشقِ رسُولؐ

آج خلافت کے متعلق گفتگو ہورہی تھی ۔ فرمایا رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے دِن حضرت عُمرؓ تلوار لے کر کہتے پھرتے تھے :

" جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وصال ہوگیا ہے ۔ اس کے دو ٹکڑے کر دُوں گا ۔ "

فرمایا اِس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اِس قدر محبّت تھی کہ آپؐ کے وصال کی بات اُن کے کان سُن نہیں سکتے تھے ۔

بندہ کے لئے نقص، اللہ کے لئے خوبی

ایک دفعہ اِرشاد فرمایا کہ رسّی کے دو سِرے ہیں جو سِرا انسان کی طرف کا ہے اس پر جو بعض چیزیں نقص تصوّر کی جاتی ہیں وہ دُوسرے سِرے پر یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب والے سِرے پر خوبی کہلاتی ہیں۔ مثلاً غرور اور تکبّر انسان کے لئے عیب ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عین صفتِ کمال ہے۔

نورِ محض پیکرِ رسُولؐ میں

ایک دفعہ درس دیتے ہُوئے فرمایا کہ آفتاب کے اُوپر جب بادل آجاتا ہے تو اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکتے ہیں لیکن بادل نہ ہو تو آفتاب پر نظر نہیں ٹھہرتی۔ اِسی طرح نُورِ ازلی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیکرِ جسمانی کی آڑ میں نظر آنے لگا۔ اس سے پہلے وہ نُورِ محض تھا۔

سلوک میں آرام کی ضرورت

اِس کے بعد عبدالسلام نے عرض کیا کہ کیا آج چھٹّی ہے؟ فرمایا ہاں آج چھٹّی ہے۔ آج تراویح کے بعد آرام کرو۔ بس اَب ستائیسویں اور اُنتیسویں شب باقی رہ گئی ہیں۔ چھبیسویں اور اٹھائیسویں شبیں آرام کے لئے ہیں۔ آرام کرنا بہت ضروری ہے۔ اس سے اگلا کھایا ہُوا ہضم ہو جاتا ہے اور مزید کھانے کے لئے بھوک پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر آرام نہ کیا جائے تو بدہضمی ہو جاتی ہے اور مِلا ہُوا فیضان ضائع ہو جاتا ہے۔ فرمایا سالک کو چاہیئے کہ قوّتِ ہاضمہ کو بڑھاتا رہے۔ قوّتِ ہاضمہ ایسی ہو کہ جو کچھ کھائے ہضم ہو جائے۔

خواجہ صاحبؒ کے مزار پر حاضری کے برکات

فرمایا کہ رُوح کے کئی پہلو ہیں اور کسی نہ کسی پہلو میں خود بخود طلب پیدا ہوتی رہتی ہے۔ جب میٹھا کھانے کو جی چاہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جسم میں شکر کی کمی ہے اور جب کھٹّی چیز کھانے کو جی

چاہتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جسم کو کھٹی چیز کی ضرورت ہے۔ اسی طرح روح کے جس پہلو میں پیاس ہوتی ہے (اس موقعہ پر آستانۂ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا)، تو وہ انسائیکلوپیڈیا (ENCYCLOPEDIA) موجود ہیں۔ انکے ہاں چلے جاؤ وہ تمھیں سیراب کر دیں گے۔ جب بارش ہوتی ہے تو جہاں گڑھے ہوتے ہیں وہیں پانی بھرتا ہے۔ فرمایا یہاں اجمیر شریف میں رہنے کا یہی فائدہ ہے۔ اور اگر یہاں رہنا میسّر نہ ہو تو جہاں ہو ان کی طرف متوجّہ ہونے سے یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

فرمایا وہ تو جامع ہیں اور جانتے ہیں کہ کس کو کس اسم کے ساتھ لگاؤ ہے جس اسم کے ساتھ جس کو لگاؤ ہو اُس کے ساتھ اُسی قسم کا معاملہ ہوتا ہے۔ کسی کو صابر صاحبؒ کے ہاں بھیجتے ہیں۔ اور کسی کو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ہاں فرمایا اسی وجہ سے صحبت ضروری ہے۔ صرف عمل سے کچھ نہیں ہوتا۔ مشائخ سلسلہ سے واسطہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ صحابۂ کرامؓ کو سب لوگوں پر فضیلت اس لئے حاصل ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحبت یافتہ ہیں۔ ورنہ ان کے مجاہدات اور لوگوں سے زیادہ نہ تھے کسی صحابی کی نسبت یہ نہیں سُنا کہ بارہ سال تک بغیر کھائے پئے استغراق میں کھڑے رہے ہوں۔ اسی طرح تابعین کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ ان کو صحابۂ کرامؓ کی صحبت ملی ہے اور تبع تابعین کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ انھیں تابعین کی صحبت ملی ہے۔ فرمایا اگر صحبت کی ضرورت نہ ہوتی تو اللہ اس بات پر قادر تھے کہ نہایت اچھا رنگین اور سُنہری قرآن بیتُ اللہ میں نازل فرما کر لوگوں سے کہہ دیتے کہ لوگو! یہ میرا کلام ہے، اِس پر عمل کرو لیکن ایسا نہیں کیا گیا صحبت کے لئے اِنسان کی صورت میں رسُول بھیجے گئے۔ اور جب کفار نے کہا:

"فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا؟"

تو فرمان ہُوا:

"اگر فرشتہ بھی آتا تو وہ بھی انسان کی صُورت میں آتا۔"

ڈاکٹر عبدُالعزیز صاحبؒ

ایک روز فرمایا ایک دفعہ ضلع ہزارہ کا ایک ہندو خاندان جو بہت امیر کبیر تھا۔ یہاں پُشکرؔ کے میلے کے لئے آیا۔ ان کے ساتھ ایک چھوٹا لڑکا بھی تھا۔ جب پُشکر سے فارغ ہو کر واپس اجمیر شریف آتے تو انھوں نے سیر و تفریح کی غرض سے دَرگاہ شریف میں بھی جانے کا قصد کیا۔ لڑکے نے ساتھ چلنے کی ضد کی، مگر ماں باپ نہیں لے گئے۔ اور وہ روتے روتے سوگیا۔ اُس نے خواب میں ایک سفید ریش بزرگ کو دیکھا جو کہہ رہے ہیں:

"بیٹا مت روؤ، میں خود تمھارے پاس آگیا ہُوں۔"

اُس نے پوچھا:

"تم کون ہو۔؟"

اُنھوں نے کہا:

"مَیں وہی ہُوں جس کو دیکھنے کے لئے تیرے ماں باپ گئے ہیں۔ چونکہ انھوں نے تم کو میرے پاس نہیں آنے دیا۔ اِس لئے میں خود تمھارے پاس آیا ہُوں۔ تیرے وَالدین اینٹ پتھر کو دیکھ کر آجائیں گے اور تُو نے تو خود مجھ کو دیکھ لیا۔"

یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے۔ اسکے والدین درگاہ شریف سے واپس آئے۔ اور پھر وہ لوگ اپنے وطن چلے گئے۔ اِس واقعہ کو ایک مدّت گذر گئی۔ لڑکا بڑا ہُوا اور پھر کالج پہنچا۔ تو اس وقت پشاور چھاؤنی میں ایک انگریز میجر رہتا تھا۔ اس کی ایک نہایت حَسین لڑکی تھی۔ جس سے کسی موقعہ پر مُلاقات ہوگئی اور رفتہ رفتہ ان دونوں میں محبّت ہوگئی۔ پھر آپس میں خط و کتابت ہونے لگی۔ ایک دفعہ اس کا ایک خط ایک

ؔ پُشکر کا میلہ اجمیر شریف کے بالکل قریب ہوتا ہے۔

نامہ بَر لے جارہا تھا۔ لڑکی کے والد نے اس سے لے کر پڑھا۔ پڑھ کر لڑکی کی طرف دیکھا اور دریافت کیا :

"کیا یہ خط تمھارے لئے ہے؟"

اس کے الفاظ یہ تھے "IS THIS LETTER FOR YOU?"

لڑکی نے کہا :

"YES" (جی ہاں)

اُس نے کہا :

"WHY?" (کیوں؟)

لڑکی نے کہا :

"I LOVE HIM" (میں اس سے محبت کرتی ہوں)

میجر نے لڑکے کو آدمی بھیج کر بلوایا۔ جب لڑکا آیا تو اُس نے وہ خط اُسے دکھا کر کہا :

"IS THIS YOUR LETTER?" (کیا یہ تمھارا خط ہے؟)

لڑکے نے جواب دیا :

"YES" (جی ہاں)

اُس نے کہا :

"WHY DID YOU WRITE IT?" (تم نے یہ خط کیوں لکھا؟)

لڑکے نے کہا :

"I LOVE HER" (میں اس سے محبت کرتا ہوں)

اَب اُس نے اپنی لڑکی کو مخاطب کرکے کہا :

"دیکھو تمھارے سِن خود اختیاری میں دو برس باقی ہیں۔ اِس لیے تم دو برس تک میری گارڈین شِپ میں ہو۔ دو برس تک تم کچھ نہیں کر سکتیں۔

اِس کے بعد تمھیں اختیار ہے جو چاہو کر سکتی ہو۔ اس لئے دو سال
تک خط لکھنا اور لڑکے سے مِلنا جُلنا بند کر دو۔"

اور لڑکے سے بھی یہی کہا:

"دو سال تک نہ تم اسے خط لکھ سکتے ہو اور نہ مل سکتے ہو۔ اگر اس عرصہ
میں، مَیں نے تم کو اپنے بنگلہ کے قریب کہیں دیکھا تو شوٹ کر دوں گا۔"

اِس کے بعد اُس نے اپنی لڑکی کو ولایت بھیج دیا۔ لڑکے پر اس کا بہت کافی اثر ہُوا۔ خط و کتابت بھی بند ہو چکی تھی۔ اور نہ اس کا پتہ ہی معلوم تھا۔ لڑکے نے اپنے والد کو مجبُور کیا کہ وہ اسے ڈاکٹری کی تعلیم کیلئے اِنگلینڈ بھیج دے۔ وہاں پہنچ کر اُس نے لڑکی کی تلاش شروع کر دی۔ اِس عرصے میں دو سال کی معیاد بھی پُوری ہو چکی تھی۔ اور لڑکی کا والد بھی پنشن حاصل کر کے اِنگلینڈ چلا گیا تھا۔ تلاش کرتے کرتے آخر اُس نے لڑکی کا کھوج نِکال ہی لیا اور پھر وہی خط و کتابت اور ملنا جُلنا شُروع ہو گیا۔ لڑکی کے والد نے بہت سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئی۔ لڑکی اُس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ لیکن والد کی خوشی کے ساتھ۔ اُدھر باپ شادی پر راضی نہ تھا۔ اَب دونوں نے مِل کر یہ ترکیب سوچی کہ لڑکی بیمار بن جائے۔ لڑکی بیمار بن گئی اور انھوں نے ڈاکٹر کو ہموار کر لیا، کہ وہ لڑکی کے والد کو سمجھائے کہ اس کو ٹی بی کا خطرہ ہے۔ شاید اس کو کوئی غم ہے۔ اسے خوش رکھنے کی کوشش کرو۔ ڈاکٹر سے یہ سُن کر اسکے باپ کو لڑکی کی زندگی کی فکر پیدا ہو گئی۔ وہ کالج پہنچا اور پرنسپل سے لڑکے کے چال چلن اور قابلیت وغیرہ کے متعلق اچھی طرح دریافت کیا۔ پھر وہ لینڈ لیڈی کے پاس گیا۔ جس کے ہاں وہ لڑکا ٹھہرا ہُوا تھا۔ وہاں بھی تحقیقات کی۔ غرض ہر طرح سے اطمینان کر کے لڑکے کے ہاں گیا اور اُس سے کہا:

"تم پندرہ دِن کے لئے میرے ساتھ OUTING (سیاحت)
پر چلو۔"

لڑکے نے کہا :

"میں تو نہیں جا سکتا۔ مجھے اِمتحان دینا ہے اور رُخصت بھی نہیں ملے گی۔"

اُس نے کہا :

"تم پرہیزگار مت بنو۔ مَیں تمھارے پرنسپل سے رُخصت لے چکا ہُوں۔"

اور اُس کو پرنسپل کا اجازت نامہ دکھایا اور کہا :

"فوراً تیّار ہو جاؤ!"

چنانچہ وہ نہانے کے لئے غسل خانہ چلا گیا۔ چابیاں پاس پڑی تھیں۔ میجر نے اُس کا بکس کھول کر تمام خطوط نکال لئے اور دیکھنے لگا کہ کسی اور لڑکی کا خط تو نہیں ہے لیکن سوائے اس کی اپنی لڑکی کے اور کسی لڑکی کے خط نہ تھے۔ غرض جب لڑکا کپڑے پہن کر ساتھ چلنے کی تیّاری کر رہا تھا تو میجر نے شادی کا تذکرہ چھیڑا۔ اور اسے سمجھانے لگا :

"خوب سوچ لو اس شادی میں تمھیں بڑی پریشانیاں ہوں گی۔ جب تمھارے والد کو معلوم ہوگا تو وہ ناراض ہوگا۔ تم ہندوستانی ہو۔ انگلینڈ کی آب و ہوا تمھیں موافق نہیں آئے گی۔ اور لڑکی کو ہندوستان کی آب و ہوا راس نہ آئے گی۔"

لیکن لڑکے نے کہا :

"آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس کے بعد میجر لڑکے کو اپنے گھر لے گیا اور ڈرائنگ رُوم میں بٹھا دیا۔ لڑکی نے اُوپر سے پُکارا :

"پاپا میرے لئے کیا لائے ہو؟"

اُس نے کہا :

"تمھارے لئے ایک بڑا پارسل لایا ہُوں۔ ڈرائنگ رُوم میں جا کر دیکھو!"

لڑکی دوڑتی ہوئی ڈرائنگ رُوم میں آئی۔ اور اپنے عاشق کو دیکھ کر دم بخود رہ گئی۔

اَب میجر نے لڑکے سے کہا :

" تم عیسائی ہو جاؤ تاکہ شادی میں آسانی ہو۔"

چونکہ مذہب سے لڑکے کو کوئی تعلق نہ تھا۔ عیسائی ہو گیا۔ وہ چرچ میں چلے گئے اور شادی ہو گئی۔ اَب میاں بیوی خوشی سے رہنے لگے۔ اور ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہُوا۔ شادی کے ایک سال بعد کسی نے لڑکے کے والد کو خط لکھا کہ تیرا لڑکا عیسائی ہو گیا ہے اور عیسائی عورت سے شادی کر لی ہے۔ یہ سُن کر وہ بہت ناراض ہُوا اور خرچ دینا بند کر دیا۔ جس کی وجہ سے کچھ پریشان ہوئے اور فکر مند رہنے لگے۔ ایک روز میجر نے ان کو ایک لفافہ دیا اور کہا :

" یہ لڑکی کی والدہ کی طرف سے ہے ، اَب تم دونوں اس کے مالک ہو !"

گھر آکر جب لفافہ کھولا تو دیکھا کہ اس میں ساٹھ ہزار پونڈ کا چیک ہے۔ میاں بیوی بہت خوش ہوئے اور عیش سے رہنے لگے۔ اور اس طرح کئی برس گزر گئے۔ دو تین بچے اور بچیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکے نے ڈاکٹری کا امتحان بھی پاس کر لیا تھا اور وہیں پریکٹس شروع کر دی۔

ایک رات اس نے خواب میں ایک سفید ریش بزرگ کو دیکھا۔ جنھوں نے اس سے کہا :

" تم نے بہت عیش کر لیا ہے۔ اَب ہمارے پاس آجاؤ۔"

اُس نے کہا :

" آپ کون ہیں ؟"

فرمایا :

" میں وہی ہُوں جس کو اجمیر میں تمھارے والدین تمھیں روتا ہُوا گھر پر چھوڑ کر ملنے گئے تھے اور میں خود تمہارے پاس آیا تھا۔"

صبح بیدار ہُوا تو اُسے یونہی خواب و خیال سمجھ کر دماغ سے نکال دیا۔ جس ماحول

میں وہ رہتا تھا وہاں ایسی باتوں کی کون پروا کرتا ہے۔ دُوسری رات پھر خواب میں وہی بزرگ آئے اور فرمایا:

"فوراً آجاؤ ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔"

اُس نے پھر بھی پروا نہ کی اور اپنے کاروبار میں مشغول رہا۔ اب تیسری بار وہ پھر خواب میں آئے۔ اور سختی سے کہا:

"تمھیں ایک مہینے کی مہلت دی جاتی ہے، اگر تم ایک مہینہ کے اندر ہمارے پاس آگئے تو ٹھیک ورنہ قید کر کے اپنے پاس بُلوا لوں گا۔"

لیکن اُس نے پھر بھی کوئی اہمیّت نہ دی۔ اَب ایک مہینے کے بعد اس کی پریشانیوں کا دَور شُروع ہُوا۔ یکے بعد دیگرے سب بچّے بیمار ہو ہو کر مر گئے اور بیوی کا بھی انتقال ہوگیا۔ اِس کے بعد وہ خود بھی بیمار ہوگیا۔ میجر صاحب نے اس کے علاج معالجہ میں کافی کوشِش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہُوا۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ ان کا سرد ملک میں صحّت یاب ہونا مشکل ہے۔ ان کے لئے گرم آب و ہوا کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اِس طرح وہ قید ہو کر ہندوستان آگئے۔ اور چند دِنوں میں اچّھے ہوگئے۔ اَب انھوں نے عیسائی تبلیغی جماعت میں کام کرنا شُروع کر دیا۔ اس عرصہ میں دو شادیاں بھی کیں۔ لیکن کوئی بیوی زندہ نہیں رہی۔ اس کے بعد وہ عیسائی مِشن کی طرف سے امرتسر گئے۔ اس زمانہ میں امرتسر مذہبی اکھاڑہ بنا ہُوا تھا۔ ایک مناظرہ کے دَوران کسی عیسائی مبلّغ نے کہا:

"دیکھو یہ شخص پہلے ہندو تھا اور اب ہمارے مذہب کا مُطالعہ کر کے عیسائی ہوگیا ہے۔ اگر عیسائی مذہب بہتر نہ ہوتا تو کیوں یہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر ہمارے مذہب میں داخل ہوتا۔"

اِس پر ہندو سخت ناراض ہُوئے اور ان سے دریافت کیا:

"تم نے ہندو مذہب میں کیا خرابی دیکھی جو اُسے چھوڑ دیا اور عیسائیت

میں کونسی ایسی خوبی ہے جسے دیکھ کر تم نے یہ مذہب قبول کیا؟"
جس کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے اور انھوں نے محسوس کیا کہ مذاہب سے واقفیت حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس لیے انھوں نے مذہبی کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا۔ ایک رات خواب میں کسی بزرگ نے ان سے کہا:

"تم قرآن کا ترجمہ کیوں نہیں پڑھتے؟"

چنانچہ انھوں نے قرآن شریف کا ترجمہ بھی دیکھا، وہ تمام مذاہب کی کتابیں پڑھ چکے تھے۔ اب جو قرآن پڑھا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ فوراً مسلمان ہوگئے۔ اسلام لانے کے بعد وہ بھوپال میں رہ کر کسی کمپنی میں کام کرنے لگے۔ اور اس سلسلے میں انھیں اکثر اندور جانا پڑتا تھا۔ ایک دفعہ انھیں اندور سے الور جانے کا اتفاق ہوا۔ اجمیر شریف راستہ میں تھا اور وہاں گاڑی تبدیل کرنی پڑتی تھی۔ جب اجمیر اسٹیشن پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ دوسری گاڑی میں بہت دیر ہے۔ سامان وغیرہ وٹینگ روم میں رکھ کر شہر چلے گئے۔ اور جی میں آیا کہ درگاہ شریف بھی ہو آؤں۔ اس وقت وہ اپنے تمام خواب بھول چکے تھے۔ چنانچہ وہ درگاہ شریف پہنچے اور اپنا ہیٹ اتار کر روضہ شریف کے اندر داخل ہوئے۔ جیسے ہی کٹہرے پر سر رکھا رقت طاری ہوگئی۔ زار و قطار رونے لگے۔ اور گھنٹوں وہاں کھڑے رہے۔ ٹرین کا وقت بھی نکل گیا۔ باہر آئے تو خادموں میں کافی روپے تقسیم کردیے۔ اور کہا:

"ہم کل پھر آئیں گے۔"

چنانچہ دوسرے روز بھی آئے اور جب اندر گئے۔ تو پھر وہی حالت طاری ہوگئی۔ اور اس دن کی ٹرین سے بھی نہ جا سکے۔ تیسرے روز پھر آئے اور پھر وہیں بیٹھ کر نوکری سے استعفیٰ لکھ کر بھیج دیا۔ اس کے بعد اپنا کل سامان لٹا کر ایک حجرہ میں داخل ہوگئے۔ چالیسویں روز انھیں خواب میں ایک بزرگ نظر آئے جنھوں نے انھیں ایک زینہ پر چڑھا دیا۔ اوپر پہنچ کر ایک اور بزرگ نے انھیں دوسرے زینہ پر چڑھایا

اِسی طرح وہ زینہ بزینہ اوپر چڑھتے گئے۔ چوٹی پر پہنچ کر کچھ تحفے عنایت ہوئے۔ وہ لے کر واپس نیچے آئے۔ جب نیچے والے بزرگ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا:

"لاؤ دیکھیں تم کیا لائے ہو۔"

چنانچہ انھوں نے وہ چیزیں ان کی خدمت میں پیش کر دیں۔ ان بزرگ نے تھرمامیٹر اسٹیتھسکوپ اور چند دیگر ڈاکٹری کی چیزیں ان کے حوالہ کر دیں اور باقی چیزیں اپنے پاس رکھ لیں۔ اور یہ فرمایا:

"ابھی تمہارے اندر ان کو سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے۔ جب وقت آئے گا تو تمھیں دے دی جائیں گی۔"

اِسی شب کو متولی نثار احمد صاحب نے خواب دیکھا کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ ان سے سخت ناراض ہیں اور فرما رہے ہیں:

"تم کیسے متولی ہو۔ ایک غریب مُسافر چالیس روز سے فلاں حجرہ میں بند پڑا ہے۔ نہ اُس نے کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے اور بے ہوش پڑا ہُوا ہے۔ تم جاؤ اور دَروازہ توڑ کر اُسے باہر نکالو اور فلاں مکان میں اُسے ٹھہراؤ۔ ایک تھرمامیٹر، اسٹیتھسکوپ اور فلاں فلاں ڈاکٹری کی چیزیں خرید کر اسے دو۔ وہ بہت اچھا ڈاکٹر ہے۔ اُس سے کہو کہ اپنا کام شروع کر دے۔"

چنانچہ بیدار ہوتے ہی متولی صاحب اس حجرہ کی طرف گئے۔ اور کواڑ تڑوا کر اندر داخل ہوئے وہ بے ہوش پڑے تھے۔ انھیں اُٹھوا کر گھر لے گئے۔ دُودھ وغیرہ ان کے مُنہ میں ڈالا۔ تھوڑی دیر کے بعد انھیں ہوش آگیا۔ اور ایک دو دِن میں ٹھیک ہو گئے۔ پھر متولّی صاحب نے ڈاکٹری کا سامان خرید کر انھیں دیا۔ اور بتایا:

"یہ خواجہ غریب نوازؒ کے حُکم سے خرید کر آپ کو دے رہا ہُوں۔ نیز خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ آپ فلاں مکان میں رہ کر ڈاکٹری کا کام شروع کر دیں۔"

یہ حکم سُن کر انھوں نے وہ سامان لے لیا۔ اور متعینہ مکان میں رہائش اختیار کر کے ڈاکٹری شروع کر دی۔ اِس کے کچھ عرصہ بعد ایک روز حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے خواب میں اُن سے فرمایا:

"سلوک بغیر شیخ کے طے نہیں ہو سکتا۔ ہم نے تمہارے لئے شیخ کا انتظام کر لیا ہے۔ تم چار بجے پائنتی کی جانب مولسری کے درخت کے نیچے جانا۔ وہاں تمہارے شیخ بیٹھے ہوں گے۔"

انھوں نے عرض کیا:

"حضور میرے شیخ کا اسم گرامی اور حلیہ تو بتا دیا جائے۔ تاکہ میں پہچان سکوں۔"

آپؒ نے فرمایا:

"فکر مت کرو۔ انھیں دیکھ چکے ہو۔ فوراً پہچان لوگے۔"

چنانچہ وہ بیدار ہو کر اسی انتظار میں رہے اور چار بجے کے وقت مولسری کے نیچے جا کر دیکھا تو وہی صاحب بیٹھے ہوئے تھے جنھوں نے ان کو زینہ پر چڑھایا تھا۔ اور واپسی پر ڈاکٹری کا سامان دیا تھا۔ دیکھتے ہی انھوں نے پہچان لیا وہ بھی انھیں دیکھ کر مسکرائے اور ڈاکٹر صاحب اسی وقت بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا۔ یہ ہے ڈاکٹر عبد العزیز کا قصہ۔ اَب ان بیچاروں کا اِنتقال ہو گیا ہے۔ کیا ہی اچھا وقت تھا۔ جب ڈاکٹر عبد العزیز اور مولوی عابد حُسین یہی دو شخص تھے جن کے ساتھ ہم بات چیت کیا کرتے تھے۔ وہ ہماری باتیں سمجھ سکتے تھے۔ اور ہم اُن کی۔ اَب تو کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس سے جا کر ملیں اور گفتگو کریں۔ بس اکیلے پڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا ہمارے اور اُن کے درمیان خوب چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ مسائلِ تصوّف پر اکثر بحث رہا کرتی تھی۔ اور جب کسی کو کوئی کشف ہوتا تو ایک دُوسرے کو بتاتے۔ اگر INTERPRETATION (تعبیر) میں کچھ

اختلاف ہو جاتا۔ تو ہمارا فیصلہ حضرت صابر صاحبؒ اور حضرت محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا یہ اختلافات شروع شروع میں ہوا کرتے تھے۔ بعد میں سب اختلافات مِٹ گئے۔

یکم شوال ۱۳۶۲ھ - ۱۹۴۳ء

درگاہ شریف میں مسند پر بیٹھنا بے ادبی ہے

آج دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ عرس کے دوران جب محفل خانہ میں سماع ہوتا ہے تو ہمارے مولانا صاحبؒ کہیں چھپ کر ایک طرف بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ متولی نثار احمد صاحب نے آپ سے دریافت کیا:

"کیا آپ سماع میں شامل نہیں ہوتے؟"

فرمایا:

"ہم شامل ہوتے ہیں۔"

متولی صاحب نے کہا:

"تو پھر ہمارے ساتھ مسند پر آکر بیٹھ جایا کریں۔"

آپ نے فرمایا:

"ہرگز نہیں۔ اگر قطب صاحبؒ بھی اس مجلس میں شریک ہوتے تو ایسی رعونت سے نہ بیٹھتے، جیسے تم لوگ بیٹھتے ہو۔"

حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحبؒ کی درگاہ کے اندر کسی اور کا مسند پر بیٹھنا کفرِ طریقت ہے۔ فرمایا یہ لوگ محض اپنی شان دکھانے کے لئے درگاہ میں آتے ہیں۔ اور ہر ہر بات میں انھیں اپنی شان و شوکت کا خیال رہتا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد میں خواجہ

صاحبؒ کے ساتھ نسبی تعلق ہونے کے علاوہ ذاتی تقدّس بھی تھا۔ وہ نہایت سادہ لوگ تھے۔ ان میں غرور و تکبر نام کو نہ تھا۔

ایک دفعہ احقر کو حضرت مولانا شاہ وارث حسن صاحبؒ کے عرس میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ جو درگاہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے زیرِ انتظام، ۱۸ جمادی الاولیٰ کو احاطۂ درگاہ شریف میں منعقد ہوتا ہے۔ خدّام نے چراغ جلائے اور بڑے دالان کے سامنے صحن میں ذرا جنوبی جانب لاکر رکھ دیئے۔ جہاں مجلس سماع کا انتظام تھا۔ حضرت اقدسؒ معہ متعلقین شرکت کی غرض سے تشریف لائے اور شرقی راستہ کے قریب ایسی جگہ بیٹھے کہ صحن میں داخل ہونے والوں کو آپ کے عین سامنے ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ آپ نے قصداً ایسی جگہ منتخب کی تاکہ گذرنے والے آگے سے گذرتے رہیں۔ اور خواجہ غریب نوازؒ کی درگاہ میں مسند نشینی کا سا نقشہ پیدا نہ ہو۔

ایک دفعہ پاک پتن شریف میں عرس کے موقعہ پر ہم لوگوں نے درگاہ شریف میں ایک کمرہ لیا اور اس پر فرش وغیرہ لگایا۔ بڑا تکیہ بھی رکھا جب حضرتؒ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا:

"تکیہ اُٹھالو۔ یہاں کون تکیہ لگا کر بیٹھ سکتا ہے۔"

تکیہ تو درکنار حضرت دیوار کے ساتھ بھی درگاہ میں ٹیک لگا کر نہیں بیٹھتے تھے۔

خواجہ حسینؒ کی ہر دلعزیزی

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ حسین بال جتی صاحبؒ اکبر کے زمانہ میں ایک بزرگ تھے، جو خواجہ غریب نوازؒ کی اولاد میں سے تھے اور درگاہ کے سجادہ نشین بھی تھے۔ ابوالفضل نے اپنی شان بڑھانے کے لئے دہلی میں یہ مشہور کر رکھا تھا کہ میں خواجہ حسین صاحبؒ کا بھائی ہوں۔ چنانچہ ایک دفعہ جب اکبر اجمیر شریف آیا تو حضرت خواجہ حسین صاحبؒ سے باتوں باتوں میں دریافت کیا:

"ابوالفضل آپ کے بھائی ہیں؟"

آپ نے فرمایا :

" ہاں سب مسلمان میرے بھائی ہیں ۔"

اکبر سمجھ گیا کہ ابوالفضل جھوٹ کہتا ہے ۔ جب ابوالفضل کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ خواجہ حسین صاحبؒ سے جلنے لگا ۔ اب اُس نے اکبر کے کان بھرنے شروع کئے :

" یہ شخص بہت اقتدار رکھتا ہے ۔ اور خفیہ طور پر بغاوت کر کے ہندوستان کا بادشاہ بننے کے منصوبے بنا رہا ہے ۔ اگر اس کی ہر دلعزیزی دیکھنی ہو تو کسی راجپوت راجگان کو اس کے خلاف اقدام کرنے کا حکم دے کر دیکھ لیجئے ۔"

بادشاہ کان کے کچے ہوتے ہیں ۔ راجگان کو حکم دیا :

" خواجہ حسینؒ کو قتل کر دو !"

راجگان نے کہا :

" اگر آپ یہ کہیں کہ اپنے بھائی کو قتل کر دو ۔ بیوی کو قتل کر دو ۔ بیٹے کو قتل کر دو ۔ تو ہم آپ کا حکم بجا لائیں گے ۔ لیکن خواجہ حسینؒ کو ہرگز ہاتھ نہیں لگائیں گے ۔"

ابوالفضل نے کہا :

" آپ نے دیکھ لیا ۔"

اور اکبر سے خواجہ حسینؒ کے جلاوطن ہو کر مکہ معظمہ میں رہنے کا فرمان نکلوا دیا ۔

اس کے بعد فرمایا بات یہ ہے کہ ان حضرات کی لوگ بلکہ بادشاہ اور حکمران اس لئے عزت کیا کرتے تھے کہ ان کو حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے ساتھ صحیح نسبت تھی ۔ لیکن آجکل کے لوگ ظاہری نسبت کا دعویٰ رکھتے ہیں لیکن ہیں متکبر اور دنیا دار ۔

نزولِ بلا بھی رحمت ہے !

ایک روز بنگال کے قحط کا ذکر ہو رہا تھا ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کو مخلوق بہت پیاری ہے ۔ لیکن یہ

جو آج کل مصائب نازل ہو رہے ہیں۔ یہ محض ہمارے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جب لوگوں کے اعمال بُرے ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ظالم حاکم مسلّط فرما دیتا ہے۔"

ہر مصیبت اور ہر بلا میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے جب باپ اپنے بیٹے کو سختی سے دوا پلاتا ہے تو اس کو اپنے بیٹے سے عداوت نہیں ہوتی۔ نہ وہ اس کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ بلکہ یہ عین رحم ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ جو سلوک مخلوق سے کرتا ہے۔ وہ بھی رحم و کرم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہم کون ہیں کہ اسکے کام میں دخل دیں۔ فرمایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی اللہ تعالیٰ اسم رحمٰن کے ساتھ عرش پر مستوی ہے۔ اور جو کچھ اپنے بندوں پر نازل فرماتا ہے۔ عین رحمت ہے۔

عزّت کا مستحق

ایک دفعہ فرمایا کہ ارشادِ باری ہے۔ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی تمام عزّت اللہ تعالیٰ اس کے رسُول اور مومنین کے لئے ہے۔ اَب جو شخص مومن نہیں اس کے لئے کوئی عزّت نہیں۔ یہ لوگ انگریز۔ جرمن اور جاپانی کسی عزّت کے مستحق نہیں ہیں۔

شیطان میں گمراہ کرنے کی طاقت نہیں

اِرشاد فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں۔ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم راہ راست کی دعوت دیتے ہیں۔ آگے اللہ کے ہاتھ ہے۔ کسی کو راہِ ہدایت عطا فرمائے یا گمراہی۔ یہ لوگوں کا غلط خیال ہے کہ شیطان میں گمراہ کرنے کی طاقت ہے حالانکہ شیطان تو صرف بُرائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ جب شیطان سے دریافت کیا جائے گا:

"تم نے خلق کو گمراہ کیوں کیا؟"

تو وہ کہے گا :

"مَیں نے تو صرف اتنا بتایا کہ یہ بھی ایک راستہ ہے۔ کسی کو مجبُور کرنے کی طاقت مجھ میں کہاں ہے۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ دُنیا ایک خواب ہے اور آخرت اس کی تعبیر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب ہی میں بیٹا ذبح کرنے کا حکم ملا تھا۔ اس لئے بیٹا ذبح ہونے سے بچ گیا۔ اگر بیداری میں حکم ملتا تو ضرور ذبح ہو جاتا۔

۲۱ نومبر ۱۹۴۲ء۔ بہاول پور

عربوں کے متعلق پیشین گوئی

فرمایا کہ ہمارے مولانا صاحبؒ کے پاس ایک آدمی رہتا تھا جو بہت خدا ترس تھا۔ بہت محنت کرنے والا آدمی تھا۔ رات کو کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا اور دن کو بھی ہر وقت مولانا صاحبؒ کی خدمت میں لگا رہتا تھا۔ ایک دفعہ حج پر مولانا صاحبؒ اس کو ہمراہ لے گئے۔ مدینہ منورہ کے قیام میں دیکھا کہ ایک بزرگ چالیس برس سے وہاں مقیم تھے۔ ان کا معمول تھا کہ علی الصباح جب دروازہ کھلتا تو آکر روضہ اقدس کے پاس بیٹھ جاتے، نماز کے وقت اُٹھ کر نماز پڑھ لیتے۔ اور پھر آکر مشغول ہو جاتے۔ نہ تو وہ کسی سے کلام کرتے تھے اور نہ کسی کو معلوم تھا کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ ایک دِن مولانا صاحبؒ روضۂ اقدس پر مراقب تھے۔ حاضری کے بعد جب آپ باہر دروازے پر آئے تو اُن بزرگ نے نزدیک آکر کہا :

" جو گفتگو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے درمیان ہوئی وہ تو میں نے سُن لی لیکن جو بات آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کے کان میں فرمائی۔ وہ میں نہ سُن سکا۔"

مولانا صاحبؒ نے کہا:

" میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا تھا کہ تمام اِسلامی ممالک پر کفار کا تسلط ہے اور ہر جگہ مسلمان ذلیل و خوار ہیں۔ حضورؐ کرم فرمائیں۔"

اِس پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" فکر مت کرو۔ میں اپنے عربوں کو اُٹھاؤں گا۔"

جب مولانا صاحبؒ واپس ہندوستان تشریف لائے تو یوسف نے ہمیں یہ ماجرا سُنایا چنانچہ ہم نے حضرت مولانا صاحبؒ سے عرض کیا:

" حضور یہ واقعہ کس طرح ہے؟"

آپ نے فرمایا:

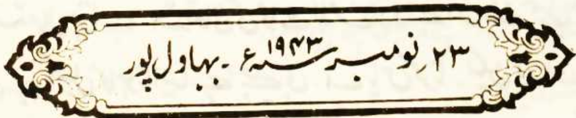
" تمھیں خادم نے بتایا ہوگا۔"

میں نے عرض کیا:

"جی ہاں۔"

اس پر آپ نے تمام گفت گو از سرِ نو بیان فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ عربوں میں ایک بات ہے جو اور کسی میں نہیں اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اپنے عربوں سے کام لینے والا ہوں۔"



تکمیلِ سلوک سے کیا مراد ہے؟

کل شام کو سیر پر جانے سے قبل فرمایا کہ آج وہ بیرسٹر آئے تھے اور (حضرت شاہ) شہید اللہ (صاحب) کی شادی کے متعلق تذکرہ کرنے لگے۔ ہم نے کہا:

" نہیں ابھی نہیں۔ ان کی شادی سلوک طے کرنے کے بعد ہوگی۔"

کہنے لگے :

" سلوک کے کیا معنی ہیں ؟ "

ہم نے کہا :

" جب SPIRITUAL COURSE (رُوحانی نصاب) کی تکمیل ہوجائے ۔ "

انھوں نے کہا :

" تکمیل ہوجانے کے بعد پھر شادی کی کیا ضرورت ؟ "

اس پر ہمیں بہت غصہ آیا ۔ اوّل تو یہ لوگ اِس قدر جاہل ہیں کہ سلوک اور تکمیل کے معنی تک نہیں جانتے اور جب کچھ بتایا جاتا ہے تو شیخی میں آکر مقاماتِ تصوّف پر بحث کرنے لگتے ہیں ۔ کس قدر غلامانہ ذہنیت ہے کہ انگریزوں کی طرح کپڑے پہنتے ہیں انہی کی طرح سوچتے ہیں ۔ انہی کی طرح بات کرتے ہیں ۔ اور پھر جس بات کا علم نہیں اس بات پر بحث کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔ اور اس پر طرہ یہ کہ اپنے آپ کو صاحب ذوق و شوق اور اہلِ تصوّف بتاتے ہیں ۔ بس تھوڑا سا ہندوؤں کا فلسفہ شاید پڑھ لیا ہے ۔ اس لئے کہنے لگے کہ تکمیل کے بعد شادی کی کیا ضرورت ہے ۔ ہم نے انھیں بتایا کہ تکمیل حقیقی معنوں میں ہوتی ہی نہیں ۔ یہ لفظ صرف اعتباری معنوں میں اِستعمال ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے اس لئے تکمیلِ عرفان ناممکن ہے ۔ تکمیل کا ہونا ایسا ہے جیسے بی ۔ اے پاس کرنا ۔ لیکن بی ۔ اے کے بعد تعلیم ختم نہیں ہوجاتی ۔ ایک پچاس سالہ بی ۔ اے اور دس سالہ بی ۔ اے کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے ۔ تعلیم ہمیشہ جاری رہتی ہے ۔ اسی طرح تکمیل کے بعد بھی آدمی ترقی کرتا رہتا ہے ۔ لیکن تصوّف کی اصطلاح میں سیر الی اللہ کے اختتام کو تکمیل کہتے ہیں ۔ اِس کے بعد سیر فی اللہ اور سیر مع اللہ ہے ۔ یہ سُن کر کہنے لگے :

" سیر فی اللہ کیا ہوتی ہے ؟ "

عجیب بات ہے کہ سلوک کے معنی تو آتے نہیں اور سیر فی اللہ کی حقیقت جاننا چاہتے ہیں۔



علاماتِ شیخ۔ شرائطِ بیعت۔ تجدیدِ بیعت

آج صبح میجر عبدالحمید حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلسلہ گفتگو جاری تھا۔ لیکن احقر کچھ دیر کے بعد پہنچا۔ میجر صاحب نے کہا:

"میں چاہتا ہوں کہ اطمینانِ قلب حاصل ہو۔"

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا:

"قرآن پڑھو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پڑھ ڈالو اور خوب پڑھو۔ اس سے اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے گا۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ	اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔"

انھوں نے کہا:

"بہت کوشش کی ہے۔ لیکن کچھ نہیں بنتا۔"

حضورؒ نے فرمایا:

"پھر کوشش کرو۔"

کہنے لگے:

"بہت ٹھوکریں کھا چکا ہوں۔"

فرمایا:

"پچاس ٹھوکریں کھاؤ، گر پڑو لیکن پڑے مت رہو۔ کھڑے ہو کر پھر

آگے چلو۔"

کہنے لگے:

"بزرگوں کا فرض ہے کہ ہم لوگوں کو گمراہی سے بچائیں۔"

فرمایا:

"کیسے بچائیں تم بھی تو خود کچھ کرو۔"

کہنے لگے:

"کرنے کی طاقت نہیں۔"

یہ سُن کر حضرت اقدسؒ بہت جھلائے اور ارشاد فرمایا:

"اللہ اپنی سُنّت کو تبدیل نہیں کرتا۔ عمل ضروری ہے۔ اگر عمل نہیں کر سکتے تو صحبت اختیار کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو صحبتِ نبویؐ حاصل تھی۔ جس کی وجہ سے اس قدر بلند مرتبہ کو پہنچے ورنہ کوئی عالم تو بتادے کہ باقی اُمّت سے صحابہ کرامؓ نے کیا زیادہ مُجاہدات کئے ہیں؟"

یہ سُن کر وہ کہنے لگے:

"میں بہت کوشش کر چکا ہوں اور بہت ٹھوکریں کھائی ہیں۔"

حضرتؒ نے غصّہ ہو کر فرمایا:

"تم بھی جنرل (عام) بات کر رہے ہو اور ہم بھی جنرل جواب دے رہے ہیں۔ اب یہ تو بتاؤ کِس مقام سے تم گرے ہو۔ تاکہ اس کا علاج بتایا جائے۔"

اُن سے اس سوال کا کچھ جواب نہ بَن پڑا۔ کہنے لگے:

"میں ذِکر و وظائف کیا کرتا تھا۔"

فرمایا:

"صِرف ایک ذِکر بتاؤ۔"

کہا: "ذِکرِ جہری وغیرہ۔"

فرمایا :

"کس نے بتایا تھا؟"

کہا :

"بہت آدمیوں نے۔"

فرمایا :

"یہی تو غلطی ہے۔ اگر تمہارا کوئی آدمی بیمار ہے تو کیا پچاس ڈاکٹروں کا علاج بیک وقت کراؤ گے؟ ہاں اگر سب ڈاکٹر متفق ہو کر ایک نسخہ تجویز کریں تو اور بات ہے۔"

اس کے بعد دریافت فرمایا :

"وہ کون تھے جنھوں نے ذکرِ جہری بتایا تھا۔؟"

انھوں نے کسی ایک آدمی کا نام لیا۔ آپ نے فرمایا :

"پھر اُن سے کہا کہ اس ذکر کا یہ اثر ہُوا ہے؟ یا کچھ نہیں ہُوا؟"

کہنے لگے :

"پھر وہ کہیں دُور چلے گئے اور ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اسکے بعد اوروں سے ملتا رہا۔"

ارشاد فرمایا :

"یہ بھی غلطی ہے۔"

انھوں نے کہا :

"بس کچھ تقدیر کی بات تھی۔"

حضرتؒ نے فرمایا :

"نہیں تمھاری اپنی غلطی ہے۔"

کہنے لگے : "ولی کی شناخت کرنا بہت مشکل ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"ہاں بہت مشکل ہے۔ ایک نابینا کو کیا نظر آسکتا ہے۔ لیکن بزرگوں نے علامات بتائی ہیں۔ اگر وہ علامات کسی بزرگ میں موجود ہوں تو آنکھیں بند کر کے ان کے ہاں بیعت ہوجانا چاہیے"۔ فرمایا:

* "پہلی علامت یہ ہے کہ وہ متشرع ہوں اگر کوئی بات خلافِ شرع ان میں ہو تو پھر بھی اعتراض نہیں کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ خدمتِ ارشاد انکے سپرد نہ ہوگی بلکہ کسی اور خدمت پر مامور ہوں گے۔ ہزاروں قسم کی خدمات ہیں۔ کیا معلوم کس ڈیوٹی پر لگے ہوئے ہیں۔
* دوسری بات یہ ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ ان کی نسبت کس قسم کی ہے۔ لازمی ہے یا متعدی، وہ اپنی ذات کے لئے ہیں یا اوروں کو بھی فیضان پہنچا سکتے ہیں اگر نسبت متعدی ہے تو پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا وہ نسبت ہمارے موافق آتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں کہ اس سے اثر پذیر ہوتی ہیں اور بعض پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔
* تیسری بات یہ ہے کہ ان کے مریدوں کو دیکھنا چاہیئے کہ آیا ان میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے یا نہیں۔ مُرید سے مراد وہ مرید نہیں جو ریل گاڑی میں بیعت ہوجائے اور برسوں شیخ سے نہ ملے۔ بلکہ وہ مُرید جو اپنے شیخ کی صحبت میں رہتے ہیں اور ان کے کہنے پر عمل کرتے ہیں۔
* چوتھی بات یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ جتنی دیر ان کی صحبت میں بیٹھتے ہیں۔ کم ازکم اتنی دیر قلب پر کچھ اثر ہوتا ہے یا نہیں۔ اور طبیعت اللہ کی جانب مائل ہوتی ہے یا نہیں۔ اور اس مُلاقات کے دوران وساوس اور خطرات میں کچھ کمی واقع ہوتی ہے یا نہیں۔

اگر یہ باتیں موجود ہوں تو بزرگوں نے لکھا ہے کہ بس آنکھیں بند کر کے مُرید ہوجانا

چاہیئے۔" اس کے بعد میجر عبدالحمید نے دریافت کیا:

"کیا رُوحانی اصلاح مُرید ہوئے بغیر بھی ہوسکتی ہے؟"

اِرشاد فرمایا:

"مشکل ہے۔ بلکہ تقریباً ناممکن۔ مولوی صاحبان خواہ کچھ ہی کہیں اِصل بات یہ ہے کہ بغیر رسالت کے رشد و ارشاد بیکار رہ جاتا ہے۔ اگر رسالت کی ضرورت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ قرآن شریف کو نہایت جلی اور سُنہری حروف میں لکھ کر دُنیا پر بھیج دیتے۔ اور بلند آواز سے کہہ دیتے کہ یہ میرا کلام ہے۔ اِس پر عمل کرو۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ دَرمیان میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اِس کے بغیر منزل مقصود پر پہنچنا بالکل ناممکن ہے، اور اولیائے کرام نائب الرسول ہوتے ہیں۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خلیفۂ رسُول کی ضرورت ہوتی ہے۔"

اِس کے بعد میجر صاحب نے دریافت کیا:

"اگر شیخ کا اِنتقال ہوجائے تو اور جگہ بیعت کرنی چاہیئے یا نہیں؟"

فرمایا:

"اگر تکمیل ہوچکی ہے تو بیعت کی ضرورت نہیں۔ اور اگر رُوحانی طاقت اِس قدر ہوگئی ہے کہ وصالِ شیخ کے بعد فیضان حاصل کرسکتا ہے۔ تب بھی تجدید بیعت کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر مبتدی ہے اور ابھی الف۔ ب۔ ت میں ہے۔ تو تجدید بیعت فرض ہے۔"

فرمایا:

"جب ایک خاوند مر جاتا ہے اور عورت جوان ہے تو اُسے اور شادی کرنی چاہیئے۔"

اِس کے بعد انھوں نے کہا :

"کیا بغیر نکاح کئے عورت دیکھ بھال نہیں کر سکتی ؟"

اِرشاد فرمایا :

"بغیر نکاح کئے غیر مرد پر نگاہ ڈالنا گناہ ہے ۔"

کہنے لگے :

"ایسی حالت میں جب بہت ٹھوکریں کھا چکی ہو تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ نکاح سے پہلے ہی کسی سے کچھ حاصل کرے ؟"

فرمایا :

"یہ تو زنا ہے ۔ اس کے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں ؟"

اس کے بعد وہ کہنے لگے :

"کیا بزرگوں کا یہ کام نہیں ہے کہ گمراہوں کو وہ سیدھا کر دیں ؟"

فرمایا :

"جب تک وہ خود کام نہ کریں گے کچھ نہیں ہو سکتا ۔ اللہ تعالیٰ اپنی سنت نہیں بدلتا ۔"

کہنے لگے :

"اس کی رحمت بھی وسیع ہے ۔"

فرمایا : "ہاں دوزخ میں بھی جلاتا ہے ۔ اور دوزخ بہشت سے زیادہ وسیع ہے ۔ اور درحقیقت دوزخ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے ۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اللہ تعالیٰ اپنے اسمِ رحمٰن کے ساتھ عرش پر مستوی ہے ۔ اور عرش کے تحت پوری کائنات زمین و آسمان دوزخ و بہشت سب شامل ہیں ۔" فرمایا : "اصل میں یہ سب کام نہ کرنے کے بہانے ہیں ۔ یہ سب نفس کی مکاری ہے ، نفس کام کرنے سے باز رکھتا ہے اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول کر دیتا ہے ۔" اس کے بعد حضرت

اقدسؒ خاموش ہوگئے۔

کلمہ طیبہ کے معنی

کچھ دیر کے بعد جلد ساز کتابوں کی جلدیں بنا کر لایا، حضرت اقدسؒ نے کتابیں ملاحظہ فرمائیں۔ ایک کتاب کو جس کا نام کلمۃ الحق تھا کھول کر فرمایا کہ اس کے مصنف نے جب یہ کتاب لکھی تو تمام علماء کو اپنے گھر پر بلایا۔ جب سب جمع ہوگئے تو انھوں نے اندر سے تالا بند کر دیا اور کہا:

"یا تو اس کتاب کی تصدیق کرو یا تردید۔"

انھوں نے کہا:

"اس کی تردید تو ہم نہیں کر سکتے۔"

فرمایا:

"پھر تصدیق کرو!"

چند علماء تنگ آکر جانے لگے۔ لیکن جا کر دیکھا تو قفل لگا ہوا تھا۔ مالک مکان نے کہا:

"قیامت تک دروازہ نہ کھولوں گا۔ اور نہ ہی کھانا دوں گا۔ جب تک ان دو باتوں میں سے ایک نہ کرو۔"

چونکہ تردید کی ہمت نہ تھی۔ سب لوگوں نے تصدیق کی اور کتاب پر دستخط کر دیئے۔ اس کے بعد وہ اس کتاب کو بادشاہ کے پاس لے گئے اور اس کو بتایا:

"سب علماء نے دستخط کر دیئے ہیں۔"

فرمایا یہ حضرت مولوی محسن فاروقی کے دادا کے شیخ تھے (مولوی محسن فاروقی سید شریف الحسن صاحب کے خسر تھے) اور اب تک وہی قلمی نسخہ ان کے خاندان میں موجود ہے جس پر تمام علماء کے دستخط ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"کلمہ طیبہ سے جو معنی علماء لیتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

قبل کفار بھی جانتے اور مانتے تھے۔ کفار اللہ تعالیٰ کو ایک۔
خالقِ کائنات اور رزاق مانتے تھے۔ قرآن شریف میں ہے:

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ	تم کو کون رزق دیتا ہے؟

اس کا کفار جواب دیتے تھے کہ اللہ رزق دیتا ہے۔ پھر رسولِ خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کون سی نئی بات لے کر آئے۔"

مصنف کہتے ہیں:

"دراصل کلمہ طیبہ کے معنی ہیں:-

لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ	اللہ کے سوا کسی کا وجود نہیں ہے۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہی معنی لیتے تھے اور صحابہ کرامؓ نے بھی
یہی سمجھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ کہتے تھے کہ انھوں نے تو سب معبودوں
کو ملا کر ایک اِلٰہ بنا دیا ہے۔ اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ کتاب کے مصنف کا نام مولانا عبد الرحمٰن ہے۔ انھوں نے
سماع پر بھی ایک کتاب لکھی ہے جو ہم نے پڑھی ہے۔

اولیائے کرام بھی نائب الرسول اور صاحبِ ارشاد ہیں

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قرآن
شریف میں فرماتا ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ	اطاعت کرو اللہ کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور جو نائب الرسول ہیں تم میں سے

"اُولِی الْاَمْرِ" کے معنی امیر اور حاکم کے بھی ہیں۔ نیز حدیث شریف میں ہے:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّتِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ	تم پر لازم ہے میری تقلید اور خلفائے راشدین (راستباز نائب)

بَعْدِیْ	کی تقلید جو میرے بعد آئیں گے۔

فرمایا کہ چار خلفائے راشدین کے بعد اولیائے کرام بھی نائبُ الرسول ہیں اور صاحب اِرشاد۔ اس لئے قرآن اور حدیث کے مُطابق اُن کے حُکم کی تعمیل بھی جزوِ شریعت ہے۔

اختلاف رحمت ہے!

سیاست کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ ارشاد فرمایا کہ لوگ دریافت کرتے ہیں کہ مُسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ ہم کہتے ہیں کہ پہلے سب ایک جھنڈے کے نیچے آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا حُکم ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا	سَب مِل کر اللہ کی رسّی کو مضبُوط پکڑلو۔

اَب وہ سوال کرتے ہیں کہ اکٹھا ہونے کے بعد پھر کیا کریں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دُوسرا قدم ہے۔ پہلے ایک بات پوری کرلو۔ اکٹھا ہونے سے پہلے کیوں تفصیلات میں جاتے ہو۔ اس سے خواہ مخواہ اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ پہلے اجمالی صُورت میں رہو۔ اور جب وقت آئے گا پھر تفصیلات میں پڑنا۔ فرمایا حدیث شریف میں ہے:

"میری اُمّت میں اختلاف رحمت ہے۔"

لیکن اختلاف اور مخالفت میں فرق ہے۔ مخالفت اپوزیشن کو کہتے ہیں۔ اور اختلاف کے معنی ہیں: HEALTHY DIFFERENCE OF OPINION (تعمیری اختلاف رائے)۔ اس قسم کے اختلاف سے وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اور ہر کام اچھی طرح اور ہر پہلو سے مکمّل ہو جاتا ہے۔ اور یہ اختلاف اصُول میں نہیں ہوتا۔ فروعات میں ہوتا ہے جب سب نے اصُول تسلیم کرلیا تو فروعات میں اختلاف سے کوئی ہرج واقع نہیں ہوتا۔ تم اپنے خیال پر رہو ہم اپنے خیال پر رہیں۔ اس معمولی اَمر میں لڑنے جھگڑنے کی ضرورت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن مخالفت بُری چیز ہے۔ اور دراصل مخالفت

نفسانیت سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر نفسانیت کا دخل نہ ہو تو اختلاف سے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ سب جھگڑے نفسانیت کے ہیں۔ اب ایک جماعت کہتی ہے :

" ہمارے خیال کے مطابق سب لوگ عمل کریں اور ہماری بات مانیں۔"

ہر گفتگو اور ہر مجلس میں میں اور میری پر زور دیتے ہیں۔ یہ نفسانیت نہیں تو اور کیا ہے؟! اور مجتہدین میں جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ صرف فروعات میں ہے اصول میں سب متفق تھے۔ نفسانیت کو کچلنے کے لئے بھی وہ عجیب طریقے اختیار کرتے تھے۔ مثلاً بادشاہ کا لڑکا طلبِ ہدایت کے لئے ان کے پاس آیا تو تین وقت کا فاقہ کرا کے کہا :

" جاؤ شہر میں بھیک مانگو! "

اِس میں حکمت یہ ہوتی تھی کہ اس کے تکبّر اور نفسانیت کا قلع قمع ہو جائے۔ اپنے ملک اور شہر میں ایک شہزادہ کے لئے بھیک مانگنا کس قدر مشکل ہے۔ اور جب وہ بھیک مانگ کر لاتا تو سب کچھ لنگر میں داخل کر دیا جاتا۔ پہلے زمانہ کی تعلیم و تربیت سے رذائل نفسانیہ کا قلع قمع ہوتا تھا۔ اور روحانیت اور للّٰہیت میں ترقی ہوتی تھی۔ لیکن آجکل کالجوں اور اسکولوں میں رعونت اور فرعونیت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس تکبّر کو SELF RESPECT (خودداری) کے نام سے موسوم کرتے ہیں حالانکہ یہ خودداری نہیں ہے۔ بلکہ رعونت ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ آج دو صاحب میر سراج الدّین صاحب کے ساتھ آئے تھے۔ انھوں نے کہا :

" ہم قومی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ مشورہ دیجئے کہ آیا مسلم لیگ میں شامل ہوں یا خاکسار بنیں۔"

ہم نے کہا :

" پہلے خود مسلمان بنو۔ اس کے بعد دوسروں کی اصلاح کرنا۔"

فرمایا یہ بات مسلمانوں کو بُری لگتی ہے۔ دراصل وہ مسلمان کے معنی نہیں جانتے۔ آجکل تو سب
BY ACCIDENT - مسلمان ہیں یعنی مسلمان ACCIDENTAL
OF BIRTH پیدائشی مسلمان) اوروں کی اصلاح اس وقت ہو سکتی ہے۔ جب
انسان خود حقیقی مسلمان بن جائے۔

سخاوت کی فضیلت

ایک دفعہ حضور نے مکتوبات میر سیّد علی ہمدانیؒ سے یہ حدیث پڑھ کر سنائی:

اَلسَّخِیُّ حَبِیْبُ اللّٰہِ وَ لَوْ کَانَ فَاسِقًا	سخی اللہ کا دوست ہوتا ہے خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔

فرمایا: سخاوت اللہ تعالیٰ کو کس قدر مقبول ہے کہ گناہگار ہونے کے باوجود بھی سخی اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔

۲۸ نومبر ۱۹۴۳ء ۔ بہاولپور

تعلق باللہ

حاجی عبدالحق صاحب انسپکٹر پولیس نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا:

"محکمۂ پولیس میں رہ کر حرام سے بچنا تقریباً ناممکن ہے۔"

حضور اقدسؒ نے فرمایا: حدیث شریف میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اسلامی احکام پر عمل کرنا سخت مشکل ہو جائے گا۔ اس وقت جو شخص نماز اور روزہ قائم رکھ سکے گا۔ ولی اللہ ہوگا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا:

"کیا حق العباد بھی توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں؟"

فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"حق العباد معاف نہیں کروں گا۔ جب تک کہ صاحبِ معاملہ معاف

نہ کر دے۔"

لیکن اللہ کو یہ طاقت ہے کہ معاف کرا دے۔ فرمایا: اگر کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر عرض کرے کہ مجھے فلاں سے دس ہزار رُوپیہ لینا ہے، اس کی نیکیاں کاٹ کر سب مجھے دیجیے۔ اَب اگر اللہ تعالیٰ اس شخص کو بہشت دکھائے اور فرمادے کہ اگر تو یہ دس ہزار رُوپے بخش دے تو اس کا انعام یہ بہشت ہے تو وہ شخص فوراً منظور کرے گا۔ فرمایا: اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انسان صحیح رشتہ پیدا کرے۔ جب اللہ اُس کا ہو جائے گا تو سب کچھ اس کا ہے۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ تعلق باللہ معصیت کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک بادشاہ نے حکم دیا:

"محل میں جو کچھ ہے وہ لُوٹ لو!"

یہ حکم پا کر لونڈی غلام اور خدّاموں نے محل کا سامان لُوٹنا شروع کر دیا۔ جو چیز جس کے ہاتھ لگی لے گیا۔ ایک لونڈی نے بادشاہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ بادشاہ نے غصّہ سے اُس کی طرف دیکھا اور کہا:

"یہ کیا حرکت ہے!"

لونڈی نے دست بستہ عرض کیا:

"حضور ہی کا ارشاد ہے کہ محل میں جو کچھ ہے۔ وہ لُوٹ لو۔ اَب مجھے جو چیز پسند آئی، مَیں نے لے لی۔ بس اَب آپ میرے ہیں۔"

بادشاہ کو یہ بات پسند آئی اور لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ فرمایا آجکل کے لوگ اس لونڈی سے بھی گئے گذرے ہیں۔ جڑ کو نہیں پکڑتے اور اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں۔

حضرت فضیل ابنِ عیاضؒ

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت فضیل ابن عیاضؒ شروع میں ڈاکوؤں کے سردار تھے۔

جو شخص سعید ازلی ہوتا ہے، وہ اپنے معصیت کے کاموں میں بھی کچھ اچھے اصُول رکھتا ہے۔ ان کا اصُول تھا کہ جب ڈاکہ ڈالتے تھے تو عورتوں اور بچّوں کو ہاتھ نہ لگاتے تھے۔ اس کے علاوہ لُٹے ہوئے آدمیوں کو گھر تک پہنچنے کے لئے زادِ راہ بھی دے دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ ایک قافلہ کی گھات میں تھے۔ اس قافلہ میں ایک قاری بھی تھا، جو اتفاق سے یہ آیت پڑھ رہا تھا:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا	کیا ایمان والوں کو وقت نہیں آیا
اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ	کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے گڑگڑائیں
اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۔	اور اس چیز سے جو سچّا دین اُترا ہے۔

جب انھوں نے یہ آیت سُنی تو ان پر رقت طاری ہوئی اور فوراً توبہ کرلی۔ اس کے بعد حضرت فضیل ابن عیاضؒ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی تلاش میں گئے۔ لیکن معلوم ہوا کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ لوگوں نے بتایا:

"آپؒ کے خلیفہ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ ہیں۔ اُن کے پاس جائیے۔"

چنانچہ آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کے لئے عرض کی۔ لیکن انھوں نے فرمایا:

"بیعت سے پہلے یہ کام کرو کہ جس جس کا مال آج تک لُوٹا ہے سب کو معاوضہ ادا کردو۔ یا ان کا حق معاف کرالو۔ تب بیعت کروں گا۔"

چنانچہ آپ گئے اور سب لوگوں کا حق ادا کرنے لگے۔ کسی کو مال واپس کیا، کسی سے معافی مانگی۔ ایک یہودی کے پاس گئے۔ جس کا انھوں نے مال لُوٹا تھا۔ جب معافی چاہی تو اُس نے کہا:

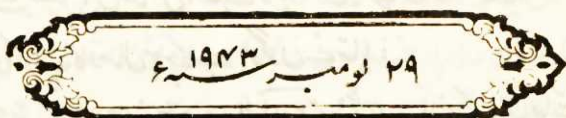
"میں تم کو اس شرط پر معافی دُوں گا کہ فلاں پتھر کے نیچے کپڑے میں بندھا ہُوا ایک سونے کا ڈلا پڑا ہے، اسے اُٹھا کر لے آؤ۔"

آپ گئے اور پوٹلیا اُٹھا کر یہودی کو لاکر دی۔ یہودی نے دیکھ کر رکھ لیا اور کہا:

"آپ فوراً مجھے مسلمان کرلیجئے!"

جب آپ نے اس عجلت کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا:

"میں نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ ایک نبی برحق آئیں گے اور ان کی امت کے لوگ جب تائب ہو کر مٹی کو سونا سمجھ کر ہاتھ لگائیں گے، تو وہ سونا ہو جائے گی۔ اس لئے آپ کے تائب ہونے کی خبر سن کر میں نے کپڑے میں مٹی کا ڈھیلہ رکھ دیا تھا تاکہ آپ کا امتحان لوں۔ جب آپ کے ہاتھ لگانے سے وہ مٹی کا ڈھیلا سونا بن گیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کی توبہ قبول ہو گئی اور آپکا مذہب سچا ہے۔"



۲۹ نومبر ۱۹۴۳ء

فہمِ قرآن کا بہترین طریقہ اور قرآن کے انگریزی ترجمے

احقر نے ایک پارہ قرآن شریف مترجمہ انگریزی لاکر حضورؒ کو دیا۔ اور عرض کیا:

"پکھتال نے جو ترجمہ کیا ہے، وہ خالی ترجمہ ہے یا تفسیر بھی ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"صرف ترجمہ ہے لیکن تمام انگریزی ترجموں سے بہتر ہے۔"

فرمایا:

"SALE نے بھی ترجمہ کیا ہے جس کے ساتھ ساتھ تفسیر بھی ہے۔"

عرض کیا:

"SALE کون تھے؟"

فرمایا :

وہ ایک عیسائی پادری تھے لیکن ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ درپردہ مسلمان تھے۔ دراصل وہ ان لوگوں کے ملازم تھے اور شاید اُن کا یہ خیال تھا کہ اگر کھلم کھلا مسلمان ہوجائیں تو تنخواہ بھی بند ہوجائے گی اور ترجمہ بھی نہ کرسکیں گے۔ ان کے ترجمہ میں عجیب رنگ ہے۔ وہ آیات کو لے کر کہتے ہیں :

" اِن آیات پر عیسائی یہ اعتراض کرتے ہیں (اور پھر آگے خود لکھ دیتے ہیں کہ) مسلمان اس اعتراض کا یوں جواب دیتے ہیں۔ عیسائیوں کو چاہیئے کہ بودے اعتراض نہ کریں بلکہ ایسے اعتراض کریں جن کا جواب نہ بن سکے۔"

فرمایا : یہ تبلیغ کا بہت اچھا طریقہ ہے۔ اور اس کا نتیجہ بہت اچھا نکلتا ہے۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا :

" تصوفانہ رنگ میں بھی کوئی تفسیر لکھی گئی ہے ؟"

فرمایا : بہت ___ حضرت ابن العربیؒ نے تفسیر لکھی ہے جو بالکل عارفانہ رنگ میں ہے۔ امام غزالیؒ نے بھی اسی قسم کی تفسیر لکھی ہے۔ اِس کے علاوہ "تفسیرِ حسینی" اور "تفسیرِ عرائس البیان" بھی صوفیانہ رنگ میں لکھی گئی ہیں۔ احقر نے عرائس کے مصنّف کی بابت دریافت کیا۔ فرمایا :

" متقدمین بزرگوں میں سے ہیں اور تفسیر عربی میں لکھی ہے۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ دراصل قرآن ایک بحرِ بے پایاں ہے اور ہر شخص اس میں سے اپنی استعداد کے مطابق لوٹا، گلاس اور ڈول بھر لیتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ سب کچھ میرے پاس آگیا ہے۔ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ انسان اپنے دروازے کے سامنے نہر نکال لے، جب چاہے اس میں سے پانی لے لے۔ وہ ہر وقت رواں رہے گی، اور کبھی ختم نہ ہوگی۔ اس طرح اگر قلب کا دروازہ کھل گیا تو حقائق و معارف کی

نہر ہمیشہ اس کے اندر چلتی رہے گی۔

فرمایا:
ایک صحابی (عبداللہ بن عباسؓ) کے حق میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی تھی:

"یا اللہ اسے فہمِ قرآن عطا فرما۔"

اور بس وہ دروازہ کھُل گیا۔ نہ انھوں نے مدرسہ میں تعلیم پائی اور نہ کسی سے تفسیر پڑھی۔ اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت مولانا رُوم صاحبؒ نے ہاتھی اور اندھوں والی جو مثال بیان فرمائی ہے وہ ان لوگوں پر خوب صادق آتی ہے۔ جو قرآن کے معنوں پر آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سچا بھی ہے۔ اور جھُوٹا بھی۔ جزوی لحاظ سے سچا ہے۔ لیکن کُل کے لحاظ سے جھُوٹا ہے۔

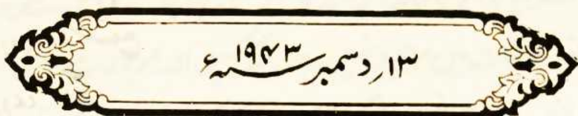
اولیاء کی صحبت میں بیٹھنے والا شقی نہیں ہوتا (حدیث)

دورانِ قیامِ بہاول پور ایک دِن مولوی عبداللہ صاحب مدرس جامعہ عبّاسیہ ملنے آئے۔ حضرت اقدسؒ نے بُخاری شریف کی وہ حدیث بیان فرمائی۔ جس میں فرمایا گیا ہے کہ فرشتے ذاکرین کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو ذِکر کے خیال سے نہیں بلکہ کسی اور مقصد سے آئے ہوں ذاکرین کی برکت سے بخشے جاتے ہیں۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ	ان کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں ہوتا۔

مولوی صاحبان یہ طنز کرتے ہیں کہ پیروں کے پاس آتے ہی لوگوں کو بہشت کا پروانہ مِل جاتا ہے۔ یہ نہیں سوچتے کہ اس حدیث کی رو سے اولیاء کرام کی صحبت میں بیٹھنے والوں کا خاتمہ بالخیر تو فقط پاس بیٹھنے سے ہوجاتا ہے، باقی جو مجاہدات وغیرہ کرتے ہیں ا رجو انعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ وہ اس کے علاوہ ہیں۔

گویا خاتمہ بالخیران کے لئے سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔



معراج شریف آج ارشاد فرمایا کہ بیعت کے دُوسرے سال ہمیں معراج کے متعلق اُلجھن پیدا ہوئی۔ دِل میں خیال پیدا ہُوا کہ چشم زدن میں کس طرح تمام زمینوں، آسمانوں، دوزخ اور بہشت کی سیر ہوسکتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ بستر بھی گرم رہ جائے اور دَروازہ کی کُنڈی بھی ہلتی رہے۔ ایک رات ہمیں بارہ بجے سے دو بجے تک نیند آئی اور اس عرصہ میں ہم نے ایک خواب دیکھا۔ اس خواب کا عرصہ تین دن اور تین رات کا تھا۔ ایسا ہُوا کہ خواب میں ہم کسی سے ملے اور کہا

"کل پھر ملیں گے۔"

دُوسرے دن ملاقات ہُوئی اور اسی طرح تین دن گذر گئے اس خواب کے بعد ہم سمجھ گئے کہ جب تین دن اور تین رات کے واقعات زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے میں سما سکتے ہیں تو معراج کے واقعات چشم زدن میں کیوں نہیں سما سکتے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں کے وقت اور وہاں کے وقت میں بہت فرق ہے۔ فرمایا یہ بات مجھ پر حضرت صابر صاحب (علیہ الرحمۃ) کے ہاں سے منکشف ہُوئی۔

موسیقی فرمایا حضرت صابر صاحبؒ کے ہاں سے ہمیں موسیقی کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔ فرمایا موسیقی کی حقیقت بھی ذات سے ہے۔ اور اس میں ذات کا پھیلاؤ پایا جاتا ہے۔ امہاتِ اسماء سات ہیں:

(۱) حیات

(۲) ارادہ

(۳) قدرت

(۴) عِلم
(۵) کلام
(۶) سمع
(۷) بصر

اور راگ بھی سات ہیں۔ اس کے بعد لفظ بلمپت کی وجہ تسمیہ بیان فرمائی۔ جو کسی اور جگہ درج کی گئی ہے۔

رُوحِ انسانی قدیم ہے یا حادث؟

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ رُوحِ انسانی قدیم ہے یا حادث؟

ارشاد فرمایا کہ ایک لحاظ سے قدیم ہے اور ایک لحاظ سے حادث۔ رُوح کا وُہ پہلو جو ذات سے متعلق ہے قدیم ہے اور جو تم سے تعلق رکھتا ہے حادث ہے۔ جیسے سُورج جب ریت کے ذرّات پر چمکتا ہے۔ اس کی روشنی جب تک ذرّوں پر رہتی ہے۔ ذرّوں کے لحاظ سے عارضی ہے۔ لیکن سُورج کے لحاظ سے وہ مستقل ہے۔ سُورج ہر وقت روشن رہتا ہے۔ اور ذرّوں پر کبھی کبھی روشنی پڑتی ہے۔

فرمایا حیات۔ علم۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر وغیرہ سب رُوح کے صفات ہیں۔ لیکن یہ سب وہیں سے آتی ہیں۔

وحدت الوجود

اس کے بعد فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت ابن العربیؒ کی کتاب پڑھ رہا تھا۔ جس میں لکھا تھا:

"خالق خالق ہے اور مخلوق مخلوق۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سب کچھ وہی ہے۔"

اس سے ہمارے دِل پر وہ مثال برسی جو ہم نے "سرِّ دلبراں" میں اعتبار کے عنوان کے تحت دَرج کی ہے۔ یعنی یہ کہ اِنسان اپنے تخیّل میں ایک دُنیا پیدا کرے۔ اَب وہ آدمی اس دُنیا کا خالق ہے۔ اور وہ دُنیا مخلوق ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ

وہ اس دُنیا سے جُدا بھی نہیں ہے۔ دُنیا اُسی کے خیال سے قائم ہے۔ اُسی کا عین ہے۔

اِرشاد فرمایا کہ اگر کائنات کو اللہ کا غیر تصوّر کیا جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کائنات میں موجود نہیں ہے۔ بلکہ کہیں اور موجود ہے۔ اس نظریہ سے اللہ کی لامحدودیت نہیں رہتی۔ لامحدود کی کوئی حد نہیں ہو سکتی۔ یہ کہنا کہ اللہ کائنات میں نہیں اُس کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔ اِس لئے ثابت ہُوا کہ کائنات کا وجود غیر اللہ نہیں ہے۔

وحدت الوجود کا دُوسرا ثبوت یہ ہے کہ کلمہ طیبّہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے مطابق اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ ذات میں نہ صفات میں لہٰذا صفت وجود میں اُس کا شریک کیوں ہو، اس لئے کائنات کا وجود غیر حق نہیں ہو سکتا۔

فرمایا کلمۂ طیبّہ کا مطلب صرف وہ نہیں ہے جو عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ عارفین بیان کرتے ہیں کہ ایک ہوتا ہے معبودِ حقیقی اور ایک معبودِ ممکناتی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں معبودانِ ممکناتی کی نفی ہے۔ یعنی نہیں ہیں معبودانِ ممکناتی مگر اللہ۔ کفّار کہا کرتے تھے :

" محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے تمام معبودوں کو ملا کر ایک کر دیا ہے۔"

اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ۔

مَوت کے بعد ترقی

ایک دفعہ فرمایا کہ اولیاء اللہ رحلت کے بعد بھی ترقی کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ذات کی کوئی انتہا نہیں ہے، اس لئے ترقی کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔

نماز میں انہماک

ایک دفعہ فرمایا کہ جب آدمی نماز پڑھے تو ایسا خیال کرے کہ یہ میری آخری نماز ہے۔ اس کے بعد زندگی ہوگی تو نماز پڑھی جائے گی، کیا معلوم ابھی اجل آجائے۔ اس تصوّر سے نماز میں انہماک ہو جاتا ہے۔

ابوجہل اور ابولہب کی خودی

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جنگ بدر کے موقعہ پر دو لڑکے جو ابوجہل کی تاک میں تھے۔ اس پر حملہ آور ہوئے اور شدید زخمی کر کے گرا دیا۔ جب کفار پسپا ہو کر بھاگ گئے اور ایک صحابیؓ ابوجہل کا سر تن سے جدا کرنے والے تھے۔ اس وقت اس نے آرزو کی:

"میرا سر کندھوں کے قریب سے کاٹا جائے اور پوری گردن سر کے ساتھ رہنے دی جائے۔ تاکہ جب سب لوگوں کے سر ایک جگہ رکھے جائیں تو مجھ سردار کا سر سب سے اونچا نظر آئے۔"

اسی طرح ابولہب کہتا تھا:

"میں اسلام قبول کر تو لیتا لیکن اللہ سے مجھے یہ شکایت ہے کہ اس نے چچا کو چھوڑ کر بھتیجے کو نوازا۔"

فرمایا یہی خودی ہے جس کی وجہ سے انسان بہت سے گناہ کرتا ہے۔

صدیق اکبرؓ کی فنائیت

اس کے بعد فرمایا۔ دیکھو صحابہ کرامؓ نے SELF (خودی) کو کس طرح مٹایا حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے مالدار تھے لیکن انھوں نے اللہ کی راہ میں بہت کچھ لٹا دیا۔ حضرت بلالؓ کو انھوں نے خرید کر آزاد کیا۔ حالانکہ ان کے مالک نے بہت زیادہ قیمت طلب کی۔ لیکن آپؓ نے سب ادا کر دی۔ اس طرح بہت سے غلام آزاد کرائے۔ آپکی حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک موٹا کرتا زیب تن تھا، اور جہاں سے وہ پھٹا ہوا تھا وہاں کانٹے لگا کر جوڑ دیا گیا تھا۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اللہ تعالیٰ نے آپکو اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سلام بھیجا ہے۔ اور

اِرشاد فرمایا ہے کہ ابوبکر سے دریافت کرو کہ پہلے وہ حالت تھی اب
یہ حالت ہے۔ تمھیں ہم سے شکایت تو نہیں ہے؟"
جب حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انھیں یہ پیغام سُنایا تو آپ سُنتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو پھر دریافت کیا گیا۔ آپ پھر بے ہوش ہو گئے دُوسری دفعہ ہوش میں آکر عرض کیا:
" یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ میرے حال کی پرسش فرمائی۔ ایک بندہ کو
اپنے آقا سے کیا شکایت ہوسکتی ہے۔"
یہ کہہ کر پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب انھوں نے اپنی ہستی کو اس قدر مٹا دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی خوب نوازا۔ ہمیشہ پہلے اپنے آپ کو مٹانا پڑتا ہے۔ تب جاکر نوازشات کی بارش ہوتی ہے۔ انسان کا ظاہری حُسن و جمال کیا ہے؟ ایک ہفتہ نہ نہائیے تو بدن سے بدبُو آنے لگتی ہے۔ اور حُسن و جمال سب ختم ہوتا جاتا ہے۔ اصلی حُسن خودی کو مٹانے کے بعد ملتا ہے۔ فرمایا جس وقت رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ہجرت کرکے مدینہ منوّرہ پہنچے تو حضرت ابُوبکر صدّیق رضؓ آپ کے ہمراہ تھے۔ چونکہ اس سے قبل لوگوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نہیں دیکھا تھا۔ تو بعضوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سمجھ کر سلام کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر صدّیق اکبر رضؓ کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سرِ مُبارک پر سایہ کرلیا۔ تاکہ دُھوپ سے بھی بچیں اور غلط فہمی بھی دُور ہو جائے۔
اِرشاد فرمایا کہ حضرت عمر رضؓ کو ہمیشہ یہ شوق رہتا تھا کہ حضرت ابُوبکر صدّیق رضؓ سے سبقت لے جائیں۔ ایک دفعہ کسی جنگ کے موقعہ پر رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں سے چندہ طلب کیا۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضؓ نے نقدی د مال اسباب وغیرہ جس قدر جس سے ہوسکا خدمت میں پیش کردیا۔ آپ ہر شخص سے دریافت فرماتے تھے:
"بال بچّوں کے لیئے کیا چھوڑا ہے؟"

اگر کوئی بال بچوں کے لئے کافی مقدار میں مال چھوڑ کر نہ آتا تو آپ اُسے کچھ واپس کر دیتے۔ جب حضرت عُمرؓ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟"

انھوں نے عرض کیا:

"ہر چیز کا نصف ساتھ لایا ہُوں۔"

اس روز حضرت عمرؓ کے دل میں خیال تھا کہ آج حضرت ابُوبکر صدّیقؓ سے بازی لے جاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان لے کر فرمایا:

"جزاک اللہ"

جب حضرت ابُوبکر صدّیقؓ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا ہے؟"

عرض کیا:

"اللہ اور اُس کا رسُولؐ۔"

ارشاد فرمایا:

"اچھا رکھ دو!"

حضرت ابُوبکرؓ سے یہ نہیں فرمایا کہ کچھ مال بال بچوں کے لئے واپس لے جاؤ۔ ہر شخص کے ساتھ اُس کے مقام کے مُطابق معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابُوبکر صدّیقؓ کی برابری کا خیال چھوڑ دیا۔ فرمایا حضرت ابُوبکر صدّیقؓ نے کس طرح اپنے آپ کو مٹایا۔

دَولت مندی سے ڈرنا چاہیئے!

ارشاد فرمایا کہ جب ایران فتح ہُوا تو اس قدر مالِ غنیمت مُسلمانوں کے ہاتھ لگا جس کی کوئی اِنتہا نہ تھی۔ تھوڑا سا مال بھی جس کسی کے حصّہ میں آیا وہ امیر بن گیا۔ جب تمام مالِ غنیمت کو ایک میدان میں لاکر رکھا گیا تو حضرت عُمرؓ دیکھ کر

رو دیے۔ لوگوں نے کہا :

" یہ رونے کا کیا مقام ہے خوش ہونا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔"

آپ رضؓ نے فرمایا :

" مَیں اس لئے روتا ہُوں کہ کثرتِ مال کہیں بربادیٔ اُمّت کا باعث نہ بن جائے۔"

حضرت عُمرؓ اور ہرمزان

ایک دفعہ جنگ کے دَوران ہرمزان گورنر اہواز (ایران) گرفتار ہو کر آئے چونکہ کئی دفعہ یہ عہد شکنی کر چکے تھے۔ اس لئے واجبُ القتل قرار دیئے گئے۔ چنانچہ حضرت عُمرؓ نے ہرمزان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ ہرمزان نے کہا :

" میں پانی پینا چاہتا ہُوں۔"

چنانچہ پانی لایا گیا۔ آب خورے کو ہاتھ میں لے کر کہنے لگا :

" آپ میرے ساتھ عہد کریں کہ جب تک یہ پانی نہ پی لوُں، آپ مجھے قتل نہیں کریں گے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا :

" اچھا منظور ہے۔"

یہ سُن کر انھوں نے آب خورہ زمین پر پھینک دیا اور کہنے لگے :

" اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا :

" بے شک میں تمھیں قتل نہیں کروں گا۔"

اِس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ آج انگریزوں سے کوئی ایسی بات کر کے دیکھ لے کہ وہ قتل کرتے ہیں یا چھوڑ دیتے ہیں۔

فرمایا ایک دفعہ ایک شخص نے بیتُ المال سے چوری کی اور حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ آپؓ نے فرمایا:

"بیتُ المال میں اِس کا بھی تو حصّہ ہے۔ حِصّہ دار کیسے چور ہو سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر اُسے رہا کر دیا۔ فرمایا:

"ایسی لطیف بات والسرائے کی کھوپڑی میں آسکتی ہے!"

اس کے بعد فرمایا کہ انہی ہرمزان نے جب حضرت عمرؓ کو اپنے قول کا سچّا دیکھا تو مُسلمان ہو گئے۔ پہلے مُسلمان ہوتے تو تلوار کے ڈر سے ہوتے اب سچے دل سے مُسلمان ہو گئے۔ ان کے فہم و فراست اور جذبہ کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"میں آپ کو پھر اپنے مُلک کا امیر بنا کر بھیجتا ہُوں۔"

انھوں نے کہا:

"اَب میں امیر نہیں بننا چاہتا۔ مجھے میرے مُلک میں بھیج دیں۔ میں کسی ویران گاؤں میں رہوں گا۔ اور غیر آباد زمین کو آباد کر کے بسر اوقات کروں گا۔"

آپؓ نے وہاں کے گورنر کو حُکم دیا:

"کوئی ویران گاؤں اور بنجر زمین تلاش کرو۔"

اُس نے کہلا بھیجا:

"اِس ملک میں کوئی گاؤں ویران نہیں ہے۔ اور ایک چپّہ بھر زمین بھی غیر آباد نہیں ہے۔"

یہ سُن کر ہرمزان نے کہا:

"اَب آپ کو اپنی تحقیقات سے معلوم ہو گیا کہ تمام مُلک آباد اور خوشحال ہے۔ اَب اگر کوئی گاؤں ویران ہُوا یا زمین غیر آباد ہُوئی تو اس کی ذمّہ داری آپ پر ہے۔"

چہ منزل بود. شب جائے کہ من بودم کا شانِ نزول

قربانی کا ذکر ہو رہا تھا. فرمایا کہ شروع شروع میں عبدالسلام بکری ذبح ہوتے دیکھ کر بے ہوش ہو گئے. فرمایا جانور پر رحم کرنے کا یہ کیا موقعہ ہے. وہ جانور جو خدا کی راہ میں ذبح ہو جاتے ہیں. وہ تو بہشت میں جاتے ہیں. عبدالسلام نے عرض کیا:

"اِنسان کے جسم کے اندر داخل ہو کر جیسا کہ آپ نے پہلے فرمایا ہے."

حضرت اقدسؒ نے فرمایا اس طرح بھی اور الگ بھی کیونکہ قربانی کا جانور حدیث شریف کے مطابق پُل صراط پر سواری بن کر برق رفتاری سے گذر جائے گا. فرمایا. ان کے بھی دو وجود ہوتے ہیں. جیسے "شب جائے کہ من بودم" میں. اس کے بعد دریافت فرمایا:

"ہم نے اس غزل کی شانِ نزول بتائی ہے؟"

عرض کیا:

"یاد نہیں ہے."

فرمایا حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے زمانے میں ایک بزرگ تھے. حضرت امیر خسروؒ کے ان کے ساتھ مراسم تھے. اور اکثر مُلاقاتیں ہُوا کرتی تھیں. ایک روز انھوں نے حضرت امیر خسروؒ سے کہا:

"رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دربار میں سب اولیائے کرام موجود ہوتے ہیں. لیکن آپ کے شیخ کو کبھی نہیں دیکھا. اس کی کیا وجہ ہے؟"

امیر خسروؒ بھلا اس بات کی تاب کہاں لا سکتے تھے. فوراً حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی خدمت میں گئے. عرض کیا:

"حضور آپ کے متعلق فلاں بزرگ اس طرح کہتے ہیں."

آپ مُسکرائے اور فرمایا :

"اُن سے کہنا کہ آپ کے ساتھ میں بھی چلتا ہُوں۔ ہم دونوں مل کر انھیں تلاش کرلیں گے۔ میرے شیخ اس مجلس میں ضرور ہوتے ہیں۔"

چنانچہ ان بزرگ سے امیر خسروؒ نے یہ بات کہی اور اب یہ دونوں حضرات مراقب ہُوئے۔ آنکھیں بند کرنے کے بعد پہلے آسمان پر پہنچے، دیکھا تو دربار لگا ہُوا تھا۔ اور حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم مسند پر تشریف فرما تھے۔ اور تمام اولیائے کرام گرداگرد بیٹھے تھے۔ انھوں نے کافی دیر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن حضرت محبُوبِ الٰہیؒ کو نہ پایا۔ امیر خسروؒ نے کسی بزرگ سے دریافت کیا :

"ہمارے شیخ کہاں ہیں ؟"

انھوں نے کہا :

"کون تمھارے شیخ ___ ؟"

انھوں نے کہا :

"حضرت نظامُ الدّین محبُوبِ الٰہیؒ ۔"

انھوں نے جواب دیا :

"وہ یہاں کہاں، وہ تو اُوپر ہیں ۔"

اَب یہ حضرات دُوسرے آسمان پر پہنچے۔ دیکھا تو یہاں بھی ایک مجلس آراستہ ہے۔ اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اس مجلس میں بھی رونق افروز ہیں۔ اور اس کی شان و شوکت بھی پہلی مجلس سے زیادہ ہے۔ لیکن حضرت محبُوبِ الٰہیؒ کو یہاں بھی نہ پایا۔ پھر حضرت امیر خسروؒ نے کسی سے دریافت کیا :

"ہمارے شیخ کہاں ہیں ___ ؟"

پُوچھا گیا :

"کون تمھارے شیخ ؟"

انھوں نے کہا :

"حضرت محبوبِ الٰہیؒ ۔"

جواب ملا :

"وہ یہاں کہاں ، وہ تو اُوپر ہیں ۔"

اَب یہ تیسرے آسمان پر پہنچے۔ دیکھا تو وہاں بھی ویسا ہی دربار لگا ہُوا ہے لیکن اس دربار کی سج دھج سابقہ دربار سے بھی زیادہ تھی حضرت محبوبِ الٰہیؒ وہاں بھی نہ ملے۔ غرضیکہ اسی طرح منزلیں طے کرتے ہُوئے جب ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں دیکھا کہ نہایت عظیم الشان دربار آراستہ ہے ۔ صحابۂ کرامؓ اور خاص خاص اولیاء اللہ اس دربار میں حاضر ہیں۔ تجلّیات اور انوار و برکات پچھلے سب درباروں سے کہیں زیادہ ہیں ۔ اور حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نوری مسند پر نہایت حُسن و جمال کے ساتھ رونق افروز ہیں۔ وہاں بھی انھوں نے بہت دیکھا لیکن حضرت محبوبِ الٰہیؒ کہیں نظر نہ آئے۔ کسی سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا :

"حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پُشت مبارک کے پیچھے وہ جو نُور کا پردہ لٹکا ہُوا ہے۔ اس پر نظر جما کر دیکھو۔"

چنانچہ انھوں نے پردہ کو دیکھنا شروع کیا۔ پردہ کا نُور بہت تیز تھا۔ کچھ دیر تک دیکھنے کے بعد اُس پردے کے پیچھے حضرت محبوبِ الٰہیؒ نوری پوشاک پہنے، نہایت حسین و جمیل صُورت میں نظر آئے ۔ وہاں بات کرنے کی کس کو مجال تھی۔ حضرت امیر خسروؒ نے اشارہ سے سلام کیا۔ آپ دیکھ کر مُسکرائے اور اشارہ سے سلام کا جواب دیا۔ اور اشارہ ہی سے فرمایا کہ اَب چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ نیچے والے درباروں سے گذرتے ہُوئے واپس لوٹے اور مراقبہ سے باہر آئے۔ جب محبوبِ الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو آپ نے فرمایا :

"پُورا واقعہ بیان کرو کہ کیا کیا دیکھا ؟"

حضرت امیر خسروؒ تو اپنے شیخ کے قوال تھے، ساز لے کر بیٹھ گئے اور گانا شروع کیا ؎

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم
رقیباں گوش بر آواز او در ناز و من ترساں
سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائے کہ من بودم
پری پیکر نگارے سرو قدے لالہ رُخسارے
سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم
خُدا خود میرِ مجلس بود اندر لامکاں خسروؔ
محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک ولی اللہ بیک وقت کئی مقامات پر موجود ہو سکتے ہیں۔ ان کے لئے یہ آسان ہے۔ اور یہ قُربانی کے جانور جن کا گلا اللہ کے نام پر کاٹا جاتا ہے اِنسان کے جسم کے ساتھ مل کر بہشت میں جائیں گے۔ کیوں کہ جب ان کا گوشت کھایا جاتا ہے تو ان کی رُوحانیت اِنسان کی رُوحانیت میں شامل ہو کر PRESERVE (محفوظ) ہو جاتی ہے۔ چنانچہ گوشت کھانا اِنسان کے لئے بھی فائدہ مند ہے۔ اور جانور کے لئے بھی۔ اس سے اِنسان کی رُوحانیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور جانور کی رُوحانیت محفوظ ہو کر ترقی کرتی ہے۔ اور اس کے علاوہ قربانی کے جانور علیحدہ طور پر بہشت میں جائیں گے اور وہاں کے پھول کھاتے پھریں گے۔ فرمایا شہدائے کرام نے اللہ کی راہ میں اسی لئے سر کٹائے کہ قربان کی بدولت بڑی نوازشات ہوتی ہیں۔ جو کچھ اللہ نے دیا انھوں نے سب کچھ اُسی کی نذر کر دیا۔ سب کچھ ختم کر دیا۔ اپنا کچھ نہ رکھا، حتی کہ اپنے نفس کو بھی مٹا دیا۔ اللہ کا دیا ہُوا جو کچھ ان کے پاس تھا۔ اللہ ہی کے حضور میں پیش کر دیا۔ پھر اُن پر نوازشات کی بارش

ہونا شروع ہوئی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ معاوضہ کی خاطر انسان کوئی عمل نہ کرے ہر کام خالصاً للہ کرے۔ اس کے بعد وہ بادشاہ ہیں خود بخود عنایت فرماتے ہیں۔ اگر کسی شریف اور غیرت مند آدمی کے ساتھ نیکی کی جائے تو وہ خود بخود اس کا بدلہ دیتا ہے۔ اور اللہ تو سب سے زیادہ غیور ہے اور تمام شرافتیں وہاں سے نکلی ہیں وہ کیوں نہ عطا کرے۔ لیکن انسان خلوص نیت سے کام لے اور جو کچھ کرے اُسی کی خاطر کرے معاوضہ کی خاطر کرنے سے شرک لازم آتا ہے اور انسان نہیں جانتا کہ اس نیت سے نیکیاں کرتے ہوئے بھی اپنے ہی نفس کا طواف کرتا ہے۔

ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے

جس مکان میں حضرت اقدسؒ کا قیام تھا۔ اتفاقاً ایک موقعہ پر وہاں چوہے زیادہ ہو گئے تھے۔ جو کبھی کبھی سامان کو نقصان پہنچاتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ چوہے بھی POWER OF DESTRUCTION (قوتِ تخریب) کا مظہر ہیں OPPOSITION (مخالفت) نہایت ضروری ہے ہر چیز اپنے OPPOSITE (ضد) سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر رات نہ ہوتی تو دن کو دن کوئی نہ کہتا۔ اسی طرح اگر بدصورت نہ ہوتے تو حسینوں کو کوئی حسین نہ کہتا۔ اب چونکہ وجود کا پہچانا جانا مقصود تھا اس لئے عدمیت کو پیدا کیا اور عدمیت کے لئے تخریب لازمی ہے۔ احقر نے عرض کیا:

"اس لحاظ سے جنگ کا وجود بھی ضروری ہے۔"

فرمایا: ہاں ضروری ہے۔ جنگ کو کوئی نہیں روک سکتا جنگ کا واقع ہونا لازمی ہے۔ اور یہ لوگ جو FOUR FREEDOMS (چار آزادیاں) کا ڈھونگ رچا رہے ہیں یہ بھی سب لغو ہے وہ خود FREE نہیں ہیں اوروں کو کیا FREE (آزاد) کریں گے۔

فرمایا: قیامت EVOLUTIONARY (ارتقائی) ہوگی۔ پچھلی جنگ کافی برباد کُن تھی لیکن موجودہ جنگ اس سے کہیں زیادہ تباہ کُن ہے۔ اسی طرح آئندہ جنگیں زیادہ خوفناک ہوں گی۔ صرف حضرت امام مہدی علیہ السّلام کے زمانہ میں امن ہوگا۔ کیونکہ آپ میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مشابہت ہوگی۔ وہی نام ہوگا اور ماں اور باپ کا نام بھی وہی ہوگا۔ ان کے زمانہ کے بعد پھر افراتفری مچ جائے گی۔ بیتُ اللہ جانے کے راستے بند ہوجائیں گے۔ صرف ایک مُسلمان تمام رُوئے زمین پر رہ جائے گا۔ اور وہ صرف کلمۂ طیبّہ جانتا ہوگا۔ اور قطبِ وقت ہوگا۔ جب اُن کا انتقال ہوگا تو قیامت آجائے گی۔

۸ دسمبر ۱۹۴۳ء ۔ بہاول پور

ہندوستان، چشتیوں کا ورثہ ہے

آج نمازِ عید کا ذِکر ہو رہا تھا۔ دورانِ گفتگو آپؒ نے فرمایا:

مدینہ منوّرہ کے بعد اجمیر شریف میں سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نائب الرسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ اِس لئے یہاں بھی وہی رنگ ہوتا ہے۔ اور عارف لوگ وہی خوشبو یہاں بھی محسُوس کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہندوستان پر اللہ تعالیٰ کا بہت کرم ہے کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو یہاں بھیج دیا ہے۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی ہندوستان پر بہت مہربان ہیں۔ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا:

"یمن سے مجھے محبّت کی خوشبو آتی ہے۔"

اس وقت آپؐ اس طرح تشریف فرما تھے کہ ہندوستان آپؐ کے یمن (دائیں) جانب تھا۔ لیکن اَب یمن کے باشندے کہتے ہیں کہ یمن سے مراد مُلک یمن ہے لیکن عرفا کے نزدیک یمن سے مراد ہندوستان ہے۔ فرمایا: ہندوستان کو اسی محبّت کی

وجہ سے چشتیت سے بھر دیا ہے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو تو ہندوستان اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے۔ حضرت خواجہ ابو محمد محترم چشتیؒ، سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور سومنات کو فتح کرایا۔ سومنات کی فتح کے بعد مسلمان ہندوستان پر مسلط ہو گئے تو گویا حضرت ابو محمد محترم چشتیؒ سے ہندوستان مسلمانوں کو ملا۔ اس کے بعد حضرت غریب نوازؒ کے تصرف سے شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج کو شکست دی۔

اولیاء اللہ کو اُن کی جگہ سے کوئی نہیں ہٹا سکتا!

اس کے بعد فرمایا کہ ولی اللہ جہاں بیٹھ جائیں۔ ان کو کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ حضرت غریب نوازؒ نے جب اجمیر میں قیام فرمایا تو پرتھوی راج نے بہت کوشش کی کہ آپؒ قنوج چلے جائیں۔ لیکن غریب نوازؒ یہی فرماتے تھے:

"بھیجنے والے سے کہو!"

حیدر آباد میں ایک رفاعی بزرگ ایک ہندو کے باغ میں جا کر بیٹھ گئے۔ وہ ہندو بہت متعصب تھا۔ اور کسی مسلمان کو اپنے باغ کے اندر گھسنے نہ دیتا تھا۔ اس باغ کے اندر ایک بنگلہ تھا۔ جس کے اندر وہ رہتا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ ان کو نکال دیا جائے لیکن وہ ڈٹ کے بیٹھے رہے۔ پولیس کو بلایا لیکن کوئی ان کو وہاں سے نہ نکال سکا۔ وہ اسی باغ میں رہے۔ حتّٰی کہ وہیں ان کا وصال ہوا۔ اور اسی باغ کے اندر دفن ہوئے۔ آج تک ان کا مزار وہاں موجود ہے۔ یہ انہی کا مزار ہے۔ جس کے گرد بکروں کو سات چکر دے کر جب باہر لاتے ہیں تو وہ گردن چھری کے نیچے رکھ دیتے ہیں۔

فرمایا: اسی طرح جو اونٹ کہ لوگ ذبح کے واسطے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لاتے تھے وہ فوراً گردن جھکا کر سامنے آتے اور آنحضرت

صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کی گردن میں نیزہ مارتے ۔

ایک اور مجذوبہ پونہ (بمبئی) میں شاہراہ پر بیٹھ گیئں حکومت نے اُٹھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ اُٹھیں ۔اس کے بعد کسی نے اوپر چھپّر ڈال دیا۔ ان کا وصال بھی چھپّر کے نیچے ہُوا اور اب وہاں ان کا مزار موجود ہے ۔

ہندوستان میں سماع

اِس کے بعد فرمایا کہ ہندوستان میں سماع کی بنیاد حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے ڈالی ہے ۔ اور پھر اس کو سنوارا ہے حضرت امیر خسروؒ نے حضرت قاضی صاحبؒ کے بعد حضرت امیر خسروؒ نے سماع کو ترتیب دیا۔ اور بہت سی نئی چیزیں ایجاد کیں ۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کل نہیں پرسوں حضرت امیر خسروؒ کا ایجاد کیا ہُوا ایک راگ MALIGORA مالی گورا) ریڈیو پر سُنایا جائے گا۔ اِس کے بعد فرمایا کہ فرشتے آکر حضرت محبُوب الہٰیؒ کو آسمانی ترانے سُنایا کرتے تھے ۔ اور حضرت امیر خسروؒ وہ ترانے یاد کر لیا کرتے تھے۔ ٹیگور کے باپ نے ایک کتاب لکھی ہے ۔جس کا نام "DECCAN AND UPPER INDIAN MUSIC" ہے ۔ اِس کتاب میں اُس نے لکھا ہے :

"مُسلمانوں نے ہندوستانی موسیقی کو ترقی دے کر اس کی شان و شوکت کو دو بالا کر دیا ہے ۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ جنوبی ہندوستان کا ایک گویّا دھلی آیا اور شکایت کی :

"مُسلمانوں نے ہندوستانی موسیقی کو خراب کر دیا ہے ۔"

حضرت امیر خسروؒ نے اس کا گانا سُننے کا انتظام کیا اور خود چھُپ کر پردے کے پیچھے سُنتے رہے ۔جب وہ ختم کر چکا تو آپ مجلس میں آگئے ۔ اور پہلے اس گویّے کا گایا ہُوا گانا سُنایا اور پھر اپنی چیزیں سُنایئں ۔ یہ دیکھ کر وہ گویّا دنگ رہ گیا اور اُس نے اعتراف کیا :

"واقعی مسلمانوں نے ہندوستانی موسیقی کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ روایات سے ثابت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئی دفعہ سماع سنا ہے حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ نے بھی سماع سنا ہے[1]۔

برزخِ شیخ کی ضرورت

اِس کے بعد برزخ کا ذکر ہونے لگا۔ احقر نے عرض کیا:۔

"ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتا ہے۔ جس کا نام حاجی موسیٰ ہے۔ بوڑھا آدمی ہے۔ لیکن عہدِ جوانی سے وہ کثرت سے اِسم اللہ کا ذِکر کرتا ہے۔ اور اس سے وہ کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتا ہے۔"

آپ نے فرمایا: اگر ایک گوشت کا ٹکڑا انگاروں پر رکھا جائے تو فوراً جل بھن جائے گا۔ لیکن اگر اسے ہانڈی اور پانی کے برزخ میں ڈال دیا جائے اور وہ ہانڈی انھیں انگاروں پر رکھی جائے تو وہ گوشت جلنے سے بچے گا۔ اور اچھی طرح پک جائے گا۔

فرمایا: شیخ بمنزلہ برزخ کے ہے۔ جب تک طالب برزخِ شیخ سے محروم ہے، اس کی یہی کیفیت رہے گی۔ وہ ترقی نہیں کر سکے گا۔ اگر شیخ کے ساتھ صحیح نسبت پیدا ہو جائے تو خود بخود ترقی شروع ہو جاتی ہے۔

ہمارے مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ جب ایک آدمی کشتی میں سوار ہوتا ہے تو کشتی چلتی رہتی ہے اور بیٹھے بیٹھے اس کی منزلیں طے ہوتی چلی جاتی ہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ کشتی میں کہیں کنارے پر نہ بیٹھے اور نہ ہی دریا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرے۔ شیخ کشتی کی مانند ہے۔ جیسے جیسے کشتی آگے بڑھے گی مرید کی منزلیں بھی خود بخود طے ہوتی جائیں گی۔

---

[1] دیکھیں مضمون "سماع" حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب "سرِّ دلبراں" میں۔

رات کو کنگھی کرنے کی برکت

ایک دفعہ فرمایا کہ رات کے وقت کنگھی کرنے سے قرض سے نجات ملتی ہے۔

ایک دفعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت کنگھی کر رہے تھے حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا:

"کہیں جانا ہے؟"

فرمایا:

"نہیں رات کو کنگھی کرنے سے قرض ادا ہوتا ہے۔"

انھوں نے عرض کیا:

"آپ پر کس کا قرضہ ہے؟"

فرمایا:

"تمہارا حق المہر ہے۔"

انھوں نے فرمایا:

"آپ تکلیف نہ کیجئے، مَیں نے معاف کر دیا۔"

آپؐ نے فرمایا:

"کنگھی کرنے کی برکت دیکھ لی بے کہ کنگھی کرنے سے تمہارا قرض ادا ہو گیا ہے۔"

عارف اور غیر عارف میں باریک فرق

ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ "یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ کائنات میں ہے سب اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کا مطلب بھی یہی ہے یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ لفظ ہم میں صرف انسان نہیں بلکہ

تمام کائنات شامل ہے۔ اور ایک موقعہ پر ہے۔ "لِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" یعنی کائنات کی ہر ایک چیز اللہ کے لئے سجدہ کرتی ہے۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا:

"ہر چیز CONSCIOUSLY (جان بُوجھ کر) یا UNCONSCIOUSLY (بے سوچے سمجھے) اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے؟"

فرمایا: تمام کائنات CONSCIOUSLY (یعنی جانتے ہُوئے) تسبیح کرتی ہے۔ صرف انسان غافل ہوجاتا ہے۔ اور درحقیقت وہ بھی تسبیح کرتا ہے، لیکن عقل کی وجہ سے نہیں جانتا کہ کررہا ہے۔

فرمایا: ہر شخص پرستش کررہا ہے۔ کوئی خدا کی اور کوئی بُتوں کی اور کوئی اپنے نفس کی لیکن چونکہ اصنام و نفوس بھی مظاہر ذات ہیں۔ اس لئے انسان جو کام کرتا ہے۔ ذات سے باہر نہیں جاتا۔ اور اسی لحاظ سے جو کچھ بھی کرتا ہے، UNCONSCIOUSLY ذاتِ حق میں مشغول ہے۔ لیکن اسے اس کا علم نہیں ہے۔ اگر اسی بات کا اُسے علم ہوجائے تو بس یہی عرفان ہے۔ عرفان بمعنی جان لینا۔

احقر نے عرض کیا:

"اِس سے معلوم ہُوا کہ عارف اور غیر عارف میں بہت باریک فرق ہے۔"

فرمایا: ہاں دوزخ اور بہشت کے درمیان ایک قدم کا فرق ہے۔ اور کفر و ایمان کا فرق بال برابر ہے۔ عرفان کے مدارج کے مُطابق ہر ایک شخص کافر یا مومن ہوتا ہے۔

فرمایا: پُل صراط تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہے۔ اور اُس کے ایک طرف بہشت ہے اور دُوسری طرف دوزخ۔ اِس کے بعد فرمایا کہ انسان اپنی عقل کی وجہ سے حجاب میں ہے۔ عقل بہت بڑا حجاب ہے۔ حضرت محی الدین ابنِ العربیؒ

فرماتے ہیں :

" جانوروں کو قبرستان میں کشف قبور ہوتا ہے ۔"

اِسی طرح دیوانے کو بھی کشف قبور ہوتا ہے ۔لیکن جیسے ہی اس میں یہ بات دُوسروں کو COMMUNICATE (منتقل) کرنے کی صلاحیت ہو جاتی ہے ۔ وہ بات جاتی رہتی ہے ۔

فرمایا : اگر معرفت حاصل کرنا چاہو تو جانوروں کی طرح ہو جاؤ ۔ وہی PASSIVE (استغراق) اس کے بعد سب کچھ منکشف ہو جائے گا ۔ احقر نے عرض کیا :

" یہ سب جھگڑا عقل کا ہے ۔"

فرمایا : ہاں عقل ناقص کا جو اس دُنیا سے تعلق رکھتی ہے ۔ ورنہ عقل کامل بہت بڑی چیز ہے ۔ وہ تو اُوپر سے برستی ہے ۔ اِسی مضمون پر ایک اور موقعہ پر اِرشاد فرمایا :

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ	اے اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھا ۔

کے بعد صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی کیا ضرورت تھی جب صراط مُستقیم کے لئے دُعا مانگ لی گئی تو بس کافی تھا ۔

فرمایا : اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ہر چیز مظہر ذات ہے ۔ اس لئے جو شخص کسی کام میں مشغول ہے ۔ درحقیقت ذات میں مشغول ہے ۔ لہٰذا صراط المستقیم پر اکتفا نہیں کیا گیا ۔ بلکہ آگے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کا راستہ دکھا ، جن پر تُو نے انعامات و اکرامات کئے ہیں اور یہ دُعا عرفان کے لئے ہے ۔



رمضان شریف کی کیفیات

ایک روز ارشاد فرمایا۔ رمضان شریف میں سب سے پُرکیف وقت عصر اور مغرب کے درمیان ہے اور سب سے بے کیف وقت کھانا کھانے کے بعد ہوتا ہے۔ تمام دن کے انوار اور کیفیات کے بعد کھانا کھالینا ایسا ہوتا ہے، جیسے کوئی جگنو کے اُوپر گوبر ڈال دے۔

فرمایا: لوگ تو اس لئے تراویح پڑھنے میں جلدی کرتے ہیں کہ فارغ ہوکر سو جائیں۔ لیکن یہاں تو جاگنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔

فرمایا: ہم تو ہمیشہ تراویح کے بعد مشغول ہو جاتے ہیں اور لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم سو رہے ہیں۔ بس قلب کو ایک طرف لگا کر لیٹ گئے۔ اِس سے یکسوئی حاصِل ہو جاتی ہے۔ کتاب پڑھنے سے اسی لئے نیند آتی ہے کہ اس سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ اِس طرح ذکر کے ساتھ یکسوئی حاصل کر کے قلب ذِکر میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور جسم کو نیند آجاتی ہے لیکن یہ نیند۔ نیند نہیں ہوتی۔

ستّر ہزار کلمہ طیّبہ کی برکات

اِس کے بعد فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ستّر ہزار بار کلمہ طیّبہ جس کسی کے نامۂ اعمال میں ہوگا وہ دوزخ سے مامون رہے گا۔ تم آج سے پانچ روز تک سوا لاکھ بار کلمہ طیّبہ پڑھ لو۔ بس دِل میں یہی خیال رہے کہ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں، نہ آسمان ہے نہ زمین، سب کچھ وہی ہے۔

فرمایا: اِس کے بہت فائدے ہیں۔ حضرت ابوالحُسین نوریؒ کے ایک مرید ایک دفعہ مراقب تھے۔ جب وہ مراقبہ سے فارغ ہوئے تو رونے لگے۔ جب حضرت

ابُوالحسینؒ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ تو انھوں نے کہا :

"مَیں نے کشف میں دیکھا کہ میری والدہ دوزخ میں ہیں۔"

یہ سُنتے ہی ان کے شیخ نے ستّر ہزار کلمہ طیبّہ جو انھوں نے پہلے پڑھ رکھا تھا کا ثواب ان کی والدہ کی رُوح کو بخشا۔ اِس کے بعد وہ مرید پھر مراقب ہوئے اور ہنسنے لگے۔ دریافت کرنے پر بتایا :

"میری والدہ دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل کر دی گئیں۔"

یہ سُن کر حضرت ابُوالحُسین نوریؒ نے فرمایا :

"تمھارے کشف سے حدیث کی تصدیق ہوگئی۔ اور حدیث شریف سے تمھارے کشف کی تصدیق ہوگئی۔"

اِس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا :

"ستّر ہزار کلمہ طیبّہ پڑھنے کا یہ ادنیٰ فائدہ ہے۔ اِس کے علاوہ اور بے شُمار فائدے ہیں۔ اس سے ایمان کی بنیاد مضبُوط ہوتی ہے۔"

دُنبل۔ دَردِ دنداں اور وسَاوس

وتروں کے بعد حافظ صاحب سے فرمایا کہ ہمارے ہاں یہ دستور ہے کہ وتروں کی پہلی رکعت میں سورۃ اذاجاء دُوسری میں تبت یدا اور تیسری میں سورۃ اخلاص پڑھا جاتا ہے۔ اس کے ویسے تو بے شمار فائدے ہیں۔ مختصراً تین فائدے یہ ہیں کہ اس طریقہ سے پڑھنے والے کو ایک تو دُنبل نہیں نکلتا، دُوسرے دانتوں میں دَرد نہیں ہوتا۔ تیسرے خطرات اور وساوس کم آتے ہیں۔

شب ۹ رمضان شریف ۶۳ھ۔ اگست ۱۹۴۴ء

مُسلمانوں پر عذاب نازل نہ ہونے کی وجہ

آج رات عُرس گدڑی شاہ صاحبؒ کا ذکر ہو رہا تھا۔

ریاض میاں نے کہا :

" وہاں کے خدام چادر چڑھاتے وقت قوالوں کو نہیں آنے دیتے ۔"

یہ سُن کر حضرت اقدسؒ خفا ہُوئے اور فرمایا کہ یہاں کے لوگ بہت خراب ہیں، اَب وہ رُوحانی کاموں میں بھی دخل دینے لگے ۔ بات بات پر پیسہ طلب کرتے ہیں اگر اس کو اس طرح روا رکھا گیا تو آگے چل کر نماز پڑھنے کے لئے پیسہ طلب کریں گے اور مسجدوں کے داخلہ پر بھی ٹکٹ لگا دیں گے ۔ اگلے انبیاء علیہم السّلام کی اُمتوں میں صرف ایک عیب ہوتا تھا جسکی وجہ سے وہ برباد ہوگئیں ۔ حضرت ہود علیہ السّلام کی اُمت میں یہ عیب تھا کہ تول میں دھوکہ دیتے تھے ۔ لینے کے اوزان اور ۔ اور دینے کے اور تھے جس کی وجہ سے وہ تباہ ہو گئے ۔ حضرت لُوط علیہ السّلام کی اُمت میں بھی ایک عیب تھا ۔ جو اُن کی تباہی کا باعث ہُوا ۔ لیکن ہم لوگوں میں وہ سب عیب جمع ہیں ، یہ سرورِ کائناتؐ کی شان ہے کہ باوجود ان سب گناہوں کے عذاب نازل نہیں ہوتا ۔ یہ سُن کر احقر کے دِل میں خیال ہُوا کہ جنگ وغیرہ کی صُورت میں تو عذاب نازل ہو رہے ہیں ۔ یہ خیال آتے ہی حضرت نے فرمایا کہ اس نوعیت کا عذاب نازل نہیں ہوتا کہ ایک دم صفحۂ ہستی سے مٹا دے ۔ ویسے تو عذاب اور مُصیبتیں بہت ہیں ۔ یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی برکت ہے کہ ہمہ گیر اور تباہ کُن عذاب نازل نہیں ہوتا ۔ کفارِ مکّہ کہا کرتے تھے :

" اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا ؟ "

اِس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے :

" اَے نبی ان سے کہہ دو کہ ہم اس لئے عذاب نازل نہیں کرتے کہ آپ ان کے درمیان ہیں ۔"

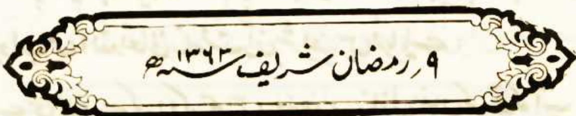
فرمایا : حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم حیات النبی ہیں ۔ اب بھی ہمارے درمیان موجود ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ عذاب نازل نہیں ہوتا ورنہ ہمارے اعمال ویسے

ہی ہیں۔ اِس کے بعد ریاض میاں نے عُرس کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا:

"خیر جس کا کام ہے وہی کریں گے۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ صاحبِ مزار اپنے عُرس کے لئے قوالوں کا خود بندوبست کر لیں گے۔ اس پر حضور اقدسؒ نے سختی سے فرمایا کہ نہیں یہ ان کا کام نہیں۔ یہ کہنا بالکل جہالت ہے کہ ان کو ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ خود انتظام کر لیتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم کو ان باتوں کی ضرورت ہے۔ چادر جو چڑھائی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بغیر ان کو نمونیہ ہو جائے گا۔ اور مقبرہ وغیرہ بھی ان کے لئے نہیں بنایا جاتا۔ مقبرہ اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اچھا اور مضبُوط مکان ہو، جہاں ہم لوگ جا کر آرام سے بیٹھ سکیں۔ قوالوں کی بھی ہم کو ضرورت ہے۔ وہ تو اپنا کام کر چکے۔ وہ جب چاہتے ہیں بہشت کے گانے سُن لیتے ہیں۔ ان کو تمہارے قوالوں کی کیا ضرورت۔ بُہت سے اولیاء کرام کے مزارات جنگلوں میں ہیں۔ یا دریاؤں اور ندیوں کے کنارے ہیں۔ وہاں کون جا کر ان کو قوالی سُناتا ہے۔ ان کو اس قوالی کی ضرورت نہیں ہے۔

فرمایا: یہاں کے لوگ بہت خراب ہیں۔ بس وہ پیمانہ لبریز کر رہے ہیں۔ اور رسّی کو ڈھیل دی جا رہی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ بُرے کام بھی کریں گے اور آخرت میں بھی بچ جائیں گے۔ یہ دونوں باتیں کس طرح جمع ہو سکتی ہیں۔ جو سنکھیا کھائے گا وُہ مرجائے گا۔ فرمایا: ہم تو اپنی رات خراب نہیں کریں گے، ہم پرسوں عُرس پر جائیں گے۔



۹ رمضان شریف ۱۳۶۳ھ

جناح گاندھی مُلاقات

آج بعد نماز جمعہ حضرت اقدسؒ ارکاٹی دالان (درگاہ شریف) میں تشریف فرما تھے عبدالقیّوم صاحب اور ان کے ساتھ ایک اور آدمی موجود تھے۔ جو سیاسیاتِ ھند میں دلچسپی لے

رہے تھے۔ مسرور شاہ بھی موجود تھے۔ یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کل بڑے معرکے کا دن ہے۔ جناح گاندھی ملاقات ہے۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ کل صرف گاندھی اور جناح کے درمیان فیصلہ نہیں ہونا ہے۔ بلکہ پورے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہونا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کیا ہندوؤں اور مسلمانوں نے یہ بھی سوچ رکھا ہے کہ اگر گورنمنٹ نے ان کا فیصلہ منظور نہ کیا تو کیا کریں گے۔ ان کو چاہیئے کہ ابھی سے یہ کہہ دیتے کہ ہم آپس میں فیصلہ کرتے ہیں اگر گورنمنٹ نے اسے منظور نہ کیا تو ہم بغاوت کر دیں گے۔ اس سے گورنمنٹ کبھی فیصلہ رد نہ کرتی۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہندو آخر میں مسلمانوں کو دھوکا دیں گے۔ غدر کے وقت بھی یہی کیا۔ اور تحریکِ خلافت کے وقت بھی یہی کیا۔ مسلمانوں کو آمادہ کر کے آگے کر دیا اور خود پیچھے ہٹ گئے۔

فرمایا: اَب بھی اگر مسلمان یہ کہہ دیں کہ ہم پاکستان نہیں لیتے اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد تم ہمارے اُوپر حکومت کرنا، صرف ایک بات مان لو وہ یہ کہ ہم اور تم اکٹھے ہو کر انگریزوں کو باہر نکال دیں تو یہ بات بھی ہندو نہیں مانیں گے کیونکہ ہندو جانتے ہیں کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد مسلمان فوراً حکومت چھین لیں گے۔ ہندو نہیں چاہتے کہ انگریز چلے جائیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی حفاظت میں رہ کر مسلمانوں پر حکومت کریں۔

دُوسرے آدمی نے عرض کیا:

"خُدا خیر کرے، کچھ ہو جائے اور ہم اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی ترقّی دیکھ لیں۔"

فرمایا:

"مرنے کے بعد بھی دیکھ سکتے ہیں، فرق صِرف اتنا ہے کہ مرنے کے بعد ان اُمور میں حصّہ نہیں لے سکتے۔"

انھوں نے پھر عرض کیا:

"خدا کرے ہماری زندگی میں کچھ واقع ہو جائے۔"

فرمایا:

"خدا کیوں کرے، وہ تو مالک ہے جو چاہے گا کرے گا۔ اس کو کیا ضرورت کہ اپنی مرضی چھوڑ کر ہماری تابعداری کرے۔"

حاضرین میں سے کسی نے کہا:

"دُنیا تباہی کی طرف جا رہی ہے۔"

آپ نے فرمایا کہ دُنیا ہے ہی تباہ ہونے کے لئے۔ اور کس واسطے بنائی گئی ہے۔ لیکن ہم کو اس کے ساتھ تباہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس میں اُلجھ کر ہم کو غرق نہیں ہو جانا چاہیئے۔ بلکہ اس سے الگ تھلگ رہ کر تباہی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

مسلمانوں کی نجات

حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ آخر کوئی اُمید ہے بھی۔ فرمایا: ہاں اگر مسلمان قربانیاں دیں تو مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ہندوؤں اور انگریزوں کا بیک وقت مُقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اِس کے علاوہ کوئی صُورت نہیں ہے۔

فرمایا: فرض کرو جناح اور گاندھی میں صُلح ہو جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ مُسلمان لیڈروں اور ہندو لیڈروں میں اتفاق ہو جائے گا۔ لیکن یہ جو گلی کوچوں میں ہندو مُسلم فساد ہو رہے ہیں یہ کہاں جائیں گے۔ بس علاج یہی ہے کہ مُسلمان بڑی سے بڑی قربانیاں دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔ جب تک دونوں کا بیک وقت مقابلہ نہیں کریں گے۔ مقصد حاصل نہیں ہو گا۔

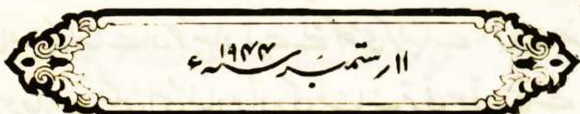
اُس آدمی نے کہا:

"اِس بات کا پروپیگنڈا کرنا چاہیئے۔ اور مُسلمانوں کی اِصلاح کرنی

چاہیے ۔"

حضور اقدسؒ نے فرمایا کہ دوسروں کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے۔ جب تک اپنی اصلاح نہیں ہوتی، دوسروں کی اصلاح ناممکن ہے۔ اور یہ بہت آسان کام ہے۔ ہر شخص اپنے آپ کو درست کرلے۔ ساری قوم خود بخود درست ہو جائے گی۔

اِس کے بعد فرمایا کہ دراصل صحیح جذبہ کی ضرورت ہے۔ اِس وقت تو لوگ اِس لئے پاکستان چاہتے ہیں کہ اپنی حکومت ہو جائے گی۔ گورنر بنیں گے۔ وزیر بنیں گے اور کوٹھیوں میں رہیں گے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح جذبہ یہ ہے کہ سب کام اللہ کی خاطر کریں۔ ہر کام میں للّٰہیت ہونی چاہیئے۔ جب تک للّٰہیت نہ ہوگی کامیابی ناممکن ہے۔



۱۱ ستمبر ۱۹۴۴ء

سَیف قاطع اور جنگ

آج اِرشاد فرمایا کہ دشمن کے شر سے بچنے کے لئے دُعائے سَیف قاطع بہت ضروری ہے

اس کے بعد جنگ کے متعلق گفت گو ہونے لگی۔

اِرشاد فرمایا کہ لوگوں کا خیال ہے، بس اَب جنگ ختم ہوگئی۔ اور تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہوگیا لیکن ابھی خاتمہ نہیں ہُوا۔

ظہورِ قیامت

اِس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضرت عثمانؓ ہارونیؒ کے ملفوظات میں بھی ہندوستان کے متعلق پیشین گوئی ہے۔

فرمایا: ہاں اور شاہ نعمت اللہ کشمیری نے بھی پیشین گوئی کی ہے۔ اسلام کا غلبہ ہوگا۔ لیکن بہت تکالیف کے بعد۔ ہر ایک چیز کو موقعہ دیا جاتا ہے۔ اور ہر کام کے لئے وقت مقرر ہے۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ باطل نیست و نابود ہو جائے گا۔ اور

تمام دُنیا میں اِسلام پھیل جائے گا۔ اس کے بعد پھر ظلمت کا دَور شروع ہو گا۔ یہاں تک کہ صرف ایک مسلمان باقی رہ جائے گا۔ وہ چین میں ہو گا۔ صرف کلمہ طیّبہ "لا الٰہ الا اللہ محمّد الرسول اللہ" جانتا ہو گا۔ لیکن ہو گا قطبِ وقت۔ دُنیا میں قطب کا ہونا ضروری ہے۔ اور چونکہ وہی ایک مسلمان ہو گا۔ اس لئے وہ قطب ہو گا۔ اس کے مرنے کے بعد چالیس برس کفر ہی کفر رہے گا۔ اور چالیس برس کے بعد قیامت آجائے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ قیامت کفّار پر آئے گی مسلمانوں پر نہیں آئے گی۔

موت کے بعد ترقّی

اِس کے بعد فرمایا کہ انسان موت کے بعد برزخ میں بھی ترقی کرتا رہتا ہے۔ یہ مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ ترقّی کے دَروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو زمین آدمی دُنیا میں حاصل کر لیتا ہے اور جو بنیاد اپنے لئے کھڑی کر لیتا ہے۔ اس میں اِضافہ ہونا بند ہو جاتا ہے۔ لیکن اسی بُنیاد پر اُوپر کی جانب ترقّی ہوتی رہتی ہے۔ وہ ترقّی اور نوعیت کی ہوتی ہے۔

صحبت عمل سے بڑھ کر ہے

فرمایا: جب قیامت آئے گی تو ہزار سال کا ایک دِن ہو گا لیکن عاشقوں کو کچھ پَروا نہ ہو گی۔ وہ نہایت مزہ سے عرش کے سایہ کے نیچے بیٹھے ہُوئے تماشہ دیکھتے رہیں گے۔ اس کے بعد بہشت میں دیدارِ الٰہی ہو گا۔ اور بہشت میں وہ ظاہری چیزیں بھی ہوں گی، جن کا وعدہ ہے۔ اِنسان کو چاہیئے عاشق ہو جائے۔ صحیح اِسلام عشقِ الٰہی کا نام ہے۔ قرآن شریف میں مومن کے متعلق اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کہا گیا ہے۔ مومن وہ ہے، جس کو اللہ سے شدّت کے ساتھ محبّت ہو اور شدّتِ محبّت کا نام عشق ہے اور یہ چیز عاشقوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔

فرمایا پشاور میں ایک صاحب تھے وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے:

"یہ جو پیر صاحبان صحبت صحبت کہتے پھرتے ہیں۔ سب بے معنی ہے۔ اَصل چیز عمل ہے۔"

ایک دن وہ ہمارے پاس آئے۔ اور لوگ بھی موجود تھے۔ ہم نے ان سے پُوچھا:

"مولوی صاحب کوئی ایسا عمل بتائیے، جس کے کرنے سے آدمی صحابہؓ کرامؓ کا سا مرتبہ حاصل کرلے۔"

انھوں نے کہا:

"ایسا کوئی عمل نہیں ہے۔ ان کو تو صحبتِ نبویؐ حاصل تھی۔"

پھر ہم نے دریافت کیا

"کوئی ایسا عمل ہے جس کے کرنے سے تابعین کا مرتبہ مل جائے؟"

انھوں نے کہا:

"نہیں۔ یہ شرف ان کو صحابہ کرامؓ کے ساتھ رہنے سے حاصل ہُوا۔"

ہم نے کہا:

"اچھا کوئی ایسا عمل بتائیے جس سے تبع تابعین کا سا مرتبہ حاصل ہو جائے۔"

انھوں نے کہا:

"ان کو تابعین کی صحبت حاصل تھی۔"

اس پر ہم نے کہا:

"پھر تم کیا عمل عمل کہتے پھرتے ہو۔ جب تم خود مانتے ہو کہ ایسا کوئی عمل نہیں ہے۔ جس سے صحابہ کرامؓ۔ تابعین اور تبع تابعین کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔ اور یہ بھی مانتے ہو کہ جو کچھ ان کو حاصل ہُوا، صحبت سے حاصل ہُوا۔ پھر صحبت کے خلاف کیوں زہر اُگلتے پھرتے ہو؟"



۲۴ رمضان شریف ۱۳۶۳ھ ستمبر ۱۹۴۴ء

موت کو قریب سمجھنا چاہیئے

آج شب بعد فراغت تراویح فرمایا کہ اَب کی مرتبہ چار کام کی راتیں جمع ہوگئی ہیں۔ چوبیسویں کی شب جس میں معوذتین (سورۂ فلق۔ سورۂ ناس) پڑھے جاتے ہیں۔ پھر پچیسویں کی شب۔ طاق شب ہے۔ چھبیسویں کی شب۔ شب جمعہ ہے۔ اور اس کے بعد ستائیسویں کی شب ہے۔ جو جاگنے کی رات ہے۔ اگر زندگی باقی ہے تو اگلے سال پھر رمضان شریف کی برکات حاصل کریں گے۔ اِس کے بعد موت کا ذکر ہونے لگا فرمایا ایک دفعہ رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کسی صحابیؓ سے دریافت فرمایا:

"تم کو موت کس قدر قریب معلوم ہوتی ہے؟"

انھوں نے عرض کیا:

"جب میں ایک نماز پڑھ لیتا ہُوں تو خیال ہوتا ہے کہ دُوسری نماز نصیب ہوگی یا نہیں۔"

اِس پر رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ جب میں ایک سلام پھیر لیتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ دُوسرا سلام پھیرنے پاؤں گا یا نہیں۔"

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ جس قدر کسی کا تقویٰ بڑھا ہُوا ہوتا ہے اُسی قدر موت زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ اور جو لوگ شیطان کے قبضہ میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ موت کو محض ایک خیال سمجھتے ہیں۔ اور صرف عادتاً کہتے ہیں کہ مر گئے۔ لیکن اپنی عمر کو بہت لمبا سمجھتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ چلتے چلتے ٹھوکر لگی اور ختم۔ یا گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ACCIDENT (حادثہ) ہُوا اور ختم۔ یا گھر

بیٹھے دل کی حرکت بند ہوگئی۔ اور بس گئے۔

فرمایا: جس مشین کے جتنے پُرزے کم ہوتے ہیں وہ زیادہ دیر چلتی ہے۔ لیکن وہ مشین جس کے پُرزے بے شمار نازک اور COMPLICATED (پیچیدہ) ہوتے ہیں وہ ذرا بگڑی اور گئی۔ والدِ مرحومؒ فرمایا کرتے تھے:

"انسان کی مشین میں اس قدر چھوٹے چھوٹے اور نازک پُرزے ہیں کہ انسان کا مرجانا اتنا حیرت انگیز نہیں جتنا اس کا زندہ رہنا ہے۔"

رُوحانی فیضان اور جسمانی بیماری

رمضان شریف کی شبوں میں سے ایک شب بعد تراویح احقر سے

دریافت فرمایا کہ تمہارے کان کا کیا حال ہے؟۔ عرض کیا:

"اب ٹھیک ہے۔"

فرمایا:

"تم، شہید اللہ اور فاروق سب یہاں آکر بیمار ہوجاتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

عرض کیا:

"حضور معلوم نہیں!"

فرمایا: یہ بخار۔ زکام اور کان کا درد، سب ظاہری چیزیں ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ جب تم لوگ یہاں سے واپس جاتے ہو تو اپنا کام چھوڑ دیتے ہو۔ اور باقاعدگی سے اپنی رُوحانی طاقت بڑھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ پھر جب یہاں آتے ہو اور فیضان ہوتا ہے تو اس کے متحمّل نہیں ہوسکتے۔ کوئی نہ کوئی تکلیف شروع ہوجاتی ہے۔

فرمایا: جسم ایک ستون کی مانند ہے۔ جو اِنسان کو اُٹھائے رکھتا ہے۔ رُوح تو فیضان برداشت کرلیتی ہے اور اس سے ایک قسم کی لذّت حاصل کرتی ہے۔ لیکن تمام نزلہ جسم پر گرتا ہے۔ تم لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی طاقت بڑھاتے رہو۔ تاکہ یکایک فیضان کی بارش سے

جسم پر اثر نہ پڑے۔

تاکیدِ نماز کا راز

اِس کے بعد فرمایا کہ آج سونے کی رات ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا (اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) فرمایا آسانی بھی دیتے ہیں۔ اور پابند بھی کرتے ہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ کے ساتھ ساتھ نماز کی سخت پابندی بھی لگادی ہے۔ نماز کبھی معاف نہیں ہوتی۔ حکم دے دیا ہے کہ اگر کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لیا کرو، اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر پڑھ لیا کرو۔ لیکن نماز ترک نہیں کرسکتے اور یہ اس لئے ہے کہ باقی احکام جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو پہنچے لیکن نماز کا حکم آپ کو براہِ راست شبِ معراج میں ملا۔ اِسی لئے اس کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔

نماز کا احسن طریقہ

اِس کے بعد فرمایا کہ نماز کا احسن طریقہ یہ ہے کہ کَاَنَّکَ تَرَاہُ۔ یعنی اس طرح نماز پڑھو جیسے کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر اللہ کو نہیں دیکھ سکتے تو خیال کرو کہ وہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اِس کے بعد احقر نے عرض کیا :

"حضور نماز میں رویت کا تخیل صرف خیال ہے یا حقیقت بھی ہے؟"

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی شکل وصُورت تو ہے نہیں۔ شروع شروع میں یہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ اور پھر جو تجلّی وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اہلِ دُنیا کے نزدیک خیال کے اور معنی ہیں۔ وہ خیال کو وہم کے معنی میں اِستعمال کرتے ہیں۔ جب وہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کا خیال ہے۔ تو ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی اصلیّت کچھ نہیں ہے لیکن اہلِ اللہ کے نزدیک خیال حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ جب وہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ ان کو دیکھ رہا ہے۔ تو حقیقتاً یہ جانتے ہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ قرآن شریف میں ہے

اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی	کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے ؟

چنانچہ صُوفیا کے نزدیک خیال کے معنیٰ حقیقت کے ہیں۔ اور عوام خیال کو محض وہم و گمان کے معنوں میں اِستعمال کرتے ہیں۔ اِس کے بعد فرمایا :

"اب جاؤ۔ جاکر سو جاؤ۔ آج رات سونے کی ہے۔ آج کا سونا جاگنے کے برابر ہے۔ اور جاگنے کے لئے سونا سُنّتِ نبویؐ ہے۔"

۲۶ رمضان شریف ۱۳۶۳ھ ستمبر ۱۹۴۴ء

رویتِ ہلال

آج رات بعد فراغتِ تراویح فرمایا کہ تراویح کی تین شبیں باقی رہ گئی ہیں۔ جنتری میں چاند ۲۹ کا ہے۔ لیکن یہ یقینی بات نہیں ہے۔ یہ لوگ نجوم وغیرہ سے حساب لگاتے ہوں گے۔ لیکن حیدرآباد میں OBSERVATORY (رصد گاہ) ہے۔ جس سے دیکھ کر بالکل صحیح حساب لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا چاند ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا ہمارے ہاں تو ۳۰ کی شب کو چھُٹی ہوتی ہے۔ اور رمضان شریف کے مشاغل نہیں کئے جاتے۔

اِس کے بعد احقر نے عرض کیا :

"OBSERVATORY میں GUESS WORK (اندازہ) سے کام لیتے ہیں یا اور کوئی حساب ہوتا ہے ؟"

فرمایا: وہ اندازہ نہیں لگاتے بلکہ CALCULATIONS (حساب) کے ذریعے صحیح تاریخ معلوم کرلیتے ہیں۔ اور اس سے کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ اور یہ علمِ غیب نہیں ہے۔

علمِ غیب کیا ہے ؟!

اگر میں کہوں کہ کل جُمعہ ہے۔ تو یہ علمِ غیب تھوڑا ہی ہے۔ اگر چرچل لندن میں تقریر کرے اور ہم ریڈیو پر سُنکر

اُسی وقت لوگوں کو بتا دیں تو کیا عالم الغیب ہو جائینگے؟ یا جب حکیم نبض دیکھ کر اندرونی حال بتاتا ہے تو کیا وہ عالم الغیب ہے؟ ایک دفعہ ایک حکیم نے خواجہ حسن نظامی کا علاج کیا اور کامیاب ہوگیا۔ اس پر حکیم کی تعریف میں انھوں نے ایک مضمون لکھا۔ جس میں انھوں نے تحریر کیا:

"حکیم صاحب کی اُنگلی کو کشف ہُوا۔"

ہم نے کہا کہ صاحب ان کی تو اُنگلی کو کشف ہُوا اور ہماری آنکھوں کو کشف ہوتا ہے۔ ہم دُور کی چیزیں دیکھ لیتے ہیں۔ ہمارے کانوں کو کشف ہوتا ہے۔ ان کے ذریعے دُور کی آوازیں سُن سکتے ہیں۔

فرمایا:

علمِ غیب کے لوگ معنی نہیں سمجھتے۔ جو چیز کسی ذریعہ سے معلوم ہو جائے یا کسی حس یا قوتِ باطنی سے معلوم ہو جائے تو وہ علمِ غیب کہاں ہے؟ وہ تو تمہارے نزدیک حاضر ہے۔ غیب نہیں ہے۔ غیب وہ ہے، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ	اس کے پاس غیب کی کُنجیاں ہیں۔
لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ۔	ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اب عزرائیل علیہ السلام کو لوگوں کی موت کا وقت معلوم ہے۔ کیونکہ وہ لوحِ محفوظ پر لکھا ہُوا دیکھ لیتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ عالم الغیب نہیں ہیں۔ اسی طرح رزق اور اولاد کا علم حضرت میکائیل علیہ السلام کو ہے۔ یہ بھی علمِ غیب نہیں ہے۔ اگر یہ علمِ غیب ہوتا تو

لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ	جنھیں اسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔

نہ ہوتا۔ لوحِ محفوظ کا علم۔ علمِ غیب نہیں۔ علمِ غیب وہ ہے جس کو خدا کے سوا کوئی نہ جانتا ہو۔

فرمایا: ایک دفعہ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ان لوگوں سے کہا:

"ارے میاں تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علمِ غیب میں بحث کر رہے ہو اگر اسی کو علمِ غیب کہتے ہو تو اللہ کو بھی علمِ غیب نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کے لئے کون سی چیز غائب ہے۔"

اسی ضمن میں فرمایا کہ "تذکرۃ الاولیاء" میں ہے کہ ایک شخص ایک بزرگ کے پاس گئے اور جانے سے پہلے دل میں یہ خیال باندھ لیا کہ اگر انھوں نے اپنی ٹوپی اتار کر مجھے دے دی تو سمجھوں گا کہ فی الواقع ولی اللہ ہیں۔ ورنہ نہیں۔ چنانچہ جب اُن کے پاس پہنچے تو انھوں نے فرمایا :

"معجزہ طلب کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ اور دکھانے والا خُدا تعالیٰ ہے۔ جو پیغمبرِ اسلام کے ذریعے دکھاتا ہے۔"

یہ کہہ کر اپنی ٹوپی اس کی طرف پھینک دی۔ اور فرمایا :

"تم ٹوپی لے لو لیکن کرامت طلب کرنے سے تم کافر ہو گئے۔"

اس پر فرمایا کہ ولی اللہ کا کام کرامات دکھانا نہیں ہے۔ اس شعبدہ بازی کو وہ پسند نہیں کرتے۔ ان کا تعلق اللہ سے ہوتا ہے۔ ہر وقت اسی خیال میں رہتے ہیں کہ اللہ راضی رہے۔ لوگ ان کو مانیں یا نہ مانیں۔ اس سے ان کو کیا غرض۔

کشف و کرامات کی حقیقت

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں دو آدمی حاضر ہوئے۔ جنھوں نے آپس میں یہ طے کیا تھا کہ اگر حضرت حاجی صاحبؒ نے ہم کو ایک ایک سیب دیا تو سمجھیں گے کہ ولی ہیں ورنہ نہیں۔ جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ آپ کے سامنے دو سیب پڑے ہیں۔ جیسے ہی یہ جا کر بیٹھے آپ نے ایک ایک سیب اُٹھا کر ان کو دے دیا۔ سیب دیکر فرمایا :

"بغداد میں کسی مداری کے پاس ایک گدھا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر، مجمع میں سے کسی آدمی کو اپنا رومال دے دیتا اور گدھے

سے کہتا: جاؤ بیٹا رومال لے آؤ۔ گدھا چلتے چلتے اسی آدمی کے سامنے
جاکر کھڑا ہو جاتا، جس کے پاس رومال ہوتا تھا۔ اَب اگر میں تم کو سیب
نہ دُوں تو تمھارے نزدیک ولی اللہ نہیں ہوں اور اگر دے دوں تو اہل
اللہ کے نزدیک اُس گدھے سے بہتر نہیں ہوں۔"

اِس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو کرامت کے طالب ہوتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ کرامت طلب کرنے سے کفّار کی مشابہت ہو جاتی ہے۔ مومن کو معجزہ اور کرامت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حضرت ابُوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کب رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے معجزہ طلب کرتے تھے۔ معجزہ تو کفّار طلب کرتے تھے اور جن کی قسمت میں ایمان نہ تھا وہ معجزہ دیکھ کر بھی بے ایمان رہ گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرما دیا:

"تم آسمان پر اُڑ جاؤ تب بھی یہ لوگ نہ مانیں گے۔"

جب شق القمر کا معجزہ ہوا تو ہندوستان میں بھی ایک راجہ نے دیکھ لیا۔ لیکن ابُوجہل نے دیکھا اور دیکھ کر کہا:

"تم بڑے جادُوگر ہو۔ تمھارا جادُو اب آسمان تک پہنچ گیا ہے۔"

رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم معجزہ دکھانے سے اجتناب فرماتے تھے کیونکہ معجزہ دیکھنے کے بعد جو نہ مانے تو اس پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ یہ آپ کی شفقت تھی کہ کبھی کبھی صحابۂ کرامؓ کو بھی معجزہ دِکھاتے تھے۔

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شفقت

آپ بڑے رحیم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ کی تعریف میں فرمایا ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ	تمہارے پاس رسُول آئے ہیں تم ہی میں
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ	سے تمھیں کوئی تکلیف ہو تو ان کو

عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۔

ناگوار گزرتا ہے ۔ تمہارے ساتھ بھلائی کرنے میں وہ حریص ہیں ۔ مومنوں کے ساتھ مہربان اور رحیم ہیں ۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک منافق کی قبر سے گذرے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے ۔ حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی بخشش کے لئے دعا کی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا :

" یہ تو فلاں منافق ہے ، اس کے لئے آپ کیوں دعا کر رہے ہیں ۔؟ "

اتنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی :

" اگر تم ستّر دفعہ بھی اس کے لئے دعا مانگو گے ۔ تب بھی قبول نہ کروں گا ۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا :

" بس اَب تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آگیا ہے ۔"

فرمایا :

" میں اکہتّر دفعہ دعا مانگوں گا ۔ "

فرمایا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تو سراپا رحمت ہیں ۔ جب طائف میں کفّار نے آپ کو زخمی کیا تھا تو اس وقت بھی آپ نے مخالفین کے لئے دعا مانگی :

" یا اللہ ! ان کو بخش دے کیونکہ یہ جانتے نہیں ہیں ۔ "

فرمایا بد دعا کرنا تو آپ کے شایانِ شان نہیں تھا ۔ اولیاء کرام بھی بد دعا نہیں کیا کرتے ۔

ایک دفعہ ایک بزرگ رات کو کہیں جا رہے تھے ۔ ان کے ساتھ چار پانچ آدمی اور تھے ، راستہ میں چور مِل گئے ۔ انھوں نے ان کے کپڑے وغیرہ ٹٹولے لیکن کچھ نہ مِلا اور اس ناکامی سے غصّہ میں آکر ان کو مارنے لگے ۔ جب وہ پِٹ چکے تو لوگوں نے ان بزرگ سے کہا :

" آپ ان کے لئے بد دُعا کیوں نہیں کرتے؟"

چنانچہ انھوں نے ہاتھ اُٹھائے اور کہا:

" یا اللہ! انھیں دُنیا اور آخرت کی بھلائی نصیب کر۔"

وہ دُعا قبول ہوگئی۔ اور سب کے سب تائب ہوکر ان کی خدمت میں آئے اور ابدالوں کا مرتبہ پایا۔

غیر اللہ سے مانگنا شرک ہے

اُسی روز حضرت اقدسؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت میکائیل علیہ السلام رزق کے اِنچارج ہیں۔ مجاہدہ کے زمانہ میں ہمارے مولانا صاحبؒ کلیر شریف میں تھے۔ ایک اور بزرگ بھی اُن کے ساتھ رہتے تھے۔ انھیں حضرت میکائیل علیہ السلام سے ایک نسبت خاص تھی۔ ایک دفعہ ہفتہ بھر کھانے کو کچھ نہ مِلا۔ چنانچہ وہ بزرگ میکائیل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھ گئے۔ اور مولانا صاحبؒ ایک پیڑ کے سایہ میں بیٹھ کر ذات کی طرف متوجہ ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُن بزرگ کے پاس اُوپر سے ایک خوان آیا۔ اور انھوں نے مولانا صاحبؒ سے کہا:

" آیئے کھانا کھایئے!"

مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

" تم حضرت میکائیلؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور کھانا مِلا۔ ہم ذات کی طرف متوجہ ہوئے اور بغیر کھانا کھائے ہمارا پیٹ بھر گیا ہے۔ جو کچھ آپ نے کیا ہے وہ شرک ہے۔ میکائیل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہونا یا کالی دیوی اور دوسرے بُتوں کی طرف متوجہ ہونا برابر ہے۔ اہل اللہ کیلئے ایسی باتیں کرنا شرک ہے۔ وہ اللہ کے طالب ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت اللہ کو چاہتے ہیں۔"

مغلوبُ الحال ہونے سے ترقّی رُک جاتی ہے

ایک روز ارشاد فرمایا کہ رُوحانی طاقت اِس طرح بڑھائی جا سکتی ہے کہ جب نزولِ انوار ہو تو نہایت صبر و استقلال اور سکون سے جم کر بیٹھا رہے۔ مغلوبُ الحال نہیں ہونا چاہیئے۔ مغلوب الحال ہونے سے ترقّی رُک جاتی ہے۔ اور یہ کمزوری کی علامت ہے۔ سمندر بن جانا چاہیئے۔

فرمایا: ایک دن مُنّے (سیّد شریف الحسن صاحب) کے خُسر مولوی محسن فاروقی کہنے لگے:

"حضرت شاہ تراب علی صاحبؒ (کاکوری شریف) کے ہاں بھی حاضری دی اور اُن کے والد ماجدؒ کے ہاں بھی۔ لیکن بیٹے کے مزار پر تو بڑی رونق تھی اور خوب ذوق شوق کا فیضان تھا۔ اور باپ کے مزار پر بالکل سکوت تھا۔"

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ میں نے اُن سے مزاحاً کہا:

"حضرت کاظم علی شاہ صاحبؒ (حضرت شاہ تراب علی صاحبؒ کے والد) نے مجھے بتلا دیا ہے کہ فلاں بے ادب تمہارے پاس آ رہا ہے۔ ان کو میرا یہ شعر پڑھ کر سُنا دو ؎

نہ شد مست کاظم زہے ظرف عالی
پیے مدھ کے دن رات بھر بھر کے پیالے"

آپ نے فرمایا:

"بھائی بات دراصل یہ ہے کہ حضرت شاہ تراب علی صاحبؒ کے والد ماجد کا ظرف بہت عالی ہے۔ سمندر میں سکوت ہوتا ہے۔ اور ندّی نالے بہت شور و غل کے ساتھ بہتے ہیں۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ رُوحانی طاقت بتدریج بڑھانے کے بارے میں ہمارے

مولانا صاحبؒ ایک کہانی بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک لڑکے کی شادی کسی دیہات میں قرار پائی۔ ایک دفعہ وہ کچھ چیزیں لے کر سسرال گیا۔ جب شام ہوگئی تو انھوں نے کہا:

"اَب شام کا وقت ہے۔ جنگل کا راستہ ہے۔ رات یہیں ٹھہر جاؤ، صبح چلے جانا۔"

چنانچہ وہ رات وہیں ٹھہر گیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ سب لوگ چھت پر سویا کرتے تھے۔ جب رات ہوئی تو وہ لڑکی جس کے ساتھ اس کی نسبت ہوئی تھی، ایک بھینس کو اُٹھا کر چھت پر لے آئی۔ وہ یہ دیکھ کر گھبرایا۔ جب گھر آیا تو باپ سے کہا:

"میں اس کے ساتھ شادی نہیں کروں گا۔ وہ تو ایسی ہے کہ بھینس کو اُٹھا کر چھت پر لے جاتی ہے۔"

باپ نے یقین نہ کیا۔ بیٹے نے کہا:

"آپ خود جا کر دیکھ لیجئے۔"

چنانچہ ایک روز وہ وہاں گیا۔ اور رات وہیں ٹھہرا۔ اُس نے بھی دیکھا کہ لڑکی بھینس کو اُٹھا کر چھت پر لے گئی۔ جب اُس نے دریافت کیا تو خاندان والوں نے بتایا:

"جب سے یہ بھینس پیدا ہوئی ہے۔ لڑکی اس کو رات کے وقت چھت پر اُٹھا کر لے جاتی ہے، اِس لئے کہ نیچے جنگلی جانوروں کا خوف ہے۔ بھینس جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی، لڑکی کی طاقت بھی بڑھتی گئی۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ اپنی طاقت کو بتدریج بڑھانا چاہیئے۔ یہ کیا کہ چِلّا کیا کچھ دِن سرگرم رہے پھر ٹھنڈے ہوگئے۔ اِس سے کام نہیں چلتا۔

فرمایا: اگر ہانڈی کے نیچے ڈومنٹ کے لئے آگ جلائی جائے اور پھر

پانچ منٹ کے لئے بجھا دی جائے۔ پھر دو منٹ کے لئے جلائی جائے اور پانچ منٹ کے لئے بجھا دی جائے۔ اس طریقے سے تو قیامت تک ہانڈی نہیں پکے گی۔ لیکن تھوڑی سی آگ مسلسل جلتی رہے تو ہانڈی اپنے وقت پر پک جائے گی۔ اسی لئے بزرگوں کے نزدیک استقامت کرامت سے بلند ہے۔ اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ۔

حضرت ابو یوسف درانی اور قازان

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جب تاتاریوں نے اسلامی سلطنت پر حملہ کیا تو تمام بلادِ اسلامیہ کو تہ و بالا کر دیا۔ بغداد میں قتلِ عام کیا۔ کتب خانے جلا دیئے۔ علماء و مشائخ کو چن چن کر شہید کیا۔ اور یہ ساری کاروائیاں قازان اور ہلاکو کی سرکردگی میں ہوئیں۔ قازان ترکستان کا رہنے والا اور مذہباً مجوسی تھا۔ اور جب تک بکثرت علماء و مشائخ کو قتل نہ کرا لیتا تھا۔ صبح کا ناشتہ نہیں کرتا تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ جو علماء و مشائخ گرفتار ہو کر آتے تھے، انھیں ایک صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ ادھر ایک عالم قتل ہوا، ادھر قازان نے سیب کی ایک قاش منہ میں ڈال لی۔ اس طرح اس کا صبح کا ناشتہ ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ قازان کو ایک بزرگ کا پتہ چلا کہ وہ کہیں دور کسی مقام پر رہتے ہیں۔ چنانچہ انھیں گرفتار کرنے کے لئے سپاہی بھیجے گئے۔ سپاہی انھیں گرفتار کر کے لا رہے تھے۔ چلتے چلتے رات ہو گئی۔ جنگل کا راستہ تھا۔ بسیرے کے لئے محفوظ مقام کی فکر ہوئی۔ قسمت سے ایک چھوٹی سی جھونپڑی نظر آئی۔ جس میں بہ مشکل دو تین آدمی ہی سما سکتے تھے۔ چنانچہ سپاہیوں نے ان بزرگ کو باہر سونے کے لئے کہا اور خود اندر چلے گئے، اور دروازہ بند کر لیا۔ جھونپڑی والے نے کہا:

"صاحب ان کے لئے بھی کچھ انتظام ہونا چاہیئے۔ ورنہ شیر انھیں

مار ڈالے گا۔"

سپاہیوں نے کہا:

"تم فکر نہ کرو۔ یہ مرنے ہی کے لئے جا رہے ہیں۔"

غرض رات وہاں بسر کی۔ صبح کے قریب سپاہیوں نے چپکے سے دروازہ کھولا کہ دیکھیں ان کا کیا حشر ہوا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ وہ بزرگ سو رہے ہیں اور شیر ان کے گرد پہرہ دے رہا ہے۔ جب صبح کی روشنی ہوئی، اس وقت شیر چلا گیا۔

غرض سپاہی انھیں لے کر بغداد پہنچے اور قازان کے دربار میں پیش کر دیا۔ اس وقت اور علماء بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ حسبِ دستور سب ایک قطار میں کھڑے کر دیئے گئے اور ان بزرگ کو بھی انھیں کی صف میں شامل کر دیا گیا۔ جانتے ہو یہ بزرگ کون تھے۔ یہ حضرت شیخ ابو یوسف دارانیؒ تھے۔

اب ایک طرف سے لوگ یکے بعد دیگرے قتل ہوتے جاتے تھے اور قازان حسبِ عادت فواکہات میں سے ایک ایک قاش اٹھا کر کھاتا جاتا تھا۔ جب حضرت ابو یوسفؒ کی باری قریب آتی، آپ چپکے سے ایک شخص کو بیچ میں چھوڑ کر اس کی دوسری جانب آجاتے۔ جلاد یہ دیکھ کر مسکرا دیتا کہ آخر کب تک بچے رہیں گے۔ جب سب قتل ہو چکے اور آپ تنہا رہ گئے تو جلاد نے کہا:

"اب کیسے بچو گے؟"

آپؒ نے فرمایا:

"تو میرے قتل پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔"

یہ سن کر جلاد کو طیش آیا اور غصہ میں زور سے تیغہ مارا۔ آپؒ نے اللہ کہا اور تیغہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ اور آپ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ جب اسی طرح کئی تیغے جلاد کے ہاتھ سے ٹوٹ چکے تو قازان کو بہت حیرت ہوئی۔ کہنے لگا:

"یہ تو کوئی عجیب و غریب شخص معلوم ہوتا ہے۔"

حضرت ابُویوسف دارانیؒ نے فرمایا:

"اَب تیرے اِسلام قبول کرنے کا وقت آگیا ہے۔ اَپنے اِن مظالم سے باز آ اور کلمہ پڑھ۔"

اُس نے کہا:

"کوئی کرامت دکھاؤ تو میں اِسلام قبول کروں۔"

آپؒ نے فرمایا:

"کیا کرامت دیکھنا چاہتا ہے؟"

اُس نے کہا:

"آتش کدہ کی آگ میں سے گذر جاؤ۔"

آپ نے فرمایا:

"یہ کام تو بازی گر بھی کر دیا کرتے ہیں۔"

اُس نے کہا:

"اچھا زہر کھالو۔"

آپ نے فرمایا:

"زہر بھی بہت سا منگا اور کچھ تانبہ بھی منگا کر اُسے گلا۔"

چنانچہ دونوں چیزیں مہیا کی گئیں۔ آپؒ نے وضو کیا۔ دو رکعت نفل پڑھی پھر اس زہر کو کھانا شروع کیا اور گلے ہوئے تانبے کو مثل پانی کے پینے لگے۔ اور آپ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا۔ قازان بہت نادم ہُوا اور مسلمان ہو گیا۔ خود مسلمان ہونے کے بعد اس نے حکم دیا:

"جو اسلام قبول نہ کرے، وہ قتل کر دیا جائے۔"

بعد ازاں قازان نے درخواست کی:

"میرے تمام جسم پر بال ہیں اور میں نہایت سیاہ فام ہُوں ۔ میں

چاہتا ہوں کہ یہ باتیں جاتی رہیں۔"

آپؒ نے ایک طشت میں پانی منگوا کر اس میں کُلّی کر دی اور اس پانی میں چادر تر کر کے اوڑھنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر میں سارا جسم صاف ہو گیا اور رنگت سفید نکل آئی۔ اس کے بعد قازان کی تعلیم و تربیّت حضرت شیخ ابو یوسف دارانیؒ نے فرمائی۔ اور بڑے مرتبے کو پہنچا۔ اور اُس کی بدولت اسلام بہت پھیلا۔ رُوس میں بھی بہت تبلیغ کی اور بے شمار لوگ مشرف باسلام ہوئے۔

قازان کا مزار انھیں کے نام کے ایک شہر قازان میں ہے۔ جو ماسکو سے مشرق کی جانب ہے۔ یہ وہی مقام ہے۔ جسے گذشتہ جنگ سنہ ۴۵-۱۹۳۹ء کے دوران ماسکو کو خطرے میں دیکھ کر رُوسی حکومت نے روس کے دارالخلافے کے لئے منتخب کیا تھا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارے مولانا صاحبؒ (حضرت شاہ وارث حسن صاحبؒ) اپنے سفر کے دَوران قازان تشریف لے گئے تھے اور چالیس روز تک حضرت قازان علیہ الرحمتہ کے مزار مبارک پر رہے۔

عبدیت ایک دفعہ فرمایا۔ عبدیت کے یہ معنیٰ ہیں خوب سمجھ لو۔ ایک غریب مفلس آدمی ہے۔ نہ گھر نہ در۔ تمہارے پاس رہتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ آپ جس طرح رکھیں گے، رہوں گا۔ دُوسرا آدمی ہے۔ جس کو تم نے مال دیا ہے۔ اور اختیار دیا ہے کہ جو چاہو کرو۔ لیکن اِس کے باوجود وہ سب کچھ تمہارے آگے رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ سب آپ کا ہے۔ جو کچھ آپ دیں گے وہی لوں گا۔ ظاہر ہے کہ دُوسرا شخص تم کو زیادہ اچھا لگے گا۔ اللہ کے دربار میں اسی طرح رہنا چاہئیے اور یہی عبدیت ہے۔ اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام کا یہی مقام ہے۔ آپ عبدہٗ و رسولہٗ ہیں۔ عبدیت کا مقام سب سے زیادہ بلند ہے۔ اور آپ ہی کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے۔

حضرت شاہ وارث حسن صاحبؒ کی روش

اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارے مولانا صاحبؒ کی آمد و رفت اکثر امیروں کے ہاں ہوا کرتی تھی۔ کسی نے حضرت شیخ الہندؒ سے آپ کی اس روش پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا:

"تم نے ان کا ظاہر تو دیکھا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ کیا خدمت ان کے سپرد ہے۔"

فرمایا ہمارے مولانا صاحبؒ بڑے اہتمام کے ساتھ تمام اُمور خواہ دینی ہوں یا دنیوی، سرانجام دیتے تھے۔ بعد فراغت معمولات صُبح سے دوپہر تک آپ دنیوی کاموں میں مصروف رہتے۔ ظہر سے عصر تک آپ مشغول ہوتے۔ اور عصر کے بعد مُریدین کی ہدایت اور دینی امور میں مصروف ہوتے۔ اگر کوئی اِس پروگرام میں مخل ہوتا تو پٹ جاتا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک بزرگ کے ہاں کسی عورت کا لڑکا رہتا تھا۔ اور ان کی خِدمت میں رہ کر اپنے گھر کے کام اچھی طرح سرانجام نہ دیتا تھا۔ اِس سے اُس کی ماں سخت ناراض ہوتی۔ ایک دن وہ ان بزرگ کے پاس جا کر کہنے لگی

"تم نے میرے لڑکے کو بیکار کر دیا ہے۔ کسی کام کا نہیں رکھا۔"

اُن بزرگ نے یہ سُن کر خادم سے کہا:

"اِس کے تھپڑ مارو۔"

خادم نے خیال کیا کہ یونہی کہہ رہے ہیں۔ اب ایک نامحرم عورت کو کس طرح ماروں۔ چنانچہ اُس نے توقف کیا اور عورت فوراً گری اور مر گئی۔ بزرگ نے خادم سے کہا:

"اِس کا قاتل تو ہے۔ اگر اسے تھپڑ مار دیتا تو بس اس کو سزا مل جاتی۔ لیکن تو نے ایسا نہ کیا اور اس کو غیب سے تھپڑ پڑا جس سے وہ مر گئی۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارے مولانا صاحبؒ کے ہاں پورے رمضان شریف میں رات کو کوئی نہ سوتا تھا۔ تراویح کے بعد تہجد تک سب کو ذکر میں مشغول رکھتے تھے۔ نماز تہجد باجماعت ہوا کرتی اور اس میں الگ ختم قرآن ہوتا تھا۔ دو سو کے قریب آدمی ہوا کرتے تھے۔ اور سب اپنے اپنے مشاغل میں مصروف رہا کرتے تھے۔ خود ٹہلتے رہتے تھے۔ اگر کسی کو غافل پاتے یا غلط ذکر کرتے ہوئے دیکھتے تو ٹھوکا لگاتے تھے۔ کبھی جا کر کسی کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ غرضیکہ پوری رات سب کو مشغول رکھتے تھے۔ بعد فراغت نماز فجر سونے کی اجازت ملتی تھی۔ لیکن دوپہر کے بعد سونے کی اجازت نہیں تھی۔ کیوں کہ اس وقت کے لئے اور مشاغل تھے۔

فرمایا دورانِ سیاحت مولانا صاحبؒ جب مزارات پر حاضر ہوتے تھے، تو متوجہ ہو کر سب سے یہی دریافت کرتے تھے:

"کِس شغل سے آپ کا فتح باب ہوا — ؟"

جب وہ بتلاتے تو اُن سے کہتے:

"مجھے بھی اس کی تعلیم دیجئے اور اجازت بخش دیجئے۔"

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بیابانیؒ آکر نماز میں متصل کھڑے ہو گئے اس سے حالت سکر پیدا ہوئی۔ آپ نے کہا:

"چلے جاؤ ورنہ خواجہ صاحبؒ سے کہہ دوں گا۔"

مولانا گنگوہیؒ کا ادراک لطیف

اِس کے بعد حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا ذکرِ خیر ہونے لگا۔

فرمایا آخر عُمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ لیکن آپ نے آپریشن سے اجتناب فرمایا۔ محض اِس خیال سے کہ آپریشن کے بعد کم از کم چوبیس گھنٹے بے حرکت پڑا رہنا پڑے گا، اور کھڑے ہو کر نماز نہیں ادا کر سکیں گے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

"اَب مشغولی کے لئے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

آپ کا مزاج اِس قدر لطیف تھا کہ ایک دن آپ بیتُ الخلا تشریف لے جارہے تھے تو ایک درخت کے پاس رُکے اور فرمایا :

"تمباکو کی بُو آتی ہے ۔"

اور جب آپؒ بیتُ الخلا تشریف لے گئے تو خادم نے دیکھا کہ دُور ایک طرف پان کی پیک پڑی ہُوئی ہے ۔ انھوں نے اس جگہ کو کھُرچ کر صاف کر دیا۔ جب آپؒ واپس تشریف لائے تو فرمایا :

"اَب نہیں ہے ۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ اولیاء کرام کی طبیعت میں بہت لطافت ہوتی ہے ۔ مُریدین کی اِصلاح میں انھیں بہت تکلیف ہوتی ہے ۔ کثیف اور گندے قلوب سے سخت بَدبُو آتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے ۔ اِس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں خدمتِ ارشاد سپرد ہوتی ہے ۔ یہ ان کے لئے بہت سخت مجاہدہ ہے ۔

اذکارِ حلقہ و برزخِ شیخ

ایک دفعہ حلقۂ ذِکر کے بعد فرمایا کہ جو اذکار حلقۂ ذِکر میں کئے جاتے ہیں۔ انکو علیحدہ کرنے کی اجازت نہیں ہے، اِس سے نقصان ہوتا ہے۔ ان کے لئے برزخِ شیخ کی ضرورت ہے ۔ اگر گوشت کا ٹکڑا انگاروں پر رکھا جائے تو فوراً جل جائے گا ۔ لیکن اگر اُسے ہانڈی میں ڈال کر اس میں پانی ملایا جائے اور آگ پر رکھا جائے تو وہ اچھّی طرح پک جائے گا ۔ جس طرح گوشت کے لئے ہانڈی اور پانی کے برزخ کی ضرورت ہے ۔ اِسی طرح سالک کے لئے بھی برزخِ شیخ کی ضرورت ہے ۔ جب سالک پر فیضان ہوتا ہے تو شیخ جو SUPERFLUOUS (زائد) چیز ہوتی ہے ، اُسے نکال دیتا ہے ۔ اور جہاں کمی ہوتی ہے ACCELERATE (تیز) کر دیتا ہے۔

تین دلوں کی طاقت

ایک دفعہ فرمایا کہ سُورۂ یٰسین قرآن کا دل ہے۔ آخری شب وقت کا دِل ہے۔ ان کے ساتھ اگر انسان کا دل بھی شامل ہوجائے تو ہر مشکل حل ہوجاتی ہے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ تین دِل مل کر پہاڑ کو بھی توڑ دیتے ہیں۔

غیر شرعی شکل دیکھ کر اعتراض نہ کرے!

ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ پر شریعت کا غلبہ تھا۔ مسجد میں بائیں پاؤں سے داخل ہونے والے کو خوب ڈانٹتے تھے۔ ہر وقت کمرہ کا فرش نہایت پاک و صاف رکھتے تھے۔ کسی خادم کو دُوسری جگہ ننگے پاؤں چل کر فرش پر آنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک دن آپ اپنے کمرے میں بیٹھے تھے کہ ایک بیراگی چلم پیتا ہُوا ننگے پاؤں آیا اور آپ کے کمرے کے اندر آپ کے ہی پاس فرش پر جاکر بیٹھ گیا۔ اور کچھ دیر باتیں کر کے چلا گیا۔ یہ دیکھ کر سب لوگ حیران تھے کہ یا تو پاکیزگی کا اِس قدر اہتمام رکھتے تھے کہ کوئی فرش پر قدم نہیں دھر سکتا تھا یا یہ کہ پاؤں مٹّی میں لتھڑے ہُوئے اور بدبُودار چلم پیتا ہُوا ایک شخص آیا اور نہ صرف کمرے کے اندر داخل ہونے دیا بلکہ فرش پر بٹھا کر باتیں بھی کرتے رہے۔ چنانچہ جب آپ سے دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا

”یہ صاحب خدمت ہیں اور ھندوؤں کے فلاں میلے کا انتظام کرنے کی خاطر جارہے ہیں۔ اگر میری اور تمہاری شکل میں جاتے تو پٹ جاتے۔“

جمہُوریت

ایک دفعہ فرمایا کہ جمہُوریت کا مطلب ہے، اکثریت کی حکُومت۔ لیکن دُنیا میں تو اکثریت جہلا کی ہے۔ اہلِ حق تو اقلیت میں ہیں۔ اِس لئے جمہُوریت دَراصل جہلا کی حکُومت ہے۔ یہ لوگ SOVEREIGNTY OF MAN (انسان کے اقتدار) کے قائل ہیں۔ اور اسلام میں تو SOVEREIGNTY OF GOD ہے یعنی تمام حکُومت اور اِختیار و

اقتدار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اللہ اقلیت ہے IRREDUCIBLE MINORITY (ناقابلِ تخفیف اقلیت) ہے۔ حکومت دراصل اقلیت کی ہونی چاہیئے۔ جمہوریت کی رو سے جہلا اور عوام خواص پر حکومت کرتے ہیں۔

اعلیٰ وارفع حال، حقیقی حال ہے

ایک دفعہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے عرس کے موقعہ پر حضرتِ اقدسؒ عبدالسلام کے حجرے میں تشریف فرما تھے اور ہم لوگ محفلِ سماع میں شریک ہوئے۔ جب ہم واپس آئے تو حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ آج قوالی کا رنگ اچھا رہا۔ حالانکہ آپ پورے وقت حجرے میں بیٹھے رہے۔ اور قوالی سماع خانے میں ہو رہی تھی۔ فرمایا جب انھوں نے اردو کلام شروع کیا تو رنگ جاتا رہا۔ یہ لوگ بھی مجبور ہیں۔ عوام کے لئے اردو کی غزلیں گاتے ہیں۔ اگر اس خیال سے اردو کی غزلیں گائیں کہ اردو داں اس سے فائدہ اٹھائیں تو چنداں حرج نہیں۔ لیکن یہ لوگ تو اس لئے اردو کو ترجیح دیتے ہیں کہ ان کو پیسے زیادہ ملیں۔ یہ برا ہے۔ اِس کے بعد دریافت فرمایا:

"آج کسی کو حال بھی آیا تھا؟"

احقر نے عرض کیا:

"جی ہاں۔"

دریافت فرمایا:

"کس شعر پر؟"

عرض کیا:

"اِس شعر پر ؎

کعبۂ دل قبلۂ جاں یا رسول اللہؐ توئی
سجدۂ مسکیں حسن ہر لحظہ باداسوئے تو"

فرمایا شعر تو اچھا ہے۔ لوگ اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ فلاں کا حال سچا تھا یا جھوٹا۔ اب اگر کسی کا والد فوت ہو جائے تو وہ روئے گا۔ چیخے گا۔ بہت غمگین ہوگا۔ اِس لئے کہ والد تھا۔ کھانا کھلاتا تھا، کپڑے پہناتا تھا۔ رُوپے پیسے دیتا تھا۔ اَب کون یہ سب چیزیں دے گا۔ اس کا یہ حال دیکھ کر کوئی نہیں کہے گا کہ اس کا حال جُھوٹا ہے۔ حال تو سچا ہے۔ لیکن اعلیٰ وارفع نہیں ہے۔ اَب والد کی بجائے خواجہ غریب نوازؒ کو SUBSTITUDE (تصوّر) کرو۔ ان لوگوں کو خواجہ صاحبؒ کی تعریف پر اس لئے حال آتا ہے کہ اِمداد فرماتے ہیں۔ مصیبت کے وقت کام آتے ہیں۔ اس لئے اچھے لگتے ہیں۔ اِسی طرح اپنے شیخ کو۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اور خُدا کو لو۔ اِن سب سے اس لئے محبّت ہے کہ تمہارے کام آتے ہیں۔ اور یہ سب نفس ہے۔ اور خودی ہے۔ اِس قسم کے حال میں تو کوئی شک نہیں۔ حال تو سچا ہے۔ لیکن ہم یہ نہیں دیکھتے کہ حال سچا ہے یا جُھوٹا۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے۔ کہ حال کس قدر ارفع واعلیٰ ہے۔ اور اس میں کس قدر فدائیت اور محویت ہے۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

فرمایا یہ جذبۂ فدائیت ہونا چاہیئے۔ پھر یہ شعر پڑھا ؎

چمنے کہ تا قیامت گُلِ او بہار بادا
صنمے کہ بر جمالش دوجہاں نثار بادا

فرمایا اس میں اور رنگ ہے۔ ارفع اور اعلیٰ کے حال میں اِس قسم کے جذبات ہوتے ہیں۔ نفس کی بُو تک نہیں ہوتی۔ سب کچھ اللہ کے لئے ہوتا ہے۔ محویت اور فدائیت کا حال ارفع واعلیٰ ہوتا ہے۔

حضرت صابر صاحبؒ سے مُلاقات

دُوسرے دن قل خوانی کے بعد حضرت اقدسؒ عبدالسلام صاحب کے حجرے میں تشریف لائے۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے اپنے عرس پر کوئی آئے یا نہ آئے لیکن ان کے شیخ علیہ الرحمۃ کے عُرس پر جو شخص آتا ہے اُس سے بہت خوش ہوتے ہیں اور بہت انعام عطا فرماتے ہیں۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کا عُرس صرف اجمیر شریف میں منایا جاتا ہے۔ آپؒ کا مزار مبارک مکّہ معظّمہ ہے۔ لیکن آپ کا عُرس وہاں نہیں ہوتا۔ یہاں رُسومات مثلاً محفل دستار بندی، قوالی اور ختم وغیرہ سب ہوتے ہیں۔ فرمایا خواجہ صاحبؒ اپنے پیر کا عُرس بھی مناتے ہیں۔ اور اپنے مُرید کا بھی قطب صاحبؒ کا عُرس بھی اجمیر شریف جیسا کہیں نہیں ہوتا۔ وہ اپنے عُرس پر اجمیر شریف چلے آتے ہیں۔ اِس کے بعد فرمایا کہ ایک عرب کو حضرت صابر صاحبؒ سے نسبت ہو گئی۔ اور وہ آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہونے کا بہت شوق رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ ہندوستان آئے اور ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کلیر شریف کی حاضری کا ارادہ ظاہر کیا۔ انھوں نے فرمایا:

"اِس وقت مت جاؤ۔ عُرس کا موقعہ ہے۔ حضرت کو فرصت کم ہوگی۔
عُرس کے بعد جانا۔"

لیکن وہ نہ مانے۔ جب بہت اصرار کیا تو ان بزرگ نے ان کو ایک خط لکھ کر دیا کہ کلیر شریف میں فلاں مقام پر بھنگڑ اور چرسی بیٹھے ہوں گے۔ ان میں ایک اس حلیہ کا آدمی ہوگا۔ یہ خط اس کو دے دینا۔ اور کسی مصلحت سے وہ لفافہ بند نہ کیا۔ مگر عرب صاحب نے اخلاقاً وہ خط نہ پڑھا اور کلیر شریف جاکر بھنگڑوں کے گروہ میں اس حلیہ کے آدمی کو دیکھا اور وہ خط اس کو دے دیا۔ خط لے کر انھوں نے پڑھا اور جواب دے دیا۔ جب عُرس سے فارغ ہو کر عرب صاحب واپس آئے تو ان بزرگ

نے دریافت فرمایا:

"حضرت صابر صاحبؒ کی زیارت ہوئی؟"

کہا: "نہیں!"

فرمایا:

"جن کو خط دیا وہ کون تھے؟"

کہا: "اچھا وہی تھے۔"

وہ خط ان بزرگ نے اسی لئے بند نہ کیا تھا کہ عرب صاحب پڑھ کر سمجھ جائیں گے۔ لیکن انھوں نے ادباً خط کو نہ پڑھا۔ خط میں یہ لکھا تھا:

"جب آپ اس ظاہری زندگی میں تھے تو بارہ کوس تک کوئی پرندہ تک پر نہیں مار سکتا تھا، اب اس قدر ہجوم آپ کس طرح روا رکھتے ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا:

"تم سے تو ایک آدمی روکا نہیں گیا، میں لاکھوں آدمیوں کو کیسے روکوں؟"

صابری عُرس کی اہمیت

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک صاحب امروہہ سے قطب صاحبؒ کے عُرس میں شریک ہونے کے لئے آئے۔ عُرس کے ایام میں جن کے ہاں وہ ٹھہرے وہ اپنا بوریا بستر باندھ کر کلیر شریف جا رہے تھے۔ نو وارد نے دریافت کیا:

"آپ عُرس چھوڑ کر کہاں جاتے ہیں۔ دادا کا عُرس چھوڑ کر آپ پوتے کے عُرس پر جا رہے ہیں؟"

لیکن وہ نہ مانے اور چلے گئے۔ جب یہ شخص حضرت خواجہ قطبُ الدّین بختیار کاکیؒ کے مزارِ مبارک پر گئے اور فاتحہ پڑھ کر مراقب ہوئے تو آپ کو وہاں موجود نہ پایا۔ فوراً بستر باندھ کر کلیر شریف چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو کسی نے ان کو بتایا:

"قطب صاحبؒ آئے تھے۔ لیکن واپس چلے گئے ہیں۔"

اِس بے اَدبی کی وجہ سے انھیں زیارت نصیب نہ ہو سکی۔

صحابہؓ سے کد رکھنے والے کافر ہیں

ایک دفعہ اِرشاد فرمایا کہ جو لوگ صحابۂ کرامؓ پر تبرّا کرتے ہیں۔ وہ قرآن کی رُو سے کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی شان میں فرمایا ہے:

ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ۚ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ (الفتح)

ترجمہ: یہ ہے ان کی شان توریت میں اور انجیل میں ان کی مثال ہے جیسے کھیتی نے اپنا پٹھا نکالا پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ اور موٹا ہوا پھر اپنے بَل پر کھڑا ہوگیا۔ کاشت کاروں کو بھلا معلوم ہونے لگا تاکہ کافروں کا جی جلے۔

مطلب یہ ہے کہ کفّار صحابۂ کرامؓ پر غیظ و غضب سے بھرے رہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہُوا جو لوگ صحابۂ کرامؓ پر غیظ و غضب کرتے ہیں، کافر ہیں۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک شیعہ عالم پشاور میں ہمارے پاس آئے اور دریافت کیا:

"اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن آپ سے سوال کیا کہ تمہاری رائے میں خلافت کا حق دار کون تھا، تو آپ کیا جواب دیں گے؟"

ہم نے کہا:

"اوّل تو اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ سوال نہیں کرے گا۔ لیکن وہ مالک ہیں۔ اگر یہ سوال کیا تو میں کہوں گا کہ صحابۂ کرامؓ میرے زمانہ میں نہیں تھے اور نہ ہی ان کی خلافت کا دار و مدار میرے ووٹوں پر تھا۔

لہٰذا میں نے اس معاملہ میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا۔ "

مُسلم اور مومن میں فرق

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ مومن اور مُسلمان میں یہی فرق ہے۔ کہ کلمۂ طیّبہ پڑھنے سے آدمی مُسلمان تو ہوجاتا ہے۔ لیکن مومن کی خاصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبّت رکھتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ اب وہ خود جانتے ہیں کس میں زیادہ محبّت ہے اور کس میں کم۔

اِس کے بعد ارشاد فرمایا کہ انسان کو چاہیئے، محبّت سے اللہ کا قرب حاصل کرے۔ قرب آخری منزل نہیں ہے۔ قرب میں بھی دوئی ہے۔ محبّت سے عینیت پیدا کرے اور ذات میں محو ہوجائے۔ وہی بن جائے اور خود نہ رہے۔ حدیث قرب نوافل کے مُطابق اپنی ہستی کو اللہ کی ہستی میں گُم کردے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ فنا کے بعد بقا ہے۔ باقی مذاہب مثلاً ہندو مذہب، عیسائیت۔ بدھ مت اور یہودی مذہب میں آخری منزل فنا ہے۔ لیکن اِسلام میں آخری منزل بقا ہے۔ اور یہ سب سے اُونچی منزل ہے۔ یہ تکمیل اِنسانیت ہے۔ عبدیت اسی کا نام ہے۔ لیکن بقا سے پہلے فنا ضروری ہے۔

مناظرہ سے قلب سخت ہوتا ہے

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ سالک کو چاہیئے کسی کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرے۔ مناظرہ سے قلب سخت ہوتا ہے۔ للّٰہیت جاتی رہتی ہے اور نفسانیت آجاتی ہے۔ خیال کرتا ہے کہ میں نے یہ کہا اور میں نے وہ کہا۔ اس لئے اگر کسی سے بات چیت ہوجائے تو ٹھنڈے دِل سے حق بات کہہ دے اور ذرا قوّتِ قلب سے اس کے دِل کی طرف متوجہ ہوجائے، جوش میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب دیکھے بحث چھِڑنے والی ہے تو خوبصُورتی سے اُسے ٹال دے۔

لطائف ستّہ ایک دفعہ لطائف کا ذکر ہو رہا تھا. فرمایا انسان کے جسم کے اندر چھ لطائف ہیں :

پہلا نفس، جس کا مقام ناف ہے۔
دوم قلب، بائیں پستان سے دو انگشت نیچے۔
سوم رُوح، دائیں پستان سے دو انگشت نیچے۔
چہارم سِرّ، جو رُوح اور قلب کے درمیان ہے۔
پنجم خفی، جو پیشانی کے وسط میں دونوں بھوؤں کے ملنے کی جگہ سے ذرا اُوپر۔ اور
ششم اخفیٰ، جو سر کی چوٹی میں ہے۔

فرمایا جسم کے دو حصے ہیں، ایک علوی، دُوسرا سفلی. علوی حصے کا مرکز لطیفہ خفی ہے اور سفلی حصے کا مرکز لطیفۂ نفس ہے اور یہی شیطان کا ھیڈ کوارٹر ہے. تمام وساوس پہلے لطیفۂ نفس میں داخل ہوتے ہیں اور پھر قلب میں پھیلتے ہیں. اسی طرح تمام انوار پہلے لطیفہ خفی پر وارد ہوتے ہیں. اور اسکے بعد باقی لطائف پر پہنچتے ہیں. بچے کے اندر رُوح لطیفۂ خفی سے داخل ہوتی ہے. اور جب رُوح جسم سے جُدا ہوتی ہے تو سب کے بعد خفی سے نکلتی ہے. رُوح اس طرح نکلتی ہے کہ پہلے بائیں پاؤں کے انگوٹھے پر ایک برف کی طرح ٹھنڈا نقطہ پیدا ہوتا ہے. یہ نقطہ بڑھتا ہُوا ناف تک آتا ہے. ناف سے دُوسری ٹانگ میں چلا جاتا ہے. اور پھر قلب پر آتا ہے. جس سے بہت تکلیف ہوتی ہے. اور آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ تم لوگوں کو چاہئیے کہ اپنا کام جلدی جلدی کر لو، کیونکہ شاید ہمیں کسی وقت بلاوا آجائے. اور ہم چلے جائیں. فرمایا حضرت مظہر جان جاناںؒ کی تکمیل ابھی نہیں ہُوئی تھی کہ ان کے شیخ کا وقت آگیا. جب اُن کا

اِنتقال ہورہا تھا تو آپ ایک کونے میں کھڑے رورہے تھے۔ ان کے شیخ نے فرمایا:

"روتے کیوں ہو۔ ہمارے اِنتقال کے تین دن بعد ہماری قبر پر آکر ایک چِلّہ کرنا، تمہاری تکمیل کردیں گے۔ پہلے تین دن تو مُلّا قاتوں میں لگ جائیں گے۔ اِس لئے تین دن کے بعد آنا۔"

اِس سے ایک دِن پہلے سیّد مقصود حَسَن صاحب نے مولوی محمد حُسین صاحب بڑے کو حضرت اقدسؒ کے فالج کے حملے کے متعلق اِطلاع دی۔ انھوں نے لکھا کہ یہ خبر سُن کر اس قدر رنج ہُوا کہ تین وقت کھانا نہیں کھایا۔ لیکن ساتھ ہی یہ لکھا کہ آپ فِکر نہ کریں۔ کیونکہ ہمارے مولانا صاحبؒ (حضرت مولانا شاہ وارث حَسَن صاحبؒ) سے میں نے یہ سُنا تھا:

"ہم ذوقی سے بڑے بڑے کام لیں گے۔"

وہ کام آپ کو ابھی کرنے ہیں۔

احقر کہتا ہے کہ ان کاموں میں سے ایک کام تو قیام اور استحکامِ پاکستان تھا۔ جو حضرتِ اقدسؒ نے باحسن طریق سَرانجام دیا۔ اور کام بھی ہوں گے جو ہم لوگوں کو معلوم نہیں۔

دفع طاعون کیلئے عمل

ایک روز حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ طاعون اور وبا وغیرہ سے بچنے کے لئے آیت پاک سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ دوسو اَسّی بار پڑھ لینا چاہیئے۔ اِنشاءاللہ تعالیٰ امن رہے گا۔

فرمایا ایک دفعہ احمد آباد میں طاعون پھیلا۔ پرتمی صاحب (نظام الدّین قریشی) نے اپنے احباب اور جاننے والوں کو یہ عمل بتایا اور ان کے نام رجسٹر میں درج کرلئے۔ بعد میں دریافت کیا تو وہ سب لوگ محفوظ تھے۔

فرمایا دوسو اَسّی میں یہ حکمت ہے کہ طاعون اور وبا میں دوسو اسی فرشتے

اس کام پر مامور ہوتے ہیں۔

جُمعہ کے برکات

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن صبح سے ظُہر تک اور پھر ظُہر سے عصر تک رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دربار رہتا ہے۔ اس وقت دُرود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیئے۔ عصر سے مغرب تک ذات کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ اگر جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد بیٹھ کر یَا اَللّٰہُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ کا ورد رکھے اور جب مغرب کی نماز کے لئے اذان ہو تو ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگے۔ اور جب اذان ختم ہو جائے تو دُعا بھی ختم کرے تو جو دُعا مانگے گا قبول ہوگی۔ تین جمُعہ یہی عمل کرنا چاہیئے۔ مشکل سے مشکل کام حل ہو جاتا ہے۔

فرمایا اس سے حضرت خضر علیہ السّلام سے امداد ملتی ہے۔ تسبیح ہاتھ میں لے کر پڑھتا رہے۔ لیکن تعداد مقرر نہیں ہے۔ مغرب تک جس قدر ہو جائے کافی ہے۔

سورۂ تغابن کے برکات

ارشاد فرمایا کہ طاعون اور وبا کے لئے سُورۂ تغابن تین بار پانی پر دَم کر کے گھر کی دیواروں پر چھڑکا جائے تو طاعون سے امان ملتا ہے۔

چیچک کا گنڈا

ایک دفعہ فرمایا کہ چیچک کا ٹیکہ نہیں لگوانا چاہیئے بعض یورپین ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اس سے سِفلِس کے جراثیم جسم کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔

فرمایا سُورۂ رحمٰن پڑھے اور جتنی بار فَبِاَیِّ اٰلَاۤءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ ۝ آئے نیلے دھاگے پر ایک ایک گرہ لگاتا جائے اور وہ دھاگہ گلے میں ڈال دے۔

۲۵ نومبر ۱۹۴۳ء

سخن فہمی عالم بالا

کل رات نفیس خلیلی کی شاعری کا ذکر ہو رہا تھا۔ احقر نے عرض کیا کہ کتاب کھولتے ہی تصوف کی مذمت میں مضمون نکلا۔ بس اُسی سے نفیس صاحب کی قابلیت کا اندازہ ہو گیا۔

حضور اقدسؒ نے فرمایا: "سخن فہمی عالم بالا معلوم شد"

اِس کے بعد آپؒ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ کہ جب شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنی یہ رُباعی کہی ؎

بلغ العلیٰ بکمالہ۔ کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ۔ صلوا علیہ و آلہ

تو آسمانوں میں ہلچل مچ گئی۔ تمام فرشتے بے خود ہو گئے۔ اور ذوق و شوق کے عالم میں یہ رُباعی پڑھ رہے تھے۔ اور شیخ سعدیؒ پر انوار و برکات نازل ہو رہے تھے۔ کسی صاحبِ نظر نے ایک شاعر کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو اُسے بھی شوق ہوا کہ کوئی ایسی چیز کہے، جس سے فرشتے خراجِ تحسین پیش کریں۔ چنانچہ اُس نے ایک رُباعی تیار کی اور اُسے نہایت خوش الحانی سے پڑھ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا کہ دیکھیں کیا نازل ہوتا ہے۔ اُوپر سے ایک چیل نے بیٹ کر دی اور وہ سیدھی اس کے مونھ میں جا پڑی۔ کہنے لگا "سخن فہمی عالمِ بالا معلوم شد"

۲۵ نومبر ۱۹۴۳ء۔ ڈیرہ نواب (بہاولپور)

حساب دینے والے گھاٹے میں رہیں گے

شرعی سفر کا ذکر ہو رہا تھا فرمایا بہاولپور سے ڈیرہ

نواب تک شرعی سفر ہے۔ تین میل اسٹیشن سے پہلے اور بعد اور ۳۳ میل ریل کا سفر، بس ۳۶ میل ہو گئے۔ حضرت شاہ شہید اللہ صاحب نے کہا :

"جی ہاں تقریباً ۳۶ میل ہو گئے۔"

فرمایا : ہمارا حساب سے کیا کام۔ حساب تو وہ کریں جو حساب دینا چاہتے ہوں۔ ہم تو حساب دینا ہی نہیں چاہتے، وہ کہیں گے کیا کیا کیا! ہم کہیں گے کچھ بھی نہیں کیا۔ اَب تو مالک ہے جہاں بھیج دے۔

اِس کے بعد فرمایا حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک زاہد تھا۔ جس کی عمر ہزار برس کی تھی۔ مرنے کے بعد فرشتوں سے کہا :

"لاؤ میرا انعام!"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"اِسے دوزخ کے کنارے پر لے جاؤ۔"

فرشتے اُسے دوزخ کے کنارے پر لے گئے۔ جب گرم ہوا لگی تو پیاس کے مارے بیتاب ہو گیا۔ پانی مانگا تو کسی نے پانی نہ دیا۔ جب بُری حالت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا :

"اس سے کہو اگر اپنی عمر بھر کی نیکیاں دے دے تو ایک پیالہ پانی کا مل سکتا ہے۔"

اس نے سُنتے ہی کہا :

"مجھے منظور ہے، جلدی لاؤ۔"

پانی لایا گیا۔ جب پی چکا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"تمام عمر کی عبادت تو ایک پانی کے پیالے کے عوض دے دی اور تم کو دُنیا میں جو بے شمار نعمتیں ملی تھیں اس کا بدلہ کیا دو گے؟"

اب اسے ہوش آیا اور عرض کیا :

"یااللہ! تو بڑا کریم ہے۔ مجھ سے خطا ہوگئی۔ میں کبھی تیرے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ مجھے اپنے خالص رحم سے بخش دے۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

اِس کے بعد فرمایا جو لوگ حساب دینے کے لئے تیار ہیں بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ بہتر تو یہ ہے کہ کچھ نہ مانگے۔ کیونکہ جو شخص کوئی چیز طلب کرے گا۔ اس کا حساب دینا پڑے گا۔ اور جو کچھ وہ بِن مانگے عطا فرمائے گا۔ اس کے شان کے شایاں نہیں ہے کہ اس کا حساب طلب کرے۔ ہاں اوروں کے لئے مانگ سکتا ہے۔ اَپنے لئے کچھ نہ مانگے۔

یکم شوال سنہ ۱۳۶۳ھ ستمبر ۱۹۴۴ء۔ اجمیر شریف

تبلیغِ دین کا صحیح طریقہ

آج عید کے دن حضرت اقدسؒ درگاہ شریف میں ارکاٹی دالان میں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا:

"فلاں جگہ ایک یونی ورسٹی قائم کرنے کی تحریک ہو رہی ہے۔ جس میں لوگ کافی دلچسپی لے رہے ہیں۔"

یہ بھی بتایا کہ اس یونی ورسٹی میں تبلیغ کا کام بھی ہوگا۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اوّل تو اس کا نام یونی ورسٹی نہیں رکھنا چاہیئے۔ مدرسہ یا دارالعلوم نام رکھنا چاہئیے۔ یونیورسٹیوں نے تو مذہب کی جڑیں کاٹ کے رکھ دی ہیں۔ لوگ مغرب کی تقلید میں اندھے ہوگئے ہیں۔ حکم تو یہ تھا کہ اِتنی رکعت نماز پڑھو اور اتنی نہ پڑھو۔ اور فلاں کام کرو اور فلاں نہ کرو۔ کیونکہ یہ کام عیسائی اور یہودی کرتے ہیں۔ لیکن آج کل جو کچھ دشمنانِ اسلام کرتے ہیں لوگ اندھا دُھند اس کی تقلید کرتے ہیں یہ SYNDICATE اور SENATE اور پروفیسر سب مغرب کی

تقلید ہے۔ اور جہاں تک تبلیغ کا تعلق ہے، تبلیغ یونی ورسٹی میں تھوڑی ہو سکتی ہے۔ پہلے زمانہ میں ایک صحابیؓ کسی جزیرے میں چلے جاتے تھے اور تھوڑے عرصہ کے بعد پورا جزیرہ مسلمان ہو جاتا تھا۔ اَب ہم ان لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ نے کون سی یونی ورسٹیاں قائم کی تھیں اور کون سے رسالے نکالے تھے۔ ان میں وہ کیا بات تھی جو ہمارے اندر نہیں ہے۔ اور جو بات اُن میں تھی ہم وہی کیوں حاصل نہیں کرتے۔ فرمایا تبلیغ کا کام تو خانقاہوں سے ہوتا ہے۔ یہ سُن کر نووارد نے کہا :

"ابوالاعلیٰ مودودی نے جو تحریک شروع کر رکھی ہے اس کے متعلق تو وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ صوفیائے کرام کے مسلک کے خلاف ہے۔"

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ابوالاعلیٰ کے فلسفہ کی بنیاد نجدیت پر ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتے ہیں لیکن انھوں نے صرف صحاح ستّہ کو لے رکھا ہے باقی تمام احادیث کو ترک کر دیا ہے۔ اور اس میں سے بھی کسی کو ضعیف بتاتے ہیں اور کسی کو کچھ۔ اس پر اُس آدمی نے کہا :

"صاحب اس کی جماعت تو بڑھتی جا رہی ہے۔ اور تمام پنجاب میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔"

حضورِ اقدسؒ نے فرمایا کہ پنجاب میں جو بھی چلا جاتا ہے۔ اس کو مقلدین مِل جاتے ہیں۔ مرزائی۔ چکڑالوی۔ آریہ سماج سب جماعتیں پنجاب میں پھلی پھولی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پنجابی اچھے FOLLOWERS (مقلد) ہیں۔ لیڈر نہیں ہیں۔ اور دُوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی عقیدہ یا خیال کے لوگوں کی کثرت ہو تو یہ اس عقیدہ کے صحیح ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ دُنیا میں کثرت تو جہلا کی ہوتی ہے، اہلِ حقیقت تو اقلیت ہی میں ہوتے ہیں۔ کثرت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیئے۔

جمہوریت اسی طرح یہ جمہوریت بھی بالکل شیطانی چیز ہے۔ چوں کہ دُنیا میں کفار سب سے زیادہ ہیں اس لیے شیطان نے اکثریت کی حکومت کا خیال سب کے دلوں میں ڈال دیا ہے تاکہ کفار کی حکومت ہو جائے۔ اکثریت کی حکومت کا کیا مطلب ہے؟ یہی کہ جہلا کی حکومت اہلِ حقیقت پر۔ یہ شیطانیت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

اتباع عملی وحالی اِس کے بعد فرمایا کہ اسلام کی بُنیاد اتباعِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ہے۔ اور اتباع دو قسم کا ہے عملی اور حالی۔ آجکل کے مصلحین عمل کو تو دیکھتے ہیں لیکن حال کو نہیں جانتے۔ علم پڑھ لیتے ہیں، لیکن تزکیہ نفس سے بے بہرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

" هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ
یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ط[1] "

لفظ" اُمیین "نے فیصلہ کر دیا ہے کہ بے علموں میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے۔ ان کو نشانیاں بتائیں۔ ان کا تزکیہ نفس کیا اور علم سکھایا۔ یہ علم سکھانا تزکیۂ نفس کے بعد فرمایا ہے۔ لیکن یہ لوگ صرف علم پڑھ کر بڑے بڑے دعوے کرنے لگ جاتے ہیں۔

تصوّف اور آنحضرت صلعم کی تعلیم اس کے بعد اُس شخص نے کہا کہ آجکل لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صُوفیائے کرام کی تعلیم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ آپ نے

---

[1] ترجمہ: " وہی ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسُول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سُناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ " (سورۂ جمعہ۔ آیت ۲)

فرمایا یہ بالکل غلط ہے۔ صُوفیائے کرام کا ہر قول اور ہر فعل رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قول و فعل کے عین مطابق ہے۔ تمام احادیث تصوّف سے بھری پڑی ہیں۔ یہ جو مشائخ عظام خلافت اور اجازت دیتے ہیں۔ قرآن کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور احادیث میں جس قدر حال بھرا ہُوا ہے یہ لوگ کہاں جانتے ہیں۔ صرف صُوفیائے کرام ہی کو اس کا علم ہے اور وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ دراصل اہلِ حدیث تو صوفیائے کرام ہیں۔ یہ لوگ تو اہلِ باطل ہیں۔ آسان آسان احادیث پر عمل کرتے ہیں اور مشکل احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم ان سے پُوچھتے ہیں کہ کیا تمہارا طریقہ تعلیم رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ کے مُطابق ہے!

اصلِ ایمان

ایمان کی اصل تو یہ ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ یعنی مومنین کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدّت سے محبّت ہے۔ اور شدّتِ حُب کیا ہے! عشق۔ یعنی مومنین کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق ہے۔ مومن اور عاشق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مومن وہی ہے جو عاشق ہے۔ یہ لوگ تو ظاہری افعال پر نظر رکھتے ہیں۔ اور کیفیات قلبی سے بے بہرہ ہیں۔ ہمارے مولانا صاحبؒ سے کسی نے دریافت کیا:

"تصوّرِ شیخ کہاں تک جائز ہے!"

آپؒ نے فرمایا حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی (حضرت عبدُ اللہ ابنِ مسعودؓ) کہتے ہیں:

"گویا میں دیکھ رہا ہُوں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف کہ حکایت فرماتے ہیں حال ایک نبی کا....."

یہ الفاظ "گویا میں دیکھ رہا ہوں رسُول اللہؐ کی طرف" اس حالت کی جانب اشارہ ہے جو تصوّرِ شیخ کی حقیقت ہے۔ تصوّر بھی محبّت کی ایک شاخ ہے۔

بزرگوں کی تصانیف

دُوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو دلائل دیتے وقت بزرگانِ دین کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ ہر شخص کی ابتدائی حالت اور ہوتی ہے اور انتہائی حالت اور ہوتی ہے۔ ترقی کرتے کرتے ان کی آخری حالت ابتدائی حالت سے بہتر ہو جاتی ہے۔ اب جو کتابیں وہ اوائل عمر میں لکھتے ہیں وہ ان کتابوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ جو وہ آخر عمر میں لکھتے ہیں۔ خیالات اور عقائد میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے شروع میں "تقویت الایمان"، لکھی۔ جس میں مولویت کا رنگ ہے اور علمائے ظواہر ان کی اس کتاب کو سند کے طور پر پیش کرتے ہیں لیکن آخر عمر میں آپؒ نے اپنی کتاب "منصب امامت" لکھی۔ اب "تقویت الایمان" اور "منصبِ امامت" کے عقائد اور خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ لوگ پہلی کتاب کو تو لے لیتے ہیں۔ اور یہ نہیں دیکھتے کہ آخیر میں آپ کے اندر کیا تبدیلی واقع ہوگئی۔ کسی شخص کے ابتدائی دَور کی کتاب دیکھ کر اس سے اس کے عقائد کا اندازہ لگانا سراسر بے انصافی ہے۔

مولوی محمد سعید بنارسی

اس کے بعد فرمایا کہ اسی طرح مولوی محمد سعید بنارسی شروع میں اہلِ حدیث تھے۔ لیکن بعد میں وہ ہمارے مولانا صاحبؒ کے مرید ہو گئے۔ فرمایا وہ کشمیری برہمن تھے۔ مناظرہ کے وقت کسی مسلمان سے ہار گئے اور دل میں سوچا کہ میرے ہار جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حق پر ہے اور میں باطل پر۔ اس سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد بہت علم پڑھا اور گروہِ اہلِ حدیث کے عقائد اختیار کر لئے۔ اور بنارس میں حدیث شریف کا درس شروع کر دیا۔ یہ اہلِ حدیث لوگ تقلید کو غلط سمجھتے ہیں۔ صرف قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں۔ ان میں خامی یہ ہوتی ہے کہ قرآن اور حدیث کا مفہوم غلط لیتے ہیں۔ اگر ان کی صحیح رہنمائی کی جائے تو سمجھ جاتے

ہیں۔ جب ہمارے مولانا صاحب (حضرت مولانا شاہ وارث حسن صاحبؒ) نے بنارس میں حدیث کا درس دینا شروع کیا تو مولوی محمد سعید کے شاگرد ٹوٹ ٹوٹ کر ان کی طرف آنے لگے۔ مولوی صاحب کو یہ بات بُری لگی۔ ایک دفعہ انھوں نے اپنے دِل میں سوچا کہ معلوم نہیں یہ شخص جادوگر ہے یا کیا ہے۔ میرے طالب علموں کو گمراہ کر رہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ایک دن جا کر چند علمی سوالات اس سے کروں۔ وہ لاجواب ہو کر خود بخود بھاگ جائے گا۔ یہ خیال کر کے آپؒ کے پاس گئے اور جا کر بیٹھ گئے۔ آپؒ نے دریافت فرمایا :

"آپ کا کیا نام ہے۔ اور کیا کام کرتے ہیں ؟"

مولوی صاحب نے اپنا نام بتایا اور کہا :

"فلاں مقام پر بخاری شریف کا درس دیتا ہوں۔"

فرمایا :

"اچھا آپ بخاری شریف کا درس دیتے ہیں ؟"

کہا :

"جی ہاں !"

اس کے بعد دریافت فرمایا :

"کتنے عرصہ سے آپ یہ کام کر رہے ہیں ؟"

جواب دیا :

"چالیس برس سے۔"

فرمایا :

"اچھا چالیس برس میں کے بار رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہوئی ہے۔ ؟"

انھوں نے کہا :

"ایک دفعہ بھی نہیں ہوئی۔"

حیران ہو کر فرمایا:

"ہیں چالیس برس سے حدیث کا درس دے رہے ہو اور ایک دفعہ بھی زیارت نہیں ہوئی، اچھا آج رات زیارت ہو جائے گی۔ وظیفہ وغیرہ پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اس وجہ سے زیارت ہو جائے گی کہ آپ ایک درویش کے ہاں آئے ہیں۔"

اب وہ جس بات کے لئے تیار ہو کر آئے تھے وہ رہ گئی۔ دل میں کہا کہ اچھا آج رات دیکھ لیتے ہیں۔ کل پھر آکر علمی بحث شروع کریں گے۔ چنانچہ وہ گھر چلے گئے، اور رات کو خواب میں دیکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے ہیں۔ اور اولیاء اللہ پیچھے صف باندھے کھڑے ہیں۔ اور ان میں مولانا صاحبؒ بھی ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ نماز میں شریک ہونے لگے۔ لیکن کسی نے کہنی مار کر الگ کر دیا۔ دوبارہ کوشش کی، لیکن اسی طرح دھکہ دے کر کسی نے پیچھے ہٹا دیا۔ جب تیسری دفعہ شامل ہونے لگے تو کسی نے اُٹھا کر باہر پھینک دیا۔ اس سے وہ بیدار ہو گئے اور اپنے آپ کو پلنگ کے نیچے گرا ہوا پایا۔ اب وہ دوڑے ہوئے مولانا صاحبؒ کی خدمت میں آئے اس وقت آپ اپنے حجرے میں تھے۔ مولوی محمد سعید باہر دروازے پر کھڑے زار و قطار رو رہے تھے۔ جس وقت حضرت مولانا صاحبؒ وضو کیلئے باہر نکلے تو وہ پاؤں پر گر پڑے۔ آپؒ نے دریافت فرمایا:

"کیوں بھائی کیسے آئے؟"

عرض کیا:

"حضور مجھے بیعت کر لیجئے۔"

چنانچہ آپ نے انھیں داخلِ سلسلہ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"اِس واقعہ کا ذِکر کسی سے نہ کرنا اور تم بدستور سابق حدیث شریف

کا درس دیتے رہو اور جو کچھ میں بتاؤں چپکے سے کئے جاؤ۔ ورنہ لوگ
اعتراض کریں گے، مناظرے ہوں گے، جھگڑے ہوں گے اور اس میں
وقت ضائع ہوگا۔"

اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ مولوی محمد سعید سے واقف تھے وہ انھیں پہلے کی طرح اہلِ حدیث ہی سمجھتے تھے۔ انھیں کیا معلوم کہ ان کے اندر کتنی بڑی تبدیلی ہوگئی ہے۔

توبہ سے اللہ کتنا خوش ہوتا ہے

اِس کے بعد فرمایا اگر آدمی اپنے گناہوں سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں اس کی مثال یوں بیان کی گئی ہے کہ اگر ایک آدمی ریگستان میں سفر پر جائے اور سفر کا سامان از قسم خورد و نوش اُونٹ پر باندھ کر ساتھ لے جائے۔ راستے میں کہیں آرام کی خاطر اُترے اور سو جائے۔ جب اُٹھے تو اونٹ نظر نہ آئے۔ اَب وہ شخص ریگستان میں اکیلا ہے نہ کھانا ہے نہ پانی اور نہ کوئی آبادی ہے جہاں جاکر پانی وغیرہ حاصل کرسکے۔ اَب سخت مایوسی کی حالت میں وہ موت کے انتظار میں لیٹ جائے اور اچانک اُونٹ بمع سامان پھر سامنے آجائے اور خوشی کے مارے اس کے مُنہ سے نِکل جائے:

"یا اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب۔"

حدیث شریف میں ہے کہ اپنا اونٹ اور سامان دیکھ کر اس آدمی کو جس قدر خوشی حاصل ہوئی۔ بندے کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ یہاں بھی حال غالب آگیا قال پر۔ قال اگرچہ خلافِ شرع ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تمثیلاً بیان فرمایا۔ فرمایا:

"یہ لوگ الفاظ کو تو دیکھتے ہیں لیکن معنی سے بالکل ناواقف ہیں۔

اور کیفیات تو معنی بھی نہیں ہیں۔ کیفیات کا تعلق بطون سے ہے۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ یونی ورسٹیوں، تعلیم و تبلیغ اور دلائل و براہین سے کچھ نہیں بنتا۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے زیادہ دلائل و براہین جاننے والا کوئی نہیں۔ اگر صرف دلائل و براہین سے کام چلتا تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس قدر اعلیٰ دلائل پیش کئے ہیں کہ ساری دُنیا کو مُسلمان ہو جانا چاہیئے تھا لیکن ایسا نہیں ہُوا۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز کا بھی حُکم ملا ہے۔ اور وہ جہاد ہے محض تقریر سے کام نہیں چلتا۔ کامیابی حاصل کرنے کے لئے ڈنڈے کی بھی ضرورت ہے۔ محض یُونی ورسٹیوں سے کام نہیں بنے گا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ صُوفیائے کرام کی تعلیم کا طریقہ بعینہٖ وہی ہے جو حضور سرورِ کائناتؐ کا تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا:

"میرے دل میں وساوس بہت آتے ہیں، اور اس سے میں تنگ آگیا ہُوں۔"

آپؐ نے اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرا تو فوراً اس کی حالت بدل گئی۔ اور عرض کیا:

"یا رسُول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اَب میں اپنے آپ کو پکّا مُسلمان پاتا ہُوں۔"

ایک اور صحابیؓ کو رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کسی جگہ کا قاضی مقرّر کیا اور فرمایا:

"وہاں چلے جاؤ۔"

اَب وہ صحابیؓ سوچنے لگے کہ اتنی قابلیت تو میرے اندر ہے نہیں کہ حقِ منصب ادا کرسکوں۔ چنانچہ انھوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا تو آپؐ نے اپنی اُنگلی ان کی پیٹھ پر رکھی اور فوراً ان کے اندر ایک تبدیلی پیدا ہوگئی۔ اور وہ کہنے

لگے :

" حضورؐ اَب میں اپنے آپکو قضا کے قابل پاتا ہوں ۔ "

اللہ کو بندہ سے محبّت

ایک دفعہ فرمایا کہ حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں ایک مرتبہ کسی کے گھر میں آگ لگ گئی۔ ایک عورت کا بچّہ مکان کے اندر رہ گیا تھا۔ وہ عورت دَوڑتی ہوئی اندر گھُس گئی اور اپنے بچّے کو گود میں چھُپاکر باہر لے آئی۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم وہاں موجود تھے۔ اس عورت نے عرض کیا :

" یا رسُول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کیا اللہ تعالیٰ کو مجھ سے اس سے زیادہ محبّت نہیں ہے۔ جتنی کہ مجھے اس بچّے سے ہے ؟ "

آپؐ نے فرمایا :

" بے شک اللہ تعالیٰ کو تجھ سے اس سے زیادہ محبّت ہے ۔ "

یہ سُن کر عورت نے عرض کیا :

" جب میں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ یہ بچّہ آگ میں جل جائے تو کیا اللہ تعالیٰ مجھے دوزخ کی آگ میں جلنے دے گا ؟ "

یہ سُن کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور فرمایا :

لَا وَ اللّٰہِ ! لَا وَ اللّٰہِ ! لَا وَ اللّٰہ !	خدا کی قسم نہیں ! خدا کی قسم نہیں ! خدا کی قسم نہیں !

اس کے بعد فرمایا ایک صحابیؓ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر تھے ۔ ان کا لڑکا ساتھ تھا اور وہ اس کو پیار کر رہے تھے ۔ آپؐ نے دریافت فرمایا

" تمھیں اس سے بہت محبّت ہے ؟ "

انھوں نے عرض کیا :

" جی ہاں یا رسُول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ۔ "

آپؐ نے ارشاد فرمایا :

"اللہ تعالیٰ کو تم سے اس سے بھی زیادہ محبت ہے۔ جتنی تم کو اپنے لڑکے سے ہے۔"

اِس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ اس قدر محبت کرتا ہے تو کیوں ہم اس سے غفلت برتیں۔

پابندیٔ نماز فرمایا ایک صحابیؓ سے عصر کی نماز قضا ہوگئی. فرمانے لگے کہ میرا لڑکا مرجاتا تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ جتنا کہ نماز کے قضا ہوجانے سے ہوا ہے۔

حضرت اقدسؒ نے فرمایا پابندیٔ نماز کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جب آدمی مرے گا۔ قبر میں اس کو عصر کا وقت معلوم ہوگا۔ خواہ اس کو رات کے وقت دفن کیا جائے یا صبح سویرے۔ جب منکر نکیر آکر دریافت کریں گے :

"مَنْ رَّبُّكَ ۔ مَنْ نَبِيُّكَ؟"

تو وہ آدمی کہے گا :

"ٹھہرو عصر کا وقت جارہا ہے۔ پہلے میں نماز پڑھ لوں۔ پھر تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔"

انواعِ تجلّیات ایک دفعہ تجلّی کا ذِکر ہو رہا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر جس قسم کی تجلّی چاہتا ہے، فرماتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر آگ کی شکل میں تجلّی ہوئی اور درخت سے آواز آئی :

اِنِّیْٓ اَنَا اللہ ۔	میں ہی اللہ ہوں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اَمْرَدْ کی شکل میں تجلّی ہوئی۔ صبیح اور ملیح۔ وہ بڑی شان کی تجلّی تھی۔

اِس کے بعد فرمایا کہ سالک کے لئے بہترین تجلّی وہ ہے، جو اس کی اپنی

صُورت میں ہو یا شیخ کی صُورت میں ہو۔ شیخ کی شکل میں تجلی سالک کے لئے OFFICIAL (باضابطہ) تجلی ہے۔

فرمایا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ میں روضہ اقدس پر مراقب تھے تو روضہ کے اندر سے حضرت خواجہ نور محمد جھنجھانوی رح (حضرت حاجی صاحبؒ کے پیر) تشریف لائے۔ اور حاجی صاحبؒ کے سر پر دستار باندھی اور فرمایا:

"تم قطبِ مکہ ہو۔"

اس وقت مدینہ منورہ میں مغرب (مراقش) کے ایک بزرگ رہتے تھے۔ جو چالیس برس سے وہاں مقیم تھے۔ اور جب حرم شریف کا دروازہ کھلتا آکر چپ چاپ بیٹھ جاتے۔ صرف قرآن شریف پڑھتے یا فرض نماز، سُنتیں نہیں پڑھتے تھے۔ اور سُنتیں کیا پڑھتے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضوری حاصل تھی۔ جب دروازہ بند ہو جاتا تو اُٹھ کر چلے جاتے۔ جس وقت حضرت حاجی صاحبؒ کے سر پر اس طرح دستار باندھی گئی تو اُن بزرگ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس آکر قطبِ مکہ ہونے کی مبارکباد پیش کی اور یہ بھی فرمایا:

"وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جنھوں نے آپ کے شیخ کی صُورت میں آکر آپ کے سر پر دستار باندھی۔"

۲ شوال ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۴۴ء

رُوح کی طاقت اور زندگی

آج قبل دوپہر حضرت اقدسؒ نے احقر کو طلب فرمایا۔ ایک پہلوان حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور کسی مشہور پہلوان کے لڑکے کی موت کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپؒ نے فرمایا وہ لوگ جن

کی رُوحیں طاقتور ہوتی ہیں ان کے جسم خواہ کمزور اور نحیف کیوں نہ ہوں، اکثر زیادہ دیر تک زندہ رہتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی ACCIDENT (حادثہ) پیش آئے تو اور بات ہے۔ اور طاقتور جسم والوں کی رُوحیں اکثر کمزور ہوتی ہیں۔ اِس لئے وُہ جلدی مرجاتے ہیں۔

فتح ہندوستان کے متعلق حضرتِ اقدسؒ کا رؤیا

اِس کے بعد جناح گاندھی مُلاقات کا ذِکر ہونے لگا۔ فرمایا۔ ۱۲ر رمضان المبارک کو جناح نے چھٹی منائی۔ اِس کے علاوہ ستائیسویں کو بھی چھٹی منائی۔ اور عید کے دن بھی۔ اس سے تو اسلام کا غلبہ نظر آتا ہے۔ اور ہوگا بھی اسی طرح۔ ہمیں معلوم ہُوا ہے کہ آخر میں مُسلمان فتح یاب ہوں گے، اس سے پہلے مصائب کا نزول تو ضرور ہوگا۔ لیکن آخر میں مُسلمان ہی فتح پائیں گے۔

فرمایا ہم نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ایک غدر کی حالت قائم ہے۔ اور جامع مسجد دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہے (انگریزوں سے مراد دشمن ہے) اور میناروں پر انھوں نے مشین گنیں اور توپیں لگا رکھی ہیں۔ تاکہ تمام شہر کو اُڑا دیں۔ ہم بھی مسجد کی دائیں جانب جہاں تبرکات ہیں، کھڑے ہُوئے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ مسجد میں گورے لوگ بُوٹ پہنے ہوئے پھر رہے ہیں۔ تھوک رہے ہیں اور سگریٹ پھینک رہے ہیں اور بہت بے ادبی کر رہے ہیں۔ ہم نے خیال کیا کہ اب چل کر دیکھیں کہ اور جگہوں پر کیا ہو رہا ہے۔ ظاہر طور پر تو جا نہیں سکتے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ نیچے ایک درخت ہے۔ جس کی شاخیں اُوپر مسجد تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ہم ان شاخوں کو پکڑ کر درخت پر چڑھ گئے اور پھر درخت کے تنے تک پہنچ کر نیچے اُتر گئے۔ اور ایک دروازہ سے شہر کے باہر چلے گئے۔ آگے چل کر دیکھا کہ ایک مزار ہے، جس کا نقشہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کا

سا ہے۔ درمیان میں مزار ہے اور باہر کھلی جگہ ہے۔ جہاں ہم جاکر بیٹھ گئے وہاں ایک ہندو لڑکا آیا اور چابیاں صاحب مزار کے حوالہ کردیں۔ اور صاحب مزار نے وہ چابیاں ہمیں دے دیں۔ اس کے بعد جب ہم باہر گئے تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ وہی سپاہی جھاڑیوں میں چھپ چھپ کر جان بچارہے تھے۔ اور دیہاتی لوگ ڈنڈے ہاتھ میں لئے ہوئے ان کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ یہی نظر آتا تھا کہ بس ایک ڈنڈا ایک سپاہی کے سر پر مارا وہ وہیں مرگیا۔ اور دوسرے کے پیچھے بھاگے۔ اس خواب سے ہم نے یہ تعبیر لی کہ وہ ہندو لڑکا ہندوستان ہے جس نے اپنی چابیاں صاحبِ ولایت کے حوالہ کیں اور انھوں نے وہ چابیاں ایک مسلمان کے حوالہ کردیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ پورے ہندوستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگا۔ لیکن جامع مسجد پر گوروں کے قبضہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح سے پہلے مسلمانوں کی کافی آزمائش ہوگی۔

احقر نے عرض کیا :

"فتح سے قبل جس قدر مصائب سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑے گا اس کا ثواب بھی انھیں ملے گا ؟"

فرمایا ہاں ثواب بھی ملے گا۔ یہاں تک کہ جو مرجائیں گے شہید ہوں گے اور مرتے ہی فوراً جنّت میں چلے جائیں گے۔ گویا یہاں بٹن دبایا اور وہاں جنّت میں پہنچ گئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ انسان کو چاہیئے اپنے دل میں پکّا یقین کرلے کہ موت کا ایک وقت معیّن ہے اور وہ اپنے وقت پر آئے گی۔ نہ ایک ساعت پہلے آئیگی نہ بعد۔ خواہ اُوپر سے بموں کی بارش کیوں نہ ہورہی ہو۔ اگر زندگی ہے تو بموں کی بارش سے بھی زندہ نکل آئے گا۔ اگر وقت آگیا تو گھر بیٹھے مرجائے گا جب موت کا ایک وقت معیّن ہے تو ہر وقت موت سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اِنسان کو چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں جان دے کر شہید ہوجائے اور ہمیشہ کی زندگی

حاصل کرے۔

تندرستی میں بیماری کی کسر!

اس کے بعد رمضان شریف کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا اس دفعہ ہم نے تین رمضانوں کی کسر نکالی ہے اور کسی کے خط کا جواب نہیں دیا۔ لمبے لمبے خط تو پڑھے بھی نہیں ہیں۔ چھوٹے خط پڑھ کر رکھ دیتے ہیں۔ گذشتہ رمضان میں ہماری طبیعت خراب تھی۔ اس سے پہلے رمضان میں بھی ہم نے بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھے تھے۔ تم لوگ تراویح پڑھتے تھے اور ہم بیٹھے رہتے تھے۔ اَب کے خوب کسر نکالی ہے۔ اَب اس کی تکان محسوس ہو رہی ہے۔ عُرس کے بعد آرام کرنے کا وقت ملے گا۔ آٹھ دس دن آرام کر کے پھر سفر کی تیاری کریں گے۔

۳ر شوال ۱۳۶۳ھ ۔ ستمبر ۱۹۴۴ء

مراتبِ فنا

آج حضرت اقدسؒ اپنے کمرہ میں تشریف فرما تھے۔ احقر نے عرض کیا کہ فنا سب کے لئے یکساں ہے یا ہر ایک کے لئے مختلف مدارج ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ فنا ہر شخص کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔ چونکہ لوگوں کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے ہر شخص کا درجۂ فنا بھی مختلف ہوتا ہے۔

نسبت سے زمانہ کی پہچان

اِس کے بعد مزارات کا ذِکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ جتنا مزار پُرانا ہو گا۔ نسبت بھی اتنی ہی گہری اور قوی ہو گی۔ اور نسبت کی گہرائی سے صاحبِ مزار کے زمانۂ حیات کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آیا یہ مزار چار سو برس کا ہے سات سو برس کا ہے یا ہزار برس کا ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک پچاس برس کا مزار بھی پانچسو برس کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبِ مزار کی نسبت بہت قوی ہوتی ہے۔

معراج شریف اور مکان و زمان

اس کے بعد معراج شریف کا ذکر ہونے لگا۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا:

"ایک مولوی صاحب نے اس اعتراض کا جواب کہ تھوڑی سی مدت میں لاکھوں میلوں کا سفر کس طرح طے ہوگیا۔ یوں دیا ہے کہ فرض کرو آپ کی گھڑی میں بارہ بجے ہیں اب اگر آپ اپنی گھڑی بند کردیں تو وقت بند نہیں ہوگا۔ بلکہ بدستور چلتا رہے گا۔ حتیٰ کہ رات ہوجائے گی لیکن آپ کی گھڑی میں وہی بارہ بجے ہوں گے۔ اسی طرح معراج شریف کی رات کو بھی اللہ تعالیٰ نے نظامِ کائنات بند کردیا تھا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں کا سفر کرتے رہے اور دُنیا میں نظام بند تھا۔ اس لئے وقت جہاں تھا وہیں رہا اور آپؐ سفر پورا کرکے واپس تشریف لائے۔"

یہ سُن کر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ یہ مولویوں کی اختراع ہے۔ اصل وجہ یہ نہیں ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ہر ایک عالم کے اوقات جُدا ہیں۔ دُوسرے جہانوں کے وقت کا قیاس اس جہان کے وقت سے نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ یہ کہ TIME AND SPACE RELATIVE ہیں (زمان و مکان اعتباری ہیں) اصل میں نہ زمان ہے نہ مکان۔ سُورج آسمان اور زمین کے پیدا ہونے کے بعد SPACE (مکان) پیدا ہُوا اور سُورج اور زمین کی حرکت کی وجہ سے TIME (زمان) پیدا ہُوا۔ کائنات کے پیدا ہونے سے پہلے نہ مکان تھا نہ زمان۔ ڈاکٹر آئن سٹائن نے اپنی THEORY OF RELATIVITY (نظریہ اضافت) سے ثابت کردیا ہے کہ زمان یعنی ٹائم محض اعتباری چیز ہے۔ مذکورہ دلائل سے وقت کا اعتراض تو ختم ہوجاتا ہے۔ اب یورپ والے ایک اور اعتراض کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ کرۂ ہوائی

اُوپر تھوڑی دُور تک ہے اس سے اُوپر ہوا نہیں ہے۔ کرۂ ہوائی سے گزر کر پیغمبر علیہ السلام نے سانس کس طرح لیا ہوگا؟

فرمایا کہ سائنس والوں کے اس قسم کے بودے اعتراضات کا جواب نہایت آسانی سے دیا جا سکتا ہے۔ اَب تو آئن سٹائن نے تمام سائنس اور اقلیدس اور آئزک نیوٹن کے نظریوں کو غلط کر کے رکھ دیا ہے۔ جب سائنس غلط ہوگئی تو سائنس والوں کے اعتراض بھی غلط ہیں۔ آئن سٹائن کہتا ہے:

"جہان ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم کو نظر آتا ہے۔"

وہ کہتا ہے:

"ایک کمرے میں دو سلاخیں برابر لمبائی کی گاڑ دو۔ اب اگر انھیں ایک طرف سے کھڑے ہو کر دیکھو گے تو ایک سلاخ بڑی نظر آئے گی، دُوسری چھوٹی۔ اَب دُوسری طرف چلے جاؤ اور دیکھو تو جو سلاخ پہلے بڑی نظر آتی تھی وہ چھوٹی اور جو چھوٹی نظر آتی تھی وہ بڑی دکھائی دے گی۔ یہ کیا ہے۔ فقط دو مختلف زاویوں سے دیکھنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ دونوں سلاخیں لمبائی میں برابر ہیں۔ اسی طرح یہ جہان بھی ایک خاص زاویہ سے دیکھنے سے ایسا نظر آرہا ہے۔ ورنہ درحقیقت یہ ایسا نہیں ہے۔"

وہ کہتا ہے:

"اگر ہم ایک ایسی ٹرین میں سوار ہوں جس کی رفتار ساٹھ میل فی گھنٹہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسی ٹرین چل رہی ہو، جس کی رفتار تیس میل فی گھنٹہ ہے تو وہ دُوسری ٹرین اُلٹی جانب جاتی ہوئی نظر آئے گی۔"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ٹرین بھی اسی سمت میں تیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ

رہی ہے۔ اسی طرح ٹرین میں سے درخت بھی اُلٹی جانب دوڑتے نظر آتے ہیں حالانکہ وہ اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم ہیں۔ اسی طرح اقلیدس کی جیومیٹری کی بنیاد خطِ مستقیم پر ہے۔ لیکن آئن سٹائن کہتا ہے:

"دُنیا میں خطِ مُستقیم کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے"۔

اس کے نزدیک ساری کائنات منحنی یعنی ٹیڑھی ہے۔ خطِ مستقیم کہیں نہیں ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ یورپ اَب بالکل تیار ہے۔ بس تھوڑے سے کام کی ضرورت ہے۔ صرف ایک تیلی لگانا باقی رہ گیا ہے۔ فوراً کام بن جائے گا۔

کرشن اور رام

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ ہندوؤں کے پیشوا بھی صاحبِ نسبت تھے کرشن کو نسبت عشق حاصل تھی اور رام کی نسبت میں کشف و انوار کا غلبہ تھا۔ یہ کہتے ہوئے تبسم فرمایا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ لچھمن کا درجہ رام سے بڑھا ہوا تھا۔ جب رام اور سیتا بن باسی ہوگئے تو لچھمن ان کو ملنے کے لئے جنگل میں گئے۔ جب سیتا کو راون لے گیا تو سیتا جاتے جاتے راستے میں اپنے زیور ایک ایک کر کے پھینکتی گئی۔ اس خیال سے کہ رام کو معلوم ہو جائے کہ کس طرف گئی ہے۔ رام اور لچھمن، سیتا کی تلاش میں نکلے تو راستہ میں ایک زیور ملا۔ رام نے لچھمن سے دریافت کیا:

"کیا یہ سیتا کے پاؤں کا زیور نہیں ہے؟"

انھوں نے جواب دیا۔

"میں نے تو عمر بھر سیتا کے پاؤں کی طرف نہیں دیکھا معلوم نہیں اس کا زیور ہے یا نہیں۔"

فرمایا لچھمن اپنی بھاوج کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ نہ کبھی اس کے پاؤں کی طرف دیکھا اور نہ مُنہ کی طرف۔ ان کا استغراق بڑھا ہوا تھا۔

حضرت مولانا رومؒ کا مُرید ہونا

اس کے بعد حضرت مولانا رومؒ علیہ الرحمۃ کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ ایک بزرگ قونیہ (ترکی میں ایک شہر ہے جہاں حضرت مولانا رومؒ کا مزار ہے) تشریف لے گئے۔ وہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ مولانا روم صاحبؒ کے مزار پر روزانہ مثنوی شریف کا درس دیا جاتا ہے۔ اور وہاں کے شیوخ عجیب وغریب معانی بیان کرتے ہیں۔ اور مولانا رومؒ کے مُرید ہونے کا واقعہ اِس طرح بیان کرتے ہیں کہ مولانا رومؒ بہت بڑے عالم تھے اور قونیہ میں درس دیا کرتے تھے۔ جب آپ کی سواری نکلتی تھی تو سات سو عالم ساتھ ہوتے تھے۔ ان کی مسجد میں ایسے ویسے کا گزر نہیں تھا۔ جب کوئی درویش وہاں جاتا تو پہلے اس سے سوالات کئے جاتے اور ان کے معیار پر صحیح اُترتا تو اُسے ٹھہرنے دیتے۔ ورنہ نکال دیتے۔

ایک دفعہ جب مولانا رومؒ درس دے رہے تھے تو حضرت شمس تبریزؒ مسجد کے اندر چلے گئے اور ممبر پر بیٹھ کر بانسری بجانی شروع کر دی۔ آپ کی وضع یہ تھی فقیروں کا سا لباس۔ مونچھیں بڑھی ہوئی چھوٹی چھوٹی داڑھی۔ قلندرانہ کلاہ اور بانسری ہاتھ میں۔ جب اس غیر مشروع حلیہ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے تو طالب علموں نے شور مچایا:

"یہ شخص آلۂ غنا (بانسری) ہاتھ میں لئے ہوئے مسجد میں آگیا ہے۔"

جب ممبر پر بیٹھ کر انھوں نے بانسری بجانی شروع کی تو وہ اور بھی بگڑے۔ لیکن مولاناؒ پر کچھ ایسا رعب طاری ہوگیا تھا کہ انھوں نے فرمایا:

"یہ شخص دیوانہ معلوم ہوتا ہے۔ پابندئ شریعت سے معذور ہے اِس کو کچھ نہ کہو۔"

چناں چہ وہ ممبر پر بیٹھے رہے۔ اور درس پھر جاری ہوگیا۔ معراج شریف کا ذکر تھا۔ ایک طالب علم نے سوال کیا:

"جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں کوئی روزن وغیرہ نہیں تھا تو آپ کس طرح باہر تشریف لے گئے۔ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے اور عالمِ اسباب میں ذریعہ ضروری ہے۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان سے اتریں گے تو پہلے دمشق کے مینار پر آئینگے۔ پھر زینہ طلب فرمائیں گے۔ لوگ عرض کریں گے کہ چوتھے آسمان سے تو آپ اُتر آئے اور اَب مینار سے زمین تک آنے کیلئے زینہ طلب کرتے ہیں۔ آپ فرمائیں گے کہ دُنیا عالمِ اسباب ہے اس لئے زینہ کی ضرورت ہے۔ اَب چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ اسباب میں تھے اِس لئے حجرے کی چھت میں روزن کی ضرورت تھی۔ روزن کے بغیر آپ کیسے باہر گئے!"

مولانا رومؒ نے سوال کا جواب دیا، لیکن طالب علم کی تشفی نہیں ہوئی۔ اُس نے آپؒ کی دلیل رَد کر دی۔ اس کے بعد انھوں نے اور دلیل دی۔ اُس نے وہ بھی رَد کر دی تیسری دلیل دی، وہ بھی اُس نے رد کر دی۔ اس پر مولاناؒ خفا ہوئے اور فرمایا:

"گھر پر آنا، وہاں سمجھا دیا جائے گا۔ اَوروں کا وقت مت ضائع کرو۔"

طالب علم خاموش ہو گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت شمس تبریزؒ نے کہا:

"اِس کی تسلی کیوں نہیں کر دیتا!"

یہ سُن کر مولاناؒ نے کہا:

"اچھا آپ بول رہے ہیں۔ ذرا ہیئت تو ملاحظہ کیجئے۔ مسجد میں بیٹھ کر بانسری بجا رہے ہیں۔ خلافِ شرع حرکتیں کر رہے ہیں۔ اور ان کی باتیں سُنیئے۔"

حضرت شمس تبریزؒ نے کہا:

"اچھا اگر میری حرکتیں خلافِ شرع ہیں تو مجھے اس کی سزا دو۔ ورنہ

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں تم جواب دہ ہوگے۔"

اَب مولاناؒ کو غصّہ آیا۔ طالب عِلموں کو حُکم دیا:

"ان کو ستون سے باندھو اور کوڑے لگاؤ۔"

حضرت شمس تبریزؒ فوراً ایک ستون سے لپٹ گئے۔ اور طالب علموں نے رسّی سے باندھنا شروع کیا۔ لیکن جب وہ رسّی ڈالتے تو رسّی آپ کے جسم کو گھیرے میں نہیں لیتی تھی۔ اور باہر آجاتی تھی۔ بہت کوشِش کی گئی لیکن رسّی اُن کے جسم کے ساتھ نہ رُکی۔ سب حیران رہ گئے۔ انھوں نے کہا:

"اچھا اب اس ستون میں رسّی ڈالو۔"

لیکن رسّی نے ستون کو بھی قبول نہ کیا۔ اَب حضرت شمس تبریزؒ نے اس طالب عِلم کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا:

"تم نے دیکھ لیا۔ جِن کے غلامانِ غلام کے ادنیٰ غلام میں یہ بات ہے تو اُس برتر ہستی کی کیا شان ہوگی۔ اس طرح معراج میں تشریف لے گئے۔"

اسکے بعد یہ کہتے ہوئے نِکل گئے:

"کوڑے تو ہمیں کوئی کیا لگوائے گا۔"

ادھر مولانا رومؒ کا یہ حال ہُوا کہ انھوں نے درس بند کردیا کتابیں لُٹا دیں۔ اور حضرت شمس تبریز صاحبؒ کی تلاش میں نکلے۔ کامل ایک سال کی تلاش کے بعد ایک ٹیلے پر بیٹھے ہوئے ملے۔ آپ دیکھتے ہی قدم بوس ہوئے اور عرض کیا:

"آپؒ نے جس عِلم کی ابجد پڑھا دی ہے اس کی تکمیل بھی فرما دیجئے۔"

چناں چہ حضرت شمس تبریزؒ نے ان کے دونوں کانوں میں بانسری بجا کر نسبت منتقل کردی۔ مولویہ سِلسلہ میں مُرید کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ حلقۂ ذِکر میں بھی بانسری بجائی جاتی ہے۔ لوگ دائرہ بنا کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ جب بانسری بجائی جاتی ہے تو لوگ مخصوص

انداز میں رقص کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں۔

ایک ہندو ماسٹر کا سوال اور حضرتؒ کا جواب

اِس کے بعد فرمایا کہ لوگ اکثر لفظی اُلجھن میں پھنس کر اعتراض کر دیتے ہیں۔ اگر ان کی لفظی اُلجھن دُور کر دی جائے تو فوراً راہِ راست پر آجاتے ہیں۔

فرمایا ایک دفعہ ہم گوالیار جا رہے تھے۔ جانے سے پہلے ہم نے اپنے ایک دوست کو تار دیا کہ فلاں تاریخ کو ہم آرہے ہیں۔ ان کے ملنے والوں میں ایک ھیڈ ماسٹر تھا۔ جو بہت متعصّب اور کٹّر ہندو تھا۔ اُس نے اِسلام کا مطالعہ بھی کیا تھا اور بہت سے اعتراضات جمع کر رکھے تھے۔ جب ہمارے دوست نے اس سے ہمارا ذِکر کیا تو وہ کہنے لگا:

" اچّھا ہم ان سے ملیں گے اور ان کی خوب خبر لیں گے۔"

جب ہم وہاں پہنچے تو ہمارے دوست نے ہمیں اس ہیڈ ماسٹر کے متعلق آگاہ کیا۔ ھم نے کہا:

" اچّھا جب وہ آئے تو اشارہ کر دینا۔"

وہ رات کو کھانا کھانے کے بعد آیا اور آکر بیٹھ گیا۔ ہمارے دوست نے ہم سے پُوچھا:

" صُبح ناشتہ آپ جلدی کریں گے یا دیر سے؟"

ہم نے کہا:

" اگر حضرت غوث گوالیاریؒ کا مزار قریب ہے تو مزار پر حاضری دے کر ناشتہ کریں گے۔ اور اگر دُور ہے اور سواری وغیرہ پر جانا پڑتا ہے تو پھر ناشتہ کر کے چلیں گے۔"

انھوں نے کہا:

" حضرت! وہ تو بالکل قریب ہے۔ صِرف دو کھیت درمیان میں ہیں اگر اندھیرا نہ ہوتا تو یہاں سے نظر آجاتا۔"

ہم نے کہا:

"اچھا تو ناشتہ حاضری دینے کے بعد کریں گے۔"

اِس کے بعد انھوں نے کہا:

"یہ ہمارے دوست ہیں اور انھیں آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔"

ہم سمجھ گئے کہ وہی ہیں۔ انھوں نے کہا:

"حضرت میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔"

ہم نے کہا:

"فرمایئے!"

اُس نے کہا:

"مرنے کے بعد رُوح اور جسم کے درمیان کیا تعلق ہوتا ہے؟"

ہم نے اس سے کہا:

"سوال کرنے والا اپنے سوال کا پُورا عالم ہوتا ہے۔ آپ پہلے اچھی طرح یقین کرلیں کہ آیا آپ کا سوال درُست ہے اور سوچ سمجھ کر سوال کر رہے ہیں۔"

اس نے کہا:

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ بالکل۔"

ہم نے کہا:

"آپ کے سوال میں تین چیزوں کا ذِکر ہے۔ رُوح۔ جسم اور موت۔ اِس سے ظاہر ہے کہ آپ رُوح۔ جسم اور موت کی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔ اچھا تو پہلے ہمیں رُوح کی حقیقت بتایئے۔"

یہ سُن کر وہ سٹ پٹایا۔ ہم نے کہا:

"سوال کا جواب دینے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ سوال صحیح ہے یا غلط۔ اگر ایک لڑکا آپ سے دریافت کرے کہ دو اور دو پانچ کس طرح ہوتے

ہیں تو آپ پھٹ سے کہیں گے کہ اَبے دو اور دو چار ہوتے ہیں پانچ نہیں ہوتے۔"

یہ سُن کر وہ چُپ ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا:

"آپ کا بہت مشکور ہُوں۔ آپ نے بہت اچھی بات کہی۔ میں کل پھر حاضر ہوں گا۔"

یہ کہہ کر چلا گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ علم مناظرہ میں ضروری ہے کہ پہلے سوال پر غور کر لیا جائے۔

کشفِ قبور پر دلچسپ مکالمہ

اس کے بعد فرمایا کہ پشاور میں ایک قاضی صاحب تھے، جو کھرّے تھے۔ ایک دفعہ والد مرحوم کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"یہ صُوفی صاحبان جب مزارات پر جاتے ہیں اور متوجہ ہوتے ہیں تو شیطان صاحبِ مزار کی شکل میں آکر ان سے گفت گو کرتا ہے۔ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں کشف ہُوا ہے۔ اور صاحبِ مزار نے ہمارے ساتھ بات چیت کی ہے۔"

میں نے قاضی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا:

"میرے پاس اس کا جواب ہے۔ لیکن میں قاضی صاحب سے کہوں گا۔ آپ سے نہیں کہتا۔"

قاضی صاحب نے کہا:

"میں قاضی ہُوں بتلایئے۔"

میں نے کہا:

"قاضی صاحب تو اپنے مکان پر سو رہے ہیں۔ وہ کب اس وقت یہاں آنے والے ہیں۔ یہ تو شیطان ہے جو قاضی صاحب کی صُورت اختیار

کر کے یہاں آیا ہوا ہے ۔"

یہ سن کر وہ ہمارے والد صاحب سے کہنے لگے

"دیکھئے آپ کا لڑکا مجھے شیطان کہتا ہے ۔"

والد صاحب خوب ہنسے ۔

شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی بصیرت

اس کے بعد فرمایا کہ شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے پاس پادری لوگ اعتراض لے کر بہت آتے تھے ۔ ایک پادری آیا اور کہنے لگا :

"دو آدمی ہوں جن میں سے ایک سویا ہوا ہو اور دوسرا کھڑا ہو تو راستہ کس سے دریافت کیا جائے ؟"

آپؒ نے فرمایا :

"سوئے ہوئے سے ۔ کیونکہ جو کھڑا ہے ۔ وہ بھی اسی لئے کھڑا ہے کہ وہ شخص اٹھے اور وہ اس سے راستہ دریافت کرے ۔"

ایک اور پادری آپ کی خدمت میں آیا اور دریافت کیا :

"اوپر والے کی قدر و منزلت زیادہ ہونی چاہیئے یا نیچے والے کی ۔"

آپؒ نے فرمایا :

"نیچے والے کی ۔ کیونکہ جڑ نیچے ہوتی ہے ۔ اور شاخیں اور پتے اوپر ۔ اور اصل جڑ ہے نہ کہ شاخ اور پتے ۔"

ایک دفعہ کلکتہ کے بڑے بشپ (BISHOP) آئے اور چیف کمشنر دہلی سے کہا :

"میں شاہ عبد العزیز صاحب کے ساتھ بحث کرنا چاہتا ہوں ۔"

اس نے کہا :

"شاہ صاحب کے ساتھ بحث کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے وہ کئی پادریوں

کو شکست دے چکے ہیں۔ بڑے عالم وفاضل آدمی ہیں۔"

لیکن وہ نہ مانے، اب چیف کمشنر نے کہا:

"اچھا اگر آپ جیت گئے تو میں آپ کو پانچ سو روپیہ دوں گا۔ اور اگر آپ ہار گئے تو پانچ سو روپے لوں گا۔"

اس نے کہا:

"بہت اچھا۔"

خیر وہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں چلے گئے اور جا کر کہا:

"آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر (علیہ السلام) خدا کے حبیب ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟"

آپؒ نے فرمایا:

"ہاں صحیح ہے۔"

کہنے لگا:

"اگر وہ خدا کے دوست ہوتے تو جب ان کے نواسے کے گلے پر چھری چلائی جا رہی تھی تو کیوں نہ انھوں نے خدا کے پاس جا کر ان کی جان بچوائی؟"

شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"وہ گئے تو تھے لیکن وہاں دیکھا کہ اللہ میاں خود اپنے اکلوتے بیٹے کے غم میں رو رہا ہے۔ آدمی سمجھ دار تھے کچھ بولے نہیں چلے آئے۔"

بشپ خفیف ہو کر اُسی وقت دہلی سے چلا گیا۔ چیف کمشنر سے بھی نہیں ملا اور بیرے کے ہاتھ پانچ سو روپے بھجوا دیئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو گھوڑوں کا بہت شوق تھا۔ اور گھوڑوں کی شناخت میں آپ ماہر تھے۔ لوگ آپ سے مشورہ کر کے گھوڑے خریدتے تھے

جب آپ کی بینائی جاتی رہی تو لوگ گھوڑا لاکر آپ کے پاس چلاتے تھے اور پاؤں کی آہٹ سے آپ بتا دیتے کہ گھوڑا اچھا ہے۔ یا اس میں کوئی نقص ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ چند طالبِ علم بیل گاڑی میں بیٹھ کر دھلی آرہے تھے اور جیسا کہ ان کی عادت ہے آپس میں بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔ بحث کا موضوع یہ تھا کہ خُدا تعالیٰ کی ہستی کے کیا دلائل ہیں۔ گاڑی بان پہلے تو سُنتا رہا۔ جب شور و غل سے تنگ آیا تو کہنے لگا:

"کائیں کائیں کرکے کان کھا ڈالے ہیں۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ بھگوان ہندو ہے یا مُسلمان؟"

طالب علموں نے بہت سمجھایا کہ اللہ مذہب و ملّت سے بالاتر ہے۔ اِس قسم کے سوالات اس پر عائد نہیں ہوتے۔ لیکن وہ جاہل تھا، دلائل اس کی سمجھ میں نہیں آئے اور برابر یہی کہتا رہا:

"میرے سوال کا جواب دو تو جانوں۔"

جب دہلی پہنچے تو معاملہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے سپرد ہوا۔ آپ نے گاڑی بان سے دریافت کیا:

"کیا کہہ رہے ہو؟"

گاڑی بان نے کہا:

"ہجور! ہمری سمجھ میں نہیں آوت ہے کہ پرماتما ہندو ہے کہ مسلمان۔"

شاہ صاحبؒ نے جواب دیا:

"جو ہندو ہوت تو گئو ہتیا نہ ہونے دیت۔"

گاڑی بان نے کہا:

"ہمری سمجھ میں آگوا۔ ہمکا بھی مُسلمان بنائی لو۔"

ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے زمانہ میں ایک شخص نے غصہ میں آکر اپنی بیوی سے کہا :

" اگر تم اپنے والد کے گھر گئیں تو تم کو تین طلاق ۔"

چنانچہ اس بے چاری نے اپنے والد کے گھر جانا بند کر دیا۔ ایک دفعہ اس کا والد بہت بیمار ہوا، اَب وہ والد کے گھر نہیں جا سکتی تھی۔ صبر کر کے اپنے گھر بیٹھی رہی۔ خبر آئی کہ وہ قریب المرگ ہے۔ پھر بھی وہ گھر سے باہر نہ گئی۔ حتّٰی کہ کسی نے آکر خبر دی کہ وہ فوت ہو گیا۔ اَب اس سے نہ رہا گیا اور چلی گئی۔ جس وقت اس کا خاوند گھر آیا تو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی اپنے والد کے گھر چلی گئی ہے۔ اَب وہ گھبرایا۔ کیونکہ اس سے طلاق لازم آتی تھی۔ علماء سے دریافت کیا۔ سب نے یہی کہا :

" طلاق ہو گئی ۔"

اَب چونکہ تین طلاق دے چکا تھا۔ اس کے بعد بغیر حلالہ نکاح نہیں کر سکتا تھا۔ بہت پریشان ہُوا۔ اسی لئے تین طلاق بیک وقت دینا سخت منع ہے۔ خیر کسی نے اس سے کہا :

" شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی خدمت میں جاؤ، اُمیّد ہے وہ کوئی اچھّا حل نکالیں گے ۔"

کہنے لگا :

" کیا ان کی شریعت کوئی اور ہے ؟ وہ بھی یہی کہیں گے ۔"

لیکن جب لوگوں نے بہت مجبُور کیا تو چلا گیا اور جا کر پوری کیفیت بیان کی ۔ آپؒ نے فرمایا :

" اُسے گھر لے آؤ، طلاق نہیں ہُوئی ۔"

اُس نے عرض کیا :

" حضُور تمام علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ طلاق ہو گئی ہے۔ اور آپ فرماتے

ہیں کہ طلاق نہیں ہُوئی۔"

آپؒ نے فرمایا:

"جاؤ علماء کو بُلا لاؤ۔"

چنانچہ جن جن علماء سے اُس نے فتویٰ لیا تھا۔ سب کو بُلا کر لے آیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

"اس شخص نے یہ کہا تھا 'اگر تم اپنے والد کے گھر گئیں تو تم کو تین طلاق' جب عورت وہاں پہنچی تو اس وقت والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ لہذا والد کا گھر نہیں رہا بلکہ اس کے ورثا کا گھر تھا۔ پھر طلاق کہاں ہُوئی؟"

فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اپنے نور سے یہ بصیرت عطا فرماتا ہے۔ فرمایا کہ تعزیہ کے جلوس سے انگریز بہت ڈرتے تھے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں تلواریں وغیرہ استعمال کی جاتی ہیں اور MARTIAL SPIRIT (فوجی جذبہ) پیدا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے فتویٰ دیا کہ تعزیہ نکالنا بدعت ہے۔ جب دہلی کے چیف کمشنر نے سُنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور دریافت فرمایا:

"کیا آپ نے یہ فتویٰ دیا ہے۔؟"

فرمایا:

"اگر تُو پُوچھنے آیا ہے تو میں یہ کہوں گا کہ تعزیہ نکالنا فرض ہے۔"

شاہ عبد القدوس گنگوہیؒ

اس کے بعد حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہونے لگا۔ فرمایا کہ آپ کو سماع کا بہت شوق تھا اور اکثر وجد میں آکر رقص کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں حضرت جلال الدین تھانیسریؒ ایک بہت بڑے عالم تھے اور مرید ہونے سے پہلے تھانیسر میں درس دیا کرتے تھے۔ ان کا ایک شاگرد شاہ عبد القدوسؒ کا مرید تھا۔ ایک دفعہ آپ تھانیسر کے قریب کہیں تشریف لے گئے، اُس شاگرد نے مولانا

صاحب سے کہا :

"مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں ۔"

انھوں نے کہا :

"اچھا جاؤ ، اور اپنے نچنیا پیر کو میرا سلام کہنا ۔"

وہ طالب علم چلا گیا اور جب حاضر خدمت ہوا تو اپنے اُستاد کی طرف سے سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا :

"بھائی امانت میں خیانت نہیں کرتے ۔ جو کچھ انھوں نے کہا ہے ٹھیک ٹھیک بیان کرو ۔ چھپاؤ مت ۔"

اُس نے مجبوراً وہ فقرہ دُہرایا۔ آپ نے فرمایا :

"اچھا ان کو میری طرف سے بھی سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ میرے پیر ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں ۔"

چنانچہ جب وہ واپس اُستاد کے پاس پہنچا تو انھوں نے دریافت کیا :

"کیوں بھائی میرا سلام کہا تھا ؟"

اُس نے کہا :

"جی ہاں ۔ حضور نے بھی سلام کہا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ کہہ دینا کہ میرے پیر ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں ۔"

اُس کا یہ کہنا تھا کہ وہ کھڑے ہو گئے اور رقص کرنے لگے ۔ کیف و مستی کی حالت میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اُسی وقت جا کر اُن کے مُرید ہو گئے ۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت جلال الدّین تھانیسریؒ نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالقدّوس گنگوہیؒ کی خدمت میں عرض کیا :

"آپ سے بہت لوگ فیض یاب ہو رہے ہیں۔ آپ کے صاحبزادے اب تک محروم ہیں ۔ ان پر بھی مہربانی فرمائیے ۔"

فرمایا :

"اچھّا کسی وقت جب وہ موجود ہوں تو کہنا۔"

ایک دفعہ ایسا ہُوا کہ حضرت جلال الدّینؒ اپنے شیخ کا ایک پاؤں دبا رہے تھے اور شیخ کے صاحبزادے دُوسرا پاؤں دبا رہے تھے۔ موقعہ غنیمت دیکھ کر انھوں نے آپ کے صاحبزادہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے فرمایا :

"ہاں یاد ہے۔"

یہ کہہ کر آپ نے اپنا پاؤں اپنے صاحبزادے کے سینہ پر رکھ دیا۔ اور انگوٹھے سے ملنے لگے۔ جیسے کوئی چیز کھُرچ رہے ہوں۔ صاحبزادہ صاحب نے کہا :

"اِس سینہ میں عِلم قرآن و حدیث ہے۔"

حضرت شیخ نے فرمایا :

"میں اسی بُت کو نکال رہا ہُوں۔"

غرض یہ کہ صاحبزادہ صاحب میں تبدیلی واقع ہوگئی اور بہت بڑے مرتبہ کو پہنچے۔

ترجمہ اور ہے معنی اور

اِس کے بعد لفظ اور معنی پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا، ایک دن ایک مولوی صاحب کہنے لگے :

"بنارس میں مَیں نے ایک ہندو کو مُسلمان کیا۔ اس کو پڑھنا لکھنا سِکھایا۔ صرف و نحو پڑھایا اور اب اُس کو قرآن کے معنی پر عبور ہے۔"

مَیں نے کہا :

"قرآن کے معانی پر آپ کو خود عبور نہیں ہے۔ آپ کے شاگرد کو کس طرح عبور ہو سکتا ہے؟"

کہنے لگے :

"کیوں صاحب مجھے بھی قرآن کے معنی نہیں آتے؟"

ہم نے کہا:

"اچھا نار کے معنی بتائیے۔"

انھوں نے کہا:

"آتش۔"

ہم نے کہا:

"آتش کے معنی کیا ہیں؟"

انھوں نے کہا:

"آگ۔"

ہم نے کہا:

"یہ معنی تو نہیں ہیں۔ یہ تو آپ دُوسری زبان کے الفاظ میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ نار کے معنی بتائیے۔"

اب وہ سٹ پٹائے۔ ہم نے کہا:

"نار کے معنی وہ ہیں جو چُولھے میں ہے۔ باقی سب الفاظ ہی الفاظ ہیں۔"

سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ کی تفسیر مجذوب کی زبانی

اِس کے بعد فرمایا ایک دفعہ ایک مولوی صاحب کسی کو قرآن پڑھا رہے تھے۔ اور آیت سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ط کا ترجمہ اِس طرح بتا رہے تھے "سیر کرو زمین پر اور دیکھو کہ جھُوٹوں کا کیا حشر ہُوا۔" ایک مجذوب سُن رہے تھے، انھوں نے کہا:

"اُلٹے لونڈے کو کیوں غلط پڑھا رہا ہے۔ اَلَا الارج نہیں پہل اَرج ہے۔ یعنی سَیر کرو زمین میں نہ کہ زمین پر۔"

مولوی صاحب نے کہا:

"زمین میں کیسے سیر کی جاسکتی ہے!"

انھوں نے گدّی پکڑ کر زمین کی طرف جھکا دی اور کہا :

"دیکھ، دیکھ اس طرح سیر کی جاتی ہے۔"

اَب وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ہزاروں لوگوں پر عذاب نازل ہو رہا ہے۔ ڈر گئے اور فوراً تائب ہُوئے۔ چونکہ عذاب نازل ہوتا دیکھ چکے تھے، اس لئے کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گئے۔

ہندو کی سیاست

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اب جناح سے کہیں گے کہ پاکستان کا مطالبہ چھوڑ کر پورے ہندوستان کا مطالبہ شروع کر دو۔ فرمایا ایک مضمون میں ہم نے لکھا ہے کہ ہندو ایک انچ زمین پر بھی حکومت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ سیاست دانی میں وہ بالکل جاہل ہیں۔ ان میں ایک بھی سیاست دان نہیں ہے۔

محترم فاروق احمد کا وصال

۲۹ صفر المظفر ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۴۵ء تقریباً ساڑھے دس بجے شب محترم فاروق احمد لیڈی ایچیسن میو ہسپتال لاہور میں واصل بحق ہوئے۔ موصوف و ممدوح حضرت شاہ شہید اللہ مدظلہٗ کے بڑے بھائی تھے۔ جنوری ۱۹۴۵ء میں آپ مرض نمونیہ میں مبتلا ہوئے۔ حملہ مرض نہایت شدید تھا۔ اس لئے بغرض علاج آپ کو بھاولپور سے لاہور منتقل کیا گیا۔ جہاں ان کے لئے میو ہسپتال کا ایک کمرہ مخصوص کر لیا گیا۔ لیکن وقت مقرر ہو چکا تھا۔ رحمتِ ایزدی بلاوا دینے پہنچ گئی۔ معالج امراض بےبس ہو گئے۔ حضرت شاہ شہید اللہ سرہانے کے قریب کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ فاروق احمد صاحبؒ کی آنکھیں بند ہیں۔ غشی طاری ہے۔ تقریباً دس گھنٹے یہ حالت رہی۔ اس موقعہ پر لاہور والے ڈاکٹر جلال الدین ڈینٹسٹ کے صاحبزادے ڈاکٹر بشیر جو وہاں موجود تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ شہید اللہ صاحب کو اپنے گھر چلنے

کے لئے اصرار کیا۔ مجبور ہو کر موصوف ان کے ساتھ چلے گئے۔ ان کا مکان قریب ہی تھا۔ گھر پہنچتے ہی ٹیلی فون آیا:

"فوراً" واپس آئیے!"

جب واپس آئے تو فاروق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا تھا۔ لوگوں نے بیان کیا:

جب حضرت شاہ شہید اللہ صاحب باہر گئے تو انھوں نے آنکھیں کھول کر اپنے بھائی کی کرسی کی طرف دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر کے جاں بحق ہو گئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن)

حضرت شاہ شہید اللہ صاحب کہتے ہیں:

"میں نے بہت غور کیا کہ دس گھنٹے بے ہوش رہنے کے بعد آخر وقت میں آنکھیں کھولنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

چنانچہ جب حضرت اقدسؒ سے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"تم دونوں بھائیوں میں اس قدر گہری نسبت تھی کہ جب تک تم انکے ساتھ بیٹھے رہتے ممکن نہ تھا کہ ان کی روح جسم سے الگ ہوتی۔ اس لئے قدرت نے تمہارے اس دوست کو بھیجا تاکہ تمھیں وہاں سے ہٹا کر کہیں لے جائے اور مرحوم کی روح پرواز کرے۔"

اب تجہیز و تکفین کے انتظامات شروع ہوئے۔ مرحوم نے اپنے بھائی کو وصیت کی تھی "اگر یہاں میری موت واقع ہو جائے تو مجھے حضرت داتا صاحبؒ میں دفنانا" حضرت شاہ شہید اللہ صاحب نے ان کی اس وصیت کا اظہار کیا لیکن حاضرین نے انتہائی معذرت کے ساتھ اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔ کسی نے کہا یہ ناممکنات میں سے ہے۔ کسی نے کہا بہت مشکل ہے۔ ہزاروں روپے لیتے ہیں، جب اجازت دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ میاں میرؒ میں قبر کا انتظام کیا گیا لیکن تصرفات اولیاء اللہ کے قربان

جانیے کہ اپنے ان غریب الدیار مخلصین کو کس شان سے نوازا۔ عین وقت پر مصداق

"مردے از غیب بروں آید و کارے بکند"

ایک صاحب تشریف لاتے ہیں۔ جن سے کوئی شناسائی نہ تھی۔ آتے ہی انھوں نے یہ سعادت اپنے ذمہ لی۔ آستانۂ داتا صاحبؒ کے ذمہ دار منتظمین سے ٹیلیفون پر بات چیت کی، کسی نے کوئی تعرض نہ کیا اور نہایت آسانی سے حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کے قدموں میں حضرت اقدسؒ کے دلارے فاروق کے لئے رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ کا انتظام ہو گیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ گمراہیوں کے پردے تو حضرت داتا صاحبؒ کی گرانمایہ تصنیف "کشف المحجوب" ہی نے اُٹھائے تھے۔ صراطِ مُستقیم کا اِنکشاف تو اسی کتاب کے انگریزی ترجمہ کی بدولت ہوا تھا۔ یعنی "کشف المحجوب" ہی آپ کے اِسلام قبول کرنے کا باعث ہوئی۔ اور شیخ کا انتخاب بھی اسی مشعل کی روشنی میں کیا گیا ؎

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہر نورِ خدا

ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رھنما

(مرحوم کو حضرت داتا صاحبؒ سے والہانہ عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ احقر اپنے سفرِ لاہور کے تاثرات بیان کر رہا تھا۔ مَیں نے عرض کیا:

"خدا کرے لاہور جانا کسی کو نصیب نہ ہو۔ اس قدر بے پردگی، بے حیائی اور خرافات ہے کہ خدا کی پناہ۔"

یہ سُن کر انھوں نے فرمایا:

"آپ داتا صاحبؒ کے مزار پر بھی گئے تھے؟"

احقر نے عرض کیا:

"نہیں۔"

فرمایا:

"یہی وجہ ہے کہ آپ کو لاہور میں نحوست نظر آتی حضرت داتا کے روضہ پر حاضری دے کر بتانا کہ لاہور کیسا ہے!")

غرض یہ کہ اس مردِ میدانِ ولایت کے جنازہ میں شہر کے بیشتر خاص و عام نے شرکت کی اور ایک جمِ غفیر کے ہمراہ بڑی آن بان کے ساتھ تقریباً دس بجے صبح مظہرِ نورِ خدا حضرت گنج بخش کے آستانۂ عالیہ پر پہنچا۔ آپ کی تازگی ایمان کے لئے ایک خاص بات عرض کر دُوں جسے ہزاروں آدمیوں نے دیکھا جس کی اشاعت قریب قریب لاہور کے تمام اخبارات و بعض رسائل میں ہو چکی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس وقت گنج بخش و فیضِ عالم کے قدسی آستانہ پر اس جنتی دُولھے کا جنازہ پہنچا ہے، کافی دُھوپ تھی۔ لیکن اس وقت جبکہ اس قتیلِ عشقِ مولیٰ کی نمازِ جنازہ پڑھی جا رہی تھی، یک بیک ایک اَبر کا ٹکڑا اُٹھتا ہے اور عین محاذ پر آ کر رُک جاتا ہے۔ اور اس احاطۂ قدس پر سایہ ہو جاتا ہے، نمازِ جنازہ کے بعد چونکہ قبر کی تیاری میں کچھ دیر تھی۔ جنازہ تسبیح خانہ میں رکھا گیا۔ اَب قبر قریب قریب تیار ہو چکی تھی۔ جنازہ اُٹھایا جا رہا تھا کہ ابرِ رحمت کی پھوار شروع ہو گئی۔ اور پھر لُطف یہ کہ لاہور بھر میں صِرف اسی خطۂ مقدسہ پر ڈھائی سے تین منٹ تک ترشح ہوتا رہا۔ سچ ہے

"پیا جسے چاہیں وہی سُہاگن کہلائے"

حضرت اقدسؒ کا تصرّف خاص

مرحوم کی علالت کے زمانہ میں حضرتِ اقدسؒ مہائم شریف (بمبئی) میں حاجی فرخ صاحب کے مکان میں قیام فرما تھے خطیب صاحب اور فرخ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک رات فرخ صاحب کے چھوٹے بھائی رحمت اللہ صاحب تشریف لائے اور حضرت سے مُلاقات کی خواہش ظاہر کی۔ خطیب صاحب نے حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں اطّلاع کر دی۔ آپ نے فرمایا:

"اس وقت ہم کسی سے نہیں ملیں گے۔ اور نہ ہم آج کھانا کھائیں گے۔
تم لوگ کھالو، اور رحمت اللہ سے کہہ دو کہ وہ کل آئیں یا اگر وہ
رُک سکتے ہیں تو رُک جائیں۔ موقع ہوگا تو بُلا لیا جائے گا۔"

جیسے ہی خطیب صاحب کمرہ سے باہر آئے حضرت نے کواڑ بند کر لئے اور روشنی گل کردی۔ اس وقت حضرتِ اقدسؒ کی کیفیت سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ آپ کسی غیر معمولی اہم معاملہ کے سلجھانے میں مصروف ہیں۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے کے بعد آپؒ نے کواڑ کھولے اور آواز دی۔ خطیب صاحب فوراً حاضر ہوئے۔ دیکھا تو چہرۂ انور پر انبساطی کیفیت کے اثرات نمایاں تھے۔ عجیب و غریب مستی نواز مستی تھی۔ جس کی کیفیت احاطۂ بیان سے باہر ہے۔ مختصر یہ کہ فرخ صاحب کے بھائی بُلائے گئے۔ ان سے اس وقت نہایت سرور آفریں انداز میں آپ نے گفتگو فرمائی اور رُخصت کیا۔ دُوسرے دن تقریباً گیارہ بجے ٹیلیگرام مِلا۔ جس میں فاروق احمد کے وصال کی اِطّلاع تھی، اور وقت وہی لکھا تھا۔ جبکہ حضرتِ اقدسؒ کمرہ بند کر کے خلوت میں تھے خطیب صاحب نے ٹیلیگرام اپنے پاس رکھ لیا، اِس خیال سے کہ پہلے آپ کھانا کھالیں اس کے بعد ٹیلیگرام پیش کر دیا جائے۔ لیکن کسی صاحب نے حضرتِ اقدسؒ کو اِطّلاع کردی۔ آپؒ نے خطیب صاحب کو بُلوایا اور ٹیلیگرام کے متعلق دریافت کیا۔ غرضیکہ ٹیلیگرام پیش کر دیا گیا۔ آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ کر کچھ دیر سکوت فرمایا۔ اور پھر مُسکراتے ہوئے فرمایا:

"فاروق احمد خوش نصیب تھے مقبول ہوگئے۔ اب ان کے لئے مزے ہی مزے ہیں۔ چلو ہمارے RECEPTION (اِستقبال) کیلئے ہماری پارٹی کا ایک آدمی تو پہنچ گیا۔"

اِس کے بعد فرمایا:

"کیا آج تمھیں بُھوک نہیں لگی ہے؟ کھانا نکلواؤ۔"

خطیبؔ صاحب کہتے ہیں کہ میں سمجھتا تھا کہ اس المناک اِطلاع سے آپ متأثر ہوکر کھانا نہ کھا سکیں گے ۔مگر معلوم ہُوا کہ اہل اللہ کی نظر میں موت کی کیا حقیقت ہوتی ہے ۔بالخصوص جبکہ اپنے متوسلین میں سے کسی کی مقبولیت کا انھیں مشاہدہ ہوجائے ۔

مقبولیت کا اِنکشاف تین چار دن کے بعد حضرت شہید اللہ صاحب کا ایک خط حضرتِ اقدسؒ کے نام آیا ۔حضرتِ اقدسؒ جس وقت خط پڑھ رہے تھے اس وقت اتفاق سے خطیبؔ صاحب کی ایک جُملہ پر نظر پڑ گئی تھی ۔ وہ کہتے ہیں کہ اس جُملہ کو پڑھ کر میرے دِل میں ایک تحریک اُٹھی کہ کسی نہ کسی طرح میں یہ خط پُورا پڑھ لوں ۔جس وقت حضرت اقدسؒ نے خط پڑھ کر لفافہ میں رکھ دیا ۔خطیبؔ صاحب نے کہا :

" بڑا لمبا خط ہے ۔"

یہ کہتے ہُوئے خط اُٹھا لیا ۔حضرتؒ نے فرمایا :

"ہیں ہیں رکھ دو کسی کا خط نہیں پڑھا کرتے ۔" مگر

" کرم ہائے تو مارا کرد گُستاخ "

کے مصداق یہ کہتے ہوئے خط لے کر دُوسرے کمرے میں چلے گئے کہ اس میں کیا ہوگا فاروق کی علالت و تدفین وغیرہ کی تفصیل ہوگی ۔چنانچہ انھوں نے خط پڑھ لیا ۔خط کا لب لباب یہ تھا :۔

" پہلے تو آپ مجھے معاف فرمائیں کہ فاروق احمد کی علالت کے زمانہ میں میرے دِل میں یہ خیال آیا کہ یہ ہم نے کیا غلطی کی کہ اپنا گھر چھوڑ کر ہم یہاں چلے آئے ۔اب فاروق کے صحت یاب ہوتے ہی میں انھیں لے کر اپنے وطن واپس چلا جاؤں گا ۔اپنے اس خیال پر میں بہت نادم ہوں ، آپ لِلّٰہ مجھے معاف فرمادیں ۔کاش میں پیدا ہوتے ہی آپکے

قدموں میں ہوتا۔ افسوس میری زندگی کے تیئس۲۳ سال برباد ہو گئے۔

جس وقت فاروق احمد نزع کی حالت میں تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے سرہانے سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف فرما ہیں۔ اور حضورؐ کے قریب آپ کھڑے ہوئے ہیں اور اولیاء اللہ حلقہ باندھے ہوئے رقص فرما رہے ہیں۔ جب فاروق احمدؒ کا جنازہ لے جا رہے تھے تو میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ بہت تیزی کے ساتھ ان کی روحانی ترقی ہو رہی ہے۔ اور جس وقت فاروق احمدؒ کو قبر میں اُتارا گیا۔ اس وقت بھی میں نے دیکھا کہ سرورِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم قبر کے سرہانے تشریف فرما ہیں اور آپ بھی حضورؐ کے ساتھ ہیں اور اولیاء اللہ باری باری آتے ہیں اور زیارت کرتے ہیں۔ ایک چیز جو سب نے دیکھی وہ یہ تھی کہ نمازِ جنازہ کے وقت ایک اَبر کا ٹکڑا اُٹھتا ہے اور عین محاذ پر آکر رُک جاتا ہے۔ اور تدفین سے کچھ پہلے لاہور بھر میں صرف اسی خطّہ پر ابرِ رحمت کا ترشح ہوتا ہے۔"

وصال کے دو دن بعد جب حضرت اقدسؒ کے ہاں حسبِ معمول حلقۂ ذکر ہوا تو دو تین آدمیوں نے فاروق احمد صاحبؒ کو حلقۂ ذکر میں بیٹھے دیکھا۔ ایک دفعہ حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا:

"فاروق احمدؒ ترقی کر رہے ہیں۔ اجمیر شریف بھی آتے ہیں اور بہت خوش ہیں۔ ان کی ترقی ہمیشہ جاری رہے گی۔"

فرمایا:

"HE IS ON PROGRESSIVE LINES"

(وہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں)

ایک دفعہ حضرتِ اقدسؒ لاہور تشریف لے گئے اور حضرت داتا صاحبؒ کے مزارِ

مُبارک پر بھی جا کر حاضری دی۔ اس موقع پر بھی کئی آدمیوں نے فاروق احمدؒ کو دیکھا کہ جلدی سے آئے اور جہاں حضرتؒ مراقب تھے آکر شامل ہو گئے۔

اِس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا اسی طرح بے پروا تھے جس طرح وہ زندگی میں ہوا کرتے تھے۔ صرف کرتہ اور پاجامہ پہنے ہوئے آئے اور حاضری میں شامل ہو گئے۔ سر ننگا تھا اور پاؤں میں بھی کچھ نہیں تھا۔ جب حضرتِ اقدسؒ وہاں سے باہر جانے لگے تو راستہ بھول گئے باہر جانے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ اس پر فرمایا کہ جب ہمیں راستہ نہیں ملتا تھا تو فاروق احمدؒ خوش ہو رہے تھے کہ اچھا ہوا کچھ دیر اور ہمارے ساتھ رہنے کا موقعہ مل گیا۔

فرمایا اللہ نے فاروق احمدؒ کی توبہ قبول فرمائی۔ اللہ کو ان کا خلوص پسند آگیا۔

فرمایا کس قدر بڑا مجاہدہ ہے کہ لندن کے رہنے والے اپنا عیش و آرام سب چھوڑ کر یہاں آگئے۔

میری تعریف مت کرو!

فاروق احمد صاحبؒ کی لاہور کے ایک افسر مسٹر عنایت اللہ خاں سے عزیز داری تھی، اور اکثر ان کے مکان پر جا کر ٹھہرتے تھے۔ جب ان کا وصال ہوا تو خاں صاحب اور ان کی بیوی دن رات فاروق احمدؒ کا تذکرہ کیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ انھوںؒ نے فاروق احمد صاحبؒ کی فاتحہ کی غسل خانے میں ہاتھ دھو رہی تھیں، باہر سے ان کے کان میں فاروق احمد صاحبؒ کی یہ آواز آئی:

"میری زیادہ تعریف مت کیا کرو!"

یہ سُن کر وہ بہت حیران ہوئیں اور باہر آکر دیکھا تو کوئی بھی نہ تھا۔

ماہم شریف (بمبئی)

اللہ کے حضور پیشی

ایک دفعہ احقر حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ فاروق احمدؒ کے لکھنؤ جانے کا ذِکر ہو رہا تھا۔ احقر نے عرض کیا:

"فاروق احمد صاحبؒ لکھنؤ جاکر بہت خوش ہوئے۔ وہاں حضرت مولانا صاحبؒ کے صاحبزادہ بھولے میاں سے بھی ملے تھے، ان کی بہت تعریف کرتے تھے۔"

حضرت اقدس نے فرمایا۔ ہاں بھولے میاں بہت اچھے آدمی ہیں۔ نام تو اُن کا واعظ حسَن ہے لیکن مولانا صاحبؒ بھولے کہہ کے پکارا کرتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ لکھنؤ میں ایک صاحب نے ہم سے کہا:

"یہ جو آپ کہتے ہیں کہ نیک وبد سب اللہ کے سامنے جائیں گے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بُرے بھی حضوری کے شرف سے نوازے جائیں؟"

ہم نے کہا کہ ہم کب کہتے ہیں کہ نیک وبد یکساں اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ اب فرض کرو ہم کو وائسرائے دعوت پر بُلاتا ہے۔ ہم کار میں سوار ہو کر اسٹیشن تک جاتے ہیں۔ وہاں سے ریل گاڑی میں بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد وائسرائے کی کار اسٹیشن پر موجود ہوتی ہے۔ کار میں پھول وغیرہ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ غرضیکہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ وائسرائے کے مکان پر پہنچتے ہیں۔ وائسرائے باہر آکر ہمارا استقبال کرتا ہے اور اندر لے جاتا ہے۔ ایک دُوسرا شخص ہے جس کو وائسرائے نے بلایا ہے۔ اس کے بُلانے کے لئے اِنسپکٹر پولیس کو حکم دیا ہے کہ فلاں کو پکڑ کر ہمارے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ وہ جاتا ہے اور اس کو ہتھکڑی لگاکر گالیاں دیتا ہُوا اور گھسیٹتا

ہُوا لے آتا ہے۔ جب وائسرائے اُسے دیکھتا ہے تو وہ بھی اُسے گالیاں دیتا ہے اور کسی کو حکم دیتا ہے کہ اس کو اتنے کوڑے لگاؤ۔ اب وائسرائے کے سامنے تو ہم دونوں گئے لیکن فرق آپ نے دیکھ لیا۔

شریعت اور طریقت، ایک ہے

فرمایا ایک دن انھوں نے ہم سے کہا:

"آپ کہتے ہیں کہ شریعت اور طریقت ایک ہے۔ بھلا ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟"

ہم نے کہا شریعت نسخہ ہے اور طریقت اس نسخہ کا تیار کرنا۔ نسخہ کاغذ پر ہوتا ہے اور تیار سِل پر ہوتا ہے۔ بس ایک لحاظ سے دونوں ایک ہیں اور ایک لحاظ سے مختلف ہیں۔ ایک دُوسرے کے مخالف نہیں ہیں۔ مختلف ہونا اور بات ہے اور مخالف ہونا اور ہے۔

ولایت اور نبوّت

ایک دفعہ ارشاد فرمایا ولایت کا درجہ نبوّت سے بلند ہے، ولایت اللہ کے ساتھ ذاتی تعلق کا نام ہے۔ اور نبوّت ایک منصب ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لئے ہوتا ہے۔ اَب یہ کہنا کہ ولی، نبی پر فوقیت رکھتا ہے غلط ہے کیونکہ ہر نبی منصبِ نبوّت کے علاوہ ولی بھی ہوتا ہے۔ اِس لئے نبی کا مرتبہ ولی سے بلند ہوتا ہے جیسے ایک بادشاہ کے دو دوست ہوں۔ جن میں ایک کو کسی جگہ وائسرائے بنا کر بھیجا گیا تو اَب اس دوست کا مرتبہ جو وائسرائے بنایا گیا، اس دُوسرے دوست سے بڑھ گیا جو صِرف دوست ہے کیونکہ وائسرائے بادشاہ کا دوست بھی ہے اور نائب بھی۔

حبس دم

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ حبس دم سے رُوح میں لطافت آجاتی ہے اور لطافت سے رُوح میں قوّت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جو چیز لطیف ہوتی ہے وہ زیادہ قوی ہوتی ہے: بجلی بہت لطیف ہے۔ اس لئے بہت قوی ہے، بہ نسبت آگ، پانی یا بھاپ کے جو مقابلۃً کثیف ہیں۔ رُوح میں جب

لطافت بڑھ جاتی ہے تو اس میں عالمِ بالا کی باتیں سمجھنے کی صلاحیت بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس سے حضوری اور توجہ الی اللہ میں بھی مدد ملتی ہے۔ عام طور پر حبس دم موسم سرما میں پانی کے اندر غوطہ لگا کر کیا جاتا ہے۔ ویسے بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن پانی میں بیٹھ کر کرنے سے جلد ترقی ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ پانی سے ہر چیز زندہ ہے۔ اِنسان بھی پانی سے غذا حاصل کرتا ہے۔ حبس دم اکیس دفعہ ذکرُ اللہ' سے شروع کیا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ بڑھایا جاتا ہے۔ باقی تمام مجاہدات کی طرح حبس دم کو بھی لگ کر کرنا چاہیئے۔

فرمایا کہ ہم مجاہدہ کے زمانہ میں دریا میں چلے جاتے تھے۔ بس پہلا غوطہ مُشکل ہوتا تھا۔ بعد میں پانی سے باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ خوب گرمی محسوس ہوتی تھی۔

فرمایا ہمارے مولانا صاحبؒ بعض اوقات عشاء کے بعد تالاب کے اندر چلے جاتے اور پُوری رات پانی میں رہتے۔ مؤذن سے فرما دیتے تھے:
"جب صبح کی اذان ہو تو ہمیں اِطّلاع کر دینا۔"
اِس اثنا میں آپ صرف دو یا تین سانس لیتے۔

صورتِ مثالی فرمایا جب رُوح لطیف ہوجاتی ہے تو صورتِ مثالی میں (جو جسم اور رُوح کے درمیان ایک برزخ ہے) قوّت آجاتی ہے۔ اور اس سے بہت کام لئے جاسکتے ہیں۔ سونے کے وقت اس کو کام میں لگا دیا جاتا ہے۔ آدمی سوتا رہتا ہے لیکن صورتِ مثالی اپنے کام میں مشغول رہتی ہے اور اسی صورتِ مثالی میں اہل اللہ سَیر کرتے ہیں۔ لیکن کسی سے مصافحہ نہیں کرتے اگر مصافحہ کریں تو چوری پکڑی جاتی ہے۔ ہاں جب رُوح بہت لطیف ہوجاتی ہے اور زیادہ قوی ہوجاتی ہے تو مصافحہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔

فرمایا ایک دفعہ ہمارے مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں حضرت مولانا

رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے مزار پر گیا۔ دیکھا کہ آپ قبر پر بیٹھے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا:

"آگے آؤ۔"

جب میں آگے بڑھا تو فرمایا:

"تم نے سب کمال حاصل کر لئے ہیں لیکن ایک چیز باقی رہتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تمہاری صورتِ مثالی ابھی تک قوی نہیں ہوئی۔"

یہ فرما کر آپ نے مجھ سے معانقہ فرمایا اور اس کے بعد پندرہ روز محنت کرنے سے وہ کمی پوری ہو گئی۔

فرمایا اس جسمِ لطیف سے ولی اللہ جہاں چاہتے ہیں پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ معرفت کے اصولوں میں سے سب سے اہم یہ اصول ہے کہ عارف مشاہدہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہر اسم ہر وقت اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اسم کی صفت اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ایک اسم مُحیِی ہے یعنی زندہ کرنے والا اور دُوسرا اسم مُمِیت ہے یعنی مُردہ کرنے والا۔ اب چونکہ ہر اسم ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ اس لئے تمام کائنات ہر وقت فنا بھی ہوتی ہے اور زندہ بھی ہوتی رہتی ہے۔ لیکن سُرعتِ تسلسل کی وجہ سے اس کا احساس نہیں ہوتا۔ جیسے فلم میں ایک آدمی کے مختلف حالتوں میں ہزاروں فوٹو لئے جاتے ہیں اور جب اُسے مشین کے ذریعے تیز چلایا جاتا ہے تو وہ آدمی متحرک معلوم ہوتا ہے۔ دَراصل اس میں حرکت نہیں ہوتی لیکن سُرعتِ تسلسل کی وجہ سے وہ متحرک معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح کائنات بھی یا مُحیِی اور یا مُمِیت کے زیرِ تقاضا ہر لحظہ زندہ ہوتی ہے اور ہر لحظہ فنا ہوتی ہے لیکن چونکہ یہ عمل نہایت تیزی سے ہوتا ہے اس لئے محسوس نہیں ہوتا۔ اور فنا کہاں ہوتی ہے؟ ذات میں گم ہو جاتی ہے۔ اب چونکہ عارفین کو اس کا علم ہوتا ہے اس لئے وہ اس کی بدولت ایک لمحہ میں ہزاروں میل طے کر لیتے ہیں۔ اور

یہ بھی ہوتا ہے کہ بیک وقت کئی جگہوں پر موجود ہو سکتے ہیں۔ جیسے حضرت میر سیّد علی ہمدانی کشمیریؒ نے بیک وقت چالیس آدمیوں کے گھر جا کر کھانا تناول فرمایا اور ہر جگہ بیٹھ کر ایک مختلف غزل لکھی۔

۲۸ دسمبر ۱۹۴۴ء - ۱۰ محرم ۱۳۶۴ھ - ماہم شریف (بمبئی)

ترکِ دُنیا

آج دوپہر کے کھانے کے بعد احقر نے عرض کیا کہ اپنی زمین پر سبزی ترکاری اور ڈیری فارمنگ کا کام اگر کروں تو بہت فائدہ مند ہے۔ لیکن اس سے ڈر لگتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ "ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد" کا مصداق ہو جاؤں۔ اِرشاد فرمایا کہ بہادری تو اسی میں ہے کہ دُنیا کے کاموں میں مشغول ہو کر دُنیا کے اثرات سے پاک رہے اور اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو ورنہ اگر کوئی آدمی جنگل میں جا کر تنہا رہے اور پھر یہ کہے کہ میں نے چھ ماہ تک جھوٹ نہیں بولا یا کسی کی غیبت نہیں کی تو کون سا بڑا کام کیا۔ یا اگر کمزور اور نامرد ہے اور یہ کہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا تو کون سی بڑی بات ہے۔ ہمت تو یہ ہے کہ دُنیا میں رہے۔ دولت کمائے۔ لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھے اور پھر اپنے اخلاق بلند رکھے۔ کسی کا مال نہ کھائے۔ کسی کو دھوکہ نہ دے۔ کسی کی غیبت نہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو۔

آپؒ نے فرمایا افضل وہ شخص ہے جو طاقت کے باوجود گناہ سے محفوظ رہا۔ بات یہ ہے کہ ہر چیز مقابلہ میں آ کر طاقت حاصل کرتی ہے۔ جب آدمی نفس اور شیطان کے ساتھ جہاد کرتا ہے، تو اس کی رُوح کے اندر طاقت آ جاتی ہے۔ بخلاف دُوسرے آدمی کے کہ جنگل میں اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے جس سے اس کی رُوح میں اِتنی قوّت آئے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس کی رُوح زیادہ قوی ہوتی ہے اس کا عرفان بھی بڑھا ہُوا ہوتا ہے۔ اور وہ خوب لُطف حاصل کرتا ہے۔ مثال

کے طور پر اگر دو شخص ہوں جن کے پاس دنیوی مال و دولت برابر ہو لیکن ان میں سے ایک نہایت کمزور اور دائم المریض ہے۔ ذرا سی چیز کھاتا ہے تو بدہضمی ہو جاتی ہے۔ دوسرا شخص بالکل تندرست اور مضبوط ہے۔ خوب کھاتا پیتا ہے۔ عیش کرتا ہے۔ گھوڑوں کی سواری کرتا ہے، شکار کھیلتا ہے۔ اب جہاں تک دنیوی مال و دولت کا تعلق ہے ان میں سے کون زیادہ لطف اٹھاتا ہے؟ لازمی طور پر وہی جو زیادہ طاقت ور اور صحت مند ہے۔ اسی طرح روحانی طاقت کی وجہ سے بھی انسان خوب لطف اٹھاتا ہے، زیادہ معارف حاصل ہوتے ہیں اور زیادہ انوار و برکات سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آدمی ہر وقت دنیا میں منہمک رہے۔ کبھی کبھی گوشہ نشینی بھی ضروری ہے۔ جیسے بی اے پاس کرنے کے لئے ایک طالبِ علم کو بورڈنگ ہاؤس میں رہنا پڑتا ہے۔ تعلیم کے دوران شادی بیاہ سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ لیکن بی اے پاس کر لینے کے بعد کوئی تھوڑی بورڈنگ ہاؤس میں مقیم رہتا ہے۔

احقر نے عرض کیا:

"ہم لوگوں کے واسطے کیا اتنا کافی ہے کہ بری صحبت سے بچتے رہیں۔ رمضان شریف میں یا عرس کے موقعہ پر دس پندرہ دن کے لئے دنیا سے الگ ہو جایا کریں؟"

فرمایا ہاں لیکن اگر تبلیغ کی نیت سے برے لوگوں میں گھس جاؤ اور ان کے برے اثرات سے محفوظ رہ کر ان کی اصلاح کرو تو اس کا بڑا اجر ہے۔ اگر تمہارے کہنے پر کسی نے نماز پڑھ لی تو جتنا ثواب اسے ملے گا، اتنا ہی تمہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی کمی نہیں ہے۔

حقیقتِ پردہ

اس کے بعد مولوی محمد حسین صاحب برے سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس دن جب ہم بات کر رہے تھے تو فلاں

صاحب دُور بیٹھے سُن رہے تھے۔ انھوں نے بعد میں آکر کہا:

"آپ کی گفتگو سے مجھے بہت فائدہ ہُوا۔"

ہم نے دریافت کیا:

"کیا آپ بھی سُن رہے تھے؟"

کہنے لگے:

"جی ہاں۔"

ہم نے کہا:

"نزدیک کیوں نہیں آتے؟"

کہنے لگے:

"آپ کے قریب ایک خاتون بیٹھی ہُوئی تھیں اس لئے میں دُور بیٹھا رہا۔"

ہم نے کہا:

"اگر وہ ریل گاڑی میں آپ کے ساتھ ایک ہی ڈبے میں ہوتیں تو کیا آپ سفر نہ کرتے۔ آپ اِس قدر کُھرّے کیوں بن جاتے ہیں کہ عورت کی شکل سے دُور بھاگتے ہیں؟"

اِس کے بعد آپؒ نے فرمایا کہ میرے ایک دوست کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مولینٰا شوکت علی صاحب، ان کے پیر مولوی عبدالباری صاحبؒ اور ابُوالکلام آزاد کاٹھیاواڑ کے دَورہ پر گئے۔ لوگ اسٹیشن پر آئے ہُوئے تھے۔ بہت ہجوم تھا۔ شوکت علی بلند قامت آدمی تھے، لوگوں نے اُن کو اور ابُوالکلام آزاد کو موٹر میں بٹھالیا۔ لیکن مولوی عبدالباری صاحبؒ جو پست قامت تھے، ہجوم میں رہ گئے۔ جب میں نے انھیں دیکھا تو اچنبھا ہُوا کہ وہ کیسے پیچھے رہ گئے۔ اس زمانہ میں گاندھی کے ساتھ سورآبائی رہتی تھی اس نے مولوی صاحب کو پہچان لیا اور کہا:

"فکر نہ کریں میں آپ کو موٹر میں لے جاؤں گی۔"

اَب مولوی صاحب بہت جھینپے اور ہمارے دوست سے کہنے لگے :

"عورت کے ساتھ کیسے بیٹھ کر جاؤں ؟"

انھوں نے کہا :

"حضرت اس میں کیا ہرج ہے ۔آپ کو چلا جانا چاہیئے وہ لوگ آپ کو تلاش کر رہے ہوں گے ۔"

سورآبائیؔ نے دریافت کیا :

"کیا معاملہ ہے ؟"

جب انھوں نے اُسے سمجھایا تو کہنے لگی :

"اچھا میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جاؤں گی اور مولوی صاحب پیچھے بیٹھ جائیں ۔"

اس پر بھی وہ راضی نہ ہوئے اور کہنے لگے :

"پھر بھی تو وہ سامنے بیٹھی رہے گی ۔"

خیر بمشکل تمام ان کو کار میں بٹھایا گیا۔جب وہاں پہنچے تو سب لوگ انھیں تلاش کر رہے تھے ۔سورآبائیؔ بہت ناراض تھی اور کہتی تھی :

"اگر وہ قومی کام کرنے والے اور شوکتؔ علی کے پیر نہ ہوتے تو میں ان کو کبھی معاف نہ کرتی ۔ انھوں نے میری INSULT (بے عزّتی) کی ہے ۔"

اُسے بمشکل سمجھایا گیا کہ ان کے نظریے کے مُطابق عورت کی عزّت یہی ہے کہ اس سے دُور رہیں ۔

اِس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ اِسلام کی رُو سے عورت کو بُری نگاہ سے یا شہوت کی نگاہ سے دیکھنا ناجائز ہے ۔لیکن مجبوراً کسی عورت کا ساتھ ہو جائے تو اس میں کیا ہرج ہے اُسے مثل اپنی ماں بہن کے سمجھے ۔

قطب صاحبؒ کی شان

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکیؒ محفلِ سماع میں شریک تھے۔ اُس وقت آپ کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی تھی اور خلافت مل چکی تھی۔ کسی نے اعتراض کیا:

"آپ چونکہ بے ریش ہیں، اس لئے آپ کا محفلِ سماع میں بیٹھنا ناجائز ہے۔"

آپؒ نے اَپنے منہ پر ہاتھ پھیرا تو فوراً آپ کے چہرۂ مُبارک پر لمبی ڈاڑھی ظاہر ہوئی اور اسّی (۸۰) برس کے بوڑھے بن گئے اور جب تک بیٹھے رہے یہی شکل رہی۔ فرمایا:

"میری حقیقی صُورت یہی ہے۔"

اس کے بعد فرمایا کہ قطب صاحبؒ کی نسبت میں محوّیت کا غلبہ ہے اور خواجہ غریب نوازؒ کو آپ کے ساتھ بہت اُنس ہے اور ان کے حق میں آپ ذرا سی گُستاخی برداشت نہیں کر سکتے۔ ایک دفعہ بیگم بھوپال اور موجودہ نواب (نواب حمید اللہ خاں مرحوم) کی نانی سکندر بیگم دہلی گئیں اور کہنے لگیں:

"اَب مہرولی شریف میں مکان بنواؤں گی اور کبھی کبھی یہاں آ کر رہا کروں گی۔"

خیر جب درگاہ شریف پر حاضری دینے کے لئے گئیں تو خادموں نے اندر جانے سے روک دیا۔ خادموں سے کہا:

"اچھا میرا دوپٹہ اندر لے جاؤ اور مزار شریف سے مَل کر لے آؤ تاکہ میں اُسے منہ پر مَلوں۔"

جب وہ دوپٹہ اندر لے گئے تو اُسے آگ لگ گئی۔ یہ دیکھ کر اُن کے مُنہ سے یہ فقرہ نکل گیا:

"یہاں تو مجُھے کیا میرے دوپٹہ کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔

میں تو خواجہ غریب نوازؒ کے ہاں جاتی ہوں اور وہیں اجمیر شریف میں مکان بنواؤں گی۔"

خیر جب وہاں گئیں تو درگاہ شریف کی حاضری میں اچھی کیفیت رہی۔ خوب خوش ہوئیں اور دل میں ارادہ کرلیا کہ یہاں ضرور مکان بنواؤں گی اور کبھی کبھی آکر ٹھہرا کروں گی۔ رات کو خواب میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا:

"تم یہاں آئی ہو ہم نے مہمان سمجھ کر مہربانی کی ہے۔ لیکن یہاں رہنے نہیں دیں گے۔ تم نے یہ جو کہا ہے کہ قطب صاحبؒ یہاں نہیں رہنے دیتے اس لئے میں اجمیر شریف میں رہوں گی، اس سے ہم خوش نہیں ہیں۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو قطب صاحبؒ بہت عزیز ہیں، اس لئے اپنے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے علاوہ حضرت قطب صاحبؒ کا عُرس بھی اجمیر شریف میں کرتے ہیں اور خوب دُھوم دھام سے عُرس مناتے ہیں قوالی ہوتی ہے اور بڑی رونق رہتی ہے۔

صحابۂ کرامؓ کی افضلیت

اِس کے بعد حضرت حاجی ملنگ بابا رضؓ کا ذکر ہونے لگا جو صحابی مشہور ہیں۔ فرمایا صحابۂ کرامؓ کا مرتبہ اولیاء اللہ سے زیادہ بلند ہے۔ ویسے تو معنوی طور پر سب اولیاء صحابی ہیں۔ لیکن صحابۂ کرامؓ کو اس دُنیا میں صحبتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل تھی اس لئے ان کے رُتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت غوث الاعظمؓ کی اویسی تربیت

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت غوث الاعظمؓ کی تربیت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اویسی طریقہ سے خود فرمائی۔ جب تعلیم پوری ہوگئی تو ارشاد فرمایا:

"تمہارے لئے یہی کافی ہے لیکن سلسلہ چلانے کے لئے ظاہری شیخ

کے ہاں بیعت لازمی ہے۔"

وساوس پر گرفت نہیں

اِس کے بعد فرمایا کہ اولیاء کرام کی خدمت میں بیٹھ کر قلب کی بہت حفاظت کرنی چاہیئے۔ تمام خطرات و وساوس سے قلب کو پاک رکھنا چاہیئے۔ احقر نے عرض کیا:

"بعض دفعہ بہت کوشش کی جاتی ہے لیکن وساوس بے اختیار قلب میں آتے ہیں، کیا کیا جائے؟"

فرمایا اس میں کوئی ہرج نہیں۔ اس کی کوئی گرفت نہیں ہے۔ شیطان کا کام ہے وساوس قلب میں ڈالنا، اَب شیطان وساوس پھینکتا رہتا ہے آدمی کو چاہیئے کہ انھیں قبول نہ کرے۔ اگر خطرات آئیں تو انھیں رد کرتا رہے اور اپنے کام میں مشغول رہے۔

تزکیہ۔ تصفیہ۔ تجلیہ اور تخلیہ

فرمایا وساوس کو اسی طرح دیر تک رد کرتے رہنے اور قلب کو خطرات سے پاک رکھنے کا نام تصفیہ ہے۔ اس سے پہلے تزکیہ ہے۔ تزکیہ یعنی نفس کو گناہوں سے پاک کرنا۔ تزکیہ کے بعد تصفیہ ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی خیال پر دیر تک بغیر خطرات جما رہنا۔ تصفیہ کے بعد تجلیہ ہے اور اس کے بعد تخلیہ ہے۔ تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ ذات میں استغراق ہو جائے اور ماسوا باقی نہ رہے۔ وہی دائرۂ سلوک میں نقطہ الف پر قیام یعنی فنا فی اللہ۔ ان مقامات میں سے جہاں جس قدر چاہے رہ کر پھر اپنے مقام پر آجائے۔ اس موقعہ پر مولوی محمد حسین بڑے نے عرض کیا:

"حضرت تجلیہ کا کیا مطلب ہے؟"

فرمایا تجلیہ سے رُوح میں چمک پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے جسم بھی متاثر ہوتا ہے اور تخلیہ کے بعد مقامِ عبدیت ہے جہاں واپس آکر دُنیا کے کاروبار کئے جاتے

ہیں اور لوگوں میں گھُل مِل کر ان کی اِصلاح کی جاتی ہے۔ لیکن بعض صُورتوں میں یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ اگر کسی میں کوئی بُری بات نظر آئے تو اس کو DIRECTLY (براہِ راست) نہیں کہنا چاہیئے۔ بلکہ

اِصلاح کا خاص طریقہ

INDIRECT طریقہ سے کسی اور کو مخاطب کر کے بتانا چاہیئے تاکہ وہ اُسے سُن کر اپنی اصلاح کر لے۔ فرمایا ایک دفعہ حضرت امام حُسینؑ عراق میں تھے۔ مسجد میں دیکھا کہ ایک شخص غلط طریقے پر وضو کر رہا ہے۔ آپ نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے فرمایا:

"دیکھو وہ شخص غلط وضو کر رہا ہے۔ اَب میں جاکر اسی طرح وضو کرتا ہُوں اور تم آکر مجھے بتانا کہ یہ طریقہ غلط ہے۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب اُس آدمی نے دیکھا تو خود بخود کہنے لگا:

"اوہو! میں بھی اِسی طرح غلط وضو کر رہا تھا۔"

ہندو دھرم اور ترکِ دُنیا

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ جو ہندو لوگ کہتے ہیں کہ دُنیا کو ترک کر کے غاروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنا چاہیئے یہ کہاں درُست ہے۔ بھلا رآم کو دیکھو بن باسی کے زمانے کے سوائے کب انھوں نے دُنیا چھوڑی۔ اِسی طرح کرشن بھی بادشاہ تھے۔ ہندو مذہب میں ترکِ دُنیا نہیں ہے۔ ان کے پیشواؤں نے دُنیا ترک نہیں کی بلکہ انھوں نے بادشاہت کی اور لڑائیاں لڑیں۔ رآماین اور مہابھارت کی لڑائیاں کیوں ہُوئیں اس لئے کہ وہ لوگ بادشاہ تھے تارکِ دُنیا نہ تھے۔

فیضِ صحبت

اِس کے بعد فرمایا۔ ایک دفعہ ہمارے مولانا صاحبؒ کی خدمت میں ایک شیعہ آکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

"حضرت میں شیعہ ہوں۔"

آپؒ نے فرمایا :

" ہم بھی چاہتے ہیں کہ بُرے ہمارے پاس آئیں اور اچھے ہوجائیں۔"

بُرا بھی کہہ دیا اور اپنے پاس بھی بٹھالیا۔ اُس نے کہا :

" حضرت میں مسجد میں نماز پڑھ لوں، کوئی مزاحمت تو نہیں کرے گا؟"

فرمایا :

" نہیں خوشی سے جاکر پڑھ لو۔"

جب نماز پڑھ کر واپس آیا تو وظیفہ پوچھا اور درخواست کی

" میری رہبری فرمائیے۔"

اِس کے بعد وہ راہِ راست پر آگیا۔

تبرّا کا غلط استعمال

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ جو تبرّا کرتے ہیں لفظ "تبرّا" کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ تبرّا کے معنی ہیں بَری ہونا۔ اس کا اصل مطلب تو یہ تھا کہ ہم لوگ نہ صحابہ کرامؓ کو بُرا کہتے ہیں نہ بھلا کہتے ہیں بلکہ ان دونوں باتوں سے آزاد ہیں۔ لیکن آج کل کے شیعوں نے تبرّا کے معنی گالی دینے کے لئے ہیں۔

اِس کے بعد فرمایا کہ تقیّہ کے معنی ہیں منافقت۔ اس کے علاوہ اور کیا معنی ہو سکتے ہیں ؟

۲۷ دسمبر ۱۹۴۴ء ، ماہم شریف (بمبئی)

سَب جنّتی

آج فرّخ صاحب نے احقر سے کہا کہ آپ کے چلے جانے کے بعد خطیب صاحب (مولوی محمد حسین صاحب برے) اور میں نے حضرتؒ سے عرض کیا۔

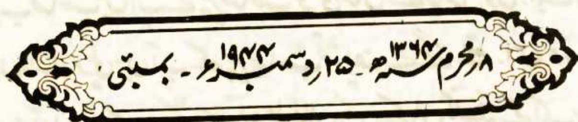
"حضرت اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ مولانا صاحبؒ (حضرت مولانا وارث حسن صاحبؒ) کے تو لاکھوں مرید تھے اور آپکے مرید نسبتاً بہت کم ہیں۔"

فرمایا:

"بھائی مولانا صاحبؒ کا مرتبہ اس قدر بلند تھا کہ میں ان کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں ہوں۔"

پھر ذرا تامل کر کے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت محبوب الٰہیؒ پاک پتن شریف میں اپنے شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت آپ کو بشارت ہوئی کہ آپکے جتنے مرید ہوں گے سب کے سب بہشتی ہوں گے۔ وہاں سے رخصت ہونے کے بعد آپ دہلی آئے تو آپؒ نے بے تامل کثیر لوگوں کو مرید بنانا شروع کر دیا، تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت زیادہ سے زیادہ بہشتی ہو جائے۔

فرمایا اسی طرح ہمارے مولانا صاحبؒ کو بھی ایک دفعہ بشارت ہوئی تو آپؒ نے بھی کثرت سے لوگوں کو مرید کرنا شروع کر دیا۔



زیارت حاجی ملنگ باباؒ

آج حضرت اقدسؒ کے ہمراہ ہم لوگ حضرت حاجی ملنگ باباؒ قدس سرہ العزیز کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ خطیب محمد حسین صاحب برے، فرخ صاحب شوکت صاحب، عبد السلام صاحب اور راقم الحروف پر یہ جماعت مشتمل تھی۔ بمبئی سے کلیان تک ریل گاڑی سے گئے۔ کلیان اسٹیشن سے دامنِ کوہ تک موٹر کار میں سفر کیا۔ راستے میں خطیب صاحب نے حضرت مولانا صاحبؒ کے متعلق یہ واقعہ بیان کیا۔

امیرن کے پیر

جزیرہ نہوہ (بمبئی) میں بھوندو نامی ایک بوڑھا قصاب ہے۔ جو بہت نیک اور پابند صوم وصلوٰۃ ہے۔ میں جس زمانہ میں میرین کالج نہوہ کے شعبۂ دینیات سے متعلق تھا۔ ایک روز اطلاع ملی کہ کل مولانا صاحبؒ بمبئی تشریف لا رہے ہیں اور ناخدا محمد سعید صاحب رو گھے کے مکان پر قیام فرمائیں گے۔ میں فوراً بمبئی آگیا۔ میرے اچانک چلے جانے سے لوگوں کو خیال پیدا ہُوا کہ ایسی کیا بات ہُوئی جو عادت کے خلاف یک بہ یک چلے گئے۔ غرضیکہ لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ میرے شیخ تشریف لا رہے ہیں۔ بھوندو میاں کو بھی پتہ چل گیا۔ جب مولانا صاحبؒ کا نام اُس نے سُنا تو اسٹاف کے لوگوں کا بیان ہے کہ اس پر رقّت طاری ہوگئی اور حضرت مولانا صاحبؒ کی ایک چشم دید کرامت بیان کرنے لگا۔ مولانا صاحبؒ کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں نہوہ پہنچا تو لوگوں نے بتایا کہ بھوندو روزانہ آپ کے شیخ کا تذکرہ کرتا تھا اور بیان کرتے کرتے اس کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔ جیسے ہی بھوندو کو میری آمد کی اطلاع ملی تو فوراً مجھ سے ملنے آگیا۔ اور نہایت مؤثر انداز میں رو رو کر اُس نے یہ واقعہ بیان کیا :

خطیب صاحب میں آپ کے پیر صاحبؒ کو کئی سال سے جانتا ہوں۔ ایک دفعہ ہمارے گاؤں رائے بریلی میں آپ کے پیر صاحبؒ تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت میرے چند دوستوں نے مجھ سے کہا بھوندو چلو فلاں رئیس کے ہاں لکھنؤ کے ایک بہت بڑے پیر آئے ہوئے ہیں۔"

میں نے کہا :

"چھوڑو بھی کیا کریں گے جا کر وہ تو امیرن (امیروں) کے پیر ہیں۔"

میرے دوستوں نے اصرار کیا اور میں جانے پر مجبور ہُوا۔ غرضیکہ ہم لوگ حضرتؒ کے ہاں پہنچے، ہم نے سلام کر کے مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے۔ اب پیر صاحبؒ ہماری طرف متوجہ ہُوئے اور فرمایا :

" ہمارے پاس کیوں آئے ہو؟ ہم تو امیرن کے پیر ہیں ۔"

اَب مجھے کاٹو تو لہو نہیں کیونکہ یہ جُملہ اپنی بیٹھک پر میری زبان سے نکلا تھا. اسکے بعد فرمایا :

" سُنو یہ امیر لوگ خدا کو بھولے ہوئے ہیں ۔ ان کی اصلاح زیادہ ضروری ہے ۔ اور تم لوگ تو خدا سے ڈرنے والے لوگ ہو ۔ اللہ کو یاد کرتے ہو ۔ تمھیں کیا مُرید بنائیں ۔ تم تو ہو ہی مُرید ۔"

اِس کے بعد ہم نے دُعا کی درخواست کی ۔ پیر صاحب نے دُعا کا وعدہ فرمایا اور ہم لوگوں کو رُخصت کیا ۔

شراب چُھٹ گئی !

اس رئیس کے ایک دوست تھے جو بیرسٹر تھے ۔ دونوں میں بہت محبّت تھی ۔ رئیس نے بیرسٹر سے کہا :

" تم بھی ہمارے پیر صاحب کے مُرید ہو جاؤ ۔"

انھوں نے کہا :

" بھائی تم جانتے ہو کہ ہم شراب کے عادی ہیں ۔ اگر تمہارے پیر صاحب شراب پینے کی اجازت دیں تو ہم مُرید بننے کے لئے تیّار ہیں ۔ یہ ہے ہماری شرط ۔"

اِس طرح مذاق میں بات اُڑا دی ۔ مگر اس رئیس نے یہ بات حضرت صاحبؒ سے کہہ دی ۔ جب بیرسٹر صاحب آئے تو پیر صاحب نے فرمایا :

" کیوں بھائی ہم نے سُنا ہے کہ تم اِس شرط پر مُرید ہونا چاہتے ہو کہ ہم تمھیں شراب پینے کی اجازت دیں ؟"

بیرسٹر صاحب انگریزی پڑھے ہوئے آدمی ۔ ولایت میں رہے ہوئے ۔ انھیں کیا شرم ۔ انھوں نے بھی کہہ دیا :

"ہاں صاحب یہ صحیح ہے۔ اس شرط پر اگر ممکن ہو تو بندہ حاضر ہے۔"

پیر صاحب نے فرمایا:

"ہمیں منظور ہے۔ مگر ایک شرط ہماری بھی ہے۔ ہمارے سامنے نہ پینا۔"

بیرسٹر صاحب نے کہا:

"اچھا، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی موجودگی میں نہیں پئیں گے۔"

حضرت نے فرمایا:

"اچھا تو جاؤ وضو کر کے آؤ۔"

غرض اُن کو مُرید کر لیا۔ اور وہ بھی اپنی بات پر قائم رہے۔ جب تک پیر صاحب کا قیام رہا، انھوں نے شراب نہیں پی۔ ہفتہ عشرہ کے بعد پیر صاحب تشریف لے گئے۔ بیرسٹر صاحب بھی اسٹیشن تک ریل پر سوار کرانے گئے۔ جب گاڑی روانہ ہو گئی تو بیرسٹر صاحب نے فوراً ہی شراب کا انتظام کر لیا اور اپنے خاص کمرہ میں بیٹھ کر شراب گلاس میں ڈال کر پینا ہی چاہتے تھے کہ انھیں پیر صاحب نظر آئے۔ گلاس ہاتھ سے رکھ دیا تو دیکھا کوئی بھی نہیں۔ دوبارہ کوشش کی مگر دیکھا تو حضرتؒ موجود ہیں۔ اب کے خادم کو آواز دی۔ کواڑ اور کھڑکیاں بند کروا دیں۔ بتّی گُل کروا دی اور اب جو گلاس اُٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ یک بیک روشنی ظاہر ہوئی اور حضرت صاحبؒ عصا لئے ہوئے موجود ہیں۔ یہ ولایت میں رہے ہوئے لوگ وعدہ کے بہت پابند ہوتے ہیں۔ بیرسٹر صاحب نے شراب نہیں پی اور کچھ ایسی نفرت ان کے دِل میں بیٹھ گئی کہ اسی وقت توبہ کی اور پھر عُمر بھر شراب کا نام نہیں لیا۔ جانے افضل یا اشرف کچھ ایسا ہی نام تھا ان بیرسٹر صاحب کا۔

اَب پہاڑی کچھ ہی فاصلہ پر رہ گئی تھی کہ موٹر کے انجن میں کوئی خرابی واقع ہو گئی اور ہماری کار رُک گئی۔ ڈرائیور کی مسلسل کوشش کے باوجود گاڑی ٹھیک نہ ہوئی۔

حضرت اقدسؒ نے فرمایا:

"صاحبِ مزار نے اِشارات میں گفتگو شروع کردی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اس دُنیا کی کسی چیز پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔"

جب حضرتؒ نے یہ فرمایا تو گاڑی ٹھیک ہوگئی۔ یہ دیکھ کر فرمایا:

"جب ان کی بات سمجھ میں آگئی تو بس کار ٹھیک ہوگئی۔"

تھوڑی دیر کے بعد ایک گاؤں میں پہنچے جو دامنِ کوہ میں ہے۔ یہاں سے پہاڑی پر چڑھنا شروع ہوگیا۔ اور حضرتؒ کے لئے ڈولی کا اِنتظام کرلیا گیا۔ پہاڑ پر چڑھتے چڑھتے ایک مقام پر پہنچے جہاں حضرت بختاور باباؒ کا مزار ہے۔ وہاں حاضری دینے کے لئے حضرتؒ ڈولی سے اُترے اور دس پندرہ منٹ کے لئے مزار پر متوجّہ ہوئے۔ اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا:

"بہت لطیف اور پُرانی نسبت ہے۔ اس میں استغراق اور گہرائی ہے۔"

(کسی مزار پر متوجّہ ہونے کے بعد حضرتِ اقدسؒ دریافت فرماتے تھے کہ کِس قِسم کی نسبت ہے تاکہ سالکین میں مختلف اقسام کی نسبت میں تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ اور بعض اوقات خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ اس قسم کی نسبت ہے)۔ اس کے بعد پھر چڑھائی شروع کردی۔ اور حاجی ملنگ باباؒ کے مزار پر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچے تو مکان۔ پلنگ۔ بستر۔ پانی سب موجود تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا:

"دوپہر کا وقت حاضری کے لئے مناسب نہیں ہے۔ پہلے کھانا وغیرہ کھالیں، اس کے بعد حاضری دیں گے۔"

جب کھانا لایا گیا تو کئی قِسم کی چیزیں تھیں۔ اور نہایت اچھی طرح یوپی کے انداز میں پکی ہوئی تھیں۔ حضرتؒ نے فرمایا:

"کوئی یوپی کا باورچی معلوم ہوتا ہے۔"

کھانا کھانے کے بعد حضرتؒ نے عبدالسلام صاحب سے فرمایا:

"بہت گہری توجہ ہے۔ صحابیوں کا سا عِشق اور گہرائی ہے۔ اس سے معلوم

ہُوا کہ آپ فی الواقع صحابی ہیں ۔ "

فرمایا :

" اَب ان کی توجہ شروع ہوگئی ہے ۔ ہماری حاضری ہوگئی ۔ اب جس وقت چاہیں گے ، ان کے ہاں چلے جائیں گے ۔ ان کی توجہ تو پہاڑ پر آتے ہی شروع ہوگئی تھی ۔ "

عبدالسلام نے عرض کیا :

" توجہ میں چشتیت ہے ۔ اور یہاں ھندو بھی بہت نظر آرہے ہیں ۔ "

فرمایا :

" ہاں یہ عشق کی توجہ ہے جس قدر عشق زیادہ ہوتا ہے تفریق کم ہوجاتی ہے ۔ عشق نہ جانے جات جمات ۔ نیند نہ جانے ٹوٹی کھاٹ ۔ بھوک نہ جانے سُوکھی باٹ ۔ "

احقر کی طرف دیکھ کر فرمایا :

" تمھیں بھی کچھ محسوس ہُوا ؟ "

عرض کیا :

" جی ہاں ! "

فرمایا آج سے تم لوگ معنوی طور پر تابعی ہوگئے ۔ ایک صحابی کو ملنے والا تابعی کہلاتا ہے ۔ اولیاء کرام بھی صحابی ہیں کیونکہ انھوں نے رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی ہے حضرت غوث الاعظمؓ اور خواجہ غریب نوازؒ کی تربیت رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کی تھی ۔ لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء کرام کا مرتبہ کتنا ہی بلند ہو ، وہ صحابۂ کرامؓ کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے ۔ کیونکہ صحابۂ کرامؓ کو صحبتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم حاصل ہے ۔ یہاں ایک نکتہ ہے ۔ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اولیاء کرام بھی معنوی صحابی ہیں ۔ ان کو بھی صحبتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم حاصل ہے ۔

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے لنگر خانہ پر ہجوم دیکھا جس میں ہندو اور مُسلم سب شامل تھے۔ ارشاد فرمایا کہ دیکھو ھندو مُسلم کیسے ملے ہوئے ہیں گاندھی کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے۔ کہتا تو ہے کہ ہندو مُسلم ایک ہیں لیکن جب کھانا کھاتا ہے تو کٹر ھندو کی طرح چھُپ کر کھاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے خطیب صاحب سے دریافت کیا :

"یہاں کی نسبت کیسی ہے ؟"

انھوں نے عرض کیا :

" حضور یہاں کی نسبت تو بعینہٖ اجمیر شریف کی سی معلوم ہوتی ہے۔"

حضرتؒ نے فرمایا :

"ہاں بہت مشابہت ہے۔"

اس کے بعد فرمایا کہ نام تو معلوم ہوگیا ہے۔ آپ کا نام عبد الرحمٰن ہے۔ اب باقی حالات دریافت کرنا کہ آپ کب آئے تھے اور کہاں رہے بے ادبی ہے۔ نسبت میں بہت گہرا پن اور استغراق ہے صحابیوں کی سی نسبت ہے۔ سمندر کا سا ظرف رکھتے ہیں۔ دریا پی جائیں اور " هَلْ مِنْ مَّزِيْد " کے نعرے لگاتے رہیں۔ توجہ میں لطافت بھی بہت ہے۔ اب دُوسری تیسری توجہ میں جب FAMILIARITY (اُنس) بڑھے گی تو باقی حالات کا پتہ چل جائے گا۔

اس کے بعد شوکت صاحب نے عرض کیا :

"مجھے کچھ محسوس نہیں ہُوا۔"

آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ CONCENTRATION (انہماک) کی PRACTICE (مشق) کرو۔ انشاءاللہ محسوس ہونے لگے گا۔ اب جو کام کرنا ہے تمھیں کرنا ہو گا۔ ہم غذا بتا سکتے ہیں۔ ہضم کرنے کا طریقہ بھی بتا سکتے ہیں۔ لیکن کھانا تمھیں کھانا ہے۔ ہم تمہاری بجائے نہیں کھا سکتے۔

حاجی صاحبؒ کا ہاتھ حضرتؒ کے سرِ اقدس پر

اس کے بعد حج کا ذِکر چھڑا۔ فرّخ صاحب نے عرض کیا :

" آپ نے حج کیا ہے ؟ "

فرمایا ہاں لڑکپن میں ہم اپنے والد مرحوم کے ساتھ گئے تھے۔ اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی زیارت بھی ہوئی تھی۔ حرم شریف میں آپؒ مالکی مصلیٰ پر بیٹھے رہتے تھے۔ ہمارے والد مرحوم ان کی خدمت میں گئے اور ہمیں بھی ساتھ لے گئے۔ آپؒ نے ہمارے سر پر ہاتھ پھیرا اور دُعا دی۔ فرّخ صاحب نے عرض کیا :

" اُس وقت آپ کی عمر کیا تھی ؟ "

فرمایا :

" دس گیارہ برس۔ "

اِس کے بعد فرّخ صاحب نے عرض کیا :

" اگر آپ چاہیں تو اگلے سال ایک پارٹی بنا کر ہم سب حج پر چلیں۔ "

حضرت نے فرمایا جنگ کے دَوران حج پر جانا بند تھا اَب اجازت تو ہو گئی ہے۔ لیکن اگر جائیں تو کافی عرصہ کے لئے جائیں اور جی بھر کر مکّہ معظّمہ اور مدینہ منوّرہ میں رہیں۔ پُورے سال کے لئے جائیں اور دُوسرا حج کر کے واپس آئیں۔ رمضان شریف بھی وہیں مِل جائے گا۔

اسمائے دَوریہ

دُوسرے دن صبح حضرت حاجی ملنگ باباؒ کے مزار مُبارک سے واپسی ہوئی۔ حضرتِ اقدسؒ کے لئے ڈولی کا اِنتظام کیا گیا۔ راستہ میں حضرتؒ نے فرمایا کہ یَا مُنْتَقِمُ کا دَور ہے اور اِنتقام کے وقت توبہ و استغفار ضروری ہے۔ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی اسم کا دَور

ہوتا ہے۔ کبھی ستّارُ کا دَور ہے۔ کبھی غفّارُ کا۔ کبھی قہّارُ کا۔ اور کبھی جبّارُ کا۔ آجکل یا مُنتَقِمُ کا دَور ہے۔ اِس لئے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ اس کے بعد یا قہّارُ اور یا جبّارُ کا دَور شُروع ہوگا۔ اور قیامت آجائے گی لیکن قیامت مُسلمانوں پر نہیں آئے گی۔ اس سے پہلے قرآن کے الفاظ اُٹھ جائیں گے اور مُسلمان نہیں رہیں گے۔ تمام دُنیا میں صِرف ایک مُسلمان ہوگا اور وہ ملک چین میں ہوگا۔ وہ صِرف کلمہ جانتا ہوگا۔ لیکن ہوگا قطبِ وقت۔

معاملات میں راست بازی

جب احقر حضرتِ اقدسؒ سے رُخصت ہو کر بمبئی اسٹیشن پر گیا تو وہاں فوجی پاس کے متعلق جھگڑا ہوگیا اور اس دن سفر پر روانہ نہ ہوسکا۔ اِس لئے واپس آیا۔ حضرت نے کھانے کے وقت دریافت فرمایا "آج کے واقعہ سے تم نے کیا سبق حاصل کیا ہے"؟ احقر نے عرض کیا:

"یہ کہ ہمیشہ EMERGENCY (ہنگامی صُورتِ حال) کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔"

فرمایا نہیں۔ تم نے شُروع سے غلط قدم اُٹھایا۔ تم لوگ غلط طریقہ سے ملٹری پاس پر سفر کرتے ہو۔ بچ گئے تو خیر ورنہ اگلا پچھلا حق ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ بہت غلط رویّہ ہے۔ انسان کو STRAIGHT FORWARD (راست باز) ہونا چاہیئے۔ آئندہ یہ GAMBLING (جوئے بازی) کبھی نہ کرنا۔ یہ بہت بُری بات ہے۔ پہلے ہی سے اپنی ہر ایک چیز ٹھیک کر لینی چاہیئے۔ تاکہ کسی کو موقع ہی نہ ملے۔ جب تم اپنے آپ کو دُرست نہیں کر سکتے تو دُوسروں کی کس طرح اصلاح کرو گے۔ ان یورپین لوگوں کی طرح اینچ پینچ نہیں کرنا چاہیئے۔ اینچ پینچ کی وجہ ہی سے تو ان لوگوں پر قہرِ الٰہی نازل ہو رہا ہے۔ اس سے ہمیشہ بچنا چاہیئے خواہ تھرڈ کلاس ہی میں کیوں نہ سفر کرنا پڑے۔ دھوکہ۔ جھُوٹ۔ مکر و فریب سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔ اور کوئی

CHANCE (خطرہ مول) نہیں لینا چاہیئے۔

فرمایا تم سب کا اُستاد عبدالکریم خانزادہ ہے۔ وہ اس معاملہ میں بہت تیز ہے۔ فاروق احمد بھی کبھی کبھی ایسا کر لیتے تھے اَب محتاط ہو گئے ہیں۔ تم لوگوں میں صرف شہید اللہ ایسے ہیں جو کبھی ایسا نہیں کرتے۔

مزارات پر حاضری

ایک دفعہ احقر نے عرض کیا کہ مزارات کی حاضری کے وقت بعض اوقات یہ خیال رہتا ہے کہ صاحبِ مزار کی طرف توجہ کی جائے یا ذات کی طرف۔ فرمایا بس وہی بات یاد رکھو۔ توحید۔ یہ خیال کرو کہ سب کچھ وہی ہے۔ اور یہ حضرات درمیان میں برزخ ہیں، وہی جلوہ گر ہے۔ لیکن مختلف ذرائع سے اس کا ظہور ہوا ہے۔ کبھی رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے برزخ میں۔ کبھی خواجہ غریب نوازؒ کے برزخ میں۔ کبھی شیخ کے برزخ میں لیکن فیضان سب ذات کا ہے۔

یُخرِبُونَ بُیُوتَھُم بِاَیدِیھِم

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ یہ جنگ عذاب الہٰی ہے۔

اگلے زمانے میں لوگ خُدا کی ہستی کے قائل تھے اس لئے جب وہ نافرمانیاں کرتے تو اُوپر سے آگ اور پتھر برستے تھے۔ اَب چونکہ یہ لوگ خود خُدا بن بیٹھے ہیں، اِس لئے اپنے ہاتھوں سے اپنے اُوپر گولے برسا رہے ہیں۔

سر محمّد رفیق کا مجاہدہ

اِرشاد فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا صاحبؒ نے اچانک حُکم دیا:

"ذوقی چلو دِلّی چلنا ہے۔ رفیق کے یہاں شادی ہے۔ اسٹیشن کے لئے تانگہ لے لو۔"

میں نے عرض کیا:

"ریل کا مِلنا مشکل ہے۔ وقت بہت تنگ ہے۔ اسبابِ سفر بھی

ساتھ لینا ہے۔"

اِس پر مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"بس اسی طرح چلے چلو۔"

غرضیکہ جب ہم اسٹیشن پہنچے تو معلوم ہُوا کہ ٹرین کافی لیٹ ہے۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"جاؤ اب اِتنا وقت ہے کہ تم ٹہلتے جاکر آسانی سے اسباب وغیرہ لاسکتے ہو۔"

اَب یہ بھی مناسب نہیں تھا کہ مولانا صاحبؒ کو تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں۔ اِتفاق سے اس وقت ایک واقف رئیسہ اسٹیشن پر موجود تھیں اور ان کے ہمراہ کئی نوکر چاکر بھی تھے۔ ہم نے اجازت لے کر ان رئیسہ سے کہا، انھوں نے فوراً اپنے ایک ملازم کو دوڑایا۔ اور تھوڑی دیر میں ہم لوگوں کا رختِ سفر بھی آگیا۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"دیکھا تم نے یہ تم لوگوں کا توکّل بہت ناقص ہے۔ ان پر بھروسہ رکھو تو سب کام آسان ہو جاتے ہیں"

میں اس وقت یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ٹکٹ کے پیسے بھی نہیں ہیں، سفر کس طرح کریں گے؟ کیا بلا ٹکٹ ریل پر سوار ہوں گے؟

اِتنے میں ٹرین بھی آگئی اور ہماری بنچ کے سامنے ایک اسپیشل SALOON آکر رُک گیا۔ اس میں ایک صاحب بیٹھے ہُوئے تھے جو بہت بڑے رئیس تھے اور مولانا صاحبؒ کے مرید بھی۔ ان کی جو نظر مولانا صاحبؒ پر پڑی تو وہ فوراً گاڑی سے اُتر کر مولانا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ دست بوسی کے بعد عرض کیا:

"کیا حضور دِلّی کا قصد ہے؟"

مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"ہاں دہلی جا رہے ہیں رفیق کے ہاں۔"

انھوں نے عرض کیا:

"تو حضور اس ڈبہ میں تشریف لے چلیں میں بھی رفیق ہی کے ہاں جا رہا ہوں۔"

غرضیکہ اس طرح ہم دلی پہنچ گئے۔ اب اسٹیشن پر مہمانوں کے لئے موٹر کاریں موجود تھیں۔ کار پر بیٹھ کر رفیق صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ چونکہ اکثر شادی بیاہ کے موقعوں پر اعزہ یا برادری کے لوگوں کو صاحبِ خانہ کی کم التفاتی کا گلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ محض اس وجہ سے رفیق صاحب نے مولانا صاحبؒ کو شادی کی اطلاع نہیں دی تھی۔ کیونکہ مولانا صاحبؒ کی موجودگی میں وہ اور مہمانوں کا خیال نہیں رکھ سکتے تھے۔ لیکن جب مولانا صاحبؒ ان کے ہاں پہنچ گئے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، گھر والوں سے کہدیا:

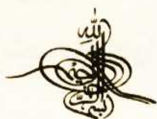
"اب ہم کسی کام میں حصہ نہیں لیں گے۔ اب سارے کام آپ لوگوں کو انجام دینے ہوں گے۔ اب ہم اپنے شیخ کی خدمت میں رہیں گے۔"

غرضیکہ سر محمد رفیق کے گھر اس وقت کافی چہل پہل تھی۔ رئیس، وکیل، بیرسٹر آئے ہوئے تھے سب کو چھوڑ کر مولانا صاحبؒ کی خدمت میں رہنے لگے۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"ڈولی منگواؤ، ہم حضرت کلیم اللہ جہان آبادیؒ کے مزار پر جائیں گے۔"

فوراً ڈولی حاضر کی گئی۔ مولانا صاحبؒ نے اپنے جوتے اتارے اور ڈولی میں بیٹھ گئے۔ ایک خادم نے جوتے اٹھالئے، آپؒ نے منع فرمایا اور سر رفیق کو حکم دیا۔ اسی وقت لپک کر سر رفیق نے جوتے اٹھالئے اور ڈولی کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ کہار جب تیز چلتے تھے تو ان کے پیچھے پیچھے دوڑنا پڑتا تھا۔ غرضیکہ اتنا بڑا آدمی، دلی شہر اور شادی کا موقعہ اس ہیئت سے دہلی کے بھرے بازار سے گذرتا ہوا حضرت کلیم اللہ شاہ جہان آبادیؒ کے مزارِ اقدس پر اپنے شیخ کے ہمراہ پہنچا۔


حصہ دوم



سیرِ ذوقی



تصوّف میں مسلک

عادات و خصائل

واقعاتِ زندگی



مرتّبہ:

سیّد شریف الحسن

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (القصص)

غرض جب موسیٰ اس مدت کو پورا کر چکے اور اپنے گھر والوں کو لے کر روانہ ہوئے تو ان کو کوہ طور کی طرف سے آگ دکھائی دی انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا انگارا لے آؤں تاکہ تم سینک لو سو وہ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کے داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔

اولیاء اللہ کی ہستیاں اسی شعلہ نور کے مانند ہوتی ہیں۔ لوگ ان کو دور سے دیکھ کر اپنے مختلف مقاصد کے تحت ان کی طرف کھنچتے ہیں لیکن جب وہ

قریب پہنچتے ہیں تو اچانک محسوس کرتے ہیں کہ وہ ایک نئی دنیا میں آگئے ہیں۔ اللہ کی یاد ان کو گھیر لیتی ہے اور وہ راہ پا جاتے ہیں۔

حضرت سید محمد ذوقی شاہ صاحبؒ بھی ایسے ہی ایک ولی کامل اور شمع ہدایت تھے۔ ان کا چہرہ بہت نورانی اور اس حدیث کا مصداق تھا کہ

هُمُ الَّذِيْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللهُ	وہ وہ لوگ ہیں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے۔

بعض لوگوں کی شخصیت کو اُن کے پرستار بناتے ہیں اور جن لوگوں کا ان کے گرد حلقہ ہوتا ہے وہ پہلے سے آنے والے کو ذہنی طور پر تیار کر لیتے ہیں کہ آپ ایک بڑی شخصیت سے ہم کلام ہونے جا رہے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے گرد اس قسم کا کوئی حلقہ نہ تھا لیکن اُن کا نورانی اور رعب دار چہرہ خود بتاتا تھا کہ وہ ایک بڑی ہستی ہیں اور انجان لوگ بھی ان کا احترام کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ شاہ صاحب قبلہؒ میانہ قد کے تھے۔ ان کا جسم بہت مضبوط اور گٹھا ہوا تھا، ان کا چہرہ سنجیدہ مگر شگفتہ تھا۔ پیشانی بہت چوڑی اور کشادہ تھی اور اس پر لمبی لمبی شکنیں غور و فکر کا پتہ دیتی تھیں۔ آپؒ کے سر پر بال بہت کم تھے، آپؒ کشادہ ابرو تھے، بھَویں بہت گھنی اور لمبی تھیں۔ آنکھیں سیاہ نہ تھیں لیکن اُن سے ایک خاص قسم کی ذہانت ٹپکتی تھی۔ بینائی کیونکہ ابتدا سے کمزور تھی اس لئے چشمہ لگاتے تھے۔ آپؒ کے رُخسار بھرے بھرے اور اُبھرے ہوئے تھے۔ ناک بھی پُر گوشت تھی اور نتھنے بڑے بڑے تھے۔ آپؒ کی داڑھی گھنی اور گول تھی۔ بال اور بھَووں کی طرح بالکل سفید تھی، آپؒ کی اُنگلیاں بھی پُر گوشت اور کسی قدر گاؤدم تھیں۔ آپؒ کا تمام جسم نہایت سڈول اور خوبصورت تھا۔ سینہ خوب چکلا اور بھرا ہوا تھا۔ توند تھی لیکن بدوضع اور باہر نکلی ہوئی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ پیر آپؒ کے نسبتاً چھوٹے چھوٹے تھے، چلنے میں آپؒ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتے تھے۔ آپؒ کی چال

بہت سبک اور تیز تھی۔ فالج کے حملہ سے قبل بالکل نوجوانوں کی طرح چلتے تھے اور بہت چلتے تھے۔

لباس آپ بہت خوش پوش تھے۔ آپ کا لباس سادہ مگر صاف ستھرا ہوتا تھا۔ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں کوٹ پتلون بھی پہنا شیروانی اور پاجامہ بھی، لیکن درویشی اختیار کرنے کے بعد مجاہدہ کے زمانہ تک گیروا رنگ کے کپڑے پہنے۔ گیروا کرتہ اور گیروا تہبند اور گیروا رومال سر پر بندھا رہتا تھا۔ لیکن اس کے بعد سفید غرارہ دار پاجامہ اور سفید کرتہ جس میں دو طرف جیبیں ہوتی تھیں اور اندر شلوکہ جس میں دو جیبیں نیچے اور ایک جیب اوپر بائیں طرف ہوتی تھیں۔ سر پر باریک کپڑے کی سفید ٹوپی۔ بوٹ پہننا چھوڑ دیا تھا۔ پہلے گرگابی (پمپ) پہنتے تھے، پھر سلیم شاہی جوتا پہننے لگے۔ وضو کے لئے کھڑاؤں استعمال کرتے تھے۔ سردیوں میں سویٹر کرتے کے نیچے پہنتے تھے اور اوپر سے جبّہ۔ پہلے جیب گھڑی استعمال کرتے تھے بعد میں کلائی کی گھڑی بھی استعمال کرنے لگے تھے۔ باہر جب تشریف لے جاتے تو عصا ضرور ہاتھ میں ہوتا تھا۔

تصوف میں مسلک

شریعت حضرت شاہ صاحبؒ بہت بڑے پابند شریعت بزرگ تھے۔ اس ضمن میں وہ اُن باتوں کا بھی خیال رکھتے تھے جن کو عام طور سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ کبھی قبلہ کی سمت نہیں تھوکتے تھے۔ آپؒ کے والد اہل حدیث تھے اس لئے قدرتی طور پر شروع میں آپ اسی مسلک کے تھے لیکن مُرید ہونے کے بعد شیخ کے اتباع میں فقہ حنفی کو اپنا لیا اور دُوسرے عقائد اور نظریات کو بھی صوفیائے کرام کے عقائد و نظریات

کے مطابق کرلیا۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اختلافی مسائل میں نہیں پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ بمبئی میں حلقہ کے بعد ایک صاحب نے اسی قسم کا ایک قصہ چھیڑنے کی کوشش کی تو آپؒ نے سختی کے ساتھ روک دیا اور فرمایا:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر تو سب کا اتفاق ہے، اختلاف کی باتیں جنّت میں جاکر کرلینا۔ اگر اختلافی مسائل میں اُلجھے رہے تو پہلے ہی منزل پر ناکام ہوجاؤ گے اور جو کچھ تھوڑا بہت حاصل کیا ہے ضائع ہوجائے گا۔"

نیز اس سلسلہ میں فرمایا:

"گھر میں آگ لگی ہے اور دُوسروں کے جھگڑے مٹانے جارہے ہیں۔ کسی صاحب نے یزید کے اوپر لعنت کرنے کے بارے میں دریافت کیا تھا تو حضرت قطبُ الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ آج تک اس نام کے زبان پر آنے کی نوبت نہیں آئی لعنت اور تعریف کا ذکر ہی کیا۔" (اس واقعہ کی تفصیل کیلئے دیکھئے صفحہ ۹۲)

فقہی اختلاف کے بارے میں آپ کی طبیعت میں شدّت نہیں تھی۔ آپؒ کے شیخ حضرت مولانا وارث حسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک تھا کہ جو مسائل احادیث سے ثابت ہیں ان پر کبھی کبھی عمل ضرور کرلینا چاہیئے۔ یعنی وہ مسائل جو ہمارے فقہ میں نہیں ہیں۔

عبادت ویسے تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت کے اوقات مقرر تھے لیکن رمضان شریف میں خاص طور پر اہتمام کرتے تھے خود بھی مشغول رہتے تھے اور گھر والوں کو بھی تاکید کرتے تھے۔ گھر ہی پر تراویح کا انتظام ہوتا تھا۔ دن بھر تلاوت کلام پاک اور کلمہ طیبہ میں مشغول رہتے تھے۔ سحر کے بعد [illegible] میں مشغول ہوجاتے تھے اور روحانی مشاغل کرتے تھے روزہ افطار

کرنے کے کافی دیر کے بعد تراویح شروع ہوتی یعنی جب دُوسری جگہ لوگ مسجدوں سے فارغ ہو کر نکلتے ہوتے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تراویح شروع ہوتی۔ مُریدین اور معتقدین جمع ہوتے ہر چار رکعت کے بعد حلقۂ ذِکر ہوتا پھر وتر پڑھ کر لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ اِس طرح پندرہ دن میں ایک کلامِ مجید ختم ہوتا۔ اِس کے بعد طاق راتوں میں شب بیداری ہوتی۔ ایک کلامِ مجید پھر ختم کیا جاتا۔ آپؒ اپنے احباب سے رمضان شریف کے فضائل بیان کرتے اور فرماتے:

> "اِس ماہ کی عبادت کا بدل دُنیا کی کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ اور اس کے فوائد اگر اس زندگی میں ظاہر نہ ہوتے تو مرنے کے بعد یقینی ظاہر ہوں گے۔ اُس وقت یہ حسرت ہوگی کہ کاش ہم اور زیادہ عبادت کرتے تو اور زیادہ انعامات کے مستحق ہوتے۔"

قیامِ حیدر آباد دکن کے زمانہ میں حافظ تاج محمد صاحب تراویح پڑھانے آتے تھے۔ وہ بھی رُوحانی ذوق رکھتے تھے اِس لئے بہت خلوص اور بہت عقیدت سے کلامِ مجید سُناتے تھے۔ بہت خوش الحان تھے، ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں بڑا لُطف آتا تھا۔ انقلاب نے سب کو تتر بتر کر دیا لیکن اتفاق سے حافظ تاج محمد صاحب کراچی میں مِل گئے۔ انھوں نے قدیم روش کو زندہ کر دیا۔ اَب وہ ملتان سے آخری عشرہ میں تراویح پڑھانے کراچی آیا کرتے ہیں۔

رُوحانی صلاحیتیں اور استعداد

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں اخفا بہت تھا۔ وہ اپنی قابلیتوں کو بہت چُھپاتے تھے لیکن بعض بعض مقامات پر ان کا اظہار ہو ہی جاتا تھا۔ مہاراجہ کرشن پرشاد اپنی وزارتِ عظمیٰ کے زمانہ میں جب آپؒ

سے ملنے آئے تو دورانِ گفتگو آپؒ نے اُس سے پُوچھا :

" آپ نے سُلطاناً نصیراً " کا شغل شروع کرکے ترک کیوں کر دیا؟"

یہ سُن کر اُسے سخت تعجّب ہُوا کیونکہ اس کا علم صرف اس کو تھا یا اُن بزرگ کو جنھوں نے اس کی تعلیم دی تھی۔ اس صحبت کے بعد اُس نے اپنے دوستوں سے کہا :

" آج تک کسی نے اِس کو نہیں پہچانا تھا۔"

ابتدائے سلوک میں آپؒ اجمیر میں درگاہ شریف کی صندلی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک پیر صاحب نے ان پر سَلبی توجہ[1] ڈالی۔ آپؒ نے فوراً محسوس کر لیا۔ اِتنی قوّت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ جوابی حملہ کرتے، بس اپنے پَیر اُن پیر صاحب کے سامنے پھیلا دیئے۔ اُن کے مریدوں نے شور مچایا :

" آپ کیسی گُستاخی کر رہے ہیں۔!"

آپ نے جواب دیا :

"پیر صاحب سے پُوچھو، انھوں نے میری شان میں کیا گُستاخی کی ہے۔"

اس پر وہ متنبہ ہو گئے اور اپنا عمل ترک کر کے معافی مانگ لی۔ آپ کے دوست مسرور شاہ صاحب موجود تھے وہ ہنس دیئے۔ فرماتے تھے :

"اللہ نے بہت بچا لیا ورنہ ساری محنت ضائع ہو جاتی۔ یہ لوگ ڈاکو ہیں۔ خود محنت کر نہیں سکتے دُوسروں پر ڈاکے ڈالے پھرتے ہیں۔"

اِس سلسلہ میں ایک دِلچسپ واقعہ سُنئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ

---

[1] سَلبی توجہ سے صرف مبتدیوں کی حاصل کردہ رُوحانی قوّت یا باطنی چمک سَلب ہو سکتی ہے۔ اصلی رُوحانی کمالات اس کے درک سے باہر ہیں۔

علیہ ایک مرتبہ احمد آباد میں تھے، انھیں خیال آیا کہ مسٹر گاندھی سے ملا جائے۔ چنانچہ ان کے آشرم پہنچ گئے۔ اتفاق سے مسٹر گاندھی احمد آباد سے باہر گئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک گجراتی صاحبہ انسویا بائی سے ملاقات ہوئی۔ یہ کسی مل کے مالک کی بیوی تھی۔ طبیعت بہت مذہبی پائی تھی، اس لئے مسٹر گاندھی کے آشرم میں رہ کر باقاعدہ تعلیم حاصل کرتی تھی۔ اُس نے مسٹر گاندھی کی بہت تعریف کی اور کہا:

"وہ ایک بہت ہی بلند رُوحانیت کے حامل ہیں۔"

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا:

"آپ کو بھی کچھ رُوحانی تعلیم دی ہے!"

اُس نے کہا:

"ہاں مجھے ایک ستارہ کا تصوّر بتایا ہے۔ لیکن میں بہت بدنصیب ہوں۔ ایک دو منٹ سے زیادہ تصوّر نہیں بندھتا۔ اس لئے میں ترقی نہیں کر سکتی۔ جونہی تصوّر شروع کیا، چاروں طرف سے خیالات کا ہجوم ہونے لگتا ہے اور ساری مشق ناکارہ ہو جاتی ہے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے کہا:

"اچھا آپ مجھے اجازت دیجئے میں آپ کو ستارہ کا تصوّر اچھی طرح کرا دوں گا۔"

وہ بہت حیرت سے دیکھنے لگی، پھر کچھ سوچ کر راضی ہو گئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کہا:

"آپ جس کمرہ میں مشق کرتی ہیں وہیں آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں، اور گھڑی میں وقت ضرور دیکھ لیں تاکہ صحیح اندازہ ہو سکے کہ آپ کتنی دیر مشغول رہیں۔"

چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اُدھر شاہ صاحبؒ دُوسرے کمرہ میں ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور اخبار سامنے کرلیا تاکہ کوئی مُخل نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے :

"جونہی اس کے تصوّر میں وہ ستارہ نمودار ہُوا، میں اُس کے لطیفہ قالبیہ پر حاوی ہوگیا۔ اِس طرح اُس کا دماغ بیرُونی خیالات کی آماجگاہ بننے سے محفوظ ہوگیا۔ ۳۵ یا ۴۰ منٹ تک وہ اسی طرح مشغول بیٹھی رہی۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس خیال سے کہ اُسے کوئی تکلیف نہ ہوجائے اس کو جاکر اُٹھایا کہ :

"اب بس کرو۔"

اُس نے بہ مشکل تمام آنکھیں کھولیں تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ آدھ گھنٹہ سے زیادہ گذر گیا ہے، اُسے یقین نہیں آتا تھا۔ اُس نے اُٹھ کر آشرم کی دُوسری گھڑیوں کو بھی دیکھا لیکن سب میں وہی وقت تھا تو اُسے یقین آیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کہا :

"کہیئے تصوّر کیسا رہا ــــ؟"

اُس نے جواب دیا :

"عجیب وغریب بات ہے کہ میں کوشش کر کے خیالات کو آنے سے روکتی تھی لیکن آج باوجود کوشش کے کوئی خیال نہ آسکا اور ستارہ کا تصوّر نہایت واضح رہا اور وہ بھی اِتنی دیر تک، آپ واقعی بہت بڑے رُوحانی آدمی ہیں۔ میں مسٹر گاندھی سے آپ کا ذِکر ضرور کرونگی۔"

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس ایک صاحب آئے اور انھوں نے کہا :

"میرے بیٹے کا دماغ چل گیا ہے۔ بہت علاج کرایا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے اُس لڑکے کے مشاغل کی نسبت دریافت کیا تو اس کے باپ نے کہا:

"بڑا وظیفچی ہے، ہر وقت وظیفہ پڑھتا رہتا ہے کسی کی نہیں سُنتا۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے کہا:

"کل ہمیں دِکھا دو۔"

لڑکے کو دیکھتے ہی انھوں نے ادراک کرلیا کہ کثرتِ عبادت سے نورانیت اِتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ اس کا قلب برداشت نہیں کرسکتا۔ اِس لئے دماغی توازن خراب ہوگیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"کل علی الصباح بغیر ناشتہ کئے میرے پاس لے آنا۔"

رات کو حضرت شاہ صاحبؒ نے بہت ہی ثقیل اور مرغّن کھانا کھایا اور صبح نماز کے بعد اپنے قلب میں ہر قسم کے سفلی خیالات جمع کئے اور جب وہ لڑکا آیا تو توجہ کے ذریعہ رات کے کھانے کی کثافت اور سفلی خیالات کی گندگی اس کے قلب میں منتقل کردی۔ اسی دن سے لڑکے کے ہوش و حواس درُست ہونے لگے اور تھوڑے دِنوں میں بالکل صحیح الدماغ ہوگیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس علاج کا ذِکر اپنے شیخ سے کیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہا:

"تم نے بہت صحیح عمل کیا۔ ایک دَرویش کو ایسا ہی اجتہاد کرنا چاہیئے۔"

دَرویشی محض نعرہ بازی نہ تھی

حضرت شاہ صاحبؒ صحیح معنوں میں درویش تھے ان کی دَرویشی موروثی سجادہ نشینی نہ تھی، اور نہ خالی نعرہ بازی پر مبنی تھی۔ انھوں نے وہ

تمام پاپڑ بیلے جو ایک دَرویش کا حصّہ ہُوا کرتے ہیں۔ ابتدا میں بہت سخت مجاہدہ کیا۔ جنگلوں میں بھُوکے پیاسے عبادت میں مشغول رہتے۔ تقریباً پانچ برس یہی کیفیت رہی۔ وہاں اُن کے ساتھ عجیب وغریب واقعات پیش آتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب آپؒ کلیر شریف میں چلّہ پورا کرنے کی غرض سے ٹھہرے ہُوئے تھے تو پَیر میں زخم ہوگیا۔ جنگل میں دوا دارو کیسے ہو۔ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے۔ ایک دن ایک ضعیف سے شخص آئے اور اُن کو اُٹھا کرلے گئے۔ جب ضروریات سے فارغ ہوگئے تو زخم کو دھویا اور پتّے باندھ دیئے لیکن بات نہیں کی۔ دوسرے دن وہ اسی طرح آئے، پتّوں کو جلدی جلدی چھُڑایا۔ اس سے حضرت شاہ صاحبؒ کو سخت تکلیف ہُوئی لیکن انھوں نے بالکل پروا نہیں کی اور پھر زخم دھویا، پتّے باندھے اور چلے گئے۔ وہ اسی طرح آتے رہے، جب پَیر اچھّا ہوگیا تو اُن کا آنا بند ہوگیا۔ شیخؒ نے سُن کر فرمایا:

"وہ خواجہ خضرؑ تھے۔"

مجاہدہ کے جب پانچ سال پُورے ہوگئے تو شیخؒ نے اجمیر شریف ہی میں قیام کا حُکم دیا وہاں وہ ایک چھوٹے سے مکان میں تنہا رہتے تھے اور متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ آپ صِرف چائے پی لیتے یا کبھی وہ بھی نہ ہوتی۔ لیکن کسی کو مطلق خبر نہ ہوتی، آپ نہایت صبر وسکون کے ساتھ درگاہ شریف میں حاضر ہوتے اور دوستوں سے ملتے۔

اس زمانہ میں بھی آپ کے خاص مشاغل جاری رہے۔ چنانچہ فجر کی نماز سے پہلے پانی میں بیٹھ کر شغل صوت سرمدی کرتے اور یہ شغل ۴۵ منٹ تک کرتے یعنی اس عرصہ میں مکمّل حبس دَم ہوتا اور ایک مرتبہ بھی سانس نہ لیتے۔ کتنے درویش ہیں جو آرام کی نیند چھوڑ کر اس مشقّت کو قبول کرتے ہیں۔ ساری

عُمران کی یہی کیفیت رہی۔ ہمیشہ تکلیف کو صبر سے برداشت کرتے اور عبادتِ الٰہی میں فرق نہ آنے دیتے۔ جو وقت بچتا وہ سونے یا آرام کرنے یا پیر دبوانے میں ضائع نہیں کرتے تھے بلکہ کچھ نہ کچھ کام کرتے رہتے تھے۔ آپ بہت کم سوتے تھے۔ مطالعہ میں مصروف رہتے۔ مضامین لکھتے۔ انگریزی مضامین خود ٹائپ کرتے۔ کتابوں کی صفائی اور ترتیب اپنے ہی ہاتھ سے کرتے۔

تصوّف کے متعلق اصلاحِ خیال

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ تصوّف کے متعلق مختلف گروہوں میں مختلف قسم کی غلط فہمیاں ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک مزارات پر جانا اور وہاں پھول اور چادریں چڑھانا ہی سب کچھ ہے۔ تصوّف کے مخالفین اس کو قبر پرستی سے مطعون کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک عُرس و فاتحہ ہی سب کچھ ہے۔ دُوسرا گروہ ہمہ اوست کہہ کر ہر معصیت کو جائز سمجھتا ہے۔ ایسے جاہلوں کی وجہ سے مخالفین کے ہاتھوں میں ایک بہت بڑا حربہ آگیا ہے۔ وہ یہی کہہ کر تصوّف پر حملہ کرتے ہیں کہ صُوفی تو سب کو خدا بنا ڈالتے ہیں۔ پھر مخالفین کبھی تصوّف کو رہبانیت سے تعبیر کرتے ہیں اور خود ہی حکم لگاتے ہیں کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام اور کبھی کہتے ہیں کہ صُوفیوں کے مشاغل ھندوؤں کے جوگ سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے ان سے پرہیز لازم ہے۔

تصوّف نہ رہبانیت ہے اور نہ جوگ، اِس لئے کہ اُس میں فِطری صلاحیتوں کو مفلوج کیا جاتا ہے۔ ہاتھ سُکھا لیا۔ پتھر پر بیٹھ کر عبادت کر رہے ہیں۔ چاہے وہ بے حضور ہی کیوں نہ ہو۔ برخلاف اس کے تصوّف میں ہر چھوٹی بڑی قوّت کو اُجاگر کیا جاتا ہے اور صحیح مقصد کے لئے اِستعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً غصّہ ہے تو اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّار اور رحم ہے تو رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔ نامرد کو درجۂ ولایت حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ ایک فِطری قوّت زائل کر چکا ہوتا ہے۔

تصوّف پر قبر پرستی کا الزام غلط ہے۔ پرستش کسی کی بھی نہیں ہوتی صرف فیض حاصل کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم اُستاد سے قرآن و حدیث پڑھتے ہیں یا دُوسرے بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر برکات حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح اُن بزرگوں کی رُوحانیت سے جو اس دُنیا سے کوُچ کر چکے ہیں فیض حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ اُن کے مزارات پر حاضر ہوں۔

ہمہ اوست کا الزام بھی غلط ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کو زبان سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور تصوّف کے بڑے سے بڑے حامی نے بھی جنّت و دوزخ اور حشر و حساب سے اِنکار نہیں کیا۔ بلکہ وہ بڑے پابندِ شریعت ہوتے تھے اور جس طرح طب کے کسی مسئلہ کے بارے میں سڑک پر دوا بیچنے والے حکیم کا قول سند نہیں ہو سکتا اسی طرح تصوّف کے بارے میں اُن کے اماموں کا قول ہی مستند مانا جا سکتا ہے۔ ہر زلفیں بڑھا لینے والے یا خرقہ پہننے والے کی بات نہیں مانی جا سکتی۔ شیخ ابنِ عربیؒ جو ہمہ اوست کے سب سے مشہور مشرح ہیں، اپنی کتابوں میں بار بار فرماتے ہیں کہ وہ حشر اور جنّت اور دوزخ کے اسلامی عقیدہ پر اس کے ظاہری معنوں میں یقین رکھتے ہیں۔

عُرس و فاتحہ کی افادیت سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ بعض زوائد داخل ہو گئے ہیں اور عوام نے انھیں غیر ضروری اہمیّت دے رکھی ہے لیکن ان کے فوائد اس قدر مہتم بالشان ہیں کہ ان کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ (دیکھیں "فیصلہ ہفت مسئلہ" از حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

تصوّف کی حقیقت ابتدائی مرحلہ میں طہارتِ قلبی اور آخری مرتبہ میں مزاج دانی ہے۔ رُوحانیت دو قسم کی ہوتی ہے، استدراجی یا سفلی۔ یہ غیر مُسلموں کی ہوتی ہے اور علوی، یہ مُسلمانوں کی ہوتی ہے اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ شریعت پر خالصتاً لوجہ اللہ کاربند ہونا ہے۔

صُوفیوں کے مشاغل پر یہ الزام بھی غلط ہے کہ وہ ہندوؤں کے جوگ یا ایرانیوں اور یونانیوں سے ماخوذ ہیں۔ صُوفیوں کے تمام مشاغل کی اصل قرآن و حدیث میں ملتی ہے اور اس کو بار بار ثابت کیا جا چکا ہے۔

صُوفی کی قوّتیں اور اُن کے مراتب کا معیار

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ

صُوفی بہت بڑی قوّتوں کا مالک ہوتا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

اولیا راہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز بر آرند ز راہ

لیکن لوگ معمولی باتیں دیکھ کر حُسنِ ظن قائم کر لیتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مشہور بزرگ کا ذِکر ہو رہا تھا۔ ایک صاحب نے اُن کے علوِ مدارج کا معیار یہ بتایا کہ ایک شاعر القا سے شعر کہتے تھے۔ جب انھوں نے اپنے اشعار اُن بزرگ کو سُنائے تو ایک شعر میں انھوں نے اصلاح دی۔ شاعر اس کو قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہُوئے تو انھوں نے فرمایا :

"اِس اصلاح کو صاحبِ القا بھی پسند فرمائیں گے۔"

یہ واقعہ سُنکر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا :

"اِن بزرگ کا مرتبہ مسلّم لیکن آپ کا معیار غلط۔ اِس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے شاعر صاحب کے اس خطرہ کو پکڑ لیا ہو کہ میں تو القا سے شعر کہتا ہوں، یہ اصلاح کیسی تو خطروں کا پکڑنا بہت آسان ہے۔ ہمارے ہاں کے مبتدی بآسانی خطروں پر واقف ہو سکتے ہیں۔"

پھر آپؒ نے ایک معیاری کرامت کا ذِکر فرمایا۔

قاری شاہ سلیمان صاحب تقریر بالکل نہیں کر سکتے تھے اور سمجھتے

تھے کہ ہیں اِس کیلئے پیدا ہی نہیں ہُوا۔ لیکن جب وہ حج کو تشریف لے گئے تو مکّہ معظّمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قبلہؒ سے شرفِ نیاز حاصل کیا۔ رُخصت کرتے وقت حضرت صاحبؒ نے فرمایا :

"وعظ کیا کرو !"

اور پُشت پر ہاتھ مارا۔ آپ نے ادباً بہت بہتر کہا اور آگئے۔ سوچتے تھے کہ مُجھ میں صلاحیت ہی نہیں ہے وعظ کیسے کہوں گا لیکن جب جہاز میں سوار ہُوئے اور جہاز بیچ سمندر میں آگیا تو شوقِ وعظ پیدا ہُوا اور اس نے اتنی شدّت اِختیار کی کہ جب تک چند لوگوں کو جمع کر کے وعظ نہ کہہ لیا تسکین نہیں ہُوئی۔ اِس واقعہ کے بعد والے قاری سلیمان شاہ صاحب کو دُنیا جانتی ہے کہ ان کے وعظ کِس زور کے ہوتے تھے اور کتنے بااثر۔

حُکّام اور دَولت مندوں سے دُوری

حضرت شاہ صاحبؒ نے کبھی دولت مندوں اور حُکّام کی خوشامد نہیں کی اور نہ ان سے مراسم بڑھائے۔ ان کے پاس ایسے لوگوں میں سے چند نفوس ضرور آتے تھے لیکن وہ وہی تھے جو یا تو معتقدین کی حیثیت سے آتے تھے یا ابتدائی زندگی کے احباب میں سے ہوتے تھے۔ اگر کوئی شخص سفارش کے لئے آتا کہ فلاں شخص سے میرے لئے کہہ دیجئے تو فرماتے تھے :

"ہمارا کام ان لوگوں سے رشتہ توڑ کر اللہ سے رشتہ جوڑنا ہے اور تم لوگ ہم کو دُنیا کے بڑے لوگوں کی طرف گھسیٹتے ہو۔"

اور سفارش نہیں کرتے تھے بلکہ کچھ پڑھنے کو بتا دیتے یا تعویذ دے دیتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کسی کی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے چنانچہ ان کے پاس جہاں چھوٹے لوگ آتے تھے وہاں مقتدر حضرات بھی ان کی جائے قیام پر حاضری دینے میں اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ حیدرآباد دکن میں جب مہاراجہ

کرشن پرشاد ملنے کو آیا تو آپ اس کی تعظیم کو کھڑے نہیں ہوئے۔ مہاراجہ اُس وقت ریاست کا وزیر اعظم تھا اور مشائخ اس کا اِستقبال اپنے گھر سے باہر نکل کر کرتے تھے اور وہ اسی قسم کے اِستقبال کا عادی تھا۔ یہ نقشہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہُوا اور بہت ہی احترام کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی ڈبیہ سے پان نکال کر دیا تو کھڑے ہو کر نہایت ادب سے لیا اور پھر کھانے کی اجازت مانگی۔ پھر اُن کے اُگالدان میں تھوکنا ادب کے خلاف سمجھ کر اپنا اُگالدان منگوایا، جو موٹر میں ہمیشہ ساتھ رہتا تھا۔ پھر اپنے پاندان سے پان پیش کرنے کی اجازت مانگی اور حضرت شاہ صاحبؒ کو خود پان بنا کر کھلایا۔

دُوسری ملاقات میں مہاراجہ نے آپؒ سے تقویتِ قلب کے لئے توجہ کی درخواست کی حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"ناشتہ سے پہلے آیئے میں بھی توجہ دینے کے بعد ناشتہ کروں گا۔"

لیکن دُوسرے دن وقت مقررہ پر وہ نہ آیا۔ تیسرے دِن اپنے ایک دوست کو معذرت کے لئے بھیجا حضرت شاہ صاحبؒ نے خوب خبر لی۔ آپؒ نے فرمایا:

"معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ کو بزرگوں سے ملنے کے آداب کا عِلم نہیں ہے۔"

پھر مہاراجہ کو آنے کی جراَت نہیں ہُوئی۔ اس کے بعد ایک شادی کی تقریب میں آمنا سامنا ہُوا تو بہت ادب سے پیش آیا اور مزاج پُوچھا۔

مہاراجہ کرشن پرشاد آپؒ سے ملنے گھر پر آیا لیکن آپ اس سے ملنے نہیں گئے۔ جب وہ اپنی خدمت سے سبکدوش ہوگیا تو اس کی کوٹھی پر ملنے گئے وہ اس سے بہت خوش ہُوا، کہنے لگا:

"آپ ایسے وقت میں ملنے آئے ہیں، جب لوگوں نے آنا اور ملنا بند کر دیا ہے۔"

عِلّت، غربت اور ذِلّت

یہ بات زبان زد خلق ہے کہ دَرویش میں عِلّت، غربت، ذِلّت یہ تینوں ضرور ہوتی ہیں حضرت شاہ صاحبؒ میں یہ تینوں چیزیں موجود تھیں۔ آپ کو وجع الفواد کی شکایت تھی۔ جب اس کا دَورہ ہوتا تھا تو سخت تکلیف ہوتی تھی اور کئی کئی دن بے چینی میں گذرتے تھے۔ آپؒ پر فالج کا حملہ بھی ہوا تھا۔ اس سے صحت ہو گئی تھی لیکن وجع الفواد آخر تک رہا۔

حضرت شاہ صاحبؒ پر ایک دَور ایسا بھی گذرا جب ان کے بعض اعزا۔ نے ان کو ذلیل کرنے اور نیچا دِکھانے کی کوشش کی۔ جس سے انھیں انتہائی ذہنی کوفت ہوئی اور پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔

جہاں تک غربت کا تعلق ہے آپ اِنتہائی قانع اور صابر تھے۔ ابتدائے درویشی میں ایسے ایسے وقت آئے کہ آپ کو کئی کئی وقت کچھ کھانے کو نہیں ملا لیکن آپؒ کے چہرہ بشرہ سے بالکل پتہ نہیں چلتا تھا۔ اپنے احباب و معتقدین سے بِلا جھجک ملتے اور اُن لوگوں کو شبہ تک نہ ہوتا تھا۔ آپؒ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے اس مسلک کے تھے کہ دَرویش کو نہ زبانی سوال زیب دیتا ہے نہ حالی۔ زبانی سوال تو سب سمجھتے ہیں۔ حالی سوال یہ ہے کہ ہم کسی کے سامنے اِس ہیئت سے آئیں کہ وہ ہماری ضرورت کو محسوس کرلے۔ چنانچہ ان کی روش جیسے یُسر میں ہوتی تھی ویسی ہی عسر میں رہتی تھی۔ اور ان پر جب سختی کا زمانہ ہوتا تھا تو کسی کو اس کا عِلم نہیں ہونے پاتا تھا۔

طریقۂ تعلیم

حضرت شاہ صاحبؒ کا طریقۂ تعلیم بہت سادہ اور آسان تھا۔ وہ آدمی کی ہمّت اور شوق کا جائزہ لے کر اسکا کورس مقرر کرتے تھے تاکہ بار نہ ہو اور وحشت زدہ ہو کر چھوڑ نہ بیٹھے۔ وہ پابندیوں کی بوچھاڑ بھی نہیں کرتے تھے۔ داڑھی اور لباس وغیرہ کے لئے کبھی

براہِ راست حکم نہیں کرتے تھے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کسی طرح بھاگا ہُوا اِنسان اپنے مالک کی طرف رجوع کرے تقبیہ کام خود بخود ہوجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ لوگ اپنے عادات وخصائل میں خود ہی تبدیلی کرلیا کرتے تھے اور رفتہ رفتہ ان کی زندگی شریعت کے سانچہ میں ڈھل جاتی تھی۔ آگرہ میں ایک صاحب نے کہا :

"میرا نماز پڑھنے کو جی بہت چاہتا ہے لیکن وضو کا جھگڑا ایسا ہے کہ میں نماز نہیں پڑھ پاتا۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے کہا :

"اچھا آپ بغیر وضو ہی پڑھیئے لیکن پڑھیئے ضرور۔"

چنانچہ ہفتہ دو ہفتہ میں ہی وہ صاحب باوضو نماز پڑھنے لگے۔ اس واقعہ کی تفصیل آپ کو اسی کتاب میں ملے گی۔

حضرت مولانا وارث حسن شاہ صاحبؒ کی بھی یہی روش تھی کہ وہ کبھی داڑھی رکھنے یا لباس تبدیل کرنے کے لئے نہیں کہتے تھے لیکن باطنی توجہ کی وجہ سے جیسے جیسے اصلاح ہوتی جاتی تھی غیر شرعی چیزیں خود بخود چھوٹتی جاتی تھیں حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی روش شیخ کی اِتباع میں متعیّن کی تھی۔

وہ اکثر فرمایا کرتے تھے :

"آجکل تھوڑی ریاضت بہت زیادہ فائدہ پہنچاتی ہے۔"

چنانچہ اُن کے مریدوں کی حالت دیکھتے دیکھتے بدل جاتی تھی، وہ اَپنے کام کاج میں بھی لگے رہتے تھے اور اللہ اللہ بھی کرتے تھے۔ تجارت کرنے والے اپنی تجارت میں مُلازم پیشہ اپنی نوکری میں مشغول رہتے تھے۔ اُن سے یہ چیزیں چھڑوائی نہیں جاتی تھیں۔ شہید اللہ صاحب نے تصوّف کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جب ہندوستان میں رہنے کا پختہ ارادہ کرلیا تو اُن کو ایک مُلازمت پیش کی گئی۔ وہ اس کو قبول

کرنے میں ہچکچا رہے تھے کہ مبادا یہ نوکری تعلیم میں حارج نہ ہو لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا :

" فوراً قبول کر لو ۔"

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے مُریدوں کو باقاعدہ تعلیم دیتے تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ کراتے تھے۔ مشاغل اور وظائف کراتے تھے۔ بعض دعویدار پیروں کی طرح یہ نہیں کرتے تھے کہ مُریدوں کے رجسٹر میں نام درج کر کے پہلی اور آخری ہدایت یہ دیتے کہ فلاں فلاں تاریخیں عُرس کی ہیں اور اتنی اتنی نذر وقت پر پہنچ جائے ، اس کے بعد جو تمہارا جی چاہے کرو۔ نہ عبادت سے غرض نہ مجاہدہ سے مطلب ۔ بس پیر اللہ کے یہاں بخشوالیں گے ۔

مُرید کی صلاحیت کے موافق آپؒ اکثر چشتیہ سلسلہ کے مشاغلِ رُوحانی کی تعلیم دیتے تھے جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی کتاب "ضیاء القلوب" میں ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ وہی مشاغل ہیں جو محققین صُوفیا کے یہاں مقبول و مجرّب ہیں۔

بزرگوں کے مزارات پر حاضری کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ خود لے جاتے تھے اور اپنے ساتھ متوجہ اور مشغول کراتے تھے۔ فرماتے تھے :

" صاحبِ نسبت بزرگوں کے مزارات سے جو فیض ہمارے قلوب پر وارد ہوتا ہے وہ رُوحانی کام کو بہت آسان کر دیتا ہے اور جو بات برسوں کی ریاضت سے حاصل نہیں ہوتی ، وہ چند مرتبہ کی مشغولی سے حاصل ہو جاتی ہے ۔"

حلقۂ ذِکر

حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں اکثر و بیشتر حلقۂ ذِکر پابندی سے ہوتا تھا۔ بمبئی میں ایک عرصہ تک ہفتہ میں دو بار شبِ جُمعہ اور شبِ دوشنبہ میں حلقہ ہوتا رہا۔ رمضان شریف میں خاص اہتمام ہوتا تھا۔

نماز تراویح کی ہر چار رکعتوں کے بعد تھوڑی دیر تک ذِکر ہوتا اور پھر نماز کیلئے کھڑے ہوجاتے۔ آیئے ایک حلقہ کی سیر آپ بھی کر لیجئے۔ اس سے آپ کو اس عبادت کا صحیح اندازہ ہوجائے گا۔

صاحبِ حلقہ صدر نشین ہیں۔ ہاتھ میں تسبیح ہے۔ سامنے لوگ حسب گنجائش نیم حلقہ بنا کر صف در صف بیٹھتے جاتے ہیں۔ جب کسی اور کے آنے کی اُمید نہ رہی تو روشنی گُل کر دی جاتی ہے اور جس قدر اندھیرا ممکن ہوسکتا ہے، دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے کر دیا جاتا ہے۔ سب لوگ آنکھیں بند کر لیتے ہیں، اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔

صاحبِ حلقہ تین بار یا فیّاضُ کہتے ہیں اور پھر تین مرتبہ یہ آیتیں تلاوت کرتے ہیں:۔

(۱) رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنَ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ۔

(۳) تُوْبُوْا اِلَى اللهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

اس کے بعد ذِکر بہ طریق ضرب اَسْتَغْفِرُ اللهَ۔ پھر تلاوت تین بار اَسْتَغْفِرُ اللهَ ذِي الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ مِنْ جَمِيْعِ الذُّنُوْبِ وَالْاٰثَامِ اس کے بعد ذِکر بہ طریق ضرب هُوَ الْاَوَّلُ۔ هُوَ الْاٰخِرُ۔ هُوَ الظَّاهِرُ۔ هُوَ الْبَاطِنُ۔ اس کے بعد ذِکر بہ طریق ضرب۔ هُوْ۔ هُوْ۔ هُوْ۔ هُوْ پھر هُوَ۔ هُوْ۔ هُوْ پھر هُوَ اللهُ۔ اس کے بعد الله۔ اس کے بعد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ضربیں نہایت باقاعدگی اور آواز کے موزوں اُتار چڑھاؤ کے ساتھ لگائی جاتی ہیں جن کو سُن کر قلب میں ایک لذت محسوس ہوتی ہے۔ دوران

حلقہ صاحبِ حلقہ اپنی نسبت کا اثر حاضرین کے قلوب پر برابر ڈالتے رہتے ہیں۔ جس سے وَيُزَكِّيهِمْ کا مقصد حاصل ہوتا جاتا ہے۔ درود شریف کے بعد تین مرتبہ :

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ اس کے بعد قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کہہ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ اور دعا میں صَلٰوةً تُنَجِّيْنَا پڑھ کر ختم کیا جاتا ہے۔ بتی روشن کردی جاتی ہے۔

ایک نوعمر شخص جو آدابِ حلقہ سے ناواقف ہیں فوراً شاہ صاحبؒ سے رفاعیوں اور نقش بندیوں کے درمیان مشاغل میں جو اختلاف ہے اس کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ ابھی سوال پورا بھی نہ ہوا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ مقصد کو سمجھ گئے اور حسبِ ذیل تقریر کی :

"پہلے یہ بتاؤ کہ دوا پینے کے بعد اگر بد پرہیزی کی جائے تو دوا کا اثر زائل ہو جائے گا یا نہیں۔ حلقہ کے آداب پر اگر نظر نہ رکھی جائے گی تو اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔ حلقہ کے آداب میں یہ باتیں شامل ہیں کہ حلقہ کے بعد چپ چاپ عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائیں اور جب تک جاگتے رہیں، سوائے اللہ اللہ کے اور کسی دوسری طرف مشغول نہ ہوں۔ یہ نہیں کہ ہوٹل میں بیٹھ گئے اور اِدھر اُدھر کی گپیں ہانکنا شروع کردیں۔ دو چار کی غیبت کی، دو چار فحش باتیں بکیں اور گھر جا کر سو رہے۔ ان باتوں سے جو اثر ذکر و شغل سے ہوتا ہے وہ زائل ہو جاتا ہے، یہاں تو خانقاہیت نہیں ہے، ایک تو بمبئی کی مادیت کا زور، دوسرے جگہ کی قلت خیر ہم تو ماہم شریف میں ہیں۔ بمبئی والوں سے پوچھو ٹرام اور موٹر کی گڑگڑاہٹ کچھ

یکسوئی نہیں ہونے دیتی ورنہ قاعدہ تو یہ ہے کہ حلقہ کے بعد شیخ مُریدوں کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ دو، دو، تین، تین مِل کر آنکھیں بند کرکے بیٹھو۔ تب یہ بیج جو حلقہ میں ڈالا جاتا ہے مٹتا، وہاں تو یہ احتیاط برتی جاتی، یہاں یہ کہ جتنی لغویات ہیں سب حلقہ کے بعد نکلتی ہیں جو کچھ پُوچھنا ہو حلقہ سے پہلے پوچھو دن میں آکر پُوچھو۔ فرصت کے وقت دریافت کرو۔ حلقہ کے بعد ہرگز اِدھر اُدھر کی باتیں نہ کرو۔ تمھیں ان باتوں سے کیا مطلب۔ اس مسئلہ پر بحث کی جائے گی تو بعض رفاعیوں کی غیبت بھی ہو جائے گی۔ کیا یہ چاہتے ہو کہ اس وقت جو کچھ حاصل کیا ہے اس کو ان کے نامۂ اعمال میں چڑھادو اور ان کی بُرائیاں اپنے نامۂ اعمال میں لکھوالو۔ خواہ مخواہ ان فضولیات میں پڑتے ہو۔ اور اگر بالفرض ہم بتا بھی دیں تو کیا تم سمجھ لوگے اور اگر سمجھ بھی گئے تو تمھارے کِس کام کی۔ جب ان منزلوں پر پہنچو گے تو خود سمجھ لو گے۔

اگر کِسی حکیم کے پاس جاکر نُسخہ لکھواؤ اور پھر اس سے جرح کرنے لگو کہ تو نے یہ دَوا کیوں لکھی وہ کیوں نہ لکھی تو وہ نُسخہ پھاڑ کر پھینک دے گا اور تم کو دُھتکار دے گا۔ اور خلیق ہُوا، اور اُس نے سمجھا بھی دیا تو تمہاری سمجھ میں کیا خاک آئے گا۔ اور اگر آبھی گیا تو تمہارے کس کام کا، جب تک تمہارے پاس طبابت کی سند نہ ہو۔ آجکل کے نوجوان بس انہی باتوں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، کُچھ سلوک کی مشکلات ہوں عرفانی مسائل ہوں وہ مُجھ سے پوچھو گو ہمیں آتا سب کچھ ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر ہمیں جُوتا گانٹھنا آتا ہے تو تم ہم سے جُوتے گنٹھوانے لگو۔ پُوچھنے

کی باتیں تو پُوچھی نہیں جائیں گی۔ فضول باتیں کرنے لگے کہ صاحب یہ اختلاف کیا، وہ اختلاف کیا۔ صحابہ کرامؓ اپنے مُنہ میں کنکریاں بھر لیتے تھے کہ بات کرنے کو جی بھی چاہے تو نہ کر سکیں انھی پابندیوں کی وجہ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ آجکل بدپرہیزیاں تو خود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحب کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ آج کل شیخ کہاں رہے سب ڈھونگئے رہ گئے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہُوں کہ مرید نہیں رہے، شیخ اسی شان کے ہیں۔ شیخ عبدالحق ردولویؒ جن کا توشہ مشہور ہے۔ اُن کے یہاں ایک مرید تھے جن پر کبھی نظرِ عنایت نہیں ہُوئی تھی۔ انھیں بُلاکر کہا کہ تالاب کھودو۔ انھوں نے کھودا، جب کھُد چکا تو کہا اب بھردو۔ انھوں نے بھردیا۔ بالکل جُوں چرانہ کی۔ شیخ نے فوراً خلافت عطا کی اور رُخصت کردیا۔ گھر جاتے جاتے تکمیل ہوگئی۔ ایسے آداب برتو تو دیکھو کیا فائدہ ہوتا ہے۔ پہلے تو زیادہ مجاہدہ سے کم فائدہ ہوتا تھا۔ آجکل کم مجاہدہ سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، مگر وہ بھی نہیں ہوسکتا۔ بس شیخ اِس لئے ہیں کہ اُن کی محبُوبہ سے نکاح کرادو۔ یا کام چالو کرادو تو پیر ورنہ نہیں اور ہر بات میں مین میخ یہ کیوں۔ وہ کیوں۔ بادشاہوں کے پاس آنکھوں کا لحاظ۔ عالموں کے نزدیک زبان کی نگہداشت۔ اور صُوفیوں کی خدمت میں قلب کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔ یہاں تینوں بے باک ہیں۔ کیسی تاریکی کا زمانہ ہے بس آنکھ بند کرکے اور قلب کو پوری طرح متوجہ کرکے فیضان حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

لب ببند و چشم بند و گوش بند

اِختلافی مسائل کو چھوڑو۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر توسب

کا اِتفاق ہے۔ کیا تم نے اس منزل کو طے کر لیا جو آگے بڑھتے ہو اور یہ منزل اس وقت طے ہوگی جب پُل صراط سے گُذر کر جنّت میں پہنچ جاؤ گے۔ یہ باتیں جنّت میں بیٹھ کر کرنے کی ہیں۔ یہ کیا کہ گھر میں آگ لگی ہے اور دُوسرے کے جھگڑے میں مبتلا ہیں۔ موت نے گلا دبا دیا، بس رہ گئے کہ ہائے کچھ نہ کر سکے۔ بس اپنے مشاغل میں مشغول رہو جو وقت ملے اللہ اللہ میں صَرف کرو۔ یہ ہی تمہارے لئے کافی ہے۔"

محفل ختم ہوجاتی ہے اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی حلقہ خاموش بھی کیا جاتا ہے۔ اس میں شیخ صرف اپنی نسبت سے حاضرین کے قلوب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنی رُوحانیت سے متاثر کرتا ہے۔ اس میں ذِکر بالکل نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی دونوں طرح سے کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی نصیحت پر مجلس ختم کر دی جاتی ہے۔

سماع حضرت شاہ صاحبؒ کو سماع کا بہت شوق تھا۔ وہ کثرت سے تو نہ سُنتے تھے لیکن بزرگوں کے عُرس کی تاریخوں میں ضرور سُنتے تھے۔ اُن کو کبھی حال کھیلتے نہیں دیکھا گیا۔ ہمیشہ کیفیات کو ضبط کر کے بیٹھے رہتے تھے یہاں تک کہ نہ ہاتھ پَیر ٹپکتے تھے نہ نعرے لگاتے تھے۔ بلکہ خاموشی سے بیٹھے رہتے تھے۔ نوجوان تھک جاتے تھے اور پہلو بہ پہلو بدلنے لگتے تھے لیکن وہ چٹان کی طرح جمے بیٹھے رہتے تھے اور ان کی نشست میں فرق نہیں آتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا مذاق شاعری میں بھی اور موسیقی میں بھی بہت بلند تھا اِس لئے اُن کی محفلیں بہت بلند پایہ کی ہوتی تھیں۔ وہاں حال کھیلنے والوں کی کثرت نعرہ ہائے ہُو حق اَدنیٰ درجہ کی غزلیں نہیں ہوتی تھیں۔

حلقہ معتقدین

حضرت شاہ صاحبؒ کے حلقہ میں ہر مذہب اور ہر طبقہ کے لوگ شریک تھے۔ مُسلمان، ہندو، پارسی، عیسائی کسی کی قید نہیں تھی۔ ان کی باتیں دِل میں اُترنے والی تھیں اِس لئے جو بھی اُن سے ملتا تھا وہ معتقد ہوجاتا تھا۔ اور جس طرح وہ مسلمانوں پر شریعت کی قیود کی بابت اِبتدا ہی سے سختی نہیں کرتے تھے اسی طرح غیر مسلموں سے بھی تبدیلِ مذہب کا فوری تقاضہ نہیں کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے:

"ہمارا کام خُدا کی یاد میں لگا دینا ہے۔ یہ یاد ان کو خود صراطِ مُستقیم پر لے آئے گی۔"

حضرت شاہ صاحبؒ کا ورثہ

حضرت شاہ صاحبؒ چونکہ صحیح معنوں میں دَرویش تھے اس لئے دُنیا کا مال ومتاع انھوں نے نہیں چھوڑا۔ ان کا ورثہ جو ہم تک پہنچا اور جو سب کیلئے عام ہے وہ انکی تعلیمات اور اُن کی کتابیں ہیں۔ جن سے ہر لحظہ مستفیض ہُوا جاسکتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک تصنیف "سِرِّ دلبراں" ہے۔ یہ دراصل اصطلاحاتِ تصوّف کی لُغت ہے۔ اِس سے پہلے اس موضوع پر اتنی جامع کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب میں ہر اصطلاح پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور اس کو پڑھنے والے کیلئے پھر کسی دُوسری کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ایک رُوحانی ناول ہے "بادہ وساغر" کے نام سے۔ اس میں بعض منازلِ سلوک کو قِصّہ کے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ فرماتے تھے:

"ہم شاعر ہوتے تو مولانا رومؒ کی طرح شعر میں ان واردات کو لکھتے۔"

"کتبِ سماوی پر ایک نظر" اِس کتاب کی طرح تو حضرت شاہ صاحبؒ نے حیدر آباد دکن کے قیام ہی سے ڈال دی تھی اور اس کے اقتباسات "ترجمان القرآن" میں شائع ہوئے لیکن یہ کتاب پوری نہ ہوسکی اس میں صرف 'توریت' اور 'انجیل' پر مکمل بحث کی گئی ہے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے :

" اس کے بعد ویدوں کا نمبر آئے گا اور وہ بہت دِلچسپ ہوگا۔ آخر میں قرآن پر اس حیثیت سے سیر حاصل بحث ہوگی کہ اب صرف وہی ایک آسمانی صحیفہ ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ "

ان کے دُوسرے مضامین انگریزی اور اُردو کے علیحدہ علیحدہ "مضامینِ ذوقی" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان مجموعوں میں حضرت شاہ صاحبؒ کے وہ مذہبی اور سیاسی مضامین ہیں جو وہ وقتاً فوقتاً لکھتے رہے اور رسالوں میں شائع ہوتے رہے۔

عادات وخصائل

عادات وخصائل آپؒ بہت ہی سلیم الطبع اور سلجھی ہوئی طبیعت کے تھے اور یہی خوبی آپؒ کی گفتار سے عیاں تھی۔
آپؒ طویل گفتگو کرتے تھے اور ہاتھوں سے اِشارہ کرتے جاتے تھے اور یہ گفتگو بہت دِل نشیں ہوتی تھی اور اس میں کسی قسم کی گنجلک نہیں ہوتی تھی۔

غصّہ اور حلم اِبتدا میں آپ کے مزاج میں غصّہ بہت زیادہ تھا اور یہ اس لطافت ونفاست کا نتیجہ تھا جو ان کو قدرت کی طرف سے ملی تھی۔ بہت سی ایسی چیزیں جو عام لوگوں کی نظر میں قابلِ اعتراض نہیں ہوتیں

وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے لیے ناگوارِ طبع ہوتیں اور ان کے غصہ کا سبب بنتیں۔ لیکن رفتہ رفتہ غصّہ میں بہت کمی واقع ہوتی گئی اور آخر عمر میں آپ بہت حلیم ہو گئے تھے۔

نفاست اور صفائی

آپ بہت صفائی پسند اور نفیس مزاج تھے۔ اگر کبھی پان کی ایک چھینٹ بھی کرتے یا پاجامے پر گر جاتی تو جب تک دُھلوا نہ لیتے اطمینان سے نہ بیٹھتے۔ یہ نفاست اُن کے ہر کام میں تھی۔ اپنی چیزیں نہایت صاف سُتھری رکھتے تھے اور قبل اس کے کہ زنگ لگنے والی چیزوں میں زنگ لگے اس پر پالش کر لیتے تھے۔ ہر چیز نہایت سلیقہ سے اپنی مقررہ جگہ پر رہتی تھی۔ ہم نے کبھی ان کی چیزوں کو میلا کچیلا یا بے ترتیب رکھے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس بنا پر جب ان کی چیزوں کو کوئی اُن کی غیر موجودگی میں ہاتھ لگاتا تو ترتیب بگڑ جاتی اور ان کو خبر ہو جاتی کہ کسی غیر نے ہاتھ لگایا ہے۔ اپنے کمرہ میں کتابیں اور دُوسری اشیاء کو اس طرح ترتیب سے رکھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ باقاعدہ سجا کر رکھا ہے اور کمرہ خود بہت شاندار نظر آتا تھا۔ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مضامین یا خطوط میں کانٹ چھانٹ یا روشنائی کے دھبّے کبھی نہیں دیکھے گئے۔ غرضیکہ ان کے ہر کام میں ایک خوبصورتی تھی جس کو سراہے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

کھانا

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بعض موقعوں پر آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو کئی دن کے فاقے کرنا پڑے۔ کبھی کبھی آپ سیر ہو کر بھی کھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:

”کبھی کبھی سیر ہو کر کھانا سُنّت ہے۔ اگر درویش اپنے کھانے کا حق ادا کرتا رہے تو کبھی کبھی سیر ہو کر کھانا مضر نہیں ہو سکتا۔“

کھانے کا حق ادا کرنے سے آپ کا اِشارہ رُوحانی مشاغل کی طرف تھا یعنی اگر زیادہ کھانا کھائے تو زیادہ رُوحانی مشاغل سے اُسے ہضم کرے۔ جب فاقہ کی نوبت آتی تھی تو آپ نہایت صابر اور ثابت قدم رہتے تھے۔ اور آپؒ کے توکّل علی اللہ میں کبھی فرق نہ آتا تھا اور اپنے اندرونی حالات کی کسی کو خبر نہ ہونے دیتے تھے۔

غیر معمولی جِسمانی حدّت کی وجہ سے آپ کو معمولی پانی سے تسکین نہیں ہوتی تھی اِس لئے سال کے بیشتر حصّہ میں یہاں تک کہ سردیوں میں بھی آپؒ برف اِستعمال کرتے تھے اور اچھی مقدار میں پیتے تھے۔ آپ کو پان کھانے کی عادت بھی تھی۔ بعد میں تمباکو بھی استعمال کرنے لگے تھے اور وجہ یہ بتاتے تھے کہ ریاضت کی وجہ سے جب اعصاب میں تھکن محسوس ہونے لگتی ہے تو تمباکو بڑی حد تک تھکن کو محسوس نہیں ہونے دیتی اور تمباکو کے مضر اثرات کو زائل کرنے کے لئے بڑی الائچی اِستعمال کرتے تھے۔ پان اور اس کے لوازمات آپ کے پاس نہایت سلیقہ سے رکھے رہتے تھے۔ آپ اپنے دانتوں کی صفائی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ آپؒ کے والد ڈاکٹر تھے، انھوں نے ایک نُسخہ ترتیب دیا تھا اسی نسخہ سے تیار شدہ منجن ہمیشہ آپؒ کے اِستعمال میں رہا۔ آپؒ ہمیشہ ایک بڑی بوتل یا برنی میں منجن بنوا کر رکھوا لیتے اور روزانہ اِستعمال کیلئے ایک چھوٹی شیشی میں الگ نکال لیتے۔ اور کبھی شیشی میں اُنگلی ڈال کر منجن اِستعمال نہیں کرتے تھے بلکہ ہتھیلی پر حسبِ ضرورت نکال لیتے اور شیشی بند کر کے رکھ دیتے۔ اس سے آپکی نفاست مزاج کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

سونا اور آرام

آپ زیادہ آرام کرنے کے عادی نہ تھے۔ یا تو یادِ الٰہی میں مشغول رہتے یا مطالعۂ کُتب میں یا پھر مضامین لکھنے میں۔ رات کو بہت دیر تک مطالعہ کرتے اور صِرف تین یا چار گھنٹہ سوتے

اور اکثر اوقات اتنا بھی نہ سوتے۔ سونے کے لئے آپ پلنگ اِس طرح بچھواتے کہ سرہانہ شمال کی طرف ہوتا اور پائینتی جنوب کی طرف تاکہ سیدھی کروٹ سے قبلہ رو ہوکر سو سکیں۔ آپ فرماتے تھے :

"اس طرح سے سونا رُوحانی استعداد اور دماغی صلاحیتوں کے بڑھانے میں بہت ممد و معاون ہوتا ہے۔ اور اس امر میں اس برِ صغیر کو ایک خصُوصی حیثیت حاصل ہے کہ اس کے باشندے اِس طرح سو سکتے ہیں۔"

خوش طبعی آپؒ بہت خوش طبع واقع ہُوئے تھے اور آپؒ کی یہ خوش طبعی اور زندہ دِلی دَرویشی اختیار کرنے کے بعد بھی قائم رہی۔ شاید آپ کے ذہن میں یہ تصوّر ہو کہ ایک دَرویش کو ہمیشہ حزن و ملال کی تصویر رہنا چاہیئے لیکن اِن حضرات کو اطمینانِ قلب کی دَولت ایسی نصیب ہو جاتی ہے کہ وہ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ کے زمرہ میں آ جاتے ہیں۔ یہ خوش طبعی آپ کی گفتگو میں بہت نمایاں ہوتی تھی۔ جہاں آپؒ سنجیدہ مضامین پر گفتگو کرتے تھے وہاں ایسے واقعات کے بیان سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ جو لطائف و ظرائف کی فہرست میں آتے ہیں۔ نواب اصغر حُسین صاحب ان کے دوست تھے، ان کا ذِکر اکثر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بمبئی کے چند سیٹھ بیٹھے ہُوئے تھے ان کے سامنے بیان کیا کہ ہمارے دوست نواب صاحب بمبئی والوں کا کردار اس طرح بیان کرتے تھے کہ اگر اللہ میاں کے دِل میں کبھی آجائے کہ اپنی دُنیا میں ذرا سیر کر آئیں اور لوگ ہمیں دیکھ بھی لیں تو وہ سیر کرنے آجائیں اور بمبئی کے لوگ انھیں چوپاٹی پر سیر کرتے ہُوئے دیکھ لیں اور انھیں یہ یقین بھی ہو جائے کہ یہ ہمارے اللہ میاں ہی ہیں تب بھی پہلا سوال یہ ہوگا کہ آپ کا بیوپار کاہے کا ہے اس کے بعد دُوسرا سوال یہ ہوگا کہ آپ

کی بیڑی کہاں ہے۔ اگر ان دونوں سوالوں کا جواب خاطر خواہ مل گیا تو ایک سِنگل چائے اور ایک پتّی پان سے خاطر کردی جائے گی۔ سیٹھ لوگ یہ سُنکر بہت شرمندہ گردن جُھکائے بیٹھے رہے۔

اجمیر شریف میں آپ کے چند دوست تھے۔ یہ حضرات ہر جمعہ کو کسی ایک دوست کے گھر بلا اطلاع پہنچ جاتے اور کھانا وہیں کھاتے۔ مولوی عبدالسّلام دہلوی مرحوم نے دریافت کیا :

"آپ لوگوں نے یہ جو انجمن بنائی ہے، اس کے مقاصد کیا ہیں؟"

عارف بدایونی نے فوراً جواب دیا :

"خرد برد۔"

ایک مرتبہ بمبئی میں ایک نوجوان آپؒ کے پاس آیا اور کہا :

"وہ سالا ہمیں پیسے نہیں دیتا ہے۔ پیر صاحب ایسا تعویذ دو کہ وہ سالا ہمیں پیسے دینے لگے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ بہت تعجب میں تھے، پُوچھا :

"کون سالا، کیا تمہاری بیوی کا بھائی؟"

کہا :

"نہیں پیر صاحب وہ سالا، ہمارا باپ سالا۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے بناوٹی غصّہ سے کہا :

"ہم تمھیں تعویذ نہیں دیں گے۔ تم اپنے باپ کو سالا کہتے ہو۔ بعد میں تم ہمیں بھی سالا کہو گے۔"

وہ بگڑ کر چلا گیا۔ زینہ سے اُترتے ہُوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے سُنا کہ وہ کہہ رہا تھا

"سارے پیر صاحب نے تعویذ نہیں دیا۔"

خلافت کی تحریک کے زمانہ میں مولانا محمد علی جوہر مرحوم سے پشاور میں ملاقات ہوئی۔ اس وقت حضرت شاہ صاحبؒ عبا پہنے ہوئے تھے۔ مولانا محمد علی نے پوچھا:

"عبا کہاں سے ملی، بہت اچھی ہے۔"

ان کا خیال تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ جواب میں کہیں گے کہ کسی مرید نے نذر پیش کی ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ سمجھ گئے اور جواب دیا:

"چندہ میں ملی ہے۔"

وہ اپنے شیخ سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا صاحبؒ رمضان کا ایک روزہ نہیں رکھ سکے۔ سب نے باری باری سے افسوس کا اظہار کیا۔ آپ کی باری آئی تو کہنے لگے:

"مجھے تو آپ پر رشک آرہا ہے۔"

شیخ نے دریافت کیا:

"کیوں؟"

تو کہا:

"آپ کی اللہ پاک نے دعوت کی ہے اور ہم سب اس نعمت سے محروم ہیں۔"

شیخ نے فرمایا:

"یہ بہت شوخ طالب ہے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ ہر تقریب کا پورا پورا حق ادا کرتے تھے۔ دوستوں کی دعوت ہو، شادی بیاہ کا موقع ہو، عید بقرعید کا تہوار ہو، سماع کی محفل ہو، سیر و تفریح ہو، غرض ہر موقع پر پوری دلچسپی لیتے تھے۔ اس سے انکی زندہ دلی ثابت ہوتی تھی۔

حلقۂ احباب

یہی وجہ تھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ درویشی سے پہلے ہندوستان کے چوٹی کے لوگوں سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس میں سیاسی رہنما، اعلیٰ عہدہ دار، شاعر، مصنف، عالم اور ادیب بھی تھے۔ چند کے نام یہ ہیں:

اکبرالہ آبادی۔ ڈاکٹر اقبال۔ جسٹس شاہ دین۔ سر محمد شفیع۔ محمد علی جناح۔ محمد علی جوہر۔ شوکت علی۔ حکیم اجمل خان۔ ابونصر آہ (برادر بزرگ ابوالکلام آزاد) مولانا شبلی۔ سر اسٹینلے ریڈ اور سر عبدالقادر۔

شاہ صاحبؒ کے جو احباب عمر میں ان سے بڑے تھے وہ بھی بہت لحاظ اور پاس کرتے تھے مثلاً اکبر مرحوم اپنے خط میں اس طرح خطاب کرتے تھے "عزیز طریقت و سرچشمۂ محبت" کبھی "عزیزی اور حبیبی" لکھتے تھے۔ اور خط کے اختتام پر "آپ کا مشتاق: اکبر" اپنے سے کمتر درجہ کے لوگوں سے آپ بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔

کردار کی پختگی

حضرت شاہ صاحبؒ ایک پختہ کردار کے انسان تھے چنانچہ جب ان کا دل اس دنیا سے سرد ہوگیا اور خدا کی لو لگی تو اپنے اچھے بھلے کاروبار کو چھوڑ کر اجمیر شریف چلے گئے اور پھر اس طرف رخ نہیں کیا۔ اس زندگی کو اختیار کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کو بہت لوگوں نے سمجھایا

کہ تم بہت مُفید انسان ہو تم سے قوم کو بہت سی اُمیدیں ہیں لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ اور اپنے ناصحینِ مشفق کو یہ جواب دیا :

"قوم کی ترقی کا دارومدار اُس کی اخلاقی اصلاح پر ہے۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ پوری قوم کو وعظ کہوں۔ مَیں نے قوم کے ایک فرد کی اِصلاح شروع کردی ہے اور وہ میں خود ہوں۔ اگر ہر فرد اسی طرح کرے تو پوری قوم کی اِصلاح ہو جائے گی۔"

اِس جواب میں سبق ہے اُن افراد کے لئے اور اُن انجمنوں اور جماعتوں کے لئے جو دُوسروں کی اصلاح سے کام شروع کرتے ہیں۔ اور اپنی اصلاح کو بھول جاتے ہیں۔

"وَتَنسَوْا اَنْفُسَهُمْ"

آپ اپنی روش پر جمے رہے۔ وقتاً فوقتاً آپ کو مُشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا۔ یہاں تک کہ سخت ترین جسمانی تکالیف بھی برداشت کرنا پڑیں۔ لیکن وہ متزلزل نہیں ہوئے۔

وضع کی پابندی

وضع کی پابندی پختہ کرداری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ عادت نہ تھی کہ کوئی کام چند روز کیا، پھر چھوڑ دیا۔ یا آج ایک شخص سے دوستی ہے تو کل لڑائی۔ انھوں نے اپنی زندگی کا جو لائحہ عمل بنایا تھا اس پر آخر وقت تک کاربند رہے۔ ہر کام اس کے مقررہ وقت پر انجام پاتا تھا۔ کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ کے معمولات رُوحانی سنّتوں اور نفلوں کا یہ حال تھا۔ ڈائری لکھنا شروع کی تو آخر وقت تک لکھتے رہے۔ اسی طرح بیماری ہو، صحت ہو، سفر ہو، حضر ہو ان کے معمولات میں فرق نہیں آتا تھا۔ اپنے احباب اور ملنے جلنے والوں سے جو وضع قائم ہو جاتی اس کو حتیٰ الامکان نبھاتے اور اس میں فرق نہیں آنے دیتے،

حضرت شاہ صاحبؒ کی عادت تھی کہ ہر کام کو حتی الامکان مکمل طور سے کرتے تھے۔ کبھی یہ نہیں کیا کہ کسی کام کو ہاتھ میں لیا بے دلی یا سرسری طور سے کچھ کیا، کچھ نہیں کیا اور اس میں خامیاں رہ گئیں۔

ایک مرتبہ دو پیر بھائیوں نے انھیں حکم بنایا۔ تو پہلی شرط یہ کی کہ ہم شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اگر یہ منظور ہو تو ہم حکم بننا قبول کریں گے ورنہ نہیں۔ اُن لوگوں نے منظور کرلیا۔ اسکے بعد ARBITRATION ACT منگا کر پڑھا تاکہ وہ لوگ قانونی طور پر سقم نہ نکال سکیں۔ پھر ہر بات کو اچھی طرح سمجھ کر اور اس پر غور کرکے فیصلہ دے دیا۔ یہ فیصلہ اُن لوگوں نے منظور نہیں کیا اور عدالت کی طرف رجوع ہوئے، انھوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے فیصلہ پر ایسے اعتراضات کئے جن کا آپ پہلے اطمینان کر چکے تھے۔ مثلاً یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ ایک فریق کے گھر پر بطور مہمان ٹھہرے ہوئے تھے اس لئے فطری طور پر انھوں نے اس فریق کی طرفداری کی لیکن چونکہ حکم بناتے وقت اس صورتِ حال پر اعتراض نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے تسلیم نہیں ہوا۔ اور اس بات کا اطمینان حضرت شاہ صاحبؒ ARBITRATION ACT کے ذریعہ کر چکے تھے۔

جرأت اور دلیری

حضرت شاہ صاحبؒ بہت نڈر اور جری تھے۔ ایسے موقعوں پر جبکہ عموماً لوگ بدحواس ہو جاتے ہیں یا دب کر کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں وہ بالکل نہیں گھبراتے تھے۔ ان کی زندگی میں کئی ایسے مواقع آئے اور وہ ہمیشہ بالکل پرسکون رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بمبئی کے قیام کے زمانہ میں ایک جھوٹی شکایت پر پولیس تلاشی کے لئے آئی۔ انھوں نے کسی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا۔ اس وقت ناشتہ کر رہے تھے۔ انسپکٹر پولیس

"میں ناشتہ کر رہا ہوں، ذرا ٹھہرو"

ناشتہ کر چکنے کے بعد اس کے پاس گئے اس عرصہ میں ایک شخص تعویذ لینے کیلئے آیا اس کو تعویذ بھی دیا۔ پھر مکان کی تلاشی بھی کروائی اور اس امر کا بالکل اظہار نہیں ہوا کہ وہ پولیس کی موجودگی سے گھبرا رہے ہیں یا اس سے مرعوب ہو گئے ہیں۔

آپؒ جب فقیری لباس میں تھے تو سفر میں کبھی کبھی بدتمیز قسم کے ریلوے والے آپ کو معمولی فقیر سمجھ کر پریشان کرنے کا ارادہ کرتے تھے۔ آپؒ ہمیشہ ان لوگوں پر غالب آتے تھے۔

سلیقہ

حضرت شاہ صاحبؒ بہت سلیقہ شعار تھے۔ ان کے ہر کام میں صفائی اور ایک خاص ترتیب ہوتی تھی۔ جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہر چیز کے لئے جگہ مقرر تھی اور وہ ہمیشہ وہیں رکھی جاتی تھی۔ ان کے کمرہ میں چیزیں تتر بتر پڑی ہوئی کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ ضرورت کی ہر چیز اُن کے پاس رہتی تھی۔ لکھنے پڑھنے کے سامان کے علاوہ بڑھئی کے چھوٹے چھوٹے اوزار سے لے کر سوئی ڈورا تک رہتا تھا۔ جس چیز کی ضرورت ہو وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے کمرہ سے مل سکتی تھی اور سفر کرتے تھے تو ان اشیاء کا ایک بڑا حصّہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔ اس لئے انھیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ یہ سب چیزیں سجی سجائی رکھی رہتی تھیں۔ فرماتے تھے:

"اگر میں سفر کا ارادہ کروں تو چند منٹوں میں میرا سامانِ سفر تیار ہو سکتا ہے۔"

عموماً بڑے کام کرنے والوں کی توجہ چھوٹی چیزوں پر نہیں رہتی جس کی بنا پر ان کی زندگی کے بعض شعبوں میں ایک بے ترتیبی سی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی اس کے بالکل برعکس تھی۔

آپ کی عادت تھی کہ آپ روزانہ ڈائری لکھتے تھے۔ واقعات یہاں تک کہ قلبی

واردات اور ذہنی کیفیات کو بھی قلم بند کرتے۔ ابتدائے سلوک میں جو کیفیات وارد ہوتیں یا جو مشاہدات ہوتے ان کو لکھ لیا کرتے اور جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ روزنامچہ ان کو پڑھنے کے لئے دے دیتے۔ شیخ اس بات سے بہت خوش ہوتے کہ ہم کو نتائج اخذ کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اس سے پہلے ہمارے پاس ایسا کوئی مُرید نہیں آیا۔ اپنے وصال سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی زندگی کے اہم واقعات کا خلاصہ ان ہی ڈائریوں کی مدد سے تیار کیا تھا۔

آپؒ اعداد و شُمار کے بھی بہت شائق تھے۔ چنانچہ آپ کے یہاں ہر قسم کے اعداد و شُمار ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنی عمر میں کتنے میل سفر کیا۔ کن کن لوگوں سے کہاں کہاں مُلاقاتیں ہوئیں اور اس قسم کی بہت سی چیزیں درج تھیں۔

شوق مطالعہ

حضرت شاہ صاحبؒ کو مطالعہ کتب کا بہت شوق تھا۔ بہت پڑھتے تھے اور رات گئے تک پڑھتے تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ آپ کو بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو اس قدر محنت سے کتاب کا مطالعہ کریں۔ انکی اپنی جو کتابیں تھیں انکو پڑھ کر اُسکا INDEX (اشاریہ) تیار کرتے۔ ان کی پڑھی ہوئی جس کتاب کو آپ دیکھیں گے اس کا اِنڈکس اس میں لگا ہُوا ہوگا۔ جو کتابیں دُوسروں کی ہوتیں وہ پڑھ کر واپس کر دیتے اور کوئی کام کی بات ہوتی تو نوٹ کر لیتے۔ جب تک کتاب ختم نہیں ہو جاتی، سوائے اخبار کے اور کوئی دُوسری کتاب یا رسالہ نہ دیکھتے۔ جو مضامین باقساط شائع ہوتے تھے انکو نہیں پڑھتے تھے، اقساط جمع کرتے رہتے۔ جب مضمون ختم ہو جاتا تو ایک ہی نشست میں تمام اقساط پڑھ ڈالتے۔

ان کے پاس ایک بہت اچھا کتب خانہ تھا جس کا بیشتر حصّہ مذہبی اور رُوحانی علوم کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ ان کے علاوہ موجودہ علوم کی کتابیں بھی تھیں۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا۔ ڈکشنریاں وغیرہ بھی تھیں۔

آپؒ زمانہ کی رفتار سے پوری طرح واقف رہتے تھے۔ روزانہ اخبار پابندی سے پڑھتے تھے۔ ان کا پسندیدہ اخبار 'TIMES OF INDIA' (ٹائمز آف انڈیا) تھا۔ جہاں بھی ہوتے مقامی اخبار کے ساتھ اُسے ضرور پڑھتے۔ ہفتہ وار 'ILLUSTRATED WEEKLY' (السٹریٹڈ ویکلی) میں چونکہ علمی مضامین بھی ہوتے تھے اس لئے اس کو بھی پابندی سے پڑھتے تھے۔

کتابیں ہی ان کا سب سے بڑا اثاثہ تھیں وہ جہاں بھی جاتے ان کو اپنے ساتھ لے جاتے اور بڑی احتیاط سے اور سنبھال کر رکھتے اور نہایت اچھی ترتیب سے رکھتے جس سے کمرہ کی رونق دوبالا ہو جاتی۔

شعر و ادب کا ذوق

حضرت شاہ صاحبؒ کا ذوقِ شعر و ادب بھی نہایت صاف اور سُتھرا تھا۔ اگرچہ خالص ادبی کتابوں کے پڑھنے کی نوبت کم آتی تھی لیکن شعر سے ہمیشہ لگاؤ رہا۔ ان کے روحانی ناول "بادہ و ساغر" میں جس کثرت سے اشعار نقل کئے گئے ہیں اس سے انکے قلبی لگاؤ کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی ایک بیاض ہے جس میں وہ اپنی پسند کے اشعار درج کر لیا کرتے تھے۔ اس بیاض کے سرورق پر غالب کا یہ شعر لکھا ہے ؎

کُھلتا کِسی پر کیوں میرے دل کا معاملہ
شعروں کے اِنتخاب نے رُسوا کِیا مجُھے

اپنے بیان میں رُوحانی بزرگوں کے اشعار خاص طور سے سُناتے تھے۔ میر تقی میرؔ کے اس شعر کی بہت تعریف کرتے تھے ؎

دُور بیٹھا غبارِ میرؔ اس سے
عِشق بِن یہ اَدب نہیں آتا

فرماتے تھے:

"اِس شعر میں لفظ بِن کو کتنی اچھی طرح اِستعمال کیا گیا ہے۔"

اکبرؔ مرحوم کے اشعار کی بہت تعریف کرتے تھے اور نظیریؔ کے یہ اشعار اکثر پڑھا کرتے تھے

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر ؎
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

تو بہ خویشتن چہ کردی کہ بہ ما کنی نظیریؔ
بہ خدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردم

کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے۔ چنانچہ ان کی بعض غزلیں "مضامینِ ذوقی" میں چھپ چکی ہیں۔ اور بعض ابھی تک نہیں چھپیں۔

حافظہ

آپ کا حافظہ بہت قوی تھا۔ اپنی زندگی کے چھوٹے بڑے واقعات اس طرح سناتے تھے جیسے کل کی بات ہو اور پھر پوری تفصیل اور تمام جزئیات کے ساتھ کہ سن کر حیرت ہوتی تھی۔ اسی طرح پڑھی ہوئی کتابوں کے مضامین من وعن یاد رہتے تھے۔

تحریر و تقریر

حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر و تحریر دونوں بہت شاندار ہوا کرتی تھیں۔ خاص بات یہ تھی کہ بیان میں کسی قسم کی گنجلک نہیں ہوتی تھی۔ ہر مسئلہ کو مثال دے کر سمجھاتے تھے۔ یہاں تک کہ مشکل سے مشکل مسئلہ بھی بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتا تھا۔ تقریر وہ اپنی طالب علمی کے زمانہ سے بہت اچھی کرتے تھے۔ تحریر بھی بہت واضح تھی اور تصنّع سے بالکل پاک۔ انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں میں بے تکان لکھتے تھے اور بغیر تیاری کے لکھتے تھے۔ ان کے مسودات میں مشکل ہی سے کہیں کانٹ چھانٹ ہوتی۔ یہی حال ترجمہ کا تھا۔ ابتدائی زندگی میں ان کا تعلق صحافت ہی سے تھا۔ درویشی کے زمانہ میں بھی وہ کتابیں اور اخبارات میں مضامین لکھتے رہے۔ بمبئی سے ایک ماہانہ رسالہ "انوار القدس"

انہی کی سرپرستی میں نکلتا تھا۔ اس میں آپ کے مضامین باقاعدہ چھپتے تھے۔ یہ رسالہ مالی مشکلات کی بنا پر بند ہوگیا۔ حیدرآباد دکن کی سکونت کے زمانہ میں "ترجمان القرآن" میں مضامین لکھتے رہے۔ کراچی میں آمد کے بعد ہفت روزہ انگریزی رسالہ ' THE PEOPLE'S VOICE ' میں مضامین لکھتے رہے۔ ان انگریزی اور اردو مضامین کے مجموعے چھپ چکے ہیں اور تحریر کی ہوئی کتابیں بھی۔ اُن کے بعض مضامین کا اثر بہت دُور دُور تک ہُوا۔ چنانچہ اُن کے مضمون SUFISM کو انگلستان کے بعض رسالوں نے شائع کیا اور اس سلسلہ میں بعض حضرات نے ان سے خط و کتابت بھی کی مثلاً حبیب اللہ لو گروو (HABIBULLAH LOVEGROVE) (دیکھیں "مضامینِ ذوقی" انگریزی و اُردو)۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا خط قواعد نستعلیق کی رُو سے خوشخط نہ تھا لیکن وہ بہت پختہ اور ایک خاص انداز کا حامل تھا۔ اگر ایک ہزار تحریریں بھی رکھی ہوتیں تو بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر نمایاں ہوتی۔ وہ بعض بعض الفاظ کو پرانے طریقے سے لکھتے تھے جس کا رواج اب متروک ہو چکا ہے۔ مثلاً اونکا۔ اوسکا وغیرہ۔

مبلغِ علم

حضرت شاہ صاحبؒ کا علم بہت وسیع اور بلند پایہ تھا۔ وہ جہاں دینی اور روحانی علوم سے اچھی طرح واقف تھے، وہاں موجودہ دَور کے علوم میں بھی کافی درک رکھتے تھے۔ اُن کی قابلیت، اُن کی تحریر و تقریر سے عیاں ہوتی تھی تعلیم یافتہ لوگ ان کی انگریزی کا لوہا مانتے تھے اس کے علاوہ انھیں عربی اور فارسی پر بھی عبور تھا لیکن لکھتے آپ صرف انگریزی و اُردو ہی میں تھے۔ مغرب زدہ لوگ بہت جلد ان کے معتقد ہو جاتے تھے۔ وہاں ان کی قلبی تسکین کے لئے ایسا شخص بولتا نظر آتا تھا جس کو دقیانوسی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ ان ہی کی زبان میں ان ہی کے اماموں کے شذرات سناتا تھا جس پر ان کو سرِ تسلیم

ختم کرنا پڑتا تھا پھر مثال دے کر سمجھانا ایسا تھا کہ بات دِل میں اُتر جاتی تھی۔ چنانچہ اس ضمن میں خاصی طویل فہرست اُن حضرات کی پیش کی جا سکتی ہے۔ بعض یورپین حضرات بھی جن کو حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت نصیب ہوئی وہ ان سے متاثر ہو کر معتقد ہو گئے۔ فرماتے تھے :

" دُنیا کی کامیابی اسی پر منحصر ہے کہ زیادہ سے زیادہ ضروری معلومات ہوں جتنی زیادہ مفید معلومات ہوں گی اُتنی ہی کامیابی کی زیادہ اُمید ہوگی۔"

وہ قانونی معلومات کو بھی بہت ضروری بتاتے تھے۔ ان کی قانونی معلومات اچھّی تھیں۔ اپنے تجربہ کی بنا پر دُوسروں کو بھی صحیح مشورہ دیتے تھے۔

زبان دانی اور زبان پر قدرت

قیامِ لاہور کے زمانہ میں جب آپ اخبار کے ایڈیٹر تھے چند دوستوں نے یہ طے کیا کہ صِرف اُردو بولی جائے اور انگریزی کا ایک حرف بھی درمیاں میں نہ آنے پائے اور اگر احیاناً کوئی لفظ انگریزی کا مُنہ سے نِکل جائے تو اس پر ایک پیسہ جرمانہ کیا جائے۔ اس قدغن میں وہ الفاظ بھی شامل کر لئے گئے تھے جو زبان اُردو کا جزو بن چکے ہیں۔ اس میں جسٹس شاہ دین اور ڈاکٹر اقبال بھی شامل ہوتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو ایک پیسہ بھی جرمانہ ادا کرنا نہیں پڑا۔ دُوسرے دوستوں پر کئی کئی آنے جرمانہ ہوتا تھا۔ اس کی مٹھائی آتی تھی اور سب کھاتے تھے۔
ایک مرتبہ سب نے کہا :

" سیّد محمد (حضرت شاہ صاحبؒ) ابھی تک بچے ہُوئے ہیں، ان کو ایسا مضمون دیا جائے کہ انگریزی الفاظ سے مفر نہ ہو۔"

چنانچہ ان سے کہا گیا :

" آپ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک ریل کا سفر بیان کیجیے۔"

اس خیال سے کہ ریل۔ ٹکٹ اور اسٹیشن وغیرہ الفاظ سے چھٹکارا نہیں ہے۔ ان کو

یقین تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو آج جرمانہ دینا ہی پڑے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ریل کے لئے دخانی گاڑی۔ ٹکٹ کے لئے پروانہ راہداری اور اسٹیشن کے لئے اڈّہ کے الفاظ استعمال کئے اور یہ مقابلہ بھی جیت لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اپنی زبان اور طریقۂ بیان پر کتنا عبور تھا۔ یہی حال انگریزی کا تھا وہ جب انگریزوں سے گفتگو کرتے تھے تو ان کو آپ کی زبان میں کوئی خامی نظر نہیں آتی تھی۔

اعلیٰ ذوق

حضرت شاہ صاحبؒ کا ذوق بہت اعلیٰ اور پاکیزہ تھا۔ اور اس کا مظاہرہ ہر موقع پر ہوتا تھا۔

مختلف خوشبوؤں اور عطروں کی بہت اچھی پہچان تھی اور اس میں عطرساز ان کو دھوکہ نہیں دے سکتے تھے۔ کھانے کی مختلف لطافتوں سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔ رہنے کے لئے مکان ہمیشہ کشادہ اور پختہ پسند کرتے تھے۔ اور اپنے لئے ایک کمرہ مخصوص رکھتے تھے تاکہ ان کے مشاغل میں کوئی حارج نہ ہو۔ مکان چونکہ زیادہ تر بے ڈھنگے بنے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ہر شہر میں ان کو کئی کئی مکانات بدلنے پڑتے تھے۔ جب حسب منشا مکان مل جاتا تو اس میں قیام فرماتے۔ ہم حضرت شاہ صاحبؒ کے اعلیٰ ذوق کو لباس۔ نفاست اور صفائی۔ کردار کی پختگی۔ ہر کام کو مکمّل طور پر کرنا۔ شوقِ مطالعہ اور شعر و ادب کے ذوق کے تحت بیان کر آئے ہیں۔ ان سُرخیوں کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایک اعلیٰ ذوق رکھنے والے انسان ہی سے ممکن ہو سکتا ہے۔

موسیقی سے لگاؤ

اسی اعلیٰ ذوق کا ایک مظہر موسیقی بھی تھا۔ آپ کو موسیقی سے فطری لگاؤ تھا اور اس کا بہت اچھا درک رکھتے تھے۔ بڑے بڑے گویّے اس بات کو تسلیم کرتے تھے اس ضمن میں ان کی معلومات بہت سے پیشہ ور گویّوں سے کہیں زیادہ تھیں۔ بمبئی میں چونکہ حسب منشا قوال نہیں

ملتے تھے۔ اِتفاق سے ایک میراثی آنے جانے لگا تو اس کو نہایت عمدہ تعلیم دی۔ پہلے اُس کا شین قاف درست کیا، صحیح تلفظ سکھائے، پھر بے معنی تکراروں کو چھڑوا کر سلیقہ کی تکرار سکھائی۔ پھر غزلوں کی طرزوں اور راگنیوں کا تعین کر کے اس کو ایسا باکمال بنا دیا کہ آبائی قوالوں کا اُس کے سامنے چراغ نہیں جلتا تھا۔

جب کبھی پختہ گانا سُننے کا موقع ہوا تو صحیح مقام پر داد دی، جس سے گانے والے نے سمجھ لیا کہ وہ ایک واقفِ فن کے سامنے گا رہا ہے۔ چنانچہ اپنے زمانہ کے بڑے بڑے گویّوں کا گانا سُنا، جن کا ذِکر کبھی کبھی کیا کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کو تھیٹریکل اور موجودہ زمانہ کے فلمی گانے بالکل پسند نہ تھے اور جب ذِکر آتا تو فرماتے:

"ان سے یہاں کی موسیقی کو بہت نقصان پہنچا ہے۔"

سیاسی مسلک

حضرت شاہ صاحبؒ نے چونکہ سیاست کے اُتار چڑھاؤ دیکھے تھے، اس لئے وہ ھندوؤں سے مِل کر کام کرنے کے قائل نہ تھے۔ وہ اس ضمن میں سرسیّد کی بہت تعریف کرتے تھے کہ انھوں نے مسلمانوں کو ایک الگ راہ بتائی اور جب حضرت شاہ صاحبؒ نے صحافت کے زمانہ میں سفر کیا اور مختلف صُوبوں اور ریاستوں کے مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لینے کا موقع مِلا تو وہ اس رائے میں پختہ ہو گئے اور پوری کوشش کی کہ مُسلمان اپنا سیاسی اِدارہ بھی الگ ہی بنائیں چنانچہ مُسلم لیگ کا قیام وجود میں آیا اور ۱۹۰۷ء میں اس کا پہلا باقاعدہ اِجلاس کراچی میں ہُوا۔ آپ اس وقت موجود تھے۔ خطبۂ صدارت بہت پھیکا تھا، اور غیر ہمّت افزا۔ بڑے بڑے سیاسی لیڈر مُسلمانوں کے اس اجتماع میں شریک ہونے اور اس کی کارروائیوں کا مطالعہ کرنے آئے تھے۔ خطبۂ صدارت کا یہ اثر ہو رہا تھا کہ خود مُسلمان شرمائے جا رہے تھے۔ اس وقت آپ کی تحریک سے بگڑی بات بن گئی۔ جونہی خطبۂ صدارت ختم ہُوا، حضرت

شاہ صاحبؒ نے علی اِمام سے کہا:

"تم کھڑے ہوجاؤ اور کہو۔"

انھوں نے عذر کیا:

"مَیں تیّار نہیں ہوں۔"

حضرت شاہ صاحبؒ نے کہا:

"تمھیں تیّاری کی ضرورت نہیں ہے، اس وقت قوم کی عِزّت کا سوال ہے۔"

دُوسری طرف مولانا محمّد علی جوہر تھے۔ اُنھوں نے بھی اُبھارا اور دونوں نے ان کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا کر دیا۔ ان کو کھڑا ہوتے دیکھ کر تالیاں بجنے لگیں۔ اب علی امام پابند ہو چکے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ڈائس پر جاکر تقریر شرُوع کی اور اس میں مُسلم لیگ کا مُستقل پروگرام بتایا۔ یہ تقریر اس قدر شاندار اور پُر مغز تھی کہ لوگ عش عش کرنے لگے اور مُسلمان قوم کی دھاک بیٹھ گئی، اور وقار قائم ہوگیا۔

جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا وہ اپنے مَسلک میں شدّت اِختیار کرتے گئے آپؒ مولانا ابُو الکلام آزاد سے اسی لئے ناراض تھے کہ وہ کانگریس کا دَم بھرنے لگے تھے جو حقیقت میں ایک ھندو ادارہ تھا۔ جب مسٹر جناح کی قیادت میں مُسلم لیگ کی ازسرِ نو تنظیم ہوئی تو آپؒ نے مسٹر جناح سے تجدید تعلقات کی اور مُسلمانوں کے مسائل پر خط وکتابت شرُوع کی۔ یہ خط وکتابت حیدر آباد دکن کے قیام سے شرُوع ہوئی۔ وقتاً فوقتاً ملتے رہے اور خطوں اور تاروں کے ذریعے اپنے مفید مشوروں سے مستفید کرتے رہے۔ جب لیگ نے قیامِ پاکستان کی قرارداد پاس کی تو آپؒ نے اس کی پُر زور حمایت کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ پاکستان کے بارے میں کسی سمجھوتے کے روادار نہیں تھے۔

موجودہ ترقی کے متعلق روش

حضرت شاہ صاحبؒ اس خیال کی تائید کرتے تھے کہ موجودہ سائنسی ترقی انسان کو انسانیت سے دُور کررہی ہے۔ کیونکہ اس کا مطمحِ نظر اور مقصد ان مقاصد سے بالکل مختلف ہے جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن اپنے مقصدِ حیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اگر ہم سائنس کی ایجادات سے بہرہ ور ہوں تو ہماری انسانیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ ان کے نزدیک ان چیزوں سے انسان اپنی خدمت کا کام لے کر اور اس طرح وقت بچا کر اس وقت کو خُدا کے کاموں میں لگا سکتا ہے۔ لیکن آج کل کا رُجحان یہ ہے کہ لوگ اِن چیزوں کے غلام بنتے جارہے ہیں۔

پردہ

حضرت شاہ صاحبؒ شرعی پردہ کے حامی تھے لیکن اس شدّت کے قائل نہ تھے کہ قدم گھر سے باہر نہ نکلے۔ ضرورت کے وقت عورتوں کے باہر نکلنے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔ وہ فرماتے تھے:

> "جو لوگ بالکل پردہ کو نکال دینا چاہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ سماجی حالات کے پیشِ نظر شرعی پردہ بہت ضروری ہے۔"

جامعیت

آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات میں کس قدر جامعیت تھی۔ وہ ایک طرف دُنیاوی خوبیوں کے مالک تھے۔ اچھے مقرر، اچھے ادیب، قانون دان اور کامیاب تاجر تو دُوسری طرف ایک بلند پایہ دَرویش اور خُدا رسیدہ بزرگ تھے۔ یہ جامعیت ایک خاص پرتوِ فیضانِ نبویﷺ تھی۔ کیا آجکل کے کسی دَرویش میں آپ یہ جامعیت پائیں گے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہ صاحبؒ کا شجرۂ نسبی

نام	ولادت	وفات	مدفن	دیگر حالات
۱۔ سید الشہداء حضرت ابو عبد اللہ الحسینؓ	۵ شعبان سنہ ۴ھ شنبہ مدینہ طیبہ	۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ روز جمعہ	کربلا	
۲۔ امام ابو محمد زین العابدینؒ	۱۵ جمادی الاخریٰ سنہ ۳۳ھ جمعہ مدینہ طیبہ	۱۸ محرم سنہ ۹۵ھ سہ شنبہ	مدینہ طیبہ	آپؒ کے گیارہ صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تھیں۔ ان میں امام محمد باقرؒ سب سے نمایاں تھے۔
۳۔ امام ابو جعفر محمد باقرؒ	۳ صفر سنہ ۵۷ھ جمعہ مدینہ طیبہ	ربیع الاول سنہ ۱۱۴ھ	مدینہ طیبہ	آپؒ کی والدہ امام حسنؓ کی صاحبزادی تھیں۔ آپؒ کے چار لڑکے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ ان میں حضرت جعفرؒ نمایاں شخصیت کے مالک تھے۔
۴۔ امام ابو عبد اللہ	۱۷ ربیع الاول	۱۵ رجب سنہ ۱۴۸ھ	مدینہ طیبہ	آپؒ کا لقب صادق مشہور

نام	ولادت	وفات	مدفن	دیگر حالات
جعفر صادقؓ	۸۳ھ مدینہ طیبہ	دوشنبہ		ہُوا۔ آپؓ کی والدہ ام فردہ بنت قاسم بن محمد بن ابُو بکر صدیقؓ تھیں۔ آپکے چھ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔
۵۔ امام ابُوالحسن مُوسیٰ کاظمؓ	۷ صفر ۱۲۸ھ ابواکہ (ایک منزل ہے درمیان مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے) روز یک شنبہ	۲۵ رجب ۱۸۳ھ	بغداد	آپؓ کے ۳۷ لڑکے اور ۲۳ لڑکیاں تھیں۔
۶۔ امام ابُوالحسن علی بن مُوسیٰ رضاؓ	۱۱ ذی الحجہ ۱۵۳ھ جُمعہ مدینہ طیبہ	۲۱ رمضان ۲۰۳ھ	طوس یعنی مشہد	
۷۔ امام ابُوجعفر محمدؒ تقیؓ	۱۱ رجب ۱۹۵ھ شب جُمعہ مدینہ طیبہ	۶ ذی الحجہ ۲۲۰ھ سہ شنبہ	بغداد	

نام	ولادت	وفات	مدفن	دیگر حالات
۸۔ امام ابوالحسن علی نقیؑ	۱۳ رجب سنہ ۲۱۴ھ مدینہ طیّبہ	۲۵ جمادی الاخریٰ سنہ ۲۵۴ھ دوشنبہ	سرمن رائے	
۹۔ جعفر زکیؒ				
۱۰۔ سیّدالسادات علی اشقرؒ				آپ نقباء بغداد میں سے تھے۔
۱۱۔ سیّد عبداللہؒ		۶ ربیع الاوّل	مشہد	
۱۲۔ سیّد احمدؒ		۵ صفر	بغداد	آپؒ کا خاندان بغداد میں اکابرین میں سے تھا اور مشہد کاظمین کی نقابت کا تعلق آپ ہی سے تھا۔
۱۳۔ سیّد محمودؒ		۱۲ صفر	بُخارا	آپ ہی سب سے پہلے بُخارا تشریف لے گئے۔ اور وہیں قیام فرمایا۔
۱۴۔ سیّد محمدؒ صفیؒ		۱۹ شوال	بُخارا	
۱۵۔ سیّد جعفرؒ		۲۲ رجب	بُخارا	
۱۶۔ سیّد علی ابوالموید بخاریؒ		۶ ذی قعدہ	بُخارا	
۱۷۔ سیّد جلال اعظم		۱۹ جمادی الاولیٰ	اوچھ	آپؒ کا اصلی نام حسین تھا۔

نام	ولادت	وفات	مدفن	دیگر حالات
گل سُرخ رح		۶۹۰ھ	(مضافات ملتان)	آپ بخارا سے ملتان تشریف لائے۔
۱۸۔ سیّد احمد کبیر رح			اوچھ	
۱۹۔ سیّد ابُوعبداللہ جلال الدین قطب عالم حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح	شب برات ۷۰۷ھ	روز عید قربان ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ	اوچھ	
۲۰۔ سیّد ناصر الدّین محمود رح		۳ رمضان ۸۴۳ھ	اوچھ	
۲۱۔ سیّد حامد کبیر رح				
۲۲۔ سیّد ابُوالفتح رکن الدّین رح				آپ کے یہاں مریدوں کی تعلیم و تربیت بڑے زور شور سے ہوتی تھی۔
۲۳۔ سیّد جلال ثالث رح			قنوج تاریخ قبہ ۸۸۱ھ	
۲۴۔ سیّد راجو شہید رح			قنوج	
۲۵۔ سیّد جلال رابع رح			قنوج	
۲۶۔ سیّد تاج الدّین رح			قنوج	
۲۷۔ سیّد کبیر رح			قنوج	

نام	ولادت	وفات	مدفن	دیگر حالات
۲۸۔ سیّد علی اصغر عُرف سیّد اچھے رحؒ			قنوج	
۲۹۔ سیّد کرم علی رحؒ				
۳۰۔ سیّد محمد علی رحؒ				
۳۱۔ سیّد اظہر علی رحؒ				
۳۲۔ سیّد مظہر علی رحؒ				
۳۳۔ سیّد مصاحب علی رحؒ				
۳۴۔ سیّد قیام الدین رحؒ		سنہ ۱۸۵۴ء	فرخ آباد	
۳۵۔ سیّد اُبو محمد جمال الدین رحؒ	سنہ ۱۸۵۰ء فرخ آباد	یکم صفر ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۱۴ء	پشاور	
۳۶۔ حضرت سیّد محمد ذوقی شاہ صاحب رحؒ	۷ رمضان ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۵ ستمبر ۱۸۷۷ء کھوری ضلع ساگر ممالک متوسط ہند	۹ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۱ ستمبر ۱۹۵۱ء	میدان عرفات جبل رحمت سے تقریباً ۳۰۰ گز جانب قبلہ	

واقعاتِ زندگی

شجرے سے یہ بات ظاہر ہے کہ شاہ صاحبؒ ساداتِ بُخارا کی ایک شاخ کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے مورثِ اعلیٰ حضرت سیّد جلال گل سُرخؒ بُخارا سے ترک سکونت کرکے ہندوستان تشریف لائے اور پھر انھوں نے اور ان کی اولاد نے اِسی سرزمین کو اپنا وطن بنالیا۔

حضرت جلال اعظم گل سُرخؒ کا اصلی نام حُسین تھا اور کنیت ابوعبد اللہ۔ آپ بُخارا سے ملتان تشریف لائے اور حضرت بہاء الدّین زکریا ملتانیؒ کی خانقاہ میں مقیم ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ بھکر (سندھ) تشریف لے گئے وہاں سیّد بدر الدّین خطیبِ بھکر کی صاحبزادی زہرہ خاتون سے عقد فرمایا۔ پھر آپؒ اوچھ تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اِختیار کرلی۔ آپؒ کا مزار بھی اوچھ ہی میں ہے۔

آپ کے پوتے سیّد جلال الدّین مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ بہت مشہور ہوئے۔ جب آپ کی عمر سات سال کی تھی تو اُن کے والد جناب سیّد احمد کبیرؒ اُنھیں شیخ جمال خجندیؒ مرید شیخ زکریا ملتانیؒ کی خِدمت میں لے گئے۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ لڑکا اپنے خاندان کے نام کو قیامت تک روشن رکھے گا۔ حضرت مخدومؒ کو خلافت و اجازت ۴۰ سے زاید مشائخ سے حاصل ہوئی لیکن اُن کی تکمیل شیخ رکن الدّین ابوالفتح سہروردیؒ اور حضرت نصیر الدّین چراغ دہلویؒ ہی کی توجہ سے ہوئی۔ چنانچہ آپ کے خاندان میں یہی دو سلسلے یعنی سہروردی اور چشتی جاری رہے

آثار شریف نبویؐ اور سنگ نقش پائے رسولؐ جو دہلی میں ہیں آپ ہی کے لائے ہوئے ہیں۔

مخدوم صاحبؒ کے پوتے کے پوتے سیّد جلال ثالثؒ تھے۔ یہ پہلے بزرگ تھے جو اوچھ سے دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں بہلول لودھی بادشاہ آپ کا مُرید ہوا۔ پھر جلال ثالثؒ دہلی سے ترک سکونت کرکے قنوج تشریف لے گئے۔ اور وہیں اُن کا مزار ہے۔ غالباً حضرت جلال ثالثؒ کی اولاد بھی قنوج ہی میں رہی۔ پانچ پشتوں تک کے مزارات قنوج ہی میں ہیں۔

ان کی اولاد میں سیّد قیام الدّین صاحبؒ نے فرخ آباد میں وفات پائی اور وہیں اُن کا مزار ہے۔ سیّد قیام الدّین صاحبؒ کے صاحبزادہ سیّد ابو محمّد جمال الدینؒ جو شاہ صاحبؒ کے والد ہیں فرخ آباد میں تقریباً ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے طبّی کالج آگرہ میں اُردو میں ڈاکٹری پڑھی اور ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو کامیابی کی سند حاصل کی۔ اُسی دن ملازمت مِل گئی اور صُوبہ متوسط میں تقرّر ہوگیا۔ مختلف مقامات پر رہے۔ ۱۹ مارچ ۱۸۷۰ء کو کھوری ضلع ساگر (صوبہ متوسط) تبادلہ ہُوا۔ یہیں شاہ صاحبؒ کی ولادت ہُوئی۔ اپریل ۱۸۸۰ء میں آپ مع خاندان کے حج پر تشریف لے گئے۔ شاہ صاحبؒ بھی ساتھ تھے اُس وقت اُن کی عمر تقریباً دس سال کی تھی۔ ستمبر ۱۸۸۰ء میں یہ قافلہ کھوری واپس ہُوا۔ ۲۶ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو کھوری سے آپ کا تبادلہ ہوگیا۔ مختلف مقامات پر رہے۔ ۱۲ ستمبر ۱۸۸۹ء کو دوبارہ آپ کو کھوری میں متعین کیا گیا۔ ۱۷ دسمبر ۱۸۹۵ء کو ایک غلط الزام کے تحت چیف کمشنر کے حکم سے ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ ملازمت کی بحالی کے لئے مقدمہ دائر کیا گیا۔ اس میں کامیابی نہیں ہُوئی۔ والسرائے کے پاس اپیل کی گئی۔ اس میں کامیابی ہُوئی۔ والسرائے نے اپنے حُکم مورخہ ۱۷ فروری ۱۸۹۷ء کے ذریعہ ملازمت پر بحال کردیا۔ آپ کھوری ہی میں متعین کئے گئے۔ اسکے بعد پھر آپ کے تبادلے ہُوئے۔ ۱۸۹۸ء میں پنشن لے لی اور پشاور

کو اپنا مستقر بنایا۔ یہیں ڈاکٹری شروع کردی۔ یکم صفر ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۱۴ء کو پشاور میں بروز شنبہ انتقال فرمایا۔ اس وقت شاہ صاحبؒ کی عمر ۳۷ سال ۳ ماہ تھی۔

شاہ صاحبؒ کی ولادت

جب آپ کے والد کھوری ضلع ساگر میں تھے تو بتاریخ ۱۵ ستمبر ۱۸۷۷ء مطابق ۷ رمضان ۱۲۹۴ھ بروز شنبہ یا یک شنبہ بوقت ۲ بجے شب آپ اس دار فانی میں تشریف لائے۔ آپ کا نام سید محمدؐ ابراہیم رکھا گیا۔ لیکن آپ کا نام صرف سید محمدؐ ہی رہا۔ آپ خود بھی اپنے آپ کو سید محمدؐ ہی کہتے تھے اور لکھتے تھے۔

ابتدائی زمانہ

آپ کا ابتدائی زمانہ کھوری ضلع ساگر ہی میں گذرا۔ ابتدائی تعلیم کھوری کے مقامی اسکول میں ہوئی۔ گھر پر والد ماجد عربی پڑھاتے تھے۔ اس زمانے کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

سفرِ حج

جب آپ کی عمر دس سال کی تھی تو آپ اپنے والدین کے ساتھ حج پر تشریف لے گئے مکہ معظمہ میں آپ کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ انھوں نے آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ یہ سفر اپریل ۱۸۸۸ء سے ستمبر ۱۸۸۸ء تک جاری رہا۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم آپ کی کھوری کے مقامی اسکول میں ہوئی۔ گھر پر والد ماجد

عربی پڑھاتے تھے۔

جب آپ بارہ سال کے ہوئے تو آپ کو تعلیمی اغراض کیلئے جبل پور بھیج دیا گیا۔ وہاں آپ کم وبیش تین سال رہے۔ یہ زمانہ ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۳ء تک کا تھا۔ اس کے بعد آپ کو علی گڈھ کالج بھیج دیا گیا۔ مولانا محمد علی جوہر آپ کے ہم جماعت تھے۔ آپ یہاں ۱۸۹۶ء تک رہے۔

عقد اوّل

اپریل ۱۸۹۶ء میں جب کہ آپ ۱۹ برس کے تھے بھوجپور ضلع فرخ آباد میں آپ کی شادی کردی گئی۔ آپ اکتوبر ۱۸۹۶ء تک فرخ آباد ہی میں مقیم رہے۔ پھر اسی ماہ آپ پشاور تشریف لے گئے۔

یہاں فروری ۱۸۹۷ء میں آپ کے یہاں آپ کی پہلی صاحبزادی ہاجرہ خاتون پیدا ہوئیں۔

ملازمت

آپ ملازمت کے لئے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ملازمت کے لئے جو خصوصیات ضروری ہیں وہ آپ میں بالکل نہیں تھیں۔ آپ کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ کسی کی خوشامد نہیں کرتے تھے اور اپنی رائے کا اظہار بلا جھجھک کرتے تھے۔ ایسے حضرات اچھے ملازم ثابت نہیں ہوتے، پھر بھی واقعات کے دباؤ کے تحت آپ کو ملازمت کرنا پڑی۔

ابھی کم عمری تھی۔ آپ کی شخصیت پوری طرح نہیں ابھری تھی اور اس زمانہ کا دستور بھی یہی تھا کہ پڑھ لکھ کر نوکری کی جائے۔

دو مقامی ملازمتوں کے بعد جولائی ۱۸۹۸ء میں آپ کو باؤنڈری سیٹلمنٹ کمیشن کشمیر جموں دلو نچھ میں ایک جگہ مل گئی جہاں آپ ۱۹۰۲ء تک رہے۔ یہاں آپ نے

اپنی قابلیت کا ثبوت دیا لیکن کیشن کی مدت مکمل ہونے کی وجہ سے آپ کی یہ ملازمت ختم ہوگئی۔ اس کے بعد آپ کچھ عرصہ تک محکمۂ بندوبست سے منسلک رہے۔

صحافت

آپ اس انتظار میں تھے کہ کوئی اچھی ملازمت مل جائے کہ اچانک شیخ عبدالقادر (ایڈیٹر 'مخزن') پشاور پہنچے۔ آپ سے ملے اور اس بات پر زور دیا کہ بجائے کسی دفتر میں ملازمت کرنے کے صحافت اختیار کریں۔ بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔ آخرکار شیخ صاحب نے کہا:

"I know you will shine wherever you go but there you will be one of the many and here you will one of the few."

(میں جانتا ہوں کہ آپ جہاں جائیں گے نام پیدا کریں گے لیکن وہاں آپ بہت سوں میں سے ایک ہوں گے اور یہاں تھوڑوں میں سے ایک ہونگے یعنی نتیجۃً زیادہ نام آور ہوں گے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ شیخ صاحب کی اس دلیل نے مجھے جیت لیا اور میں نے صحافت اختیار کرنے کا وعدہ کرلیا۔

چنانچہ شاہ صاحبؒ لاہور تشریف لے گئے اور ایک عرصہ تک "وطن"، "پیسہ اخبار"، "انتخاب لاجواب" اور "بچوں کا اخبار" میں کام کیا۔

سال سوا سال کے بعد اخبار "الحق" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ یہ اخبار حیدرآباد سندھ سے انگریزی میں نکلتا تھا اور ہفتہ وار تھا۔ شاہ صاحبؒ اخبار مذکور سے ۱۹۰۷ء سے

۱۹۰۷ء تک تقریباً تین سال منسلک رہے۔ ان کی ایڈیٹری کے زمانے میں اخبار کی وقعت بہت بڑھ گئی۔ یہ اخبار حکومت کے مُطالعہ میں رہتا تھا اور اس میں جن مسائل کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی اس پر فوری کارروائی کی جاتی تھی۔ کئی موقعوں پر حکومت کی توجہ ان مظالم کی طرف مبذول کرائی گئی جو مُسلمانوں پر ان کی جہالت کی وجہ سے توڑے جا رہے تھے اور حکومت کی طرف سے ان کی تلافی کی گئی۔ لارڈ کرزن بھی اس اخبار کا مطالعہ کرتا تھا اور اس کی نظر میں اس اخبار اور اس کے ایڈیٹر کی اتنی وقعت تھی کہ جب انگلستان کے شہزادے نے ہندوستان کا سفر کیا تو اس کی ہمراہی کے لئے ہندو پریس کے علاوہ مُسلمان پریس کے دو نمائندوں میں سے اس نے ایک آپ کا انتخاب کیا۔ دُوسرے پنجاب کے عبدالعزیز تھے۔

شاہ صاحبؒ بہت بے باک لکھنے والوں میں سے تھے اور یہی سبب تھا کہ بانیان "الحق" سے ان کی زیادہ دِنوں نبھ نہ سکی۔

اِبتدا میں لوگ شک کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ایک علی گڑھ کا تعلیم یافتہ کُل ہند اور عالمی مسائل سے بحث کرے گا۔ اسے سندھ کے مسئلوں سے کیا دِلچسپی ہو سکتی ہے۔ مگر آپ نے پہلے ہی پرچہ میں صرف سندھ کے مسائل سے بحث کی۔ اس لئے سب کو اطمینان ہو گیا۔ اور آپ لوگوں کے معتمد علیہ بن گئے۔

جنوری ۱۹۰۷ء میں آپ نے "الحق" کو حیدر آباد سے کراچی منتقل کیا۔ کیونکہ کراچی کی اہمیت بسبب بندرگاہ ہونے کے زیادہ تھی اور وہ شہر بھی بڑا تھا۔ لیکن جون ۱۹۰۷ء میں بعض وجوہ کی بنا پر آپؒ نے استعفیٰ دے دیا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مالک اخبار اپنی رائے اور پالیسی ٹھونسنا چاہتے تھے اور شاہ صاحبؒ نے یہ شرط پہلے ہی لگا دی تھی کہ پالیسی مقرر کرنا ان کا کام ہو گا اور نتائج کی ذمّہ داری بھی انھیں پر ہو گی۔

سفر ہمراہ
پرنس آف ویلز

یہ [illegible] جا چکا ہے کہ اخبار "الحق" کی شہرت [illegible] ہو گئی تھی کہ لارڈ کرزن

اُسرائے ھند ذاتی طور پر دل چسپی لیتا تھا اور جب ۱۹۰۵ء میں جارج پنجم نے بحیثیت
رِنس آف ویلز ہندوستان کا دورہ کیا تو کرزن نے ایک گروپ اخباری نمائندوں کا
نایا۔ اس میں نمائندگی فرقہ وارانہ بھی تھی اور بڑے بڑے اخباروں کی بھی۔ چنانچہ مُسلم پریس
ی نمائندگی کے لئے اس نے ایڈیٹر "الحق" اور عبدالعزیز صاحب کا انتخاب کیا۔ یہ لارڈ
رزن کا اپنا انتخاب تھا۔

چنانچہ پرنس کے ساتھ نومبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک سفر میں رہے۔ اس سفر
میں بہت سے دل چسپ واقعات پیش آئے۔

آپ مہاراجہ گوالیار کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اس کے یہاں کام بالکل مشین کی
طرح ہُوا۔ اُس نے استقبالی تقریبات کا کئی بار ریہرسل کرایا تھا۔ انگریزوں کے لئے کیمپ
بنائے تھے اور ہندوستانیوں کے لئے پنی کوٹھیاں وقف کردی تھیں۔ اسی طرح اس
نے انگریزوں کے لئے انگریزی کھانے اور ہندوستانیوں کیلئے ہندوستانی کھانوں کا
انتظام کیا تھا۔ اس نے اپنی رعایا کے سامنے پرنس کو HOMAGE (استقبالیہ) نہیں
دیا۔ بلکہ وہ ایک اسٹیشن پہلے پہنچ گیا، وہاں تنہائی میں جو کچھ کیا ہو۔ گوالیار کے اسٹیشن
پر دونوں ساتھ اُترے جیسے دونوں نے ساتھ سفر کیا ہو۔

پرنس کا شکار کا پروگرام بنا تو شاہ صاحبؒ اس میں شریک نہیں ہوئے۔

بحیثیت ایڈیٹر
اخبار "الوکیل"

پرنس کے ہمراہ سفر سے واپسی پر آپ "الحق" کو زیادہ بلندی پر لے جانا چاہتے تھے، اسی
بنا پر اس کو حیدرآباد سے کراچی منتقل کیا لیکن جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے بعض وجوہ کی بنا
پر جون ۱۹۰۷ء میں آپ مستعفی ہو گئے۔

اس کے بعد آپ کی خدمات "الوکیل" کی انتظامیہ نے حاصل کرلیں۔ اور آپ نے
اگست ۱۹۰۷ء سے فروری ۱۹۰۸ء تک "الوکیل" کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دیئے۔

"الوکیل" کی اِنتظامیہ نے ارادہ ظاہر کیا کہ الوکیل" کو "ٹائمز آف اِنڈیا" کی طرز کا ایک اخبار بنایا جائے۔ آپ نے اس رائے سے اِتفاق کیا اور تجویز پیش کی کہ پہلے ٹائمز کے مختلف شعبوں کا جائزہ لیا جائے اور وہاں رہ کر کام سیکھا جائے۔ پھر ان حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں اخراجات وغیرہ کا اندازہ لگایا جائے۔ چنانچہ آپ کو بمبئی جانے کی اجازت مِل گئی۔ آپ نے "ٹائمز آف اِنڈیا" کے دفتر میں کام سیکھنا شروع کر دیا۔ ستمبر ۱۹۰۷ء سے جنوری ۱۹۰۸ء تک کام سیکھا۔ اس عرصہ میں اخبار کا ایڈیٹر STANLEY REED آپ کا دوست ہو گیا اور اس نے کام سیکھنے میں بہت مدد کی۔ وہاں سے واپسی پر آپ نے پورا پروگرام بنا کر پیش کیا۔ "الوکیل" کی اِنتظامیہ کو اتنا روپیہ لگانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لئے ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔

شرکت جلسۂ مسلم لیگ

۱۹۰۷ء میں آپ نے لیگ کے جلسہ میں شِرکت کی۔ اس کی تفصیل اُوپر آ چکی ہے۔

تجارت

آپؒ نے فروری ۱۹۰۸ء میں بمقام بمبئی تجارت شروع کی۔ کافی عرصہ تک آپؒ نے اپنا کاروبار سرانجام دیا۔ لیکن ۲۹ ستمبر ۱۹۱۱ء کو آپ کی اہلیہ محترمہ کا اِنتقال ہو گیا۔ جس سے آپ کے دِل کو بہت صدمہ ہُوا۔

اگست ۱۹۱۲ء میں کاروبار کو دہلی منتقل کیا۔ ۱۳ اپریل ۱۹۱۳ء کو آپؒ نے کاروبار کو خیرباد کہا اور سفر پر نکل کھڑے ہُوئے۔ یہ سفر اس بے چینی کا نتیجہ تھا جو آپ کے دِل میں تھی، اور اس کا مقصد حق کی تلاش تھا۔ شبِ جمعہ ۱۰ بجے ۶ جون ۱۹۱۳ء کو اجمیر شریف پہنچے۔ پھر بروز بُدھ بتاریخ ۲۸ جولائی ۱۹۱۳ء دوبارہ اجمیر شریف حاضری دی۔

یہاں آپ کو سکون محسوس ہُوا۔ آپ نے خواجہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ مجھے مرشد کامل عطا فرمائیے تاکہ میرے قلب کی آرزو پوری ہو جائے۔ خواب میں آپ کو مولانا وارث حسن شاہ صاحب قبلہؒ کی صرف شبیہ دکھائی گئی۔ اس اشارہ کو آپ نے سمجھ لیا کہ اس مقتدر ہستی کو تلاش کرنا ہے۔ چنانچہ آپ مختلف مقامات پر پہنچے اور مختلف بزرگوں سے مُلاقات کی۔ بالآخر اپنے برادر نسبتی عبدالرحمٰن صاحب وکیل کی نشاندھی پر ٹیلہ پیر محمد شاہ لکھنؤ پہنچے اور مولانا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جونہی سامنا ہُوا آپ نے پہچان لیا کہ اپنی بزرگ کی شبیہ آپ کو خواب میں دکھائی گئی تھی مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"اتنے دِن کہاں لگا دیئے ہم تو بہت دِنوں سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

یہ ۲۸ر نومبر ۱۹۱۳ء جمعہ کا دن تھا۔

اِس مُلاقات کے بعد غالباً مولانا صاحبؒ کی ہدایت پر آپ پھر سفر پر روانہ ہو گئے اور بالآخر دوبارہ لکھنؤ آئے اور مولانا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

بیعت

۱۸ر ربیع الاوّل ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۴ر فروری ۱۹۱۴ء بروز شنبہ مولانا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حلقہ میں شرکت کی۔ ۲۰ر ربیع الاوّل ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۶ر فروری ۱۹۱۴ء بروز دوشنبہ آپ نے مولانا صاحبؒ کے دستِ مُبارک پر بیعت کر لی۔ حضرتؒ نے توجہ خاص دی۔ اور جُمعہ سے تین دن کی خلوت خاص میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ آپ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ "بفضلہ تعالیٰ خلوت بہت کامیاب رہی"۔ اس کے بعد شاہ پیر محمدؒ صاحبؒ کے مزار پر کشف قبور کی مشق کے لئے بیٹھنے کا حکم فرمایا۔

ان ہی ایام میں شاہ صاحبؒ کے چھوٹے بھائی سید محمد باقر آپ کو تلاش کرتے ہوئے لکھنؤ پہنچ گئے اور واپسی پر اصرار کیا لیکن آپ بھائی کے ساتھ گھر واپس نہیں گئے۔

قیام درگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ

آپ اپنے شیخ کی ہدایت پر حضرت محبوب الٰہیؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور وہاں ایک عرصہ تک قیام کیا۔ اِس دَوران دہلی کے دیگر مزارات پر حاضر ہوتے رہے۔ یہاں سے آپ اجمیر شریف آئے۔ وہاں عالم رویا میں آپ نے حضرت خواجہ صاحبؒ کو دیکھا کہ انھوں نے آپ کو ایک سُنہرا عمامہ عطا کیا۔ یہاں سے آپ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ مولانا صاحبؒ نے آپ کو رنگین پوشی کی باقاعدہ طور پر اجازت دی۔ حالانکہ آپ نے رنگین پوشی پہلے ہی سے اختیار کررکھی تھی۔ اسی وقت آپ کے ذوق وشوق کو دیکھ کر مولانا صاحبؒ نے آپ کو ذوقی کا لقب عطا فرمایا۔

لکھنؤ سے آپ اجمیر شریف گئے۔ ۲۶ر جمادی الاخریٰ ۳۲ھ مطابق ۲۳ر مئی ۱۹۱۴ء یہ آپ کی عُرس کی دُوسری حاضری تھی اور بیعت کے بعد پہلی۔ (پہلی حاضری ۶ر جولائی ۱۹۱۱ء کو ہوئی تھی)۔ پھر آپ احمد آباد تشریف لے گئے۔ والد صاحب کی علالت کی خبر سُنکر پشاور پہنچے۔ اُن کا انتقال بروز شنبہ یکم صفر ۳۳ھ مطابق ۱۹ر دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہُوا۔

چلہ کلیر شریف

اس کے بعد آپ کو طویل سفر کا حکم ملا۔ اس میں کلیر شریف کی ۴۰ دن کی حاضری بھی شامل تھی۔ چنانچہ آپ نے یہ چلہ پُورا کیا۔ یہاں شاہ صاحبؒ کی ٹانگ میں ایک زخم ہوگیا تھا جس کی وجہ سے چلنے پھرنے میں بڑی دُشواری ہوتی تھی۔ ایک اجنبی ہستی مرہم پٹی کرجاتی تھی۔ نہ وہ بولتے تھے اور نہ بولنے دیتے تھے۔ مولانا صاحبؒ سے جب اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ خضرؑ تھے۔

ٹانگ کی تکلیف جاری تھی کہ اسی سال میں سترھویں شریف کی حاضری کیلئے درگاہ محبوب الٰہیؒ پہنچے۔ وہاں علاج جاری رہا۔ پھر اجمیر شریف آگئے۔ مولانا صاحبؒ کی طلبی پر دہلی ہوتے ہوئے جہاں چند روز کیلئے بیمار ہوگئے تھے، ۹ر جولائی ۱۹۱۶ء کو لکھنؤ حاضری دی۔ یہ رمضان وہیں گذارا۔ عیدالفطر کے بعد، ۲ر شوال ۳۴ھ مطابق ۷ر اگست ۱۶ء کو مولانا صاحبؒ نے خلافت نیابتی عطا کی۔ یعنی بیعت کے صرف ڈھائی سال کے بعد۔ اور مولانا صاحبؒ

نے اجمیر شریف ہی میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ اس لئے آپ لکھنؤ سے گھومتے گھامتے اجمیر شریف پہنچے۔ اور چلہ بغدادی پر رہائش اختیار کی۔ اس مکان کا انتظام نواب اصغر حسین مرحوم نے پہلے ہی کر دیا تھا۔ گویا مستقل سکونت کا آغاز ہوا۔ یہ حاضری ۱۰ ستمبر ۱۹۱۶ء مطابق ۱۱ ذی قعدہ ۳۴ھ کو ہوئی۔

قیام اجمیر شریف

آپ ۱۰ ستمبر ۱۹۱۶ء سے ۲۷ فروری ۱۹۲۰ء تک اجمیر شریف میں مقیم رہے۔ پہلا شخص جس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اس کا نام حسن علی تھا۔ اور یہ شخص ۱۸ ستمبر ۱۹۱۶ء کو بروز دوشنبہ داخلِ سلسلہ ہوا۔ اس کے بعد آپ پاک پتن کے عرس میں شریک ہوئے۔ پھر آپ اجمیر شریف کے عرس میں شریک ہونے کے بعد لکھنؤ تشریف لے گئے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ اس ماہ مبارک میں حضرتؒ نے اپنا خرقہ مبارک مرحمت فرمایا اور سپید پوشی کی اجازت دی۔ ۲۱ شوال کو مولانا صاحبؒ سے رخصت ہو کر دہلی ٹھہرتے ہوئے ۱۶ اگست ۱۹۱۷ء کو اجمیر شریف پہنچے۔

شاہ عبد العزیز صاحب (بغدادی) کے انتقال کی بنا پر چلہ بغدادی کا مکان چھوڑنا پڑا۔ آپ دہلی دروازہ کے باہر ایک بہت اچھے مکان میں منتقل ہو گئے۔ اسی مکان میں آپ کی بڑی صاحبزادی ہاجرہ خاتون کا نکاح سید ظفر حسین صاحب سے ہوا۔ ظفر حسین صاحب احمد آباد کے ایک پیرزادوں کے خاندان سے تھے۔ یہ عقد ۲۱ رجب ۳۳۶ھ مطابق ۳ مئی ۱۸ء کو ہوا۔

عقد ثانی

دورانِ سلوک حضرت مولانا صاحبؒ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ شادی کر لو لیکن تجرد کی زندگی میں کافی آرام تھا اس لئے آپ طرح دیتے رہے لیکن ایک مرتبہ تاکیداً فرمایا:

"ہم تم سے سلوک محمدی طے کرا رہے ہیں، سلوک عیسوی نہیں۔ شادی فوراً کرلو۔"

چنانچہ یہ حکم پاکر آپ نے عقد ثانی کرنے کا تہیّہ کرلیا۔ آپ کا نکاح محمد شفیع صاحب پنشن یافتہ جج کے مکان پر بروز پنجشنبہ بتاریخ ۱۲ ستمبر ۱۹۱۸ء مطابق ۶ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ ہوا۔ نکاح قاضی شہر نے پڑھایا۔ چند احباب اور تصدق قوال شریکِ محفل تھے۔ یہ عقد محمد علی صاحب جاگیردار فتح گڑھ ضلع فرخ آباد کی صاحبزادی سے ہوا جو بیوہ ہوگئیں تھیں۔ انہی خاتون سے ایک بیٹی یعنی راشدہ خاتون ہوئیں۔

خلافت مطلقہ

شاہ صاحبؒ کا خیال تھا کہ ایسا مکان لیا جائے جس سے خانقاہ کا کام بھی لیا جاسکے۔ چنانچہ اجمیر شریف کے مضافات میں ایک مکان لیا گیا۔ اس میں مکانیت بھی کافی تھی اور صحن بھی بہت بڑا تھا۔ شاہ صاحبؒ اسے جنگل والا مکان کہتے تھے۔

رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ میں مولانا صاحبؒ کانپور میں قیام پذیر تھے۔ شاہ صاحبؒ کو وہیں طلب کیا۔ آپ کانپور تشریف لے گئے اور بروز دوشنبہ ۲۴ رمضان المبارک کو مولانا صاحبؒ نے آپ کو اجازت مطلقہ عطا فرماکر واپس اجمیر شریف بھیج دیا۔ چنانچہ آپ ۲۰ رمضان مطابق ۲۴ جون ۱۹۱۹ء کو اجمیر شریف پہنچے۔

جنگل والے مکان کے مالک سے کچھ اختلاف ہوگیا اس لئے آپ نے یہ مکان چھوڑ دیا۔ اور وسط شہر میں ایک مکان میں سکونت پذیر ہوگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس مکان کو بھی چھوڑ دیا اور جج صاحب کے ترپولیہ دروازہ والے مکان میں آگئے۔

اس کے بعد آپ احمد آباد گئے۔ اِس سفر میں آپ قاضی محمود دریائیؒ کے مزار پر بھی حاضر ہوئے۔ جہاں ایامِ عُرس میں تین کرامات مشاہدہ کیں:

(۱) دریا کے پانی سے چراغ جلنا۔

(۲) مزار کے دروازہ کے تالے کا خود بخود کھلنا۔

(۳) پھولوں کا مزار پر سے خود بخود اُڑنا۔

اس مزار سے فیضان شعر ہوتا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم شاعر نہیں تھے اس لئے ہم نے ایک ناول 'بادۂ وساغر' لکھنا شروع کیا۔ اور اس قدر جوش وخروش تھا کہ بیل گاڑی پر بیٹھے ہوئے لکھتے رہے۔ جب کاغذ ختم ہوگیا تو اخباروں کے کونوں پر لکھنا شروع کردیا۔

خواجہ غریب نوازؒ کی طرف سے خلافت

مولانا صاحب قبلہؒ ۲۱ر فروری ۱۹۲۰ء بروز شنبہ یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۳۸ھ اجمیر شریف تشریف لائے۔ شاہ صاحبؒ کو احمد آباد تار بھیجا گیا۔ مولانا صاحبؒ کا قیام اجمیر شریف میں جج صاحب کے مکان ہی پر ۱۹ر رجب تک رہا۔ بڑے غسل کے دن یعنی ۹ر رجب کو بعد عصر مولانا صاحبؒ کی وساطت اور انکی معیت میں گنبد کے اندر طلبی ہوئی۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی طرف سے مولانا صاحبؒ کی وساطت سے شاہ صاحبؒ کی دستار بندی ہوئی اور رخصت کردیا گیا۔ جے پور، آگرہ، سونی پت اور پشاور میں سے کسی ایک مقام میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت دی گئی۔ شاہ صاحبؒ نے فی الوقت جے پور کا فیصلہ کیا لیکن عرس شوال یعنی خواجہ عثمان ہارونیؒ کے عرس تک کی مہلت اجمیر ہی میں رہنے کی حاصل کرلی۔

قیام جے پور آپ جے پور میں دو ڈھائی مہینے سے زیادہ نہیں رہے۔

قیام پشاور ستمبر ۱۹۲۰ء میں آپ پشاور تشریف لے گئے اور وہیں قیام فرمایا۔ اس قیام کے دوران آپ بمبئی گئے۔ یہاں متعدد لوگ داخل سلسلہ ہوئے۔ اہل بمبئی کے اصرار پر آپ رمضان شریف کے لئے بمبئی میں رُک گئے۔ آپ فرماتے تھے کہ قاضی محمود دریائیؒ کے مزار پر حاضر ہونے کے بعد جو ناول شروع کیا تھا وہ اسی رمضان میں تکمیل کو پہنچا۔

وہاں سے دہلی تشریف لے گئے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ مولانا صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے سچے میاں کا انتقال ہو گیا ہے تو مولانا صاحبؒ کی خدمت میں تعزیت کے لئے جانے کا ارادہ کیا۔ مولانا صاحبؒ پٹنہ میں ملے۔ انھوں نے شاہ صاحبؒ کو آگرہ قیام کرنے کا حکم فرمایا۔

قیام آگرہ | آگرہ میں آپ کا قیام دو برس سات ماہ تک رہا۔

آگرہ کے قیام کے دوران آپ اجمیر شریف۔ بمبئی اور پشاور گئے۔ اپریل ۱۹۲۲ء (رمضان ۱۳۴۰ھ) میں رمضان گذارنے کے لئے بمبئی ہی میں رُک گئے۔ پھر ۲۳ء کا رمضان پشاور میں گذارا۔ وہیں "سرِ دلبراں" لکھنا شروع کیا۔ مولانا صاحبؒ بھی پشاور تشریف لے گئے۔ وہاں سے آپ مولانا صاحبؒ کے ساتھ آگرہ تشریف لے گئے۔ یہ جولائی ۱۹۲۳ء کا واقعہ ہے۔

اسی سال مولانا صاحبؒ نے حج پر جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا اس لئے ضروری انتظامات کے لئے آپ بمبئی تشریف لے گئے۔ لیکن ابن سعود کے حملہ کی وجہ سے مولانا صاحبؒ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور واپس تشریف لے گئے۔ لیکن آپ کو بمبئی میں قیام کرنے کا حکم فرما گئے۔

قیام بمبئی | بمبئی میں آپ کا قیام ۹ رمارچ ۱۹۲۴ء سے ۲۱ ر اکتوبر ۱۹۲۶ء تک رہا۔

چند روز کے بعد ایک موقعہ آیا تو آپ نے بعد نماز جمعہ نجدی مظالم کے خلاف تقریر کی جو بہت پسند کی گئی۔ مولانا صاحبؒ نے بھی پسند فرمایا۔

علمی ذوق نے شاہ صاحبؒ کو مجبور کیا کہ ایک ماہانہ رسالہ کا اجراء عمل میں لایا جائے۔ جس میں تصوف کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے چنانچہ رسالہ "انوار القدس" جاری کیا گیا۔ یہ رسالہ بہت کامیاب رہا۔ اور اہل دل حضرات نے اس کی خاطر خواہ ہمت افزائی کی۔ چنانچہ شاہ محمد سلیمان پھلواروی رح نے اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرمایا:

”میں اس بات سے بہت خوش ہوں کہ اس رسالہ میں اصل اصول تصوّف سے بحث کی جاتی ہے۔ ہندوستان میں چند اور رسائل بھی تصوّف کے موضوع پر نکلتے ہیں لیکن وہ زیادہ تر فروعات سے بحث کرتے ہیں۔ اس رسالہ کو دیکھ کر یہ بھی معلوم ہوا کہ قدما کی کتابوں کو دیکھنے والے ابھی باقی ہیں۔ اس لئے اس رسالہ کی میں بہت عزّت کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ علمی دُنیا میں اس کی نہایت قدر و منزلت ہوگی۔“

یہ رسالہ اکتوبر ۲۵ء سے فروری ۲۷ء تک جاری رہا۔ پھر چند وجوہ کی بنا پر بند کرنا پڑا۔

آپکے بمبئی کے قیام کے دَوران ہی پشاور سے اطلاع آئی کہ آپ کی بڑی صاحبزادی ہاجرہ خاتون کا اِنتقال ۲۵ رذی الحجہ ۴۴ھ مطابق، رجولائی ۱۹۲۶ء کو ہوگیا۔ آپ کو ان سے بہت محبت تھی چنانچہ کافی عرصہ تک آپ بہت مغموم رہے۔

اکتوبر ۲۴ء میں آپ نے وہ معرکتہ الارا، خواب دیکھا جس کا ذِکر ان ملفوظات میں ہے۔ اس خواب میں آپ کو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی اور ولایتِ یوسفی ملی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب بیگم بھوپال حضرت مولانا وارث حسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بار بار التجا کر رہی تھیں کہ وہ اپنے کسی خلیفہ کو رشد و ہدایت کے لئے بھوپال بھیجیں۔ چنانچہ انھوں نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو تم جا سکتے ہو۔ لیکن آپ نے وہاں جانا پسند نہ فرمایا۔

قیامِ پشاور

پشاور سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سیّد احمد صاحب کا خط آیا کہ ان کے بیٹے محمود کی شادی میں شرکت کریں۔ مولانا صاحب قبلہ اپنے پیر کے علاج کے سلسلہ

میں ماہم (بمبئی) میں تشریف رکھتے تھے۔ انھوں نے سب کو جانے کی اجازت دی۔ اور خود چند روز بعد بمبئی سے تشریف لے گئے۔ شاہ صاحبؒ نے شادی میں شریک ہونے کے بعد وہیں قیام کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ بمبئی اطلاع کردی گئی اور اُن کی کتابیں اور سارا سامان پشاور بھیج دیا گیا۔ پشاور میں آپ کا قیام اکتوبر ۱۹۲۷ء سے نومبر ۱۹۳۰ء تک رہا۔

اس عرصہ میں آپ ایک مرتبہ حضرت مولانا صاحبؒ سے ملنے کلکتہ تشریف لے گئے اور بوس انسٹی ٹیوٹ دیکھنے کے لئے گئے۔ وہاں کچھ یورپ کے سائنس داں آئے ہوئے تھے اُن سے بھی تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ یہ وہی بوس ہیں جنھوں نے دریافت کیا کہ نباتات میں بھی رُوح ہے اور انھیں بھی رنج۔ غم۔ مسرت۔ تنہائی۔ یکجائی وغیرہ کا احساس ہوتا ہے۔ یہ معائنہ ۱۵ر جنوری ۱۹۳۰ء کو ہُوا۔

یہاں شب برات پہلی مرتبہ مولانا صاحبؒ کی معیت میں بسر ہوئی۔ آخر شب میں مولانا صاحبؒ نے صلوٰۃ العسعس پڑھی۔

جسٹس سر محمد رفیق کا اِنتقال ۹ر فروری ۱۹۲۹ء کو ہُوا۔ اس وقت شاہ صاحبؒ دہلی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

قیامِ حیدر آباد دکن

پشاور میں ایک حادثہ وقوع پذیر ہُوا۔ شاہ صاحبؒ کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سید احمد صاحب کا ۲۷ر اپریل ۱۹۳۰ء کو بروز یک شنبہ انتقال ہوگیا۔ آپ کو ان کے اِنتقال کا بہت صدمہ ہوا اور دِل برداشتہ ہوکر پشاور کو خیرباد کہا اور حیدر آباد دکن سکونت منتقل کرلی۔

حیدر آباد میں آپ کا قیام دسمبر ۱۹۳۰ء سے ۵ر مارچ ۱۹۴۰ء تک رہا۔

یہ زمانہ نسبتاً سکون سے گذرا۔ شہر حیدر آباد سے نو میل کے فاصلہ پر بابا شرف الدینؒ کا مزار ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہے۔ یہ بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ ہیں۔ وہاں اکثر حاضریاں ہوتیں اور بڑے اہتمام سے۔ دوسرے مزارات خصوصاً یوسف

صاحبؒ شریف صاحبؒ پر بھی آپ تشریف لے جاتے اور اپنے مریدوں کو مشغول کراتے۔ یہاں سے آپ کئی مرتبہ گلبرگہ شریف بھی حاضر ہوئے۔ بمبئی بھی کئی مرتبہ گئے اور اجمیر شریف کے عرس میں بھی شریک ہوئے۔ خواجہ صاحبؒ اور حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے عرس کی تقاریب گھر پر بھی ہوتیں۔ رمضان کی تراویح تین سالوں کے سوا سب گھر ہی پر ہوتیں۔ بیشتر دو ختم ہوتے۔ دوسرا ختم آخری دہے کی طاق راتوں میں کیا جاتا۔ پہلے حافظ عبدالمجید پڑھاتے تھے پھر حافظ تاج محمد صاحب نے پڑھانا شروع کیا۔ یہ بہت اچھا پڑھتے ہیں، اور خوش الحان بھی ہیں۔

شروع میں شاہ صاحبؒ کو حیدرآباد میں رہائشی مکان کی تکلیف ہی رہی۔ اس لئے کئی مکانات تبدیل کئے۔ آخر میں غوثپورہ میں ایک مناسب مکان مل گیا۔

آپ مولانا صاحبؒ کی طلبی پر یکم جون ۱۹۳۲ء کو بمبئی تشریف لے گئے۔ اس دوران وہاں ہندو مسلم فساد ہوگیا۔ مولانا صاحبؒ لکھنؤ تشریف لے گئے اور آپ کچھ دن قیام کرکے واپس آگئے۔

طفیل احمد عارف جو شاہ صاحبؒ کے قدیم دوستوں میں سے تھے اور متولی درگاہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے ساتھ حیدرآباد آئے تھے اُن کا انتقال انہی دنوں میں ہوا۔

۲۳ مئی ۱۹۳۳ء کو مولانا صاحبؒ لکھنؤ سے تشریف لاتے۔ ڈاکٹر اشرف الحق دہلوی کے مشورے سے پیر کا علاج شروع ہوا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مولانا صاحبؒ ماہ ستمبر میں واپس تشریف لے گئے۔

جنگلی شاہ جو ایک مخلص پیر بھائی تھے گھومتے گھامتے حیدرآباد پہنچے۔ وہاں علیل ہوگئے۔ ہسپتال میں داخل کروایا گیا۔ طاعون کے آثار ظاہر ہوتے۔ اور بالآخر شب جمعہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۴ء کو انتقال ہوگیا۔

۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء مطابق ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۳ھ شاہ صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ وہ

گنگوہ شریف میں ہیں اور مولوی ضیاء صاحب بھی موجود ہیں۔ آپ نے خواب میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

آپ اگست ۳۵ء میں مولانا صاحبؒ کی طلبی پر بمبئی تشریف لے گئے۔ وہاں بیشتر علیل رہے۔ مولانا صاحبؒ کی خدمت میں یہ آخری حاضری ثابت ہوئی۔

حضرت مولانا صاحبؒ کا لکھنؤ میں بتاریخ ۶ اگست ۳۶ء بروز جمعرات مطابق ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ وصال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا صاحب قبلہ ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۵ء کو کوڑہ جہان آباد میں پیدا ہوئے تھے۔ آپکی عمر وصال کے وقت قمری حساب سے ۷۲ برس اور شمسی حساب سے ۷۱ برس تھی۔ ہمارے شاہ صاحبؒ کی عمر اس وقت ۵۸ سال اور گیارہ ماہ تھی۔

شاہ صاحبؒ اس کے بعد اجمیر شریف کے عرس میں شریک ہوئے۔ پھر وہاں سے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہاں سے بمبئی گئے۔ اور پھر واپس حیدرآباد تشریف لے آئے۔

آپ پھر ۲۳ جولائی ۳۷ء کو لکھنؤ تشریف لے گئے۔ تیلہ پر تمام شب حاضری رہی۔ کُل ۲۲ دن لکھنؤ میں رہے۔ پھر اجمیر شریف گئے۔ ۲۴ دن قیام رہا۔ بڑے غسل میں شرکت کی۔ پھر بمبئی، مہوہ اور گلبرگہ شریف کے عرس میں شرکت کرتے ہوئے حیدرآباد تشریف لے آئے۔

مارچ ۳۸ء میں آپ پھر بمبئی تشریف لے گئے۔ وہاں مہوہ والے سر محمد یوسف سے بھی ملاقات ہوئی۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال کا انتقال لاہور میں بتاریخ ۱۹ صفر ۵۷ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہوا۔ یہ بھی آپ کے خاص دوستوں میں سے تھے۔

۱۸ ستمبر ۳۸ء کو دو نومسلم انگریز فاروق احمد اور شہید اللہ، محمد سعید کے ہمراہ بمبئی سے حیدرآباد تشریف لائے۔ یہ دونوں حضرات ۳۶ء میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ اسلامی

تعلیم حاصل کرنے کے لئے وطن سے روانہ ہوتے تھے۔ ۳۰ راکتوبر کو شہید اللہ داخل سلسلہ ہوتے شہید اللہ نے مکان کرایہ پر لے رکھا تھا لیکن رمضان کے لئے شاہ صاحبؒ کے یہاں آگئے۔ تمام ماہ ساتھ رہے اور بڑی محنت کی۔

شہید اللہ اور فاروق احمد ۴ ستمبر ۳۹ء کو بہاولپور روانہ ہو گئے۔

شوکت علی برادر محمد علی کا انتقال ۲۷ نومبر ۳۸ء کو ہوا۔ یہ بھی آپ کے دوستوں میں سے تھے۔

دسمبر ۳۸ء میں بمبئی جانا ہوا۔ وہاں مسٹر جناح سے دو ملاقاتیں ہوئیں۔ پہلی ۱۲ دسمبر ۳۸ء اور دوسری ۴ جنوری ۳۹ء کو۔ پھر بمبئی سے گلبرگہ شریف کے عرس میں شرکت کرتے ہوئے حیدرآباد واپس ہوئے۔

۶ مئی کو شولاپور پراونشل مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کیلئے شولاپور گئے۔ وہاں مسٹر جناح سے ایک طویل ملاقات ہوئی۔

سر عبدالقادر سے بعد مدت حیدرآباد میں ملاقات ہوئی۔

ماہ ستمبر میں مسٹر جناح سے حیدرآباد میں دو ملاقاتیں ہوئیں۔

۸ راکتوبر ۳۹ء اجمیر شریف پہنچے۔ شہید اللہ اور فاروق بھی بہاول پور سے آگئے۔ عرس حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ میں شرکت ہوئی۔ اس موقعہ پر محمد حسین برے اور ان کے صاحبزادے عارف بھی پہنچ گئے۔

موھن عرف عبدالسلام بعد نماز جمعہ درگاہ شریف میں ۵ شوال ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۷ نومبر ۳۹ء داخل سلسلہ ہوئے۔ واپسی پر احمد آباد ایک دن ٹھہرے۔ نظام الدین پیرمی سے ملاقات کی۔ وہاں کے مزارات پر حاضری دی۔ صبح بمبئی پہنچے۔ مسٹر جناح سے ۱۰ دسمبر ۳۹ء کو دوبارہ ملاقات ہوئی۔ پھر گلبرگہ شریف حاضری دیتے ہوئے حیدرآباد آگئے۔

اس سفر میں آپ نے طے کر لیا تھا کہ اب اجمیر شریف منتقل ہو جائیں گے۔ چنانچہ

واپسی پر ترک سکونت کا انتظام کرنے لگے۔ سامان بھجوایا گیا۔ پہلے رائچور گئے۔ پھر دھلی پھر لاہور۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی۔ اس اجلاس میں پاکستان ریزولیوشن پاس ہوا۔ بہادر یار جنگ۔ حفیظ جالندھری۔ مسعود بن حبیب الرحمٰن خان شیروانی اور سر عبدالقادر سے ملاقاتیں ہوئیں۔ مسٹر جناح سے بھی طویل ملاقاتیں ہوئیں۔ شہید اللہ اور فاروق احمد بہاول پور سے شرکت کے لئے آئے۔ یہیں فاروق احمد ۱۴ر صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۴ر مارچ ۱۹۴۰ء داخل سلسلہ ہوئے۔ یہاں سے روانہ ہو کر دھلی پہنچے۔ وہاں مزارات پر حاضری دی۔ وہاں بھی مسٹر جناح سے ملاقات ہوئی۔ شب میں دہلی سے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں نظام الدین برمی کا ساتھ اجمیر شریف تک رہا۔ وہاں سے وہ سیدھے احمد آباد چلے گئے۔ جمعہ ۱۹ر صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۹ر مارچ ۱۹۴۰ء کو اجمیر شریف پہنچ گئے۔

قیام اجمیر شریف

۱۹ر صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۹ر مارچ ۱۹۴۰ء سے ۲۰ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ۷ر ستمبر ۱۹۴۷ء تک آپ نے اجمیر شریف میں دھان منڈی کے ایک مکان میں رہائش اختیار کی۔

۲۴ر جون ۱۹۴۰ء کو کیپٹن واحد بخش صاحب داخل سلسلہ ہوئے۔

۸ر جولائی کو موہن کا اسلامی نام عبدالسلام رکھا گیا۔

تراویح اور حلقے جاری رہے۔ مریدوں سے خلوت اور اعتکاف کرایا گیا۔ عرس حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ میں شرکت ہوئی۔ محمد حسین برے بھی آگئے۔

۱۵ر نومبر ۱۹۴۰ء کو فاروق احمد صاحب کا عقد بروز جمعہ بعد نماز عصر ہوا۔

یکم دسمبر ۱۹۴۰ء کو درگاہ شریف کے متولی نثار احمد صاحب کا انتقال ہو گیا۔

شاہ صاحبؒ لیگ میں شامل ہوئے اور پراونشل ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے وائس پریذیڈنٹ بنائے گئے۔

۱۹۴۱ء میں بھی شاہ صاحبؒ کی صحت اچھی نہ رہی مگر علمی مشاغل اور پبلک خدمات میں زیادہ مصروفیت رہی۔ ضلع اور صوبہ مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ سیرت کمیٹی اجمیر شریف کے امیر جماعت بھی رہے۔

آل انڈیا کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کیلئے ۸ر اپریل ۱۹۴۱ء کو مدراس گئے۔ واپسی میں حیدر آباد دکن ٹھہرے۔ پھر بمبئی گئے۔ وہاں ہندو مسلم فساد ہو رہا تھا اس لئے ماھم میں قیام کیا۔

لیگ کی مقامی خرابیاں دُور کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی۔

ماہ اکتوبر میں مسلم لیگ کونسل میں شرکت کے لئے دہلی گئے۔ وہاں نوابزادہ لیاقت علی خان، ذاکر علی اور حسن ریاض (ایڈیٹر منشور) سے ملاقاتیں ہوئیں۔ مسٹر جناح سے بھی ملاقات ہوئی۔ وہاں کے مزارات پر حاضری دی۔

۱۹۴۲ء میں بھی پبلک خدمات کا زور رہا لیکن صحت خراب رہی۔ ایک دن زینہ پر سے پَیر پھسلا۔ گر پڑے۔ اللہ نے اپنا بڑا فضل کیا۔

چند روز کے بعد ۵ر ستمبر کو فالج کا حملہ ہوا۔ اس سال روزے اور تراویح نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر بھٹا چاریہ کا علاج ہوا۔ اور اللہ نے شفا عطا کی۔

۱۸ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو دہلی میں حسن نظامی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ لیگ کونسل کے اجلاس میں درگاہ اجمیر شریف کی انتظامی اصلاح کا ریزولیوشن پیش کیا جو پاس ہوا۔ وہاں سے آپ فاروق احمد اور شہید اللہ کے پاس بہاول پور تشریف لے گئے اور ۲۴ دن قیام کیا۔ وہاں اوچھ شریف بھی حاضری دی۔ پھر اجمیر شریف واپس آگئے۔

۱۹۴۴ء کے آخر میں بمبئی جانا ہوا۔ حاجی بابا ملنگ کلیانیؒ کے مزار پر حاضری ہوئی۔ فرخ حاجی محمدؐ، محمد حسین برے اور واحد بخش بھی ساتھ تھے۔

فاروق احمد برادر جناب شہید اللہ صاحب نے لاہور میں بتاریخ ۲۹ر صفر مطابق ۱۳ر فروری

۱۹۴۵ء کو ایک طویل علالت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور داتا گنج بخشؒ کے احاطہ میں دفن ہوئے۔

۲۶ اگست یک شنبہ ۱۹۴۵ء کو محمد عمر کو اجازت نیابت ملی۔

'نیو سرچ لائٹ آن ویدک ایرینس' اور 'صوفی ازم' شاہ صاحبؒ کے انگریزی کے دو رسالے طبع ہوئے۔ جناح سے خط و کتابت رہی۔ 'ڈان' میں چند مضامین شائع ہوئے۔ صحت زیادہ خراب رہی۔

مارچ ۱۹۴۶ء میں راشدہ سلمہا بنت شاہ صاحبؒ اور شہید اللہ صاحب کا عقد ہوا۔

یکم جولائی کو بمبئی کے لئے روانہ ہوئے۔ احمد آباد ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے۔ روزے وہیں ہوئے۔

۱۵ ستمبر ۴۶ء کو دھولیہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ وہاں بکثرت مرد اور عورتیں داخل سلسلہ ہوتیں۔ اس دوران بمبئی میں متعدد بار ہندو مسلم فساد ہوا۔ اجمیر شریف خبر پہنچی کہ شاہ صاحبؒ شہید ہو گئے۔ انوار گھبرائے ہوئے تصدیق کیلئے بمبئی آئے۔ (انوار حضرت شاہ صاحبؒ کے درگاہ شریف کے وکیل تھے۔)

۱۹۴۷ء کا آغاز حیدر آباد دکن میں ہوا۔ وہاں سے فتح خان کے زیر اہتمام خلد آباد گئے۔ وہاں کے مزارات پر حاضری دی۔ پھر بمبئی روانہ ہو گئے۔

۲۲ فروری ۴۷ء کو نظام الدین پرکھی کا انتقال احمد آباد میں ہوا۔ یہ شاہ صاحبؒ کے بہت پرانے دوست تھے۔

۱۳ مارچ کو دھولیہ پہنچے۔ وہاں سے سید ظفر عابد اور عبد السلام کے ہمراہ گنگھیڑ پہنچے۔ راجہ گلاب سنگھ اور رن سنگھ اور بکثرت لوگ داخل سلسلہ ہوئے۔ شب میں نندربار پہنچے۔ یہاں بھی بکثرت لوگ داخل سلسلہ ہوئے۔ احمد آباد پہونچکر حضرت موسیٰ سہاگؒ کے مزار پر حاضری دی۔ پرکھی کی قبر پر بھی گئے۔ یہاں سید احمد دہلوی کو مرید کیا۔ پھر اجمیر شریف

آگئے۔ ۲۱ اپریل ۱۹۴۷ء کو معدہ میں شدید تکلیف ہوئی۔ خونی استفراغ سات آٹھ بار ہوا۔ ڈاکٹر بھٹاچاریہ کا علاج ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا۔ صحت ہوگئی۔

عُرس اجمیر شریف سے قبل جو ۲۲ مئی ۱۹۴۷ء سے شروع ہونے والا تھا ذوقی منزل میں منتقل ہوگئے۔ قُل تک کے لئے خلوت میں بیٹھ گئے اور کسی سے نہ ملے۔ تعمیر چونکہ ابھی باقی تھی اس لئے اِنتظام کے لئے ٹرسٹیوں کی ایک کمیٹی بنادی گئی۔ محمد شفیع سلطان۔ فرخ حاجی محمد۔ واحد بخش۔ سیّد ظفر عابد اور شہید اللہ اس کے ارکان مقرر کئے گئے۔

جُمعہ ۲۷ رمضان مطابق ۱۴ اگست بفضلہ تعالیٰ پاکستان قائم ہوا اور ساری روئیداد شاہ صاحبؒ نے ریڈیو پر سُنی۔

قیام کراچی

یکشنبہ صبح ۱۲ شوال مُطابق ۱۹۴۷ء شاہ صاحبؒ اجمیر شریف سے کراچی کے لئے مع متعلقین روانہ ہوئے۔ اسی ٹرین سے اجمیر شریف کے دیوان آلِ رسُول بھی حیدر آباد سندھ تک آئے۔ پاکستان قائم ہوچکا تھا۔ اور لوگ بکثرت ہندوستان کے مختلف حصّوں سے ترک سکونت کرکے پاکستان آرہے تھے۔

آپ اپنی ڈائری میں تحریر فرماتے ہیں :

"ہم کراچی مستقلاً قیام کی نیّت سے نہ نکلے تھے بلکہ حسبِ معمول سرمائی دورہ تھا۔ شہید اللہ سلمہٗ کو البتہ بمبئی سے کاروبار کراچی منتقل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اور بجائے بمبئی کے کراچی کو سرمائی اڈہ بنانے کا ارادہ تھا۔ مگر بعد کے سیاسی حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ سرِدست اجمیر شریف کا راستہ ہمارے لئے بند ہوگیا جس کا سخت قلق ہے۔ اجمیر شریف بہت یاد آتا ہے اور جانے کو بہت جی چاہتا ہے۔ افوّض امری الی اللہ ان اللہ بصیرٌ بالعباد

حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ "

۲۱ مارچ ۴۸ء کو بہاول پور تشریف لے گئے، پھر اوچھ۔ پھر لاہور ہوتے ہوئے پشاور۔ وہاں عبدالحمید پارس صاحب سے ملاقات ہوئی۔ پارس صاحب شاہ صاحبؒ کے پیر بھائی اور بہت مخلص دوست ہیں۔

۸ ذی قعد مطابق ۱۱ ستمبر ۴۸ء یک شنبہ کو قائداعظم محمد علی جناح کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ شاہ صاحبؒ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔

کراچی کے قریب ملیر میں ایک مکان لیا گیا۔ وہاں کی آب و ہوا نسبتاً بہتر ہے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ وقتاً فوقتاً وہاں جاکر کچھ دنوں کے لئے آرام فرماتے رہے۔ اس سال صحت زیادہ خراب رہی۔ علمی خدمات زیادہ انجام دی گئیں۔

کراچی سے ایک انگریزی ہفت روزہ "دی پیپلز وائس" THE PEOPLE'S VOICE مرزا محمود صاحب کی ادارت میں نکلا۔ شاہ صاحبؒ نے اسکے ہر شمارہ کے لئے مضامین لکھے۔ لیکن یہ مالی اعانت نہ ہونے کی بنا پر بند ہو گیا۔

واحد بخش صاحب نے شاہ صاحبؒ کے اردو اور انگریزی مضامین کے مجموعے علیحدہ علیحدہ طبع کرائے۔

شاہ صاحبؒ اسی سندھ میں ۴۱ برس پہلے بحیثیت ایڈیٹر "الحق" تھے۔ اُس زمانے کے صرف دو لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ شیخ غلام حسین ہدایت اللہ جو سندھ کے گورنر ہو گئے تھے اور اسی سال اُن کا انتقال ہوا۔ اور دوسرے غلام علی چھاگلا۔ یہ وہی چھاگلا ہیں جن کے بیٹے نے پاکستان کے ترانہ کا نغمہ تیار کیا۔

یکم محرم ۱۳۶۸ھ مطابق ۴ نومبر ۴۸ء بروز پنج شنبہ پاکپتن کے عرس میں شرکت کی غرض سے روانہ ہوئے۔ بہاول پور ہوتے ہوئے پاک پتن حاضر ہوئے۔ واپسی بہاولپور ہوتے ہوئے ہوئی۔ بہاول پور میں میر سراج الدین صاحب کے گھر جاکر اُن سے ملاقات کی۔

بیمار تھے۔ یہ آخری مُلاقات ثابت ہوئی۔ پھر ڈیرہ نواب ہوتے ہوئے کراچی واپس آئے۔

یک شنبہ ۲۱ راگست ۱۹۴۹ء پشاور تشریف لے گئے۔ عبدالسلام ساتھ تھے۔ ۲۸ راگست کو راناڈیری بھی گئے۔ وہاں مستورات داخل سلسلہ ہوئیں۔ پھر پشاور تشریف لے گئے۔ وہاں سے خیبر اور تورخم تک جو حدِ پاکستان ہے، سفر کیا۔ پھر پاک پتن کے عُرس میں شرکت کرتے ہوئے واپس ہُوئے۔

۲۱ رنومبر ۱۹۴۹ء کو ملیر تشریف لے گئے وہاں کلیاتِ امدادیہ کا خلاصہ لکھا۔

۱۳ ردسمبر ۱۹۴۹ء کو بہاول پور میں مولانا شبیر احمد عثمانی کا اِنتقال حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے ہُوا۔ یہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے مُلاقاتی تھے۔

۹ رفروری ۱۹۵۰ء کو مسٹر عبدالقادر کا لاہور میں اِنتقال ہُوا۔

۴ رشوال مُطابق ۲۰ رجولائی ۱۹۵۰ء ہفتہ وار حلقوں کا آغاز کراچی میں ہُوا۔

پاکستان پر ایک تفصیلی مضمون لکھا جس کی ایک نقل عبدالرّب نشتر کو اور دُوسری لیاقت علی خان کو بھیجی۔ یہ مضمون ایک رسالہ کی شکل میں چھَپ چکا ہے۔

۱۵ راکتوبر ۱۹۵۰ء کو آپؒ پاکپتن کے عُرس میں شریک ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ آپؒ کا آخری عُرس تھا۔ اِس موقعہ پر آپکے بہت سے مرید کراچی۔ بہاولپور اور زیدہ سے آئے ہوئے تھے۔ اس سال آپ ۱۰ رمحرّم تک ٹھہرے اور غسل میں شرکت فرمائی۔ یہاں واحد بخش صاحب نے خواب دیکھا کہ شاہ صاحبؒ اپنے تین یا چار مریدوں کو کسی کے سپُرد کر رہے ہیں، یہ کہتے ہوئے کہ فلاں جنکشن تک ان کے ٹکٹ موجود ہیں اس سے آگے ان کو ٹکٹ دلوا دینا۔ شاہ صاحبؒ سے جب یہ خواب بیان کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا :

"جنکشن یہی پاک پتن ہے۔"

اس خواب سے حضرتؒ کے وصال کا قریب ہونا واضح ہُوا۔ اور جہاں تک مزید سفر کی تکمیل کے لئے کسی دُوسرے کے سپُرد کرنے کا تعلق ہے اس کا ظہور ۱۹۵۵ء میں ہُوا جب باباصاحبؒ

نے شہید اللہ صاحب کو اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔

سفرِ حج

۲۱ر شعبان ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۸ رمئی ۱۹۵۱ء کو جہاز 'محمدی' کے ذریعہ آپ سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ سفر میں جو حضرات شریک تھے اُن کے نام یہ ہیں: والدہ صاحبہ راشدہ، عبدالسلام موہن۔ مسز فرخ (شیریں بائی) والدہ شیریں بائی۔ حمیدہ بائی۔ واحد بخش۔ اُن کی والدہ، بہن اور بھابی، ۲ ملازم اور عزیز احمد مہندی۔ جہاز پر بکثرت لوگ الوداع کہنے آئے۔

ایک بجے رات کو جہاز روانہ ہُوا۔

اِس سفر کی تفصیلات حج ذوقی میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴ر جون کو جہاز جدّہ پہنچا۔ بمبئی سے محمد شفیع اور انکے صاحبزادے محمود بندرگاہ جدّہ پر پہلے سے موجود تھے۔ ان سے مل کر آپؒ بہت خوش ہوتے۔

رمضان کے چاند کا اسی شب اعلان ہوگیا، اگرچہ نظر نہیں آیا۔ تیسرے دن شام کو بوقت مکّہ معظّمہ روانہ ہوئے۔ وہاں نصف شب کے بعد پہنچے۔ حرم شریف شب ہی میں حاضر ہوئے۔ طواف وسعی صفا و مروہ کی۔ بال ترشوائے۔ فرودگاہ پر آکر احرام اُتارا۔ غلام علی مع اپنی لڑکی اور لڑکے کے ملنے آئے۔ ابراہیم رشید سابق خطیب مکّہ مسجد۔ حیدرآباد دکن سے مُلاقات ہوئی۔ یہ شاہ صاحبؒ کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ شدّتِ گرما سے طبیعت بگڑ گئی۔ ۶ر رمضان یکشنبہ کو رحمت اللہ صوفی کی رہنمائی میں مولدِ نبوی صلعم کی زیارت کی اور حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مزار کے نشان پر حاضر ہوکر فاتحہ پیش کی۔ اسی طرح حضرت امداد اللہ مہاجر مکّیؒ کی خدمت میں فاتحہ پیش کی۔ ۱۶ر رمضان کو مدینہ طیبّہ میں حاضر ہوئے۔

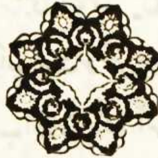
مدینہ منوّرہ میں دو ماہ دس دِن کے قیام کے بعد بذریعہ ہوائی جہاز جدّہ پہنچے

اور وہاں سے اسی روز مکّہ معظّمہ پہنچ گئے ۔ اس اثنا میں حضرت شاہ صاحبؒ کی صاحبزادی شہید اللہ ۔ فرخ حاجی محمّد اور شوکت کریم بھائی کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز ۱۹ ذی قعدہ مُطابق ۲۲ اگست کو مدینہ منورّہ پہنچے ۔

۹ ذی الحجہ مُطابق ۱۳ ستمبر ۱۹۵۱ء کو میدانِ عرفات میں بوقت شام خطبہ ختم ہونے کے بعد آپ کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور آپنے داعیٔ اجل کو لبیک کہا ۔ اور وہیں دفن ہوئے ۔

اِنا للہ وانا الیہ راجعون ۔

بالآخر یہ آفتاب ہدایت ایک طویل عرصہ تک اپنی ضوفشانی کا فیضان پہنچا کر غروب ہو گیا ۔




حصہ سوم



ملفوظات



مرتبہ:

کیپٹن واحد بخش سیال

(بی۔اے)

توکّل علی اللہ

ایک مرتبہ توکّل پر گفتگو ہو رہی تھی، ارشاد فرمایا کہ حضرت بندہ نواز سیّد محمد گیسو درازؒ نے جن کا مزار مُبارک گلبرگہ شریف (حیدرآباد دکن) میں ہے۔ رسالہ قشیریہ کی شرح لکھی ہے اس رسالہ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک بزرگ کہیں جا رہے تھے، راستہ میں کنواں تھا وہ اس میں گر پڑے۔ اور اب وہ اس خیال سے اس میں خاموش بیٹھے رہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود ہی مجھے کنویں سے نکالیں گے تو نکلوں گا، کیونکہ میں اپنے اختیار سے تو کنویں میں گرا نہیں ہوں۔ تھوڑی دیر بعد کچھ لوگوں کا وہاں گذر ہوا، انھوں نے دیکھا کہ لب سڑک ایک خطرناک کنواں ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی اس میں گر جائے، چنانچہ اس کنوئیں کو درختوں وغیرہ کی ٹہنیوں سے بند کر دیا جائے۔ وہ بزرگ کنوئیں میں بیٹھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، نفس نے بہت کہا کہ ان لوگوں کو آواز دو، لیکن ان خطرات کی انھوں نے پروا نہ کی اور نفس کو جواب دیا کہ اُس کو کیوں نہ آواز دوں جو ہر وقت سُن سکتا ہے اور شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، چنانچہ وہ خاموش بیٹھے رہے جب وہ لوگ کنواں بند کر کے چلے گئے تو ایک جانور آیا اور ٹہنیوں وغیرہ کو ہٹا کر دُور پھینک دیا اور اپنی دم کنویں میں لٹکا دی، ساتھ ہی ایک آواز نے کہا اس دُم کو پکڑ لے۔ اُنھوں نے دم کو پکڑ لیا اور جانور نے انھیں باہر نکال لیا۔ باہر آنے پر معلوم کہ وہ ایک درندہ ہے، اب ہاتف

کی آواز آئی کہ ہم نے تم کو ایک موت کے ذریعہ دوسری موت سے بچا لیا۔

اس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ پر پکا بھروسہ کرلیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرلینا نہایت دانشمندانہ روش ہے کیونکہ انسان کو اتنا علم نہیں ہوتا، جتنا اس کے متعلق اللہ کو ہے، ماں کے پیٹ سے لیکر اس وقت تک جو کچھ گذرا ہے اسے یاد نہیں ہے، جب وہ ماں کے پیٹ میں تھا اسے معلوم نہیں کہ اس کی ماں نے کیا کیا کھایا تھا، اور اس کا اس کی صحت پر کیا اثر پڑا تھا، جب بچپن کا زمانہ آیا تو اس وقت تک جو کچھ گذرا ہے اسے یاد نہیں ہے۔ گذشتہ عمر کے واقعات بھول چکا ہے اور جہاں تک آئندہ زمانے کا تعلق ہے، اگلے پانچ منٹ کا بھی علم نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے وہ گذشتہ عمر کے واقعات کو بھی جانتا ہے، اور آئندہ کے بھی۔ اب اللہ سے زیادہ بہتر کون انسان کے لئے سوچ سکتا ہے۔ بس اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کردینا چاہئیے جو کچھ اللہ کرے گا وہی اس کے حق میں بہتر ہوگا۔

توکّل خواص و توکّل عوام

(۲۹ ر ذی القعدہ ۱۳۶۹ھ ۱۲ ر ستمبر ۱۹۵۰ء میلر، کراچی) آج شام دولتِ باریابی نصیب ہوئی توکّل پر گفتگو ہو رہی تھی، فرمایا ایک دفعہ حضرت حبیب عجمیؒ غسل کرنے حمام میں گئے اور کپڑے باہر رکھ دیئے۔ ایک بزرگ کا اس وقت وہاں گذر ہوا، کپڑے پہچان لئے اور اس خیال سے کہ کوئی لے نہ جائے آپ اسی جگہ ٹھہر گئے۔ جب حضرت حبیب عجمیؒ غسل سے فارغ ہوکر باہر آئے

نوٹ: توکّل کے مختلف مدارج ہوتے ہیں متوکّل کے ایمان اور ایقان کے مدارج کیمطابق یہ ایقان جتنا زیادہ بلند درجہ کا ہوتا ہے دنیاوی ذرائع و وسائل کی ضرورت اتنی ہی کم ہوجاتی ہے۔

توان بزرگ نے کہا آپ کپڑے کس کی نگرانی میں چھوڑ کر اندر چلے گئے تھے؟ فرمایا اسکی نگرانی میں جس نے آپ کو پہریدار مقرر فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ وہی حبیب عجمیؒ ہیں جو ایک دن نماز پڑھا رہے تھے اور ایک بزرگ بھی شریک جماعت تھے۔ نیت باندھ لینے کے بعد قرأت شروع کی تو ان بزرگ نے دیکھا کہ ان کے مخارج صحیح نہیں ہیں اور لہجہ بھی عجمی ہے تو وہ نیت توڑ کر چلے گئے، اب ان بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے ایک دفعہ مناجات کی، کہ یا اللہ! ویسے تو آپ کی ہر وقت توجہ رہتی ہے لیکن مجھے اس وقت سے آگاہ فرمادیں جب آپ کی خاص توجہ ہوتی ہے۔ جواب ملا کہ توجہ خاص کا وقت تو وہی تھا جب حبیب عجمی نماز پڑھا رہے تھے اور تم انھیں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اب توجہ خاص کا وقت دریافت کرتے ہو؟ اس کے بعد فرمایا کہ وہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو توکل کے ساتھ اونٹ کے گھٹنے باندھنے کا حکم دیا تھا، تو بات دراصل یہ تھی کہ وہ آدمی اعرابی یعنی دیہات کا باشندہ تھا اور ابھی ایمان کے اعلیٰ وارفع مقام تک نہیں پہنچا تھا اس لئے اُس کو حکم دیا گیا کہ توکل کے ساتھ اُونٹ کا زانو بھی باندھ۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے ملفوظات میں ہے کہ سالک کو چاہیئے کہ کسبِ حلال کرے اور اگر توکل کرے تو بہتر ہے۔ یہ بات احقر کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ارشاد فرمایا کہ توکل کی بھی DEGREES (درجے) ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں خط لکھا کہ "میں چاہتا ہوں کہ ملازمت چھوڑ کر توکل اختیار کرلوں اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں۔" آپ نے جواب میں لکھا کہ آپ کے اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آپ اس مقام تک نہیں پہنچے۔ جب آپ اس مقام پر پہنچ جائیں گے تو اجازت لئے بغیر ہی توکل اختیار کرلیں گے۔



متوکّلانہ سفر

آج سفر اور سامانِ سفر کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا صاحبؒ (حضرت مولانا شاہ وارث حسن صاحبؒ) صرف ایک چادر، ایک تسبیح، اور ایک عصا لے کر حج کے لئے روانہ ہوئے ویسے تو انھوں نے کئی مرتبہ سو سو دو دو سو آدمیوں کے ساتھ حج کیا تھا لیکن اس دفعہ انھوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ بغیر کچھ سامان لئے تنہا جائیں۔ جہاز پر سوار ہوئے اور چادر بچھا کر بیٹھ گئے، جہاز میں ایک ترک افسر تھا جو بصرہ جا رہا تھا، بصرہ سے آگے مولانا صاحبؒ کو بغداد، بیت المقدس، مدینہ منوّرہ اور مکّہ معظمہ جانا تھا۔ جس وقت اس افسر نے آپ کو دیکھا تو اس کے دل میں عقیدت پیدا ہو گئی کہنے لگا کہ یہاں آپ کو تکلیف ہوگی، آپ میرے ساتھ کیبن میں قیام کریں اور ملازم کو حکم دیا کہ جس قسم کا کھانا آپ چاہیں تیار کر دیا جائے، غرضیکہ بصرہ تک آپ نہایت آرام سے پہنچے، وہاں سے ترکوں کا ایک قافلہ بغداد جا رہا تھا اس افسر نے قافلہ والوں سے کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں، انھیں اپنے ساتھ لے جاؤ، اور خیال رکھو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے، چنانچہ آپ نہایت آرام سے بغداد شریف بھی پہنچ گئے۔ اور حضرت غوث الاعظمؒ کی درگاہ میں چادر بچھا کر بیٹھ گئے، پانچ منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ حضرت نقیب الاشراف یعنی وہاں کے سجادہ نشین تشریف لائے، اور آپ کو اپنے گھر لے گئے اور جب تک آپ کا قیام رہا بڑی خاطر مدارات کرتے رہے چند روز کے بعد وہاں سے ایک قافلہ بیت المقدس جا رہا تھا۔ سجّادہ نشین صاحب نے آپ کو قافلہ والوں کے سپرد کر دیا اور اُن سے کہا کہ آپ کو آرام و آسائش کے ساتھ

بیت المقدس پہنچا دو۔ غرضیکہ آپ نے پورا سفر مکہ معظمہ تک اور پھر واپس اپنے گھر تک نہایت اطمینان سے طے کیا۔

دوسرا توکلی سفر

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ہمارے مولانا صاحبؒ سفر پر جا رہے تھے، ہمیں بھی تیاری کا حکم دیا۔ جہاں جانا تھا وہاں نہ تو کوئی پکی سڑک تھی اور نہ کوئی سواری کا انتظام تھا۔ جنگل اور پہاڑوں میں مزارات کا ایک سلسلہ تھا جو کافی دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ ہمارے پاس ایک رضائی تھی جب ہم اسے اُٹھانے لگے تو مولانا صاحبؒ نے فرمایا اسے پھینک دو۔ ہم نے عرض کیا، جاڑے کا موسم ہے، رضائی کے بغیر کیسے گذر ہو گا؟ فرمایا، میرا کمبل لے لینا۔ غرضیکہ اسی حالت میں ہم روانہ ہوئے۔ دَورانِ سفر میں کبھی صبح و شام کی چائے اور دونوں وقت کا کھانا ناغہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ پان بھی ملتے رہے، کوئی نہ کوئی آجاتا اور ڈبیہ بھر دیتا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ہم کالپی ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔ جیب میں کچھ نہ تھا، ہم اسٹیشن پر جا کر بیٹھ گئے۔ گاڑی کے آنے سے دو منٹ پہلے مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ چلو پلیٹ فارم پر چلیں۔ پلیٹ فارم پر جاتے ہی گاڑی آگئی، گاڑی رُکی تو فرسٹ کلاس کا ڈبہ ہمارے سامنے ہی تھا، اس ڈبہ میں سے ایک ہندو نکلا اور مولانا صاحبؒ کے قدموں کو چھُوتا ہوا بکنگ آفس کی طرف چلا گیا۔ عام طور پر مولانا صاحبؒ فرسٹ کلاس میں سفر کیا کرتے تھے اور ہم سرونٹ کلاس میں سفر کیا کرتے تھے۔ مولانا صاحب فرسٹ کلاس میں بیٹھ گئے اور اب کی دفعہ ہمیں بھی ساتھ ہی بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ہندو آیا اور ہماری جیب میں کچھ ڈال کر چلا گیا۔ ہم فرسٹ کلاس میں بیٹھ تو گئے لیکن دل میں کھٹکا تھا کہ بغیر ٹکٹ کیسے کام چلے گا۔ اب اس خیال سے کہ دیکھیں اس آدمی نے ہماری جیب میں کیا چیز ڈالی ہے۔ ہم BATH—

ROOM (غسلخانے) گئے اور جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو لکھنؤ کے دو فرسٹ کلاس کے ٹکٹ اور دس روپے تھے۔ جب ہم باہر آئے تو مولانا صاحبؒ نے فرمایا اب تو اطمینان ہو گیا۔ جب لکھنؤ پہنچے تو ہمارے دل میں خیال آیا کہ اب سفر تو ختم ہو چکا ہے، آج شام کو نسیم صاحب (چودھری خلیق الزماں مرحوم کے ماموں) کے ہاں HUNTLEY - PALMER (ہنٹلے پامر) کے بسکٹوں کے ساتھ خوب چائے پئیں گے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔ نسیم صاحب بھی موجود نہیں ہیں، کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی کوٹھی میں ایک خاص کمرہ مولانا صاحبؒ کیلئے مخصوص رکھتے تھے، جس میں پلنگ، جانماز اور ایک دو جوڑے کپڑے ہمیشہ رکھے رہتے تھے تاکہ جس وقت بھی آپ تشریف لائیں آپ کو تکلیف نہ ہو وہاں پہنچکر مولانا صاحبؒ تو اپنے کمرے میں چلے گئے اور ہم باہر بیٹھ گئے۔ شام کے وقت مولانا صاحبؒ نے ہمیں اندر بلا کر فرمایا کہ جب تک اللہ کے مہمان رہے ایک وقت کی چائے تک ناغہ نہ ہوئی لیکن جس وقت تم نے انگریزی بسکٹوں کے لئے ایک انسان پر بھروسہ کیا، چائے سے محروم ہو گئے اور اسی خیال کی نحوست سے شائد آج رات کا کھانا بھی نہیں ملے گا۔ ہم نے عرض کیا حضور واقعی یہ خطرہ میرے دل میں گذرا تھا، اب آئندہ احتیاط برتوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی ہے تو ابھی چائے اور کھانا آتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد نسیم صاحب دوڑے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ حضور معاف کیجئے، آپ کو بہت تکلیف ہوئی ہوگی۔ میں باہر گیا ہوا تھا، ابھی ابھی واپس آیا ہوں، دربان سے معلوم ہوا کہ حضور تشریف لائے ہیں۔ حضور چائے پی لیں۔ کھانا ابھی آیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ جب تک اللہ پر بھروسہ رہا، جنگلوں اور پہاڑوں میں صبح کی چائے تک ناغہ نہ ہوئی لیکن انسان پر بھروسہ کرنے سے شہر کے اندر چائے اور کھانے تک سے محروم ہوئے جا رہے

تھے، پھر فرمایا ہم نے کہا تھا کہ حج کے سفر کے لئے معمولی سامان لے لینا لیکن تم لوگوں نے ہمارا کہنا نہیں مانا اور بہت سا سامان ساتھ لے آئے پہلے دو دن جو تکلیف ہوئی اس کی یہی وجہ ہے۔

توکلی علاج

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ توکل کی تعریف یہ ہے کہ کل کے لئے مطلق فکر نہ رہے کہ کھانا کہاں سے آئے گا۔ ہمارے دوست مولوی صاحب[1] (اجمیر شریف) کا توکل بھی بہت بڑھا ہوا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے۔ حکیم صاحب کو بلایا گیا۔ حکیم صاحب نے نسخہ لکھا جب وہ چلے گئے تو مولوی صاحب نے اپنے لڑکے سے کہا کہ بازار جا کر معلوم کرو کہ اس نسخہ پر کیا لاگت آئے گی، لڑکے نے معلوم کر کے بتایا کہ دو روپے خرچ ہونگے انھوں نے وہ نسخہ اپنے پاس رکھ لیا اور دو روپے خیرات کر دیئے۔ دوسرے دن بھی یہی ہوا، اس کے بعد وہ اچھے ہو گئے۔ کسی نے سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ اللہ میاں کو یہی منظور تھا کہ میں اتنے روپے خرچ کروں۔ چنانچہ وہ روپے میں نے بجائے دکاندار کے غریبوں کو دے دیئے۔

مہمان اور بستر

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ہم احمد آباد سے حضرت محمود صحرائی کے مزار مبارک پر جا رہے تھے۔ بستر ساتھ تھا۔ ہمارے ایک دوست نے کہا کہ آپ بستر ساتھ لے کر جا رہے ہیں اس بات سے وہاں کے سجادہ نشین صاحب سخت خفا ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ ہمارے مہمان ہو کر بستر ساتھ کیوں لائے ہیں کیا آپ کا خیال ہے کہ ہم بچھونا بھی نہیں دیں گے؟ فرمایا جب ایک انسان یہ گوارہ نہیں کرتا کہ ان کا مہمان اپنا بستر ہمراہ لے آئے تو بھلا احکم الحاکمین کے دربار میں ہم اس قدر سامان لے آئیں اور وہ خفا نہ ہوں۔ فرمایا آئندہ اس بات کا خیال رکھنا۔

---

[1] مولوی صاحب کا نام یاد نہیں رہا۔

مدینہ منورہ جاتے وقت مختصر سامان ساتھ لینا۔ وہ بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، سب انتظام خود کر دیتے ہیں۔

دل بہ یار دست بہ کار ایک مرتبہ احقر کے دل میں ملازمت چھوڑ کر تجارت کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ حضرت اقدسؒ سے مشورہ کیا۔ ارشاد فرمایا کہ اپنے دل کو ٹٹولو اور دیکھو کہ کس قدر وقت دے سکتے ہو، اس کے بعد فرمایا۔ ایک مرتبہ ہمارے مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک آدمی مکان بنواتا ہے، اس کے لئے سینکڑوں قسم کی مشکلات برداشت کرتا ہے۔ جب مکان تیار ہو جاتا ہے تو اس کا وقت آجاتا ہے اور وہ چلا جاتا ہے، مکان یہیں رہ جاتا ہے اس کے بعد فرمایا ایک مرتبہ ایک بزرگ کہیں جا رہے تھے، راستہ میں دیکھا کہ ایک شخص کاروبار میں مصروف ہے۔ بات تک کرنے کی فرصت نہیں حتیٰ کہ جب نماز کا وقت آتا ہے، اسی جگہ جا نماز بچھا کر صرف فرض پڑھ لیتا ہے اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر انھیں تعجب ہوا کہ دیکھو یہ شخص دنیا کے کاموں میں کس قدر منہمک ہے۔ دل میں خیال آیا کہ اسے کچھ نصیحت کرنی چاہئیے۔ نزدیک جا کر نگاہ اس کے قلب پر ڈالی تو دیکھا کہ قلب سے لے کر آسمان تک ایک نور چمک رہا ہے متعجب ہو کر دریافت کیا کہ یہ کیا حالت ہے۔ اس نے سر اوپر اٹھا کر جواب دیا کہ کیا قرآن شریف کی یہ آیت غلط ہے کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ یعنی اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جنھیں نہ تجارت نہ خرید وفروخت ذکر اللہ سے باز رکھ سکتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اصل مقصد ذکر اللہ ہے۔ اذکار و مشاغل کی غرض و غایت بھی ذکر اللہ ہے۔ اذکار و مشاغل اسی لئے کئے جاتے ہیں کہ تزکیہ نفس ہو۔ اور اللہ کا ذکر دل میں گھر کرلے وہ تم نے نہیں سُنا " دست بہ کار دل بہ یار" جب کوئی شخص درد میں مبتلا ہوتا ہے تو اگرچہ وہ دنیا کے کاموں

میں مشغول ہوتا ہے لیکن اس کی بیشتر توجہ دردہی کی طرف رہتی ہے اسی طرح دنیاوی کاموں میں مشغول رہ کر بھی قلب میں اللہ کی یاد رہ سکتی ہے۔ جب کسی کا کوئی مرجاتا ہے تو وہ کام کاج میں مصروف رہتا ہے لیکن اس کے دل میں ہر وقت اس عزیز کا غم رہتا ہے، سالک کو لازم ہے کہ چاہے کتنی ہی دنیاوی مصروفیت ہو۔ ذکراللہ کو ترک نہ کرے۔

ہر کام اللہ کیلئے ہو

اس کے بعد فرمایا کہ ہر کام اللہ کے لئے کرنا چاہیئے انسان کو چاہیئے کہ ہر کام رضائے الٰہی کے لئے کرے۔ جب تمہاری نیت میں خلوص پیدا ہو جائے گا تو اس وقت ہر کام عبادت بن جائے گا۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ یعنی آپ کہیئے میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا۔

للّٰہیت

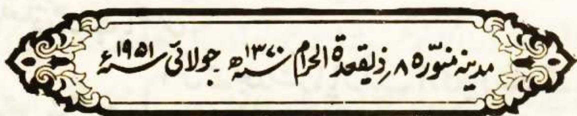
اس کے بعد فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صحابیؓ نے مکان بنوایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلانے کے لئے لے گئے۔ مکان دکھلاتے جاتے تھے کہ فلاں چیز اس غرض کے لئے بنوائی ہے اور فلاں اس مقصد کے لیئے۔ آں حضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ کھڑکی کس لئے بنوائی ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ روشنی کے لئے۔ آپ نے فرمایا کہ کاش تم نے اس غرض سے بنوائی ہوتی کہ اذان کی آواز سُنی جا سکے۔ اگر یہ نیّت ہوتی تو تمہارا یہ کام عبادت میں شامل ہو جاتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہر کام سے پہلے انسان کو چاہیئے کہ اپنی نیّت درست کرلے۔ اور للّٰہیت کا خیال دل میں مستحکم نہ ہو سکے تو تکلفاً ہی نیّت کرلینی چاہیئے، کیونکہ ایسا کرتے رہنے سے اس کا قوی امکان ہے کہ اس کے کرم سے دل میں للّٰہیت کی حالت پیدا ہو جائے۔ ظاہر کا باطن پر بہت اثر پڑتا ہے۔

دُنیا ایک سرائے ہے

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ دنیا سرائے کی مانند ہے۔ اگر کوئی مُسافر کسی شہر کے اندر چند روز کے لئے ٹھہرا ہوا ہو اور وہاں مکان اور باغ خریدنا شروع کر دے تو یہ اس کی کتنی حماقت ہو گی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آدمی راستے پر جا رہا ہو، ایک درخت سامنے نظر آئے اور وہ تھوڑی دیر کے لئے آرام کرنے کی خاطر اس کے نیچے بیٹھ جائے"۔ اب اگر کوئی اس درخت کے نیچے ہمیشہ کے خیال سے بیٹھ جائے اور وہاں اپنا مکان بنالے تو منزل مقصود تک کیسے پہنچے گا؟

منزلِ مقصود

انسان کی منزل مقصود بس ایک ہے، یعنی اللہ، باقی کشف و کرامات وغیرہ سب بازیچۂ اطفال ہیں۔ بس یہ جذبہ ہونا چاہیئے کہ ہر وقت اللہ کی رضا جوئی کے لئے کوشاں رہے سب کام اسی کی خاطر کرے اور ہر وقت اسی کی یاد دل میں رکھے۔ یہ تسلیم و رضا کا مقام ہے اور سب مقامات سے بلند ہے اگر وہ دوزخ میں بھی ڈال دے تو اس کی رضا پر خوش رہے۔ دوزخ اور بہشت بھی اعتباری چیزیں ہیں۔ اصل چیز ذات ہے۔ ذات میں کل اعتبارات کو فنا کر دینا چاہیئے۔



سالک کا مقصود

ایک مرید نے عرض کیا کہ میرے لڑکے کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہے۔ حضور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے لڑکا عطا فرمائے۔ حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا تم سلسلۂ نسب چاہتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تمہیں کیا معلوم کہ اولاد کیسی ہو گی، کیا کام کرے گی۔ سالک کو ان چیزوں کی طرف

دھیان نہ دینا چاہیئے۔ سالک کا مقصود اللہ ہے۔ سب کام اللہ کے لئے کرنے چاہئیں۔ اگر اللہ کی مرضی یہ ہے کہ اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے تو خوش ہو کر دوزخ کو قبول کرلے جو کچھ اللہ چاہتا ہے، وہی ہماری مراد ہے، جو کام بھی اللہ کے لئے کیا جائے وہ نیکی ہے اور جو کام لذت نفس کی خاطر کیا جاتا ہے وہ گناہ ہے خواہ وہ بظاہر عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ بعض لوگ نماز چھوڑ کر قرآن اس لئے پڑھنے لگ جاتے ہیں کہ اس سے ان کو لذت حاصل ہوتی ہے لیکن خالص عبادت وہ ہے جس میں لذت مقصود نہ ہو، بلکہ اللہ کی خوشنودی مقصود ہو۔

صحیح تعلق

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت ذوالنون مصریؒ خلوت میں بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر اور بلک بلک کر روتے تھے۔ کسی محرم راز نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ سے کونسا ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جس کی وجہ سے آپ اس قدر روتے ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ میں گناہوں کی وجہ سے نہیں روتا کیونکہ اگر زمین و آسمان کے برابر بھی گناہ ساتھ لے جاؤں تو مجھے یقین ہے کہ اللہ کی رحمت کا ایک جھونکا اسے صاف کر دے گا۔ میں اس لئے روتا ہوں کہ مجھے اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اللہ کے ساتھ میرا صحیح تعلق بھی ہے یا نہیں۔

خلوص نیت

اس کے بعد فرمایا کہ ایک آدمی بادشاہ کے پاس پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور بڑی محنت کے بعد اس کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ بادشاہ اس کے رہنے سہنے کھانے پینے اور آرام و آسائش کا انتظام کر دیتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ضمنی طور پر اس کو مل جاتی ہیں۔ اس کا مقصود بادشاہ تک پہنچنا تھا نہ کہ ان چیزوں کو حاصل کرنا۔ اسی طرح جو شخص اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔ بہشت کی سب نعمتیں اس کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ اب اگر کوئی شخص بادشاہ

تک پہنچنے کی اسلئے کوشش کرے کہ اسکے یہاں اچھے اچھے کھانے ملیں گے۔ محلات میں ٹھیرنے کا موقع ملے گا۔ خدام اور نوکر ہوں گے، خوب شان رہے گی اور بادشاہ کو اس کی نیّت کا علم ہو جائے تو بادشاہ کے دل میں اس کی کیا وقعت ہوگی، اسی طرح جو شخص بہشت کی نعمتوں کے لئے عبادت اور نیک عمل کرتا ہے تو اللہ کے پاس اس کا کیا درجہ ہے۔ اللہ تو اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ سارے کام اس کی رضا کے لئے کئے جائیں، نہ تو بہشت کی نعمتوں کے لئے اور نہ دوزخ کے ڈر سے۔ حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ بھی اِسی لئے رویا کرتے تھے کہ آیا میں بادشاہ (اللہ) کا قرب بادشاہ کی نعمتوں کے لئے چاہتا ہوں یا محض بادشاہ کے لئے۔ یہ بہت باریک POINT (نکتہ) ہے۔ اس کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

حضرت ایوبؑ کی آزمائش

ایک موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح نسبت پیدا کرنے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ آپ کا مخلص بندہ کون ہے؟ اِرشاد ہُوا کہ ایوبؑ۔ شیطان نے عرض کیا وہ تو بہت خوشحال ہیں، گھر بار ہے، بیوی بچے ہیں۔ مال و دولت کی فراوانی ہے۔ ذرا اُن کو عسرت میں بھی تو آزما کر دیکھو۔ اب ایسا ہوا کہ اُن کے تمام بچے یکے بعد دیگرے چل بسے۔ مال و دولت سب کچھ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد خود بیمار ہوئے اور یہ حالت ہو گئی کہ جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ سارا جسم زخمی ہو گیا تھا جب کوئی کیڑا نیچے گر جاتا تو آپ اسے یہ کہہ کر پھر زخم میں ڈال لیتے کہ جاتے کہاں ہو تمہارا رزق تو اللہ نے میرے جسم میں رکھا ہے۔ یہ حالت اُن کی کامل بارہ برس رہی اور اس کے باوجود آپ عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اذکار و مشاغل میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ بارہ سال کے بعد وہ تندرست ہو گئے۔ افلاس جاتا رہا، ثروت اور

خوشحالی کا دور شروع ہوگیا۔ اس خوشحالی کی حالت میں ایک دفعہ حضرت جبرئیلؑ نے آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ اس حالت میں خوش ہیں یا بلا و مصیبت کی حالت میں خوش تھے؟ آپ نے فرمایا کہ تکلیف کی حالت میں زیادہ خوش تھا کیونکہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ ہر روز مجھ سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ ایوب کیسے ہو؟ اس سوال سے وہ کیف و مستی کی حالت طاری ہو جایا کرتی تھی کہ میں چوبیس گھنٹے تک اسی میں مست رہتا تھا، دوسرے دن جب اللہ تعالیٰ وہی سوال فرماتے تو پھر وہی مستی کی حالت طاری ہو جاتی تھی لیکن جب سے مصیبت کا زمانہ ختم ہوا ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ خطاب بند ہو گیا ہے۔ اس لئے اب اتنا خوش نہیں ہوں جتنا اُس حال میں تھا۔

نعمت صبر و شکر | ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر تین دن مسلسل فاقہ رہا۔ جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو کوہِ احد کو سونا کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک دن کھانا ملے اور ایک دن فاقہ رہے تاکہ صبر و شکر دونوں نعمتیں حاصل ہوں اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہے جب راحت پہنچے تو اس پر شکر کرنا چاہئے جب تکلیف آئے تو اس پر صبر کرنا چاہیئے۔ رنج و راحت، عروج و نزول، قبض و بسط سب اسی کی طرف سے ہیں اور سب میں اسی کی شان ہے۔

برکاتِ مصائب | عید کا دن تھا، کراچی والے مکان پر احقر حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں حاضر تھا، اور احباب بھی موجود تھے اس وقت سید مقصود حسن صاحب کے بیٹے سید محبوب حسن کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کی والدہ صاحبہ کا انتقال چند ماہ پہلے ہوا تھا۔ آپ نے بچے کو دیکھ کر فرمایا کہ اگرچہ ان کے کپڑے اچھے ہیں لیکن دل پر ایک بوجھ ہے جس کو وہ

ظاہر نہیں کرتے۔ لوگوں کے اچھے اچھے کپڑے دیکھ کر اُن کو اپنی ماں یاد آرہی ہے دل میں وہ سخت غمگین ہیں لیکن زبان سے کچھ نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ ارواحِ انسانی کو اسی قسم کے تھپیڑے کھلانے کے لئے اس جہاں میں بھیجتا ہے۔ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی یتیم تھے۔ آپؐ ماں کے پیٹ میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا کچھ عرصہ کے بعد والدہ کا بھی اِنتقال ہو گیا۔ اِن مصائب سے قلب کی اصلاح خوب ہوتی ہے۔

واعظین کے لئے پہلی شرط

ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے واعظین کے لئے کچھ شرائط مقرر فرمائی ہیں۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ جو کچھ کہے اس کا خود بھی عامل ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ یعنی جس بات پر تم عمل نہیں کرتے اس کو کیوں بیان کرتے ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سات سال کے عرصہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سورۃ بقرہ سیکھی۔ جب لوگوں نے دریافت کیا کہ اتنی طویل مدّت میں صرف ایک سورت سیکھی تو آپؓ نے فرمایا جو کچھ میں پڑھتا تھا جب تک اس پر عمل نہیں کر لیتا تھا آگے نہیں پڑھتا تھا۔

گنہگاروں پر شفقت

ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ اکثر علمائے ظواہر گنہگاروں کو دیکھتے ہیں تو ان پر برس پڑتے ہیں وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ بیچارہ بیمار ہے، اس سے اس طرح کا سلوک کرنا چاہیئے جسطرح حکیم یا ڈاکٹر ایک جسمانی بیمار سے کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اکثر و بیشتر وہ اپنی کسی غلطی کے سبب ہی بیمار ہوتا ہے لیکن اگر آتے ہی ڈاکٹر مریض کو ڈانٹنے لگ جائے کہ تم نے یہ کیوں کھایا، وہ کیوں نہ کھایا تو کیا اسکا علاج ہو جائے گا؟ یہ تو ڈانٹنے کا موقع ہی نہیں RELIEF WORK (شفقت و مہربانی) کرنا چاہیئے، اسے پلنگ دو، بستر دو، آرام پہنچاؤ۔ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم گنہگاروں پر شفقت فرمایا کرتے

تھے، یہاں تک کہ غزوۂ احد میں جب کفّار نے آپؐ کے چہرۂ انور کو زخمی کر دیا تو اس وقت بھی آپ کی زبان مبارک سے دعا ہی نکلی کہ یا اللہ میری اِس قوم کو معاف فرما دے کیونکہ یہ لوگ مجھے نہیں جانتے۔

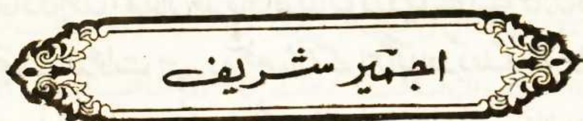


عالم باللہ اور عالم بامر اللہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ شیطان ہر وقت انسان کی گھات میں لگا رہتا ہے لیکن عالم باللہ کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ علماء کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک عالم باللہ اور ایک عالم بامر اللہ، عالم باللہ وہ ہے جو اللہ کی معرفت رکھتا ہو۔ اور عالم بامر اللہ وہ ہے جو اللہ کے احکام کا علم رکھتا ہو شیطان عالم باللہ کو گمراہ نہیں کر سکتا۔

طریقۂ اصلاح ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں علم بامر اللہ اور علم باللہ۔ علمائے ظواہر صرف علم بامر اللہ سے واقف ہیں لیکن علم باللہ سے بے بہرہ ہیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں حکمت ہے۔ یہ لوگ اس حکمت سے واقف نہیں ہیں اس لئے ان کی اصلاح کا طریقہ بالکل غلط ہے۔ یہ لوگ جب کسی کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچا دیکھتے ہیں یا کسی داڑھی منڈے کو دیکھتے ہیں تو اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے لگتے ہیں۔ اب لوگوں کے دلوں میں برائی کا مادہ تو موجود ہوتا ہی ہے جب انھیں ایک کام سے روکا جاتا ہے تو وہ دوسری برائی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں لیکن اس کے برعکس اہل اللہ کا طریقہ اصلاح یہ ہے کہ وہ قلب پر نگاہ ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ برائی کی اصل وجہ کیا ہے، جب وجہ معلوم ہو جاتی ہے تو وہ اس کو۔ سے نکال کر اس کی جگہ نیکی کا بیج بو دیتے ہیں، بیج اُگتا ہے پودا بنتا ہے، بڑھتے بڑھتے درخت بن جاتا ہے پھولتا پھلتا ہے لیکن

دُوسروں کو اس کا علم تک نہیں ہوتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ گناہ جس کا نتیجہ قربِ الٰہی ہو اس نیکی سے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث بنے۔ بات یہ ہے کہ یہ لوگ صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں باطن سے بے خبر ہوتے ہیں اس لئے اُن کا طریقۂ اصلاح بالکل ناقص ثابت ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک عورت اپنے لڑکے کو کسی بزرگ کے پاس لے گئی اور عرض کیا کہ میرا لڑکا مٹھائی بہت کھاتا ہے۔ مہربانی فرما کر اس کی یہ عادت چھڑوا دیجئے۔ انھوں نے فرمایا ایک ہفتہ کے بعد آنا۔ چنانچہ وہ اسے ایک ہفتہ کے بعد پھر لے گئی۔ انھوں نے لڑکے سے فرمایا، بھائی مٹھائی نہ کھایا کرو۔ اس روز سے لڑکے نے مٹھائی کھانی چھوڑ دی۔ لوگوں نے عرض کیا حضور اسی روز فرما دیا ہوتا کہ مٹھائی نہ کھایا کرو۔ آپ نے فرمایا کہ میں خود مٹھائی کھانے کا عادی تھا ایک ہفتہ تک میں نے خود پرہیز کیا۔ اس کے بعد نصیحت کی۔



علماء اور صوفیا میں فرق ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کسی بزرگ کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ بعض مسائل میں درویشوں اور مولوی صاحبان کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ درویش کچھ کہتے ہیں اور مولوی صاحبان کچھ کہتے ہیں۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس کی بات مانوں۔ ان بزرگ نے فرمایا۔ خیر تم فکر نہ کرو انشاء اللہ تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔ پہلے ایک کام تو کرو۔ ایک مسئلہ ہے وہ فلاں مولوی صاحب کے پاس لے جاؤ اور اُس کا جواب دریافت کرو۔ وہ گیا اور جواب حاصل کر کے واپس آگیا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اب یہ فلاں مولوی صاحب کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو کہ فلاں مولوی صاحب نے اس مسئلہ کا یہ جواب دیا ہے آپ

کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ چنانچہ وہ شخص دوسرے مولوی صاحب کے پاس گیا اور ہدایت کے مطابق بیان کیا، مولوی صاحب خفا ہو گئے۔ بگڑ کر کہنے لگے۔ وہ تو بالکل جاہل اور فاسق وفاجر آدمی ہے، اُس کے پاس کیوں گئے؟ اسے شرعی مسائل سے کیا نسبت؟ اس مسئلہ کا جواب تو یہ ہے۔ چنانچہ یہ دوسرا جواب بھی لیکر ان بزرگ کے پاس آیا۔ اب انھوں نے ایک تیسرے مولوی صاحب کے پاس بھیجا۔ انھوں نے کہا تم بھی عجیب آدمی ہو ایسے لوگوں کے پاس گئے جو کہ بالکل کورے ہیں۔ بھلا علمی مسائل سے ان لوگوں کو کیا تعلق؟ اس مسئلہ کا حقیقی جواب یہ ہے۔ وہ جواب لے کر ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے کہا اچھا اب تم فلاں خانقاہ میں جاؤ، وہاں جو درویش ہیں اُن سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرو اور جو کچھ وہ فرمائیں اس پر عمل کرو۔ چنانچہ وہ وہاں گیا اور ان درویش سے دعا کی درخواست کی۔ انھوں نے کہا ارے بھائی میں کیا چیز ہوں، میں تو ایک گنہگار آدمی ہوں، تم فلاں جگہ جاؤ اور فلاں درویش سے اپنے حق میں دعا کراؤ۔ وہ مستجاب الدعوات ہیں۔ وہ شخص اُن کے پاس گیا اور دُعا کے لئے عرض کیا۔ انھوں نے فرمایا۔ بھائی میں تو ایک ذرّہ ناچیز ہوں، آپ فلاں درویش کے پاس جائیں وہ بہت مقبول بندے ہیں۔ اُن سے عرض کریں، اس شخص نے کہا۔ صاحب اُنہی نے تو مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، ان درویش نے کہا، وہ کسر نفسی فرما رہے ہیں وہ بہت بڑے بزرگ ہیں۔ میں تو اُن کے جُوتے کی خاک کے برابر بھی نہیں ہوں، اب وہ شخص ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سارا ماجرا بیان کر دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ تم نے مولوی صاحبان کو بھی دیکھ لیا اور درویشوں کو بھی دیکھ لیا۔ اب تمہاری مرضی ہے جس کا چاہو کہا مانو۔

حصول علم کے تین ذرائع

ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حصول علم کے تین ذرائع بیان کئے

ہیں۔ عقل، نقل اور کشف لیکن آج کل اکثر علماء عقل اور کشف سے بے بہرہ ہیں۔ صرف نقل سے کام لیتے ہیں۔

نماز بلا وضو

ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ آگرہ میں ایک یورپ زدہ نوجوان یہ سن کر کہ ہم نے علی گڑھ میں تعلیم پائی ہے ہم سے ملنے آئے، مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ نماز کا تذکرہ آیا، کہنے لگے "اسلام میں نماز واقعی بڑی اچھی چیز ہے، میں اسے پسند کرتا ہوں مگر یہ وضو کا بڑا جھنجھٹ ہے۔ کف اور کالر کا تو ستیا ناس ہو جاتا ہے۔ بھئی سچ تو یہ ہے کہ وضو کی قید سے جی گھبراتا ہے۔" ہم نے کہا اچھا تو تم بلا وضو نماز پڑھ لیا کرو۔ اس پر وہ کچھ بحث کرنے لگے۔ ہم نے کہا اس کا عذاب ہماری گردن پر تم شروع تو کر دو۔ غرضیکہ ہم نے اُن سے بے وضو نماز پڑھنے کا وعدہ لے لیا اور وہ چلے گئے۔ اتفاق سے اس وقت ایک مولوی صاحب بھی تشریف فرما تھے، وہ ہماری گفتگو سن کر اندر ہی اندر کھول رہے تھے، لیکن لب کشائی کی ہمت نہیں پڑتی تھی اس لئے کہ وہ صاحب ایک اعلیٰ سرکاری افسر تھے۔ ان صاحب کے جاتے ہی مولوی صاحب ہم سے اُلجھ گئے کہنے لگے کہ واہ صاحب! اب تو آپ لوگ شارع کے حکم میں بھی اپنی مرضی چلانے لگے۔ دین میں رخنہ ڈالنا شروع کر دیا۔ ہم نے کہا مولوی صاحب آپ نے بڑا اکرم لیا جو اس وقت نہیں بولے۔ میں اس کا جواب انشاء اللہ چند دنوں کے بعد آپ کو دوں گا۔ غرضیکہ کوئی پندرہ دن کے بعد وہ صاحب پھر آئے حسنِ اتفاق کہ اس دن بھی مولوی صاحب ہمارے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے ان سے پوچھا، کہیئے کیا حال ہے؟ نماز شروع کی یا نہیں؟ کہنے لگے شکر ہے اور آپ کی اطلاع کے لئے یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ اب میں باوضو نماز پڑھ لیتا ہوں۔ ہم نے کہا کیوں کیا اب کف کالر خراب نہیں ہوتے؟ انھوں نے مُسکراتے ہوئے کہا کہ واقعی نہیں ہوتے اس لئے کہ صبح جب غسل کرتا ہوں تو اسکے ساتھ ہی وضو بھی کر لیتا ہوں،

اس میں کیا ہے ذرا FORMALITY (مخصوص طریقہ) برت لیتا ہوں، وضو ہوجاتا ہے، وہی وضو ظہر تک بلکہ عصر تک قائم رہتا ہے ہم لوگوں کی عادت ہے کہ دفتر سے چھوٹنے کے بعد ہاتھ منہ دھوکر کپڑے تبدیل کئے، چائے پی اور تفریح کو نکل گئے۔ اس وقت بھی FORMALITY سے ہاتھ منہ دھولیتا ہوں اور اسی وضو سے مغرب اور عشاء پڑھ لیتا ہوں اور مجھے کوئی دقت نہیں ہوتی۔ یہی واقعہ حضرت اقدسؒ سے مولوی محمد حسین برنے نے بھی سنا تھا اور حضرتؒ سے عرض کیا تھا کہ اگر ان میں یہ تبدیلی نہ ہوتی اور اسی طرح بلا وضو پڑھا کرتے تو پھر معاملہ نازک ہوجاتا۔ اس پر حضرتؒ مسکرائے اور فرمایا کہ ہم نے تو متوجہ الی اللہ ہوکر ان سے کہا تھا اور پچھلے پہر اپنے خاص مشاغل کے وقت خاص طور سے عرض کیا تھا کہ باری تعالیٰ آپ کے دروازے تک اسے لے آیا ہوں اب ہدایت بھی فرما دیجئے خوب گڑگڑا کر عرض کیا تھا۔ انھوں نے قبول فرمالیا۔

دھرم تو آپ کا بڑا پکا پر اپنے بوتے کا نہیں

اس کے بعد فرمایا کہ اکثر مولوی صاحبان سخت گیر ہوتے ہیں اور اسی سے کام بگڑتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک ہندو دیہاتی مسلمان ہونا چاہتا تھا۔ گاؤں کے مسلمانوں نے اس سے کہا کہ فلاں قصبہ میں جاؤ اور وہاں کی بڑی مسجد کے مولوی صاحب سے کہو وہ تمہیں مسلمان کرلیں گے۔ بیچارے نے پچھلی رات کو اٹھ کر روٹی پکائی اور صبح صادق سے پہلے ہی روانہ ہوگیا اور دس گیارہ بجے اس قصبے میں پہنچ گیا۔ ارادہ کیا کہ کہیں بیٹھ کر روٹی کھالے مگر پھر سوچا کہ جس کام کے لئے آئے ہیں پہلے اس سے نمٹ لیں۔ لوگوں سے پوچھا کہ بڑی مسجد کے مولانا صاحب کہاں رہتے ہیں۔ مجھے مسلمان ہونا ہے، لوگ اسے لے گئے۔ مولوی صاحب کو اطلاع دی گئی، مولوی

صاحب نے فرمایا، جلدی بلالو اس کام میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔ مولوی صاحب نے دیہاتی کو کلمہ پڑھوایا اور حکم دیا کہ دیکھو اب تم مسلمان ہو چکے ہو، یہ رمضان کا مہینہ ہے، اب شام تک کچھ کھانا پینا نہیں اور ایک شخص کو متعین کر دیا اور کہا کہ اسے اپنے ساتھ رکھو اور وضو اور نماز کا طریقہ سکھاؤ۔ غرضیکہ مغرب تک بیچارہ بھوکا رہا۔ مغرب کے وقت افطار کیا۔ بعد نماز کھانا کھایا ہی تھا کہ عشاء کی اذان ہوگئی، عشاء کی نماز میں شریک ہوا۔ اس کے بعد جماعت کے ساتھ نماز تراویح پڑھی۔ تراویح کے بعد وتر پڑھے چونکہ تھک کر چور ہو چکا تھا نیند کا سخت غلبہ ہوا اور بے خبر سو گیا۔ سحری کے وقت پھر اٹھایا گیا۔ سحری کھائی اور کہا گیا کہ چلو اب صبح کی نماز پڑھی جائے گی، اس نے پوچھا بڑے مولوی صاحب کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ بس اب آتے ہی ہوں گے اس نے کہا آپ لوگ چلئے میں ابھی آیا، یہ کہہ کر وہ مسجد کے دروازے پر مولوی صاحب کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی مولوی صاحب نماز پڑھانے گھر سے تشریف لائے دیہاتی ہاتھ جوڑ کر سامنے آیا اور کہنے لگا "مولبی صاحب دھرم تو آپ کا بڑا پکا، بڑا سچا پر اپنے بوتے کا نہیں، آپ رکھ لیں اسے اور مجھے ما پھی دیں" یہ کہہ کر چل دیا۔

دیکھا تم نے سخت گیری کا نتیجہ کیا نکلا؟

جذبۂ جہاد ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ دو بھائی تھے جن میں سے ایک تو جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو گیا۔ دوسرے نے والد کو اس کی اطلاع بھیجی اور اجازت طلب کی کہ مجھے بھی جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دیجئے میں بھی جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو جاؤں۔ والد نے جواب بھیجا کہ میں تو اس انتظار میں تھا کہ تمہارے شہید ہونے کی کب خبر آتی ہے اور تم ابھی اجازت مانگ رہے ہو۔ تم نے مجھے لوگوں کے سامنے رسوا کر دیا۔

جناح ایسی غلطی نہیں کریں گے۔

ایک دفعہ فرقہ وارانہ فسادات کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو موت سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔مسلمان کی موت موت نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ اگر مسلمان اللہ کی راہ میں سر کٹانے کے لئے تیار ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس کے بعد فرمایا کہ انگریز اب جس قدر مسلمانوں سے خائف ہیں ہندوؤں سے نہیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں کو کچلنا چاہتے ہیں لیکن اس سے مسلمانوں کا جوش زیادہ بڑھے گا کم نہیں ہوگا۔اُن کے مطالبات انگریزوں نے نہ ملنے تو وہ قابو سے باہر ہو جائیں گے۔ اگر جناح نے کہیں انگریزوں کی بات مان لی تو وہ لوگ اب جناح کی بھی پروا نہیں کریں گے لیکن ہمیں اُمید ہے کہ جناح ایسی غلطی نہیں کریں گے۔

کلید نجات

مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ بس خدا کے لئے سر کٹانے کے لئے تیار ہو جائیں۔حکومت اور دنیا کی پروا نہ کریں اور یہ صرف دو منٹ کا کام ہے، اپنے دل میں صحیح جذبہ پیدا کر لیں کہ اللہ کی راہ میں سر دیدیں گے، اس کے بعد اللہ اپنا کام کرے گا۔فرمایا یہ واقعہ ہے کہ بمبئی کے قلابہ ڈسٹرکٹ میں ایک گاؤں کے اندر گنتی کے چند مسلمان رہتے تھے، اس گاؤں پر تقریباً دس ہزار مسلح ہندو حملہ کرنے آئے۔مسلمانوں نے دیکھا اب مرنا تو ہے ہی کیوں نہ بہادری سے شہادت کی موت مریں۔سینہ میں گولی کھانے کی بجائے پشت پر گولی کیوں کھائیں۔بس وہ باہر نکلے اور اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے ہندوؤں پر ٹوٹ پڑے۔ اللہ نے ان کی مدد کی اور ہندوؤں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بعد میں جب لوگوں نے ملامت کی اور کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم دس ہزار تھے اور وہ گنتی کے چند، ان کا مقابلہ نہیں کر سکے تو انھوں

نے کہا، ہمیں معلوم نہیں۔ وہ تو ہم سے کئی گنا زیادہ تھے ان لوگوں نے خفیہ طور پر انتظام کر رکھا تھا اس کے بعد فرمایا یہ اللہ کا کام ہے وہ فرشتوں کے ذریعہ اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے۔

جنگ بدر جنگ بدر میں صرف تین سو تیرہ مسلمان تھے اور کفار کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی لیکن چونکہ ان میں ایمان تھا اللہ تعالیٰ نے اُن کی امداد کے لئے فرشتے بھیجے۔ فرشتوں کے علاوہ شہداء بھی زندوں کے لباس میں آکر مدد کرتے ہیں۔

حیات ابدی اس کے بعد فرمایا کہ ایک مولوی صاحب سے ہم نے ایک دفعہ دریافت کیا وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اُن کو مردہ مت خیال کرو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے مقرب ہیں انھیں رزق بھی ملتا ہے) کے کیا معنیٰ ہیں کیونکہ ویسے تو ہر شخص مرنے کے بعد زندہ ہوتا ہے، کفار بھی زندہ ہوتے ہیں، اگر زندہ نہ ہوں تو ثواب وعذاب کچھ معنیٰ نہیں رکھتا، انھوں نے جواب دیا کہ عذاب کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے وہ تو موت سے بدتر ہے۔ ہم نے کہا یہ بات نہیں ہے، یہاں تو صرف موت وحیات سے بحث ہے، یہ بحث نہیں کہ اُن کی زندگی کس قسم کی گذرے گی۔ ایک اور جگہ قرآن کہتا ہے کہ اُن کو مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں لیکن تم کو اُن کی زندگی کا شعور نہیں۔ وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ اگر وہ زندہ ہیں تو کفار بھی تو زندہ ہیں۔ پھر شہیدوں میں کیا خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اوروں کے مقابلہ میں زندہ قرار دیا ہے۔ ہم نے کہا اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ شہداء تمہاری طرح اس دنیا میں متصرف ہیں جس طرح تم اس دنیا میں کام کر سکتے ہو، چل پھر سکتے ہو وہ بھی

م کر سکتے ہیں اور چل پھر سکتے ہیں، لیکن تم کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔ اسی ح شہداء کی موجودگی کا بھی تم کو شعور نہیں۔ اس آیت کے بجز ان معنی کے رکوئی معنی ہو ہی نہیں سکتے اس کے برعکس باقی مرنے والے یہ طاقت نہیں رکھتے ہ تم سے گئے اور تم اُن سے گئے۔ نہ تم کو اُن کا علم ہے نہ اُن کو تمہارا علم ہے، یکن شہداء جب چاہیں تمہارے کاموں میں متصرف ہو سکتے ہیں۔ یہ ہیں اس آیت کے معنیٰ۔ اس کے علاوہ یہ کسی اور معنی کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی۔ اور معنی نکالنے کی کوشش کی تو قسم قسم کی الجھنوں میں پھنس جاؤ گے۔ فرمایا، بس جو اللہ کی راہ میں سر کٹائے وہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ یہ زندگی تو ضرور ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی، انسان ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔ اگر پانچ سو سال کی زندگی پائے تو بھی مرنا ضروری ہے۔ پھر کیوں نہ ایسا کام کرے جس سے حیاتِ ابدی نصیب ہو۔

علم و شعور کا فرق

مدینہ طیبہ میں یکم ذیقعدہ الحرام ۱۳۷۰ھ (جولائی ۱۹۵۱ء) کے دن شہداء کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (شہداء کو مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو شعور نہیں ہے) اور ارشاد فرمایا کہ عِلم اور شعور میں فرق ہے۔ علم غائب چیز کے متعلق ہوتا ہے اور شعور حاضر کے متعلق۔ لَا تَشْعُرُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں، تمہارے ساتھ ہیں، لیکن تم اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ لَا تَشْعُرُوْنَ میں تم سے کون مراد ہیں؟ یہ سوال احقر نے اس لئے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو حیاتِ شہداء کا شعور تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا کہ تم کو اس کا شعور نہیں ہے۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ تم سے وہی لوگ مراد ہیں جو شہداء کو مردہ کہتے ہیں۔

نیک خاتون کا خواب

(مئی ۱۹۴۷ء ایامِ عُرس خواجہ غریب نواز رح ذوقی منزل اجمیر شریف قُل کا دن تھا۔

حضرت اقدسؒ مکان کے اس حصّہ میں تشریف لے آئے جہاں سب مریدین ٹھہرائے گئے تھے۔ دریافت فرمایا، خان زادہ کہاں ہیں؟ خانزادہ عبدالکریم جب سامنے آئے تو فرمایا تمہاری پھوپھی کے خواب کی تعبیر کیا ہے؟ پھر مجمع کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ اِن کی پھوپھی نے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ سو مجاہدین ہمارے ساتھ ہیں ان کو کھانا کھلا دو، وہ کہتی ہیں کہ میں بے انتہا خوش ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کو میں نے چھُوا۔ آپ کے قدم مبارک نہایت سفید اور ریشم سے بھی زیادہ نرم تھے۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور اپنی پیشانی آپ کے قدموں پر رکھ دی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم یہ دیکھ کر مسکراتے رہے اور منع نہیں فرمایا۔ صبح کی اذان پر میں بیدار ہوئی اور نماز کے بعد ایک سو آدمیوں کا کھانا پکواکر مسکینوں کو کھلا دیا اس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ہندوستان کے مُسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ ہندوستان کا معاملہ ایسا اہم ہے کہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم خود مجاہدین کا لشکر لے کر تشریف لائے ہیں۔ اور جس کے ساتھ حضورؐ ہوں۔ اس کی فتح ہی فتح ہے۔ اس میں دوسرا اشارہ یہ ہے کہ جو لوگ عملاً شامل نہیں ہو سکتے اُن کو چاہیئے کہ وہ مالی امداد کریں اور مجاہدین کی خدمت کریں۔ فرمایا کہ اس خواب میں آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمارے سلسلے کی بھی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کیونکہ آپ ہمارے سلسلے کے ایک فرد کے یہاں تشریف لائے۔

جہاد و سلوک

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ شہادت سے بڑھ کر کوئی موت نہیں ہے اور شہادت کی موت میں

بے حد لذت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ شہداء سے فرمائے گا کہ مانگو جو مانگنا چاہتے ہیں تو وہ عرض کریں گے کہ ہمیں دوبارہ آپ کے راستے میں شہید ہونے کا موقعہ دیا جائے اس کے بعد فرمایا کہ جب آدمی میدان جنگ میں جاتا ہے تو اُس کا سلوک پانچ منٹ میں طے ہو جاتا ہے۔ سلوک طے کرنے کے لئے جہاد بہترین ذریعہ ہے۔ اس سے کل مراحل خود بخود طے ہو جاتے ہیں فرمایا۔ فنائیت کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی اللہ کے راستے میں اپنا سر کٹا دے۔

بہار کے شہداء سے مسلمانوں کو فائدہ

اس کے بعد فرمایا کہ بہار کے مسلمانوں کی شہادت سے ملک بھر کے مُسلمانوں کو فائدہ پہنچا ہے۔ ایک ایک مسلمان کی جان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز ہے۔ ہندوؤں نے ہزاروں مسلمانوں کو شہید کر دیا ہے۔ اب اس کا خوب مزہ چکھیں گے۔ اس کے بدلے اُن کو تمام ہندوستان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ ظفر عابد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم لوگ فکر نہ کرو۔ آخر کار اِسلامی پرچم تمہاری ریاست (گنگٹھ) میں بھی لہرائے گا۔ (ظفر عابد صاحب دھولیہ کے قریب ریاست گنگٹھ کے دیوان یعنی وزیر تھے اور حضرتِ اقدسؒ کے مرید تھے۔ حضرتِ اقدسؒ دھولیہ تشریف لے گئے تھے اور دو چھوٹی ریاستوں کے راجاؤں نے مُسلمان ہو کر حضرتِ اقدسؒ کی بیعت کا شرف بھی حاصل کیا، جن میں سے ایک کا نام گلاب سنگھ تھا۔ حضرتؒ نے نام بدل کر گلاب شاہ رکھا۔ اُن کے ساتھ اُن کا پورا خاندان مرید ہُوا۔ جن کی تعداد کوئی پانچ سو کے قریب تھی۔)

سیاست مذہب کا جزء ہے

اس کے بعد جہاد سے متعلق احقر کے ایک سوال پر حضرتِ اقدسؒ

نے ارشاد فرمایا کہ دراصل جہاد کے لئے کسی تیاری کی ضرورت نہیں صرف ایمان کی ضرورت ہے۔ تمام انتظامات خود بخود غیب سے ہو جائیں گے بس اتنا کافی ہے کہ اللہ کے لئے سر کٹانے کا صحیح جذبہ ہر ایک کے دل میں پیدا ہو جائے اور جذبہ پیدا کرنا علماء اور مشائخ کا فرض ہے لیکن وہ اپنا کام نہیں کر رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا سیاست سے کوئی تعلق نہیں، حالانکہ مذہب اور سیاست جدا نہیں ہو سکتے۔ نماز کے لئے وضو کی ضرورت ہے اور وضو کے لئے پانی کی۔ اور پانی کے لئے واٹر ورکس کی ضرورت ہے۔ حج کے لئے سفر اور سفر کے لئے امن راہ کی ضرورت ہے۔ اب یہ سیاست نہیں تو اور کیا ہے، کس قدر شرم کی بات ہے کہ ہم فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے جائیں اور دشمنانِ اسلام سے کہیں کہ تم ہمارے لئے امن راہ اور جہازوں کا انتظام کرو۔

انگریزوں کا خاتمہ

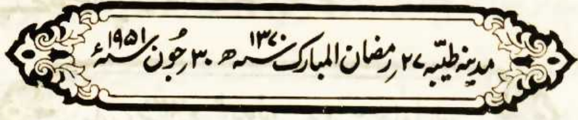
ایک موقعہ پر حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ دین کو دنیا سے الگ سمجھتے ہیں، حالانکہ دین اور دنیا یعنی مذہب اور سیاست الگ نہیں کئے جا سکتے۔ ارشاد فرمایا کہ انگریز بھی عجب چال چلے ہیں، ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے لیکن اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ اپنی چالبازیوں سے وہ خود نقصان اٹھاتے ہیں۔ جس شخص کو جس فن میں کمال ہوتا ہے۔ زیادہ تر اس کی موت اسی میں ہوتی ہے سانپوں کو پکڑنے والا اکثر سانپ کے کاٹے سے مرتا ہے۔ شیر کا شکاری بیشتر شکار کرتے کرتے ایک دن خود شیر کا شکار ہو جاتا ہے۔ تیراک کی موت عموماً پانی ہی میں ہوتی ہے۔ انگریزوں کو اپنی DIPLOMACY (سیاستدانی) پر ناز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ WHERE BRITISH ARMS FAIL, BRITISH DIPLOMACY SUCCEEDS یعنی جہاں ہماری

فوجیں ناکام ہوتی ہیں۔ ہماری چال کامیاب ہو جاتی ہے چنانچہ ان کا خاتمہ بھی اسی ڈپلومیسی میں ہوگا۔

شہید کی تمنا

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا کہ جب انسان اللہ کی راہ میں سر کٹاتا ہے تو فرشتے اس کو سیدھا اللہ کے پاس لے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے کہتا ہے کہ مانگ جو کچھ مانگتا ہے۔ وہ عرض کرتا ہے کہ میری استدعا یہ ہے کہ ایک مرتبہ پھر دنیا میں جاؤں اور تیری راہ میں سر کٹاؤں۔ شہادت کی موت میں اس قدر لذت ہے کہ شہید خواہش کرتا ہے کہ بار بار دنیا میں جا کر اللہ کی راہ میں سر کٹائے۔ اس کے برعکس دوسری ہر قسم کی موت میں تکلیف ہے خواہ کتنا ہی بڑا بزرگ ہو سکرات الموت کسی کو نہیں چھوڑتی، صرف شہادت ہی ایک ایسی موت ہے جس میں بے حد لذت ہے اور پھر مرنا کہاں۔ وہ مرتے ہی زندہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شہید زندہ ہیں مگر تم کو اس امر کا شعور نہیں ہے۔ سردار ابراہیم جب کراچی آئے تو انھوں نے تقریر کے دوران بیان کیا کہ ایک دفعہ کشمیر کی لڑائی میں چند گورکھا سپاہی گرفتار کئے گئے۔ قاعدہ ہے کہ جنگی قیدیوں سے سوالات کئے جاتے ہیں۔ اس سوال وجواب کے اثنا میں ان گورکھوں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ ہم آپ سے نہیں ڈرتے لیکن آپ کے ساتھ جو سبز پوش ہوتے ہیں ان سے ہم بہت ڈرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جن پر ہماری گولی بھی اثر نہیں کرتی، دوسری بات جو ہم نے دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ جب تمہارے آدمی مرتے ہیں تو وہ فوراً زندہ ہو کر از سر نو لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ فرمایا یہ وہی شہید ہیں جو مرتے نہیں ہیں، چونکہ پٹھانوں میں ایمان ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد شہداء کے ذریعہ فرمائی، جن لوگوں کے دل ودماغ پر انگریزی تہذیب وتمدن مسلّط ہے، وہ ان باتوں کا یقین نہیں کرتے۔ اور

نہ ان کو اس قسم کی امداد ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔



جہاد میں للٰہیت

جہاد کا ذکر ہو رہا تھا حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ جہاد کے لئے پہلے ہی سے تیار رہنا چاہیئے۔ بھوک اور پیاس برداشت کرنیکی عادت ڈالنی چاہیئے ورنہ جب وقت آئے گا تو گھر بھاگ جاؤ گے اور جہاد سے بھاگ جانے والے کے لئے دوزخ ہے کیونکہ بھگوڑے کی توبہ قبول نہیں ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہاد میں نیّت بھی خالص ہونی چاہیئے یہ کہنا کہ ہمارا ملک ہے، ہماری قوم ہے۔ یہ بھی نفسانیت کی خاطر جہاد کرنا ہے۔ اس "ہم" کو دل سے نکال دینا چاہیئے اور خالص للٰہیت پیدا کرنی چاہیئے، جیسے بعض لوگ فقہ حنفی کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ اُن کے باپ دادا اسی روش پر تھے اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اپنے بزرگوں کی روش کو سراہتے ہیں نہ کہ فقہ حنفی کو، اس کے بعد فرمایا کہ سخت کوشی کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ جب حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ (بریلوی) نے سِکھوّں کے خلاف جہاد کرنے کا اعلان کیا تو سِکھوّں نے یہ تجویز کی کہ دو نوجوان سکھوّں کو دہلی بھیج کر شاہ اسماعیلؒ کو قتل کرا دیا جائے۔ چنانچہ دو سکھ نوجوان گئے اور ان کے مکان کا پتہ لگا کر وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا دوپہر کا وقت ہے وہ جامع مسجد میں ہونگے جب سکھ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ نہایت گرم فرش پر اطمینان سے ٹہل رہے ہیں۔ آپ دراصل اپنے آپ کو جہاد کے لئے تیار کر رہے تھے، فرش اتنا گرم تھا کہ وہ نوجوان تھوڑی دیر کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتے

تھے۔ آپ کا یہ رنگ دیکھ کر اور کچھ آپ کے چہرہ اور شخصیت سے متاثر ہو کر آپ کے قدموں پر گر پڑے اور مسلمان ہو گئے۔

مارچ ۱۹۴۸ء ۔ ڈیرہ نواب ریاست بہاول پور

ہمّتِ مرداں مددِ خدا

نصر اللہ خان سپرنٹنڈنٹ دفتر جنرل آفیسر کمانڈنگ حاضرِ خدمت ہوئے۔ رات کا وقت تھا۔ ریڈیو سے خبریں نشر ہو رہی تھیں۔ خبروں میں یہ ذکر بھی تھا کہ اقلیتوں کے تحفّظ کے لئے پاکستان اور بھارت کے درمیان معاہدہ ہو گیا۔ خبروں کے اختتام پر نصر اللہ خان نے کہا الحمد للہ اقلیتوں کے تحفظ کے لئے معاہدہ تو ہو گیا۔ حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا۔ اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس سے قبل کئی معاہدے ہو چکے ہیں جن پر بھارت نے عمل نہیں کیا پاکستان والے بے چارے معاہدوں پر پوری طرح عمل کرتے ہیں لیکن بھارت والے معاہدے کرتے جاتے ہیں اور توڑتے جاتے ہیں۔ فرمایا بھارت کے رستے کے جتنے ہوائی جہاز کراچی میں تھے سب کے سب اُن کو دے دیئے گئے۔ لیکن پاکستان کے حصّہ کا جنگی اسلحہ انھوں نے ابتک نہیں دیا۔ ان معاہدوں سے کچھ نہیں بنے گا۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں، نہ کسی سے ڈریں اور نہ کسی کو خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ ہندو بہت ہی ذلیل قوم ہے یہ ہرگز نرم برتاؤ کے قابل نہیں، ان کے سامنے سخت ہو جانا چاہیئے، یہ قوم ایسی ہے کہ اگر اسے دبا دیا جائے تو دب جاتی ہے۔ مقابلہ کی اس میں ہمّت ہی نہیں ہے لیکن کوئی ان سے ڈر جائے تو پھر اس پر سوار ہو جاتے ہیں یہ جو اس قدر کشت و خون ہوا ہے اگر مسلمان اپنے ہتھیار ہندوؤں کے حوالے نہ کرتے اور ڈٹ کر مقابلہ کرتے تو یہ لوگ فوراً اپنا رویّہ بدل دیتے اور اس وسیع پیمانے پر کشت و خون کی

نوبت نہ آتی۔ ہتھیاروں کو دشمن کے حوالے کر دینے پر تو یقینی موت تھی۔ اگر مرنا ہی ہے تو کیوں نہ بہتوں کو مار کر مریں۔ تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سامنے کوئی ہے۔ فرمایا، سچے مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ ہمیشہ مدد فرماتا ہے۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی امداد کے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے تھے۔ یہاں بھی ایسے بہت سے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ مولانا شبیّر احمد عثمانی نے ایک دفعہ فرمایا کہ ہمارے ایک دوست ہیں جو باعمل عالم ہیں اور جھوٹ بولنے والے نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ بھارت کے ایک گاؤں میں عورتوں، بچّوں اور بوڑھوں کے علاوہ پینتیس آدمی ایسے تھے جو لڑنے کے قابل تھے، ایک دفعہ دو ہزار ہندوؤں نے اُن پر حملہ کر دیا۔ مُسلمانوں کے پاس پندرہ بندوقیں تھیں، بندوقیں لے کر وہ گاؤں سے باہر نکلے اور درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھ گئے۔ ہندوؤں نے بڑے زور کا حملہ کر دیا۔ مُسلمان ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو مارے گئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے، جب مُسلمان اپنی پوزیشن چھوڑ کر گھر واپس ہوئے تو ہندوؤں نے دوبارہ حملہ کر دیا۔ مُسلمان پھر ڈٹ گئے اور خوب جم کر مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں بھی ہندوؤں کے بہت سے آدمی کام آئے ان کا سردار بھی مارا گیا۔ یہ دیکھ کر کچھ ایسی ہیبت ان لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی کہ ان کے پیر اکھڑ گئے۔ اور سب بھاگ گئے۔ جب اپنے اپنے گھروں میں پہنچے تو لوگوں نے کہا۔ تمہیں شرم نہیں آتی، صرف تیس پینتیس آدمیوں کے مقابلہ میں تم دو ہزار آدمی ٹک نہ سکے، انھوں نے جواب دیا کہ تیس پینتیس کہاں، وہ تو کوئی دو لاکھ ہوں گے۔ سارا میدان اُن لوگوں سے پُر تھا۔ ایسی صورت میں ہم کیا کر سکتے تھے، فرمایا اس قسم کے اور واقعات بھی بہت سے ہیں اس کے بعد بمبئی کے ضلع قلابہ کے واقعہ کا ذِکر فرمایا (جو ملفوظات میں بعنوان کلیدِ نجات درج ہے)۔

اس کے بعد فرمایا کہ وہی اللہ اب بھی موجود ہے، اب بھی وہی امداد مل سکتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ پہلے حقیقی مسلمان بنیں پھر دیکھیں تمام دنیا ان سے خوف کھائے گی۔ دس کروڑ تو بڑی چیز ہے اگر دس لاکھ بھی پکّے مسلمان پیدا ہوجائیں تو دنیا بھر میں ان کی دھاک بیٹھ جائے گی۔

اس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ مسلمان کی جان اللہ اور اس کے رسول ؐ کو بہت عزیز ہے۔ مسلمان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ضرور انتقام لے گا۔

قلّتِ تعداد پر شکر

ایک دفعہ بھارت اور پاکستان کی متوقع جنگ کا ذکر ہورہا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ ان کو اپنی تعداد پر ناز ہے اور ہم کو اپنے اللہ پر بھروسہ ہے اور شکر ہے کہ ہم تعداد میں اُن سے کم ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ یعنی بارہا ایسا ہوا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی۔ اگر ہماری تعداد ان سے زیادہ ہوتی تو پھر خوف کا مقام تھا۔ ہماری تعداد اور ان کی تعداد میں وہی نسبت ہے جو غزوۂ بدر میں اسلامی فوج اور کفّار کی فوج میں تھی لیکن دیکھ لو ہمارے تین سو تیرہ مجاہدین نے کفار کے ایک ہزار سپاہیوں کو شکست فاش دی۔ ہمیں اب بھی تین سو تیرہ مجاہدین کی ضرورت ہے، اگر صحیح معنوں میں اتنے مجاہدین مل جائیں تو ہم پوری دنیا کو فتح کرسکتے ہیں۔ ہمیں کسی سازوسامان کی ضرورت نہیں۔ صرف قوتِ ایمان کی ضرورت ہے۔ ایمان ہے تو سب کچھ ہے۔ اگر ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں اور قوتِ ایمان حاصل کرنے میں پانچ منٹ لگتے ہیں، صرف نقطۂ نگاہ بدلنے کی ضرورت ہے اور انشاءاللہ عین وقت پر یہ بات اوپر سے برسے گی۔

اس کے بعد فرمایا کہ شہادت کی موت میں اس قدر لذّت ہے کہ اتنی

لذّت کسی اور موت میں نہیں اور بھگوڑے کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہر گنہ گار کی توبہ قبول فرماتا ہے، لیکن میدان جہاد میں پیٹھ دکھانے والے کی توبہ قبول نہیں فرماتا۔ قرآن شریف میں صرف دو موقعوں پر پیچھے ہٹنے کی اجازت ہے، فوجی پینترا بدلنے کی خاطر یا اپنے لشکر میں ملنے کی خاطر۔ اس کے علاوہ کسی حالت میں پیچھے ہٹنے کی اجازت نہیں۔ پیٹھ میں گولی کھانے والا حرام موت مرتا ہے۔ مرد کا کام یہ ہے کہ سینے میں گولی کھاکر جان دے اور شہید ہوکر ابدی زندگی حاصل کرے۔

مدینہ طیبہ

پاکستان فیضانِ نبوی سے بنا ہے

ایک موقع پر پاکستان کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی، ارشاد فرمایا کہ پاکستان بننے کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شکریہ ادا کرنے اور مبارکباد دینے جناح صاحب کے ہاں گئے اور کہا۔ کامیابی مبارک۔ آج میں بھی قائد اعظم زندہ باد کہتا ہوں۔ انھوں نے کہا۔ نہیں نہیں مولانا، میری کیا حقیقت ہے۔ میں کیا چیز ہوں۔ پاکستان تو (شہادت کی انگلی اٹھاتے ہوئے کہا) اللہ کی عنایت سے بنا ہے۔ فرمایا۔ غور کا مقام ہے۔ جناح مولانا عثمانی سے یہ کہہ رہے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ دراصل پاکستان یہاں (مدینہ منوّرہ) کے فیض سے بنا ہے۔ یہ فیضانِ نبوی ہے۔

شہادت مشکوک ہوگی

اس کے بعد جہاد کے متعلق گفتگو ہونے لگی ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ شہدائے کشمیر کے پسماندگان کے لئے پنشن وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں ہوا۔ کس قدر ناانصافی ہے۔ ہم نے کہا، یہ ٹھیک ہے کہ شہدائے کشمیر کے پسماندگان

کی امداد ہونی چاہیئے۔ لیکن یاد رکھو، اگر رڑتے وقت کسی کے دل میں یہ خیال آجائے کہ مارے گئے تو پسماندگان کو یہ یہ مراعات ملیں گی، تو اس سے شہادت مشکوک ہو جائے گی)، ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے مسلم لیگ کے لئے یہ کیا، وہ کیا، لیکن اب تک نہ مکان ملا ہے نہ کوئی چیز الاٹ ہوئی ہے ہم نے دریافت کیا۔ آپ نے یہ قربانیاں اس لئے دی تھیں کہ جب پاکستان بن جائے گا تو ہمیں بہت ساری چیزیں ملیں گی، آپ تو اپنے کئے پر پانی پھیر رہے ہیں۔ جو کچھ آپ نے کیا ہے اس کا اجر آپ کو اللہ سے ملے گا۔

مُسلمان کی کم سے کم پوزیشن

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کی کم سے کم وہ پوزیشن ہونی چاہیئے جو اس وقت انگریز کی ہے، انگریز جہاں بھی جاتا ہے بے خوف وخطر چلا جاتا ہے مسلمان کی بھی یہی پوزیشن ہونی چاہیئے، جہاں جی چاہے بے خوف وخطر چلا جائے۔ اور ہر شخص پر اس کا رعب طاری ہو۔

اسلامی ممالک کا متحدہ محاذ

ایک دفعہ کرنل شوکت علی ملک حاضر خدمت ہوئے، اس وقت حضور اقدسؒ اپنا ایک مضمون سیّد ظفر عابد اور محمد شفیع بمبئی والے کے سامنے پڑھ رہے تھے مضمون ختم ہونے کے بعد پاکستان کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ کرنل شوکت علی نے کہا کہ اس وقت پاکستان میں تین گروہ ہیں۔ ایک گروہ تو — CONSER VATIVE (قدامت پسند) ہے جو بالکل پرانی روش پر چلنا چاہتا ہے۔ دوسرا گروہ MODERNISM (نئی روشنی) کو پسند کرتا ہے اور مغرب کی ہر چیز کا حامی ہے۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو ان دونوں کے بین بین ہے۔ کچھ ادھر سے اور کچھ اُدھر سے لیکر ایک MIXTURE (چوں چوں کا مُرَبّہ) تیار کرنا چاہتا ہے۔ یہ سن کر حضرتِ اقدسؒ نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ گویا وہ کچھ پانی اور کچھ پیشاب

ملاکر ایک مکسچر بنانا چاہتا ہے کرنل شوکت علی نے کہا۔ نہیں جو اسلام کی ضروری باتیں ہیں اُن پر لازماً عمل کرنا چاہیئے۔ مثلاً داڑھی کا چھوڑنا وغیرہ۔ حضورِ اقدسؒ نے فرمایا، یہ باتیں بھی بعد کے پروگرام میں داخل کرنی چاہئیں، اس وقت تو مسلمانوں کے سامنے موت وحیات کا سوال درپیش ہے۔ دُنیا کی تمام شیطانی قوتیں مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ اس وقت صرف ایک بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ جبرالٹر سے لیکر انڈونیشیا تک تمام مسلمان ایک ہو جائیں مسلمان ممالک کی تمام فوجوں، تمام قوتوں اور تمام ذرائع کو یکجا کر کے ایک متحدہ محاذ قائم کرنا چاہیئے۔

اندرونی اصلاح

اس کے بعد فرمایا کہ جب یہ کام ہو جائے گا تو اس وقت آپ اندرونی اصلاح کر سکتے ہیں۔ جہاں تک پُرانی روش کا تعلق ہے ہم تو اسلام کے ایک DECIMAL POINT (کسر اعشاریہ) کو بھی نہیں چھوڑیں گے، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے یہ اہم کام ہو جائے۔ اس کے بعد ہم بتدریج باقی مسائل کی طرف توجہ دے سکتے ہیں۔ تدریجی عمل نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا سبق دیا ہے، مثلاً شراب کا مسئلہ لے لو۔ زمانۂ جاہلیت کے عربوں کو شراب کے ساتھ بڑی گہری نسبت تھی، راگ رنگ کی محفلیں ہوتی تھیں، بڑے اہتمام کے ساتھ شراب کے جام لنڈھائے جاتے تھے۔ اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یکلخت اس کی بندش کا حکم صادر نہیں فرمایا، بلکہ پہلے صرف اس بات پر اکتفا ہوا کہ لوگوں کو شراب کے نقصانات سے آگاہ کر دیا گیا۔ لوگوں کو شراب سے اتنی دلدادگی تھی کہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ شراب میں کوئی برائی بھی ہے۔ جب یہ آیت[1] اُتری تو لوگوں کو معلوم ہوا

---

[1] آیت یوں ہے: اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (شراب اور جوا کا گناہ ان کے فائدہ سے کہیں زیادہ ہے)

کہ شراب میں خرابیاں بھی ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد دوسرا حکم نافذ ہوا جس میں بتایا گیا کہ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى[1]۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون حکیم ہو سکتا ہے، اب دیکھ لو صبح سے عصر تک تو انسان روزی کمانے میں مصروف رہتا ہے، عصر سے نمازوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ عصر کے بعد مغرب اور مغرب کے بعد عشاء۔ اب لے دے کے صرف رات کا وقت بچتا تھا، تمام دن کے تھکے ہارے لوگ بہت کم رات کے وقت شراب نوشی کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ پھر بھی بعض لوگ رات کے وقت شراب پی لیا کرتے تھے اور اپنے احباب کو بھی بلا لیتے تھے، لیکن پہلے کی نسبت بہت فرق واقع ہو گیا۔ جب زمین ہموار ہو گئی تب جا کر فوری اور قطعی بندش کا حکم آگیا اور شراب کو حرام قرار دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس تدریجی حکم سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ فوری عمل سے نقصان ہوتا ہے۔ لوگ اس کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اس لئے قانون شکنی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت تو ہم نے پاکستان کی صرف بنیاد رکھی ہے اب اس پر عمارت تعمیر کرنی ہے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ ابھی عمارت تعمیر نہیں ہوئی اور لوگ کمروں کی تقسیم پر جھگڑنے لگے۔ اس قسم کے معاملات تو بعد میں طے ہو سکتے ہیں، پہلے عمارت تو بننے دو۔ اس سلسلے میں عوام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ بجائے اسکے کہ ہر بات حکومت سے طلب کریں۔ وہ اپنی اصلاح خود کریں۔ عوام ہی سے منتخب ہو کر لوگ حکومت میں جاتے ہیں۔ اگر عوام میں اچھے لوگ نہیں ہیں تو حکومت میں کہاں سے آئیں گے۔ اور عوام کو ہر بات میں حکومت کا دست نگر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اپنے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لینے چاہئیں۔ مثلاً عوام کو

---

[1] نماز کے قریب مت آؤ جس وقت تم نشے میں ہو

چاہیئے کہ تنظیمِ مساجد، تنظیمِ زکواۃ اور تنظیمِ اوقاف و خیرات کر کے اس کو اعلیٰ سطح پر لے آئیں۔ اس میں اگر حکومت اپنی ٹانگ اڑانا چاہے تو سختی سے اس کی مخالفت کریں کہ ہمارے DOMESTIC-AFFAIRS (خانگی معاملات) میں دخل مت دو۔ POOR HOUSES (غریب خانے) کھولنے چاہئیں۔ اندھے، اپاہج اور معذور آدمیوں کی رہائش کا بندوبست کرنا چاہیئے جو کام کے قابل ہوں ان کو کام پر لگایا جائے۔ صرف قربانی کی کھالوں کو جمع کر کے بڑے بڑے کام کر سکتے ہیں، پاکستان میں اس وقت ساڑھے سات کروڑ مسلمان ہیں جن میں سے لاکھوں مسلمان قربانی کرتے ہیں، لاکھوں روپیہ محض قربانی کی کھالیں بیچ کر اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ ذرا غور تو کرو کس قدر وسیع پیمانہ پر کام ہو سکتا ہے۔

تاریخ عُرس کا تعیّن

اس کے بعد حقیقتِ عُرس پر گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ جب کسی ولی اللہ کا وصال ہوتا ہے اور اللہ کے دربار میں ان کی حاضری ہوتی ہے تو اُن سے کہا جاتا ہے۔ نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعُرُوْسِ (سوجا دُلہن کی نیند) یہ الفاظ سن کر اُن پر ایک خاص کیف و مستی کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور انھیں بے انتہا خوشی ہوتی ہے اور خوشی کیوں نہ ہو۔ جب اللہ میاں سے سرٹیفکیٹ مل گیا تو اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی کا مقام ہو سکتا ہے اور عالمِ برزخ میں سنتِ الٰہی یونہی جاری ہے کہ سال بھر کے بعد روح پر وہی کیفیات عود کر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صاحبِ مزار کی ان کیفیات سے مستفیض ہونے کے لئے اہل طریقت اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضر ہوتے ہیں اور اس موقعہ کو عُرس سے تعبیر کرتے اور اس کی تاریخ متعین کرنے کا یہی راز ہے۔ اب اہل ظاہر اعتراض کرتے ہیں کہ تاریخ کا تعین کیوں کیا جاتا ہے۔ کسی وقت بھی جا کر فاتحہ پڑھ لو

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ظہر کی نماز کیوں دوپہر کے بعد پڑھتے ہیں۔ صبح کے ساتھ کیوں نہیں پڑھ لیتے۔ مغرب کی نماز کیوں غروب آفتاب کے بعد پڑھتے ہیں غروب سے پہلے کیوں نہیں پڑھ لیتے۔ عید کیوں ایک مقررہ تاریخ پر مناتے ہیں قبل یا بعد کیوں نہیں مناتے، حج کیوں ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو کرتے ہیں اور عرفات میں کیوں جا کر کرتے ہیں یہیں کیوں نہیں کر لیتے۔ بات یہ ہے کہ ہر کام کے لئے ایک مخصوص وقت ہوتا ہے اور مخصوص جگہ۔ بس اسی پر عرس کے مسئلہ کو قیاس کر لو۔ [1]

عُرس اور فاتحہ

ایک اور موقعہ پر صاحب زادہ عبدالحمید نے عرس اور فاتحہ کے جواز کے متعلق دریافت کیا تھا۔ تو حضرتِ اقدسؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایصال ثواب تو کسی کے نزدیک بھی ناجائز نہیں ہے۔ ہاں تعین تاریخ پر لوگ اعتراض کرتے ہیں لیکن اگر تاریخ کا تعین نہ کیا جائے تو نسیان ہو جاتا ہے، اس لئے بغرض یادداشت اگر ایک مقررہ تاریخ پر ایصال ثواب کر دیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے (تاریخ کے تعین میں جو راز ہے وہ پہلے بیان ہو چکا ہے) ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کسی چیز کو داخل مذہب کر کے اس پر کاربند ہونا ناجائز ہے۔ مثلاً یہ خیال کرنا کہ اگر تاریخ مقررہ پر ایصال ثواب نہ کیا گیا تو گناہ ہوگا۔ اگر اس قسم کا عقیدہ نہیں ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

مزارات پر ناشائستہ حرکات

اس کے بعد درگاہ شریف میں بعض لوگوں کی ناشائستہ حرکات کا ذکر ہونے لگا۔ ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ سے کسی نے کہا کہ اگر آپ خواجہ غریب نوازؒ کے تصرّف کے قائل ہیں تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ جو خرافات یہاں ہو رہی ہیں، انھیں خواجہ صاحب پسند فرماتے ہیں

---

[1] "حقیقتِ عُرس" صفحہ ۱۲۲ بھی دیکھیں۔

اور اگر یہ تسلیم کرنے کے لئے آپ تیار نہیں ہیں تو اس بات کو ماننا پڑے گا کہ خواجہ صاحبؒ صاحبِ تصرف نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کو اللہ کی ذات میں فنائیت حاصل ہے۔ فنا فی الذات کا مطلب یہ ہے کہ صفات، کمالات، قدرت اور مصلحت میں بھی فنائیت ہو اس لئے جو کچھ اللہ کے آسمان کے نیچے ہو رہا ہے، وہ خواجہ غریب نوازؒ کے سائبان کے نیچے بھی ہوتا رہے گا۔

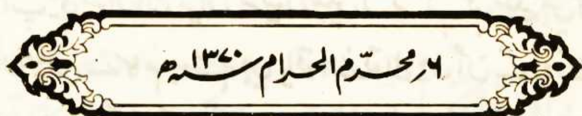
آپ یہی سوال اللہ میاں سے کیوں نہیں کرتے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ جتنے بھی اس جہاں میں برے کام ہو رہے ہیں یا تو اللہ تعالیٰ میں اُن کے روکنے کی قدرت نہیں ہے یا وہ اس کو پسند کرتے ہیں۔ اب جس مصلحت کے تحت اللہ کے آسمان کے نیچے برے اعمال ہو رہے ہیں، اسی مصلحت کے تحت خواجہ صاحبؒ کے گنبد کے نیچے ہوں گے۔

اجمیر شریف - ایامِ عرس

مزارات کا فیضان

ارشاد فرمایا۔ درگاہ شریف میں حاضری کے وقت اپنے دل میں کچھ کیفیت محسوس کرو تو بس سمجھ لو کہ ان کی نظرِ عنایت کا فیض تم پر برس رہا ہے۔ اگرچہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے، تمہاری نگاہ سے تو اُن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، البتہ وہ اپنی نگاہ سے تم کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں، جس قدر ہجوم زیادہ ہوتا ہے ان کی توجہ میں بھی اسی قدر اضافہ ہو جاتا ہے۔ ارے بھائی اگر ایک آدمی ہم سے ملنے آئے تو اسی طرح بنڈی میں اس سے مل لیں گے، لیکن بہت سے لوگ اگر ہم سے ملنے آئیں تو ہم بھی کُرتہ وغیرہ پہن کر ملیں گے۔ یہی بات ہے کہ جب عُرس کے موقعہ پر لاکھوں آدمی زیارت کے لئے آتے ہیں تو خاص انوار برستے ہیں۔ پھر

یہ بھی ہے کہ جو مزہ تخلیہ میں ہے وہ ہجوم میں نہیں اس لئے بہتر ہے کہ دونوں مزے حاصل کرے۔ تخلیہ کا بھی اور ہجوم کا بھی۔ عرس سے بہت پہلے آئے یا عرس کے بعد ٹھہرا رہے اور جیسے ہی طبیعت میں کچھ برگشتگی سی پیدا ہو۔ فوراً ہی واپس ہو جائے اور گھر بیٹھ کر کھائی ہوئی غذا کو ہضم کرتا رہے۔ انسان محدود ہے اور اس کے قویٰ بھی محدود ہیں، اس لئے جب پیٹ بھر جائے تو بس گھر چلا جائے اور غذا کو ہضم کر کے پھر آجائے۔



دربار فریدی میں انوار کی بارش

۱۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء پاکپتن شریف

۶ محرم الحرام کی شب کو جنتی دروازہ کھلتا ہے۔ حضرت اقدسؒ پانچ بجے شام ہی سے فریدی دربار میں تشریف لے گئے۔ تمام مریدین ساتھ تھے۔ روضۂ مبارک کی مغربی دیوار کے قریب کھڑے ہو کر حاضری دی پھر اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد ارشاد فرمایا کہ یہ جو اس قدر انوار کی بارش ہو رہی ہے۔ یہ سب اللہ اکبر کی شان ہے، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی شان ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے قرب میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کا مرتبہ بھی خود بخود بلند ہو جاتا ہے، تمہاری اس مادی دنیا کا بھی یہ دستور ہے کہ بڑے آدمیوں کے قرب میں جو لوگ رہتے ہیں ان کی بھی عزت ہوتی ہے۔ اس کے بعد نہایت کیف و مستی کے عالم میں فرمانے لگے انوار کی بارش ہو رہی ہے اور وہ نوازش بہ کرم ہیں لیکن کوئی لینے والا نہیں۔ اس کے بعد ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ بادشاہ کی سواری نکلی۔ راستے میں ایک گداگر عورت پہ بادشاہ کی نظر پڑی اور وہ منظور نظر ہو گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو محل میں لے جاؤ اور نہلا دھلا کر نہایت اچھی پوشاک پہناؤ۔ جب بادشاہ کے آدمی

اسے لے گئے تو وہ بہت گھبرا رہی تھی۔ انھوں نے کہا گھبراتی کیوں ہو، محلات میں رہوگی، ریشمی کپڑے پہنوگی۔ بادشاہ کی منظور نظر ہو اور کیا چاہیئے، اس نے کہا" مو ہے روٹی" لوگوں نے کہا۔ اب تمہیں روٹی کی کیا فکر ہے، تم اب ملکہ بنوگی، بڑی شان سے رہوگی لیکن وہ بار بار یہی کہتی تھی: "مو ہے روٹی، مو ہے روٹی"۔

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ ہم پر تو ان کی وہ نظر عنایت ہے کہ جس کا جواب نہیں۔ وہ تو ہمیں ہیرے جواہرات سے مالا مال کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم روٹی کی فکر میں ہیں اور ساری عمر اسی فکر میں برباد کر دیتے ہیں۔

دُنیا کسی کو پکڑتی نہیں

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ کسی شخص نے ایک بزرگ سے عرض کیا کہ صاحب کوئی ایسا عمل بتائیے جس سے دنیا ہم سے چھُوٹ جائے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہے اور یک بیک اٹھ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے ایک درخت کو مضبوط پکڑ لیا۔ اور چلاّ کر کہنے لگے کہ لوگو مجھے اس درخت سے چھڑاؤ، میں تو اسے چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن یہ مجھے نہیں چھوڑتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص دنیا کو چھوڑنا چاہتا ہے بس چھوڑ دے، کیا دُنیا نے کسی کو پکڑ رکھا ہے؟

رُوحانی قوت بڑھانے کا طریقہ

اس کے بعد فرمایا کہ رُوحانی قوّت بڑھانے کا مُستند طریقہ یہی ہے کہ اللہ پر CONCENTRATE کیا جائے۔ یعنی ہر وقت متوجہ الی اللہ رہنا چاہیئے اور CONCENTRATION (جماؤ) اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دل میں اطمینان اور سکون نہ ہو۔ جب تک دل میں سکون نہ ہوگا اللہ تعالیٰ دل میں نہیں اترتے۔ جب پانی میں پتھر پھینکا جاتا ہے تو اس میں لہریں اُٹھتی ہیں اور عکس گم ہوجاتا ہے لیکن جب پانی میں سکون پیدا ہوجا

ہے تو پھر اس میں عکس نظر آنے لگتا ہے۔ قلب کی بھی یہی حالت ہے۔ دُنیا میں الجھے رہنے سے خیالات منتشر رہتے ہیں اور قلب مکدّر ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں انوار کا نزول بند ہو جاتا ہے۔

گولہ چھوٹنا

مذکورہ بالا تقریر کے دوران ایک گولہ چھوٹنا۔ حضرت اقدسؒ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا گولے چھوٹ رہے ہیں؟ احقر نے عرض کیا کہ دیوان صاحب (سجّادہ نشین صاحب) کی آمد پر تین گولے چھوٹتے ہیں۔ پہلے دو گولے تیاری کے لئے ہوتے ہیں اور تیسرا گولہ اس وقت چلتا ہے جب وہ درگاہ شریف کی طرف روانہ ہوتے ہیں، فرمایا یہ سب باتیں شاہانِ مغلیہ سے لی گئی ہیں۔ شاہانِ مغلیہ بزرگوں کے معتقد ہوا کرتے تھے۔ جب وہ درگاہوں میں آتے تھے تو ان باتوں کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ اس کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لمبے بال، گیروے کپڑے

اسی طرح لمبے لمبے بالوں اور گیروے کپڑوں کا بھی تصوّف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں یہ ہوتا تھا کہ مجاہدے کے زمانے میں جب طالب اللہ جنگلوں میں جا کر رہتے تھے تو ان کے بال بڑھ جایا کرتے تھے، اس لئے کہ جنگل میں نائی کہاں ملتا ہے اور کپڑوں کو اس لئے رنگ لیتے تھے کہ سفید کپڑا جلد میلا ہو جاتا ہے لیکن جب وہ جنگل سے آبادی میں آجاتے تو بال بھی کٹوا دیتے اور رنگین کپڑے بھی اتار دیتے تھے، وہ تو صرف وقتی ضرورت کے تحت ایسا کیا کرتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سر منڈوایا کرتے تھے۔ اگر بال رکھوانے کا روحانیت سے تعلق ہوتا تو آپ سر نہ منڈواتے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کانوں کی لو اور شانوں کے درمیان گھٹتے بڑھتے رہتے تھے۔ جب شانوں تک

بال بڑھ جایا کرتے تھے تو آپ کانوں کی لو تک انھیں کٹوالیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر ایک بال بھی خشک رہ جائے تو غسلِ جنابت صحیح نہیں ہوتا تو یہ سُن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے سر کے بال منڈوا دیئے۔ اس خطرے کے تحت کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غسل میں کوئی بال خشک رہ جائے اور جنابت دُور نہ ہو۔

جنّتی دروازہ اس کے بعد جنّتی دروازہ کھلنے کا وقت ہوگیا اور حضرت اقدسؒ حجرہ سے باہر تشریف لائے۔ اس موقع پہ بے انتہا ہجوم ہوتا ہے۔ نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے پولیس کا بھی سخت پہرہ رہتا ہے اس وقت کٹہرہ کے اندر کوئی شخص نہیں جاسکتا۔ مگر بابا صاحبؒ کے مہمانِ خصوصی کو کون روک سکتا تھا مجمع نے راستہ دیا۔ پولیس والے کٹہرہ کے سامنے سے ہٹ گئے اور آپ سب سے پہلے کٹہرے کے اندر پہنچ گئے۔ اتنے میں دیوان صاحب اہلِ خاندان ورفقاء اور مخصوص افراد کٹہرے میں داخل ہوئے۔ جنّتی دروازہ کھولا گیا۔ شمع فریدی کے پروانے پولیس والوں کی لاٹھیاں کھاتے ہوئے کٹہرے میں پہنچ گئے۔ ہجوم بڑھ گیا۔ نواب افتخار حُسین ممدوٹ مرحوم نے فوراً حضرت اقدسؒ کے گرد اپنے بازوؤں کا حلقہ بنالیا اور حضرتِ اقدسؒ بآسانی جنّتی دروازے سے گذر گئے۔

کوڑیوں کی رسم ایامِ عرس میں حضرت بابا فریدالدّین گنج شکرؒ کے دربار میں کوڑیاں پھینکنے کی ایک رسم ہوا کرتی ہے۔ ایک مرتبہ اس رسم کا تذکرہ تھا۔ آپؒ نے اِرشاد فرمایا کہ کوڑیاں پھینکنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے ایک روز سیر کے لئے جانے کا ارادہ کیا۔ اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی تو حضرت محبوبِ الٰہیؒ کو موجود نہ پایا۔ دریافت فرمایا کہ نظام الدین کہاں ہیں؟ فوراً تلاشی ہوئی ایک خادم نے دیکھا کہ حجرہ کا دروازہ اندر سے بند ہے اس نے ایک سوراخ سے جھانک

کر دیکھا تو اس سے ایک خاص نوعیت کا مشاہدہ ہوا مگر خادم اسے سمجھ نہ سکا وہ دوڑ کر حضرت باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مشاہدہ بیان کیا۔ مشاہدہ سنتے ہی حضرت باباصاحبؒ پر وجد طاری ہوا اور رقص کرتے ہوئے آپؒ نے فرمایا کہ سبحان اللہ آج میرے نظام کو محبوبیت کے مرتبہ سے نوازا گیا۔ اس وقت اور تو آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ طاق میں کچھ کوڑیاں پڑی ہوئی تھیں وہی اٹھا کر لوگوں کی طرف پھینکنے لگے چنانچہ آج تک عرس کے ایام میں یہ رسم ادا کیجاتی ہے۔

جمعرات ۶ محرم الحرام ۱۳۷۰ھ ۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۰ء

فاتحہ میں شکر

(پاکپتن شریف) آج صبح حضرت اقدسؒ نے احقر کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ آج رات فاتحہ کا انتظام کرو۔ اپنے پاس سے پانچ روپے دیکر فرمایا کہ یہ میری طرف سے شامل کرنا لیکن فاتحہ میں میٹھی چیز ضرور ہونی چاہیئے۔ یہ گنج شکرؒ کی فاتحہ ہے۔ اجمیر شریف میں آپؒ کی فاتحہ کے موقعہ پر لال شکر ضرور رکھتے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ مٹھائی کے علاوہ وہ شکر بھی لے لیں گے۔

اہل اللہ سے خفگی اللہ کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے

اس کے بعد گیارہ بجے درگاہ شریف میں حاضری دی۔ بعد حاضری حضرت اقدسؒ اپنے کمرہ میں تشریف فرما تھے کہ مولانا محمد بخش صاحب کے دو صاحبزادے میجر عزیز کے ہمراہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ فلاں بزرگ کے ساتھ مجھے بہت اُنس ہے لیکن ان کی فلاں بات پر مجھے بہت غصہ آیا۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اللہ کے دوست کے ساتھ غصہ کرنا اللہ کے ساتھ اعلانِ جنگ کرنا ہے۔ اُس شخص نے کہا کیا کروں

محبّت تو ان سے بہت ہے لیکن کبھی کبھی ان پر غصّہ بھی آجاتا ہے. آپؒ نے فرمایا یہ غلط ہے. یہ زہد خشک ہے اور شیطان کا دھوکہ ہے. شیطان سے بھی یہی غلطی ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو کہنے لگا:
اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ یعنی میں اس سے بہتر ہوں، مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔ تو عشق یہ نہیں ہے۔ عشق کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب سے جو بھی حکم ملے بے چوں وچرا ذوق وشوق کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کرے لیکن شیطان زاہد خشک تھا وہ نار و طین کے چکّر میں پھنس گیا۔ زاہد خشک کو عشق سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس کوچہ میں عشق ہی عشق ہے اس کے بعد اسی شخص نے عرض کیا کہ حضور میری بیوی بہت مزاحمت کرتی ہے۔ وہ وہابی باپ کی بیٹی ہے۔ جب میں عرس پر آتا ہوں تو اعتراض کرتی ہے کہ وہاں جاکر کیا کروگے۔ جب میں دروازہ بند کرکے پڑھنے بیٹھتا ہوں تو باہر سے ٹھک ٹھک کرتی ہے اور دروازہ کھولنے پر بچہ کو اٹھاکر میری گود میں پھینک دیتی ہے۔ حضرت اقدسؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تم اس کی گود میں پھینک دیا کرو۔ مگر اس طرح نہ پھینکنا کہ کوئی ہڈی ٹوٹ جائے۔

تعلق باللہ کی نادر مثال

اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت باباصاحبؒ مراقب تھے کسی نے آکر اطلاع دی کہ آپ کے صاحبزادے کا انتقال ہوگیا۔ آپ نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا کہ دفن کردو۔ یہ کہہ کر پھر مراقب ہوگئے۔ جب مراقبہ سے باہر آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ لڑکے کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور انھوں نے تو پردہ فرمالیا اور آپ کے حکم سے ان کی تدفین بھی ہوچکی۔ آپ نے فرمایا۔ خیر اچھا کیا اور پھر مشغول ہوگئے۔

جُمعہ ۷، محرم الحرام ۱۳۷۰ھ

بار بار روضہ کے اندر نہیں جانا چاہیئے | ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۰ء پاکپتن شریف

آج نماز جمعہ کے لیے حضرتِ اقدسؒ جب درگاہ تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ ہماری جماعت کے چند افراد روضۂ مبارک پر عرض معروض میں مصروف ہیں۔ آپ انھیں دیکھتے ہُوئے حجرہ میں تشریف لے گئے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر کوئی فقیر کسی کے ہاں جا کر پیسہ مانگے اور وہ اسے دیدے، پھر دوبارہ جائے اور دُوسری مرتبہ بھی دستِ سوال دراز کرے تو کیا وہ اس فقیر پر خفا نہ ہوگا؟ بلکہ اس بات کا امکان ہے کہ جو کچھ پہلے دیا ہے وہ بھی اس سے چھین لے اور چپت مار کر باہر نکال دے۔ مزارات پر بھی ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ بار بار جا کر گڑگڑانا نہیں چاہیئے۔ ویسے تو ہم انکے بچّے ہیں اور کہاں جائیں پھر بھی ہر وقت BEGGING MOOD (صُورت سوال) میں ان کے سامنے نہیں جانا چاہیئے۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ درگاہ شریف جاؤ، لیکن باہر سے فاتحہ پڑھ لینا، اندر نہ جانا۔ اندر اولیاء اللہ مراقب ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ چوبیس گھنٹے میں صرف ایک دفعہ اندر جانا چاہیئے یا جب وہ خود اندر طلب فرمائیں۔ ورنہ باہر ہی سے فاتحہ پڑھ کر متوجہ ہو جانا چاہیئے۔ ایک دفعہ فرمایا (بروایت حضرت شاہ شہید اللہ صاحب) کہ کبھی کبھی دُور سے فیضان حاصل کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے کیونکہ آفتاب سے بہت قریب رہ کر اس کی خوبصورتی کو ENJOY نہیں کیا جا سکتا (اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے) بلکہ آنکھیں نُور سے چندھیا جاتی ہیں، یعنی تفصیلی مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اکثر استغراقی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

مدینہ طیبہ ۱۳۷۰ھ

اللہ کا دربار ارشاد فرمایا کہ جب دربار نبوی قائم ہوتا تھا تو لوگ مؤدّب ہوکر خاموش بیٹھ جاتے تھے، کوئی کہیں بیٹھ جاتا، کوئی کہیں۔ غرض جہاں جس کو جگہ مل جاتی خاموشی کے ساتھ بیٹھ جاتا لیکن آفتاب رسالتؐ کی شعاعوں سے سبھی بہرہ ور ہوتے تھے۔ اب بھی یہی ہوتا ہے۔ تم خواہ کہیں بیٹھ جاؤ لیکن تم ان کی توجّہ میں ہوتے ہو۔ دیکھنا شرط نہیں ہے۔ اندھا اگر دھوپ میں بیٹھ جائے تو دھوپ اسے نظر نہیں آئے گی لیکن آفتاب کی گرمی سے ضرور متمتّع ہوگا۔ یہ دربار دراصل اللہ کا دربار ہے۔ اللہ کا فیضان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ لوگوں کو پہنچتا ہے۔ ایک دفعہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف فرما تھے۔ تین آدمی آئے۔ ایک مجمع کو چیرتا ہوا آگے جاکر بیٹھ گیا۔ دوسرا سب لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا جگہ نہ ملنے کی وجہ سے واپس چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ بشارت دی کہ تین آدمی آپ کے پاس آئے۔ پہلا آدمی مراد کو پہنچا۔ دوسرے آدمی سے اللہ شرماتا ہے اور تیسرا آدمی محروم رہا فرمایا دوسرے آدمی سے اللہ کی شرمندگی کا کیا سبب ہے یہی کہ وہ اللہ کا دربار تھا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے مظہر کی حیثیت سے جلوہ افروز تھے ؎

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسروؔ
محمدؐ شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

فرمایا۔ اس شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

مدینہ طیبہ میں تقربِ رسولؐ کا عمل

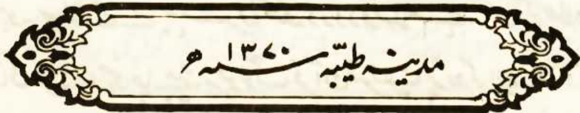
۱۹۵۱ء مدینہ طیبہ۔

ارشاد فرمایا کہ اب موقع ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کا۔ دوسرے کام تو انسان اپنے گھر پر بھی کر سکتا ہے، لیکن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جو قرب مدینہ طیبہ میں ہے وہ گھر پر نصیب نہیں ہو سکتا اس لئے جتنا عرصہ یہاں رہو ان کے ساتھ مشغول رہو۔ کبھی درود شریف پڑھو۔ کبھی آپ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ان کا خیال رکھو۔ اِدھر اُدھر عمارتوں کو تکتے رہنے سے کیا فائدہ۔ ایک دفعہ ہمارے مولانا صاحبؒ نے دریافت فرمایا کہ اجمیر شریف کے مکانات کیسے ہیں کچے ہیں یا پکے؟ ہم نے عرض کیا۔ حضورؒ نے نہیں دیکھے؟ فرمایا کہ ان کی موجودگی میں ہم نگاہ نیچی رکھتے ہیں۔ اِدھر اُدھر بالکل نہیں دیکھتے۔

عالمِ روحانیت کا ایک قاعدہ نیز معرفتِ توحید کا ایک ذریعہ۔

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ بعض اوقات روضۂ اطہر پہ جانے سے ڈر محسوس ہوتا ہے کیونکہ ہر وقت جانا بے ادبی ہے۔ فرمایا جانا کہاں ہے۔ یہاں جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ سن رہے ہیں۔ وہ ہر وقت موجود ہیں۔ کیا پانچ دس من مٹی روضۂ مبارک پہ ہونے کے باوجود وہ وہاں سن سکتے ہیں اور یہاں نہیں سن سکتے ان کی نظر بہت وسیع ہے۔ وہ ہر وقت اور ہر جگہ ہم کو دیکھ سکتے ہیں۔ روحانیت کے عالم میں یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی کی روحانیت کی طرف توجہ کیجائے

تو وہ متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہ بات ظاہر عالم میں بھی ہے۔ جب کوئی کسی کو آواز دیتا ہے تو وہ مڑ کر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ کسی بزرگ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔ اس لئے جب تک یہاں رہو، رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رُوحانیت کی جانب متوجہ رہو۔ خواہ تم حرم شریف میں ہو خواہ باہر۔ تمہارے اس عمل سے حضورؐ بھی تمہاری طرف متوجہ ہونگے۔ احقر نے دریافت کیا کہ بیٹھ کر مراقب بھی ہو سکتے ہیں! فرمایا ہاں مراقب بھی ہو سکتے ہیں! مراقبہ کے لئے بہترین جگہ روضۃ الجنّہ ہے (مسجد نبویؐ میں منبر اور روضۂ مبارک کا درمیانی حصّہ) اور دوسری جگہ اصحاب صُفّہ کا مقام ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت جس میں ابوہریرہؓ بھی شامل تھے۔ ہر وقت عبادت میں مصروف رہتی تھی۔ تصوّف کی ابتداء وہیں سے ہوئی ہے۔ یہ بہت بابرکت مقام ہے۔ ایک جگہ اور بھی ہے جو مراقبہ کے لئے موزوں ہے۔ یہ مسجد نبویؐ کا وہ کونہ ہے جہاں سے گنبدِ خضرا نظر آتا ہے۔ وہی باب مجیدی سے داخل ہو کر دائیں جانب جو کونہ ہے وہاں بیٹھ کر روضۂ اقدس پر نظر جمانا بھی بہت مفید ہے کعبۃ اللہ کی طرح روضۂ اطہر کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اس سے توحید کے نکات کی معرفت ہوتی ہے۔ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رُوحانیت کو ایک MAGNIFYING-GLASS (خوردبین) سمجھو جس سے توحید کے نکات واضح ہو جاتے ہیں بس ان کے ساتھ تعلق مضبوط کر دو توحید کی معرفت خود بخود ہو جائیگی۔

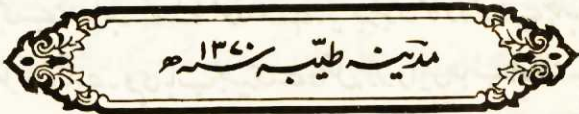


ایک موقع پر ارشاد فرمایا

مکمّل اَدب کہ ایک دفعہ اورنگ زیب نے وزیر سے دریافت کیا کہ تم جب

سے دربار میں کرتے ہو تو کیا خیال کرتے ہو؟ آدمی بہت سمجھ دار تھا جواب دیا کہ جب آدمی عالم کے پاس جاتا ہے تو زبان کا خیال رکھتا ہے تاکہ نا مناسب الفاظ مُنہ سے نہ نکلیں۔ جب بادشاہ کے سامنے جاتا ہے تو اپنی نگاہ نیچی رکھتا ہے اور جب ولی اللہ کے سامنے جاتا ہے تو دل پہ نگاہ رکھتا ہے تاکہ خطرات ووساوس دل میں نہ گذرنے پائیں۔ اورنگ زیب نے پوچھا تم میرے سامنے کس بات کا لحاظ رکھتے ہو۔

اس نے کہا آپ کے سامنے تینوں باتوں کا لحاظ رکھتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ تو اللہ کے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دربار ہے جو حقیقتاً احکم الحاکمین کا دربار ہے۔ حرم شریف (حرم نبویؐ) میں خصوصیت کے ساتھ ان باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ نہ آنکھیں پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھنا چاہیئے۔ نہ اونچا بولنا چاہیئے، نہ تیز چلنا چاہیئے اور نہ دل میں خطرات وساوس کو گھسنے دینا چاہیئے۔



مدینہ طیّبہ کی خاص چیز

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ لوگ حرم شریف میں جاکر دنیا بھر کی عبادتیں کرتے ہیں، یہ کام تو انسان اپنے گھر پر بھی کرسکتا ہے۔ یہاں کی جو چیز خاص ہے اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جتنا عرصہ یہاں رہو ان (رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے تعلق قوی کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ یہاں کے لئے بہترین تحفہ درود وسلام ہے۔ اس کے علاوہ ہر وقت توجہ ان کی طرف رہنی چاہیئے۔ یہ جو لوگ قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں، یہ بھی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ جو عبادت ہم کرتے ہیں اس کا ثواب خود بخود رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پہنچتا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص تم سے کہے کہ نماز پڑھو

اور تم اُٹھ کر نماز پڑھ لو تو اس کا ثواب کہنے والے کو بھی ملے گا اور تم کو بھی۔ چونکہ اسلام ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ملا ہے اس لئے ساری اُمّت کی کل عبادات کا ثواب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بخود مل جاتا ہے بس درود وسلام میں مشغول رہو، کبھی کبھی چوبیس گھنٹے میں ایک بار جا کر ان کے حضور میں کھڑے ہو جاؤ۔ اور دل میں یہ کہو کہ جو کچھ میں ہوں حضور کے سامنے ہوں۔ وہ خود جو مناسب سمجھیں گے دیں گے۔ بیمار آدمی ڈاکٹر کو یہ تھوڑا ہی کہتا ہے کہ فلاں دوا دو۔ ڈاکٹر جو مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے۔ بس اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کر دینا کافی ہے۔ ہم انھیں دیکھ سکیں یا نہ دیکھ سکیں۔ یہی کافی ہے کہ وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ مسجد نبوی ؐ میں جا کر ادھر ادھر نہیں دیکھنا چاہیئے۔ یہ بے ادبی ہے۔ جب وہاں جاؤ تو نظریں نیچی رکھو اور توجہ ان کی طرف رہے۔

دَربارِ نبوی ؐ میں حضرت غوث الاعظم ؒ

ایک دفعہ ارشاد فرمایا۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ دَربارِ نبوی ؐ آراستہ ہے۔ جس میں ایک صاحب نہایت ادب سے سر جھکائے ایک گوشہ میں بیٹھے ہیں۔ چہرہ کا رنگ بھی زرد ہے اور نہایت عجز و انکسار کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ حضرت غوث الاعظم ؒ ہیں۔ فرمایا۔ حضرت غوث الاعظم ؒ جیسی ہستی کا یہ حال ہے۔ روضۂ اطہر پر ایسے ہی آداب برتنے چاہیئں۔

۲۶ ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ ۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۵۰ء ملیر کراچی

ایک مزار کا ہندو متولی

آج سعادت قدمبوسی حاصل ہوا۔

احمد مقدم بھی موجود تھے ۔ دوران گفتگو ارشاد فرمایا کہ گلبرگہ شریف میں ایک مزار ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ وہ کسی ہندو کا مزار ہے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ کسی مسلمان بزرگ کا ہے۔ اس مزار کا متولی ایک ہندو ہے۔ اسکے پاس دکنی زبان میں ایک تحریر ہے، جس کے ذریعہ وہ سوالات کا جواب دیتا ہے۔ بھارت کے حیدرآباد پر حملہ آور ہونے سے پہلے وہاں کسی تعلقہ دار نے حیدرآباد کے متعلق اس سے دریافت کیا اس نے کہا کہ بھارت حملہ کر کے اس پر قبضہ کرے گا، اس نے اپنے متعلق دریافت کیا۔ جواب ملا کہ تم قتل کئے جاؤ گے۔ اس جواب پر اسے غصہ آیا۔ اور اس سے وہ تحریر اس نے چھین لی۔ اس کے بعد حیدرآباد پر ہندوستان نے حملہ کیا اور وہ مارا بھی گیا۔ جب فوجی حکومت قائم ہوئی تو اس مزار کا مجاور فوج کے جنرل کے پاس گیا اور اس تحریر کا مطالبہ کیا کہنے لگا کہ ہماری روزی کا دارومدار اسی تحریر پر ہے۔ اب ہم پریشان ہیں، مہربانی فرما کر وہ اوراق ہمیں واپس دلوادیں۔ فوجی جنرل نے وہ تحریر اسے واپس کر دی۔ اور اس سے دریافت کیا کہ بھارت کا کیا ہوگا، اس نے جواب دیا کہ بھارت پر پٹھان لوگ حملہ کرینگے اور بیشمار ہندو مارے جائیں گے۔ گلی کوچوں میں خون کی ندیاں جاری ہوں گی۔ ان پٹھانوں کا سرغنہ بھی علاقہ سرحد کا رہنے والا ہوگا۔

اجمیر شریف سنہ ۱۳۶۴ھ ۔ سنہ ۱۹۴۵ء

عدلِ الٰہی | مصلحت ایزدی کا ذکر تھا۔ ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ کہ مولیٰ میں تیرا عدل دیکھنا چاہتا ہوں۔ آج مجھے اپنا عدل دکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا دریا کے کنارے فلاں مقام پر کسی درخت پر چڑھ کر بیٹھ جاؤ اور تماشہ دیکھتے

رہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مقام پر گئے اور ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک سوار آیا اور اپنا گھوڑا ایک درخت سے باندھ کر کپڑے اتارے ہمیانی کھولی اور دریا میں نہانے لگا۔ غسل سے فارغ ہو کر کپڑے پہنے لیکن ہمیانی اٹھانا بھول گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا۔ اس کی نظر ہمیانی پر پڑی، اس نے ہمیانی اٹھائی اور چلا گیا تھوڑی دیر بعد تیسرا شخص آیا اور کپڑے اتار کر اسی جگہ نہانے لگا۔ اب اس پہلے شخص کو راستے میں اپنی ہمیانی کا خیال آیا اور وہ فوراً لوٹا اور دیکھا کہ ایک شخص اسی جگہ نہا رہا ہے۔ اس نے اس سے اپنی ہمیانی طلب کی، اس نے کہا میں تمہاری ہمیانی کیا جانوں۔ غرض بات بڑھ گئی۔ اس پہلے شخص کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ابھی ابھی تو میں یہاں سے گیا ہوں ہمیانی ضرور اس نے چھپا رکھی ہے، طیش میں آ کر اس نے تلوار نکالی اور اس کو قتل کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سب ماجرا دیکھ کر حیران تھے۔ جناب باری میں عرض کیا کہ اے میرے مولیٰ تو علیم و خبیر ہے۔ تو عادل ہے۔ یہ واقعات میری سمجھ میں نہیں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس شخص نے ہمیانی اٹھائی تھی وہ اس سوار کا نوکر رہ چکا ہے۔ دوران ملازمت وہ اپنی تنخواہ اس کے ہاں جمع کرتا رہا۔ اس خیال سے کہ کچھ روپیہ جمع ہو جائے تو اکٹھی رقم لے لوں گا لیکن مالک بے ایمان ہو گیا، اسے کچھ بھی نہ دیا اس کی تنخواہ کی جمع شدہ رقم اتنی ہی تھی جتنی اس ہمیانی میں تھی۔ اس طرح ہم نے اسے اس کا حق دلوا دیا۔ اور وہ شخص جو قتل ہو گیا دراصل اس سوار کے والد کا قاتل تھا۔ ہم نے اسے اس کے لڑکے کے ہاتھوں قتل کرا دیا۔

دُعا کا ڈرافٹ

اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص ہمارے پاس آیا۔ اور کچھ اس انداز میں اپنی مصیبتوں کا تذکرہ کرنے لگا جس سے اللہ تعالیٰ کی شکایت ظاہر ہو رہی تھی۔ ہم سے کہنے لگا اب آپ

دعا فرمائیے اور ہمیں ان مصیبتوں سے نجات دلوائیے۔ ہم نے ایک کاغذ اس کے آگے بڑھا کر کہا کہ ذرا دعا کا ڈرافٹ بنا دو۔ کیا میں یہ کہوں کہ اللہ میاں آپ نے اس شخص کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اس کے حق میں اپنی پالیسی بدل دیجئے۔ آپ نے ناحق اسے مصائب میں گرفتار کر رکھا ہے۔ تم خود بتاؤ کہ میں اللہ میاں سے کیا عرض کروں۔ بھائی اللہ تعالیٰ الحکیم بھی ہے اور عادل بھی۔ جو مصیبت کسی پر نازل فرماتا ہے وہ یا تو اس کے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے یا اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ بندہ کی کیا مجال کہ اس کے کاموں میں دخل دے۔ تمہارا یہ شکایتی انداز مزید مصیبتوں کا باعث بن سکتا ہے تم توبہ کرو استغفار پڑھو، وہ کریم ہے کرم کریگا۔

انوکھی دُعا

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی "ہر چہ از دوست می رسد نیکو است" کے عنوان پر تقریر فرما رہے تھے۔ بہت سے اکابر علماء اس وقت موجود تھے۔ حضرت مولانا محمد حسین الہ آبادیؒ فرماتے ہیں کہ جب حاجی صاحبؒ اس مضمون پر تقریر فرما رہے تھے اس وقت ایک شخص جس کے ایک ہاتھ میں سخت تکلیف تھی کراہتے ہوئے حاضرِ خدمت ہوا اور گڑگڑا کر عرض کرنے لگا کہ حضور دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تکلیف سے نجات بخشے۔ مولانا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ اب آپ پکڑے گئے۔ اگر دعا کرتے ہیں تو مضمون باطل ہو جاتا ہے۔ اگر دعا نہیں کرتے تو ایک امیدوار شکستہ دل ہو کر ناامید لوٹتا ہے۔ اتنے میں حضرت حاجی صاحبؒ نے ہاتھ بلند کئے اور اس طرح دعا مانگی۔

• الٰہی تیرا یہ بندہ اس نعمت کا متحمل نہیں ہے تو اس نعمت کو نعمتِ شفا میں تبدیل فرما دے۔"

۱۹ رجب المرجب ۱۳۶۴ھ

حیاتِ خضر علیہ السلام

۳۰ رجون ۱۹۴۵ء ، اجمیر شریف۔

ارشاد فرمایا کہ ابن تیمیہ کو حیاتِ خضر سے اختلاف ہے، وہ خضر علیہ السلام کو زندہ نہیں مانتے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک دفعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج سے سنو سال بعد دنیا میں موجودہ لوگ نہیں ہوں گے بلکہ اور لوگ ہوں گے انھوں نے استدلال کیاہے کہ چونکہ خضر علیہ السلام بھی اس وقت زندہ تھے اس لئے یہ حدیث ان پر بھی صادق آتی ہے لہٰذا اس وقت سے سو برس بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا ہوگا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس ارشاد سے یہ تھا کہ دنیا میں کسی کو ثبات نہیں ہے۔ آج جو لوگ دنیا کے مالک ہیں سنو سال کے بعد وہ نہیں ہونگے ان کی بجائے اور لوگ ہونگے۔ یہ مطلب تھوڑا ہی تھا کہ جو لوگ اس وقت موجود تھے ان میں سے سو سال کے بعد ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔ اس کے برعکس اولیاء اللہ خضر علیہ السلام کو زندہ مانتے ہیں اور زندہ کیوں نہ مانیں جبکہ وہ ان سے ملاقات بھی کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو حضرت خضر علیہ السلام اولیاء اللہ کو اذکار و مشاغل کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔

۲۳ رجمادی الاخری ۱۳۶۴ھ۔ ۶ رجون ۱۹۴۵ء

جلال وجمال

احقر آج مع لطیف الدین صاحب حیدرآبادی حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گلبرگہ شریف کا ذکر ہونے لگا۔ لطیف الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کا مزار بہت پر جلال ہے

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا نہیں بالکل جمال ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جلال و جمال دونوں ایک ہیں۔ صرف بلحاظ اعتبار الگ الگ ہیں۔ قُرب میں جلال ہے اور بعد میں جمال۔ اور جلال و جمال کا محسوس ہونا انسان کی اپنی حالت پر منحصر ہے۔ ایک شخص جلال کا اس قدر عادی ہوجاتا ہے کہ اس کے لئے جلال جلال نہیں رہتا۔ جمال بن جاتا ہے، دوسرا شخص ہے جس کی حالت اتنی ارفع نہیں ہے۔ اس کو دور سے جلال کا کھٹوڑا سا پڑ تو جلا دیگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جلال و جمال اعتباری اصطلاحات ہیں۔ جو ایک کیلئے جلال ہے دوسرے کے لئے جمال ہے۔

معینی جلال و جمال

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجریؒ پر جس وقت انوار جمال کا نزول ہوتا تھا تو جی چاہتا تھا کہ سامنے بیٹھ کر رخِ انور کو دیکھتے رہیں۔ لیکن جب آپ حالت جلال میں ہوتے تو ہم لوگ سامنے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ چٹانوں کے پیچھے چھپ جاتے تھے اور جب خواجہ غریب نوازؒ نماز پڑھنے کھڑے ہوجاتے تو ہم چٹانوں کے پیچھے سے نکل کر جماعت میں شامل ہوجاتے اور سلام پھیرتے ہی پھر پتھروں کے پیچھے چُھپ جاتے۔

صابری جلال و جمال

اس کے بعد فرمایا کہ اسی قسم کی صورت کلیر شریف میں تھی۔ جب حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ جلال کی تلوار بارہ کوس تک چل رہی ہے۔ آپ باہر ہی ٹھہر گئے۔ حکم ہوا آگے آؤ۔ آپ آگے بڑھے۔ پھر حکم ہوا کہ لوگوں کو مزار کا نشان بتادو اور سب سے کہہ دو کہ آیا کریں۔ چنانچہ اب وہاں جمال ہی جمال ہے۔ جلال جمال میں بدل گیا۔ لاکھوں آدمی عرس پر جاتے ہیں اور یہ اندازہ

لگانا مشکل ہے کہ آیا اجمیر شریف میں لوگ زیادہ ہوتے ہیں یا کلیر شریف میں، بہرحال لاکھوں کی تعداد ہوتی ہے۔ اور ان میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ کسی بزرگ نے حضرت صابر صاحبؒ سے دریافت کیا کہ حضرت پہلے تو اس قدر جلال تھا کہ بارہ کوس کے اندر پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا اور اب یہ حال ہے کہ لاکھوں آدمی آتے ہیں۔ فرمایا پہلے میں ولایت موسوئی میں تھا اور اب ولایت محمدیؐ میں ہوں۔

اللہ سے جو چاہو منوالو

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔[1] یعنی میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں۔ بندہ جس قسم کا گمان مجھ پر رکھتا ہے اس کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کرتا ہوں یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو بالکل بندے کے حوالے کر دیا ہے۔ جو چاہے منوالے۔ اگر اس کو رحیم سمجھے تو وہ رحم فرماتا ہے۔ قاضی الحاجات سمجھے تو تمام ضروریات پوری کر دیتا ہے۔ اگر ممد و معاون سمجھے تو یقیناً ہر کام میں معین و مددگار بن جاتا ہے۔ غرض یہ کہ اس نے تو اپنے آپ کو اپنے محبوب کے حوالے کر دیا ہے۔ لیکن افسوس کہ انسان نہیں جانتا، وہ اپنی حقیقت کو بھول گیا ہے ورنہ جو چاہے اپنے اللہ سے منوا سکتا ہے۔

۲۸ر جمادی الاخریٰ ۱۳۶۴ھ

شر میں خیر پنہاں

۱۰ر جون ۱۹۴۵ء، اجمیر شریف۔

آج احقر معہ محمود اللہ اور لطیف الدین حاضر خدمت ہوا۔ ارشاد فرمایا

---

[1] حدیث شریف

کہ دنیا والے برائی کی شکایت کرتے ہیں۔ لیکن عارفوں کے نزدیک شرِ محض کا وجود ہی نہیں ہے۔ فقط اعتبار کے لحاظ سے کوئی چیز بُری نظر آتی ہے، حالانکہ دوسرے مقام پر وہی چیز اچھی ہوتی ہے۔ اگر اس دنیا کو کسی ایسے مقام سے دیکھا جائے جہاں سے سب دنیا نظر آئے تو حُسن ہی حُسن نظر آئے گا۔ یہ ہمارا اپنا ANGLE OF VISION (زاویۂ نظر) ہے جس سے چیزیں اچھی یا بُری، خوبصورت یا بدصورت نظر آتی ہیں۔[1]

لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے فرمایا ہے کہ آیۃ لاتدرکہ الابصار میں رویت کی نفی نہیں ہے ادراک کی نفی ہے کیونکہ ادراک آنکھ کا فعل نہیں۔ ادراک قلب سے ہوتا ہے۔ آخر میں قلب کا غلبہ تمام اعضاء پر ہو جاتا ہے اور اس سے آنکھ بھی بہرہ ور ہوتی ہے۔

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے کہ جب تک میں خدا کو دیکھ نہیں لیتا اس کی عبادت نہیں کرتا اس پر احقر نے عرض کیا کہ مولوی صاحبان تو کہتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لاتدرکہ الابصار یعنی آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں فرمایا لاتدرکہ تو ہے لیکن اس سے آگے کیا ہے۔ عرض کیا گیا وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ فرمایا تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ تو میرے پاس نہیں آسکتا لیکن میں تیرے پاس آتا ہوں۔ آنکھیں اس تک نہیں پہنچ سکتیں لیکن وہ آنکھوں تک پہنچ سکتا ہے مقصود تو دیکھنا ہے۔ خواہ تم اس کے پاس جاؤ یا وہ تمہارے پاس آئے۔

---

[1] مسئلہ خیر و شر صفحہ ۲۰۴ بھی دیکھیں۔

نزول وعروج کی انتہا ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ نزول کی انتہا یہ جسم ہے لیکن عروج کی کوئی انتہا نہیں۔ کروڑوں برس کی پرواز کے بعد بھی سیر عروجی ختم نہیں ہوتی اگر کوئی حد ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی ذات محدود ہوجاتی۔

سُکر وصحو اس کے بعد استغراق کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ ارشاد فرمایا کہ جب اولیاء کرام کی نمازیں استغراق کی وجہ سے قضا ہوجاتی ہیں تو جب وہ عالم صحو میں آتے ہیں تو قضا شدہ نمازوں کا اعادہ کرلیتے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ (کوٹ مٹھن) کے ایک مرید ہیں جن کا نام خرّم ہے، ان کو خلافت بھی ملی ہوئی ہے، لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ کیا عذر بیان کرتے ہیں؟ احقر نے عرض کیا وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس اپنے محبوب کا رومال یا انگوٹھی ہو تو وہ اسے محبوب کی عدم موجودگی میں چومے گا آنکھوں سے لگائے گا۔ لیکن جب اس کا دوست سامنے آجائے تو دوست کی جانب متوجّہ رہے گا نہ کہ چیزوں کی طرف۔ حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ دوست قریب تو آگیا لیکن قرب کی بھی مراتب ہیں۔ ان کو قرب DEGREES (مدارج) کا علم نہیں ہے اور انھوں نے قرب کا صرف ایک درجہ کافی سمجھ لیا ہے۔ نماز پڑھنے سے آدمی کو اللہ سے قرب ہی تو حاصل ہوتا ہے اور ہر نماز بندہ کو اللہ سے زیادہ قریب کر دیتی ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے۔ ہر رکن میں قرب کے مختلف مراتب ہیں سب سے زیادہ قرب سجدہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "سجدہ کر اور قریب ہوجا"[1]۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ قرب فنائیت کا ہے یا بقائیت کا۔ فرمایا

---

[1] وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (سورہ علق آیت ۱۸)

یہ دونوں سے ماوری ہے۔ فنا و بقا دو مختلف اصطلاحات ہیں THEY-ARE PAIRS OF OPPOSITES لیکن یہ قرب کا انتہائی درجہ ہے جو ان دونوں حالتوں سے ماوری ہے اس کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پہ ایک حال طاری ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں آ کر وہ رک جاتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن یہ کمزوری ہے۔ آدمی کو مغلوب الحال ہو کر رک نہیں جانا چاہیئے۔ اگر تم ریل گاڑی پر سوار ہونے جا رہے ہو اور راستے میں کسی چیز کے دیکھنے میں اس قدر منہمک ہو گئے کہ گاڑی ہی نکل گئی تو منزلِ مقصود پر کس طرح پہنچو گے؟

ہندو کی تعریف

ہندو قوم کا ذکر تھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو اپنے ہندو ہونے پر فخر کرتے ہیں ان کی کتابوں میں لفظ "ہندو" کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ یہ نام تو مسلمانوں نے ان کو دیا ہے۔ "ہندو" کے معنی سیاہ کے ہیں ؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خالِ ہندو یعنی سیاہ خال۔ "ہندو" کے ایک معنی غلام کے بھی ہیں، ع

جملہ ترکانِ جہاں ہندوئے تو

یعنی تمام دنیا کے محبوب تیرے غلام ہیں۔ "ہندو" کے معنی چور کے بھی ہیں۔ بہرحال جبکہ یہ نام ان کو مسلمانوں نے دیا ہے تو ہندو اِزم اور ہندو دھرم کہاں سے پیدا ہو گئے؟ یہ لوگ تو ہندو مذہب کی صحیح تعریف بھی نہیں کر سکتے۔ جواہر لعل نہرو نے آخر تنگ آ کر یہ کہہ دیا:

"ہر وہ مذہب جو ہندوستان میں پیدا ہوا ہے 'ہندو مذہب' ہے۔"

مسکرا کر فرمایا کہ اس لحاظ سے تو قادیانی بھی ہندو ہو گئے۔ ان لوگوں نے بڑا زور لگایا لیکن اپنے آپ کو DEFINE (یعنی اپنی تعریف) نہ کر سکے۔ آخر ہندو دھرم ہے کیا چیز؟ ایک خدا کا

ماننے والا بھی ہندو۔ تین خدا ماننے والا بھی ہندو۔ کیونکہ آریہ خدا۔ روح اور مادہ کے قائل ہیں۔ اور ان کے نزدیک کروڑوں خدا ماننے والا بھی ہندو ہے۔ اور خدا کی ہستی تسلیم نہ کرنے والا بھی ہندو ہے۔ ایک دفعہ جواہر لعل نہرو کی کسی عدالت میں شہادت تھی۔ عدالت نے دستور کے مطابق اُس سے کہا کہ خدا کی قسم کھاؤ۔

اُس نے کہا:

"میں خدا کی ہستی کا قائل نہیں ہوں۔ آپ یقین کریں جو کچھ میں کہوں گا سچ کہوں گا۔"

دیکھا تم نے ان لوگوں میں بنیادی اصولوں کے متعلق کس قدر اختلاف ہے۔

مسلمان اگرچہ کئی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں لیکن بنیادی اصول سب کا ایک ہی ہے۔ سب خدا کو ایک مانتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق سمجھتے ہیں۔ سب فرقے نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ اگر ان میں کوئی اختلاف ہے تو صرف فروعات میں ہے۔ کوئی آمین بلند آواز سے کہتا ہے، کوئی چپکے سے۔ کوئی رفع یدین کرتا ہے، کوئی نہیں کرتا۔ صرف تفصیلات میں اختلاف ہے، اصول میں سب ایک ہیں۔

انگریزوں کی سیاسی غلطی اور اس کا سبب

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ انگریزوں نے جرمنی کو تباہ کر کے بڑی غلطی کی ہے۔ اب روس ان کے لئے جرمنی سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔ بلکہ تمام دنیا کے لئے MENACE (خطرہ کا باعث) ہو جائیگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عقل اب سلب ہو چکی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ عقل روح کا فعل ہے۔ جسم کا فعل نہیں ہے۔ بینائی بھی روح کا فعل ہے۔ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں یہ آنکھ تھوڑا ہی دیکھتی ہے۔ یہ تو روح دیکھتی ہے۔ جب روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو آنکھ جسم کے اندر موجود ہوتی ہے لیکن اسے نظر کچھ نہیں آتا۔ اب چونکہ عقل بھی روح کا فعل ہے اس وجہ سے جس قدر یہ لوگ روحانیت سے دور ہوتے جا رہے ہیں اسی قدر زیادہ بے وقوف ہوتے جا رہے ہیں۔ روحانیت سے جب بُعد ہو جاتا ہے تو کثافت بڑھ جاتی ہے۔ اور عقل ایک لطیف چیز ہے،

کثافت کی وجہ سے اس پر پردے پڑ جاتے ہیں۔

فرمایا۔ ان لوگوں کی عقل گُم ہوگئی ہے۔ اور یہ وہم میں مبتلا ہوگئی ہے۔ وہم عزرائیل علیہ السلام کا مظہر ہے۔ وہم ان کا تخت ہے۔ یہ POWER OF DESTR— UCTION (قوتِ تخریب) کے مظہر ہیں۔ ان توہّمات کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ یہ سب تباہ ہوجائیں گے۔

مغلوں کی غلطی ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ مغلوں نے ہندوستان میں بڑی غلطیاں کیں۔ تبلیغِ دین کی طرف انھوں نے کوئی توجّہ نہیں دی۔ اکبر اور جہانگیر کی ہندو نوازی نے مُسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ ورنہ مُسلمان کبھی اقلیت میں نہ ہوتے۔

فرنگی ڈپلومیسی شملہ کانفرنس منعقدہ ۱۹۴۵ء میں وائسرائے نے اپنی افتتاحی تقریر کے دَوران کہا:

"ALL PARTIES MUST SACRIFICE THEIR INTERESTS FOR THE GOOD OF THE COUNTRY."

(تمام پارٹیوں کو چاہیے کہ مُلک کے مفاد کی خاطر اپنے اپنے مفاد کو قُربان کریں۔)

اس کا حوالہ دیتے ہوئے حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ ملک کسے کہتے ہیں؟ کیا وائسرائے کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کی زمین کی خاطر ہم اپنے آپ کو قُربان کردیں؟ مُلک تو ہم ہیں پھر ہم اپنے آپ کو کِس کی خاطر قربان کریں۔ ہم اپنے اغراض کِس چیز کی خاطر چھوڑ دیں۔ کیا وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے لئے اپنے آپ کو قربان کردیں؟ یہ کیسی حماقت ہے۔ فرمایا یہ لوگ محض ڈپلومیٹک (سیاسی) تقریریں کرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اگر اس کا ANALYSIS (تجزیہ) کیاجائے تو معنی کچھ بھی نہیں نکلتے۔ فرمایا۔ ایک روز ہم سر محمّد رفیق[1] کے ہاں مہمان تھے۔

---

[1] سر محمّد رفیق حضرتِ اقدسؒ کے برادرِ سلسلہ تھے۔ ان کا تذکرہ صفحہ نمبر ۴۲۴ پر بھی ہے۔

لارڈ ریڈنگ ان کا دوست تھا۔ ایک روز وہ وائسرائے کے ہاں دعوت پر گئے۔ جب واپس آئے تو ہم سے کہا :

" آج وائسرائے نے بڑی DIPLOMATIC تقریر کی ہے۔"

پھر ہم سے پوچھنے لگے :

"کیا آپ لفظ ڈپلومیٹک کے معنی جانتے ہیں !"

ہم نے کہا :

" فرمایئے !"

کہنے لگے :

" اس کے معنی یہ ہیں کہ نہایت اچھے اچھے الفاظ ہوں۔ فقرے خوب کسے ہوئے ہوں۔ بڑی آن بان کی تقریر ہو مگر معنی کچھ بھی نہ ہوں۔"

اس کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ بڑے مکار ہیں۔

اَلدُّنْیَا زُوْرٌ لَا یَحْصِلُ اِلَّا بِالزُّوْرِ۔	دُنیا سراسر فریب ہے اور فریب کے بغیر حاصل نہیں ہوتی ۔

لیکن صحابہ کرامؓ نے تو کبھی مکر نہیں کیا تھا۔ اُن کا مقصود تو اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ اَب ضمناً اگر دُنیا بھی مِل جائے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ لیکن آج کل تو مکاری کا دَور ہے۔ ان لوگوں نے ہمیں بھی مکار بنا دیا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں :

" HONESTY IS THE BEST POLICY "

(دیانت داری بہترین حکمتِ عملی ہے)

ان کے نزدیک HONESTY (دیانت) بھی ایک POLICY (حکمتِ عملی) ہے کیسی ان لوگوں نے ہماری عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ فرمایا۔ پشاور میں ایک صاحب ہمارے ملنے والوں میں سے تھے۔ ایک مرتبہ وہ ہم سے کہنے لگے :

"انگریزوں سے میں نے یہ چالاکی کی اور وہ چالاکی کی۔"

ہم نے کہا:

"آپ نے اُن سے جھوٹ بولا۔"

کہنے لگے:

"نہیں شاہ صاحب۔ ہم نے جھوٹ نہیں بولا، ہم نے تو ان کے ساتھ پولیٹیکل کیا۔"

فرمایا آج کل جھوٹ کا نام POLITICS (سیاست) ہے۔

صراطِ مستقیم اِس کے بعد فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اسمائے دوریہ[1] کے تحت ہو رہا ہے۔ بعض اسماء ایک دُوسرے کے متضاد ہوتے ہیں۔ ان کو اسمائے متقابلہ کہتے ہیں۔ مثلاً رحیم اور قہّار۔ اور بعض قریب قریب ہم معنی ہوتے ہیں۔ معنوں میں تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ جیسے غفّار اور غفور۔ آج کل یا مُنتَقِمُ کا دَور ہے۔ اس کے بعد قَهَّارُ کا دَور شُروع ہوگا۔ اگر کوئی اسم بغیر اظہار رہ جائے تو یہ عدل کے خلاف ہے۔ جو کچھ اس دُنیا میں ہوتا ہے اسمائے الہٰیہ کے تحت ہوتا ہے۔ اور درحقیقت یہ عین حُسن ہے۔ صِرف صحیح ANGLE OF VISION (زاویۂ نگاہ) سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ DIVINE ANGLE OF VISION (حق کا زاویۂ نگاہ) ہے۔ اگر حقیقت کے نکتۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔ تو کوئی چیز بُری نظر نہیں آئیگی۔ ہر چیز میں حُسن ہی حُسن نظر آئے گا۔ اگر کسی PLANET (سیّارہ) پر کھڑے ہو کر ایک بہت بڑی دُوربین سے دیکھا جائے تو یہ دُنیا اور طرح کی نظر آئے گی۔ ہم چونکہ اسے قریب سے دیکھتے ہیں اس لئے جیسی وہ ہے ہمیں نظر نہیں آتی۔ حسین چہرہ پر خال اگر دُور سے دیکھا جائے تو نہایت اچھا لگتا ہے لیکن اگر اس کو بہت قریب سے یعنی MAGNIFYING – GLASS (خوردبین) سے دیکھا جائے تو سیاہی ہی سیاہی نظر آئے گی۔ ہر چیز کے لئے

---

[1] دیکھیں صفحہ نمبر ۴۲۲

ایک خاص مقام ہے۔ اور اپنے مقام پر وہ حسین ہے دُوسری جگہ پر وہ بدصُورت نظر آئے گی۔

"THINGS MUST BE SEEN IN THEIR CONTEXT."

(ہر چیز کو اپنے اپنے مقام پر دیکھنا چاہئیے) اگر سفید چہرہ پر سیاہ زُلفیں ہوں تو کیسی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔ اب اسے اُلٹ دو۔ سیاہ چہرہ پر سفید بال کتنے بدنما معلوم ہوں گے۔ اس موقعہ پر احقر کے دِل میں خیال پیدا ہوا کہ جب اس جہان میں سب کچھ اچھا ہے تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو) کیوں آیا ہے؟ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔	محمّد (علیہ الصلوٰۃ والسّلام) اللہ کے رسُول ہیں اور وہ لوگ جو آپکے ساتھ ہیں کفّار پر سخت ہیں اور آپس میں نرم ہیں۔

اَب چونکہ دُنیا کی ہر چیز اعتباری ہے۔ اس لئے ایک اعتبار سے یعنی بحیثیت خلیفۃ اللہ تو انسان بُرے کاموں سے نفرت کرتا ہے اور بُرائی سے روکنے پر مامور ہے اور دُوسرے اعتبار سے یعنی عرفان کے اعتبار سے اس پر حقیقتِ اشیاء ظاہر ہے اور ہر چیز کو وہ حسین دیکھتا ہے اس لئے یہ حکم ہوا ہے۔ انسان کو چاہئیے کہ دونوں باتوں پر عمل کرے۔ گناہوں کے بارے میں روش سخت رکھے اور ان کی حقیقت پر نظر ڈالتے ہوئے خطا کاروں سے نرمی کا برتاؤ کرے۔ سختی اور نرمی دونوں اپنی اپنی جگہ مستحسن ہیں۔ ہر چیز پر نکتہ چینی کرنے سے قلب میں سختی بڑھ جاتی ہے اور اگر ہر چیز کے صرف اچھے پہلو ہی پر نظر رکھی جائے تو قلب میں ضرورت سے زیادہ نرمی پیدا ہو جاتی ہے اور اصلاح کا جذبہ مفقود ہو جاتا ہے۔ یہ بھی بُرا ہے۔ صراطِ مُستقیم ان دونوں باتوں میں اعتدال پیدا کرنے کا نام ہے۔ انسان کو عقل اس لئے دی گئی ہے کہ ان میں تمیز کرکے POWER OF DISCRIMINATION (قوّتِ امتیاز) کو بڑھائے اور

صحیح روش اختیار کرنے کا ملکہ پیدا کرے ۔صراطِ مُستقیم نہایت باریک ہے اس کو کھلم کھلا بیان نہیں کیا گیا۔بلکہ صرف اس کی حدود بتا دی گئی ہیں ۔باقی انسان کی عقل پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔

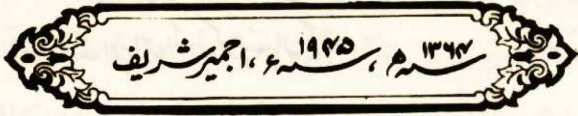
ارشاد فرمایا کہ صراطِ مُستقیم اسلام و کُفر اور ہدایت و ضلالت کے درمیان نہایت باریک فرق ہے ۔سخاوت اور فضول خرچی میں بھی بہت باریک فرق ہے ۔اسی طرح SELF– RESPECT اور CONCEIT یعنی خودداری اور تکبّر میں بھی باریک فرق ہے ۔غیبت اور راست گوئی میں بھی باریک فرق ہے ۔اِنسان کو چاہیئے کہ اس باریک فرق کا عرفان حاصل کرے اور اپنی روِش صحیح رکھے ۔اسی کا نام صراطِ مُستقیم ہے ۔

کسی اور موقعہ پر ارشاد فرمایا : اللہ تعالیٰ نے موٹی موٹی حدود قائم کر دی ہیں ۔اب حالات اور واقعات کے مطابق ان حدود کے درمیان میانہ روی اختیار کرنا اِنسان کی عقل کا کام ہے ۔

اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَ الرَّجَآءِ ۔	ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہے ۔

مومن کے لئے ضروری ہے کہ نہ ہر وقت خوف میں رہے اور نہ ہر وقت رحمت کی اُمید میں بے پروا رہے ۔کیونکہ خوف سے ہاتھ پیر پھُول جائیں گے اور کوئی کام نہیں کرنے پائے گا ۔ہر وقت اُمید میں رہنے سے بھی عمل مفقود ہو جائے گا ۔ایمان ان دونوں کے درمیان ہے ۔اسی طرح ذاتِ باری کو تشبیہ و تنزیہ کے درمیان سمجھے اور مسئلہ تقدیر بھی ایسا ہی ہے ۔انسان جبر و قدر کے مابین ہے ۔ایک لحاظ سے وہ مجبور ہے اور ایک لحاظ سے اُسے FREE WILL (خود مختاری) دی گئی ہے ۔جبر و قدر کا مسئلہ نہایت باریک ہے ۔الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا ۔الفاظ کے ذریعہ صرف اِشارہ کیا جا سکتا ہے ۔لیکن تزکیۂ نفس کے بعد یہ بات مشاہدہ میں آجاتی ہے ۔اور بات یہ ہے کہ تکلیف میں وہ لوگ ہیں جو اس بات کو سمجھنا چاہتے ہیں جو سمجھنا نہیں چاہتے وہ بالکل آرام میں ہیں ۔بس گاڑی میں چُپکا بیٹھا رہے ۔ڈرائیور کی مرضی جہاں چاہے لے جائے ۔

STEERING WHEEL (چلانے کی کل) اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور مزہ یہ ہے کہ ڈرائیور ہمارا نوکر نہیں ہے۔ ہم اس کے نوکر ہیں۔



خدائی قانون

ایک دفعہ قانون کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا یہ جو لوگ کہتے ہیں : — EVERY RULE HAS AN EXCEPTION (ہر قانون کے لئے استثنار ہے) یہ بالکل غلط ہے صرف انسان کے بنائے ہوئے RULES (قوانین) میں یہ نقص ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان کا دماغ محدود ہے جب آدمی قانون بناتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی ہے۔ جب خامی معلوم ہوتی ہے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ EXCEPTION یعنی مستثنیات سے ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون میں کوئی ایسا نقص پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ سب کچھ جانتا ہے اس کے بنائے ہوئے قوانین میں کبھی خامی نہیں رہ سکتی۔ لَا تَجِدُ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کے معنی یہی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک عیسائی کے ساتھ جو بڑا عالم و فاضل تھا اس مضمون پر ہماری بحث ہوگئی۔ اُس نے کہا :

" اچھا آپ کوئی RULE (قانون) بتائیں جس میں کوئی EXCEPTION (استثنار) نہ ہو۔" ہم نے کہا :

" خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا | میانہ روی میں بہتری ہے۔

یہ ایک اصول ہے جو ہر حال میں صحیح ہے۔ اور کسی بھی موقعہ پر غلط نہیں ہوتا۔ "

اُس نے کہا :

" لیکن عبادت تو جس قدر زیادہ کی جائے افضل ہے۔ "

ہم نے کہا :

" بالکل نہیں۔ ہمارے مذہب میں حد سے زیادہ عبادت کرنا رہبانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور رہبانیت کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ "

یہ سن کر اس نے اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دیں۔ کہنے لگا:

" اچھا زنا کے اوپر اس اصول کو چسپاں کیجئے۔"

ہم نے کہا:

" فعلِ زنا تو خود ہی حدِّ اعتدال سے باہر ہے۔ یہی فعل حدِّ اعتدال میں ہو تو سُنّت، ثواب اور کارِ خیر ہے۔ ہمارے مذہب میں اس اعتدال کی حد نکاح سے قائم ہوتی ہے۔"

یہ سن کر وہ یہ کہتا ہوا چلا گیا:

"YOU ARE A WONDERFUL MAN."

(آپ تو کمال کے آدمی ہیں)

لاہور کا ایک عصرانہ

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ پارسال جب ہم پشاور گئے تو راستہ میں لاہور اترے۔ عزیز (میجر عزیز احمد مہمندی) کے بھائی نے ہمیں چائے پر مدعو کیا اور اپنے چند مغرب زدہ دوستوں کو بھی بلا لیا۔ ان میں بعض بڑے عہدہ دار بھی تھے مثلاً لاہور کے ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل وغیرہ۔ دورانِ گفتگو عزیز کے بھائی (فیاض صاحب سابق انسپکٹر پولیس لاہور) نے دریافت کیا:

" ایک حدیث تو سن کر ہمیں بڑا ڈر لگنے لگا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک نماز ترک کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ہم تو مر گئے۔"

ہم نے کہا:

" اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تارکِ نماز کافر ہے۔ اور تارکِ نماز وہ ہے جو کبھی نماز نہ پڑھے۔ اور جو پابندی سے نہیں پڑھتا، کبھی کبھی پڑھ لیتا ہے اس کو تارکِ

صلوٰۃ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ دیکھو تو۔ تارکِ شراب اُسی کو کہو گے نا جو کبھی شراب نہیں پیتا یا شراب چھوڑنے کے بعد زندگی بھر ہاتھ نہ لگائے لیکن کوئی شخص پابندی سے نہ سہی کبھی کبھی پی لیا کرے تو اسے کون مسخرہ تارکِ شراب کہے گا۔"

یہ سُنکر کہ کبھی کبھی پڑھنے والے تارکانِ صلوٰۃ کی فہرست میں نہیں آتے، ان لوگوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ ھم نے کہا تمھیں نادم ہونا چاہیئے۔ نماز میں سُستی برتنا کوئی اچھی بات تو ہے نہیں۔ اس کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ جذبہ محبّت پیدا کرو اور خلوصِ دل کے ساتھ پانچوں وقت اس کی بارگاہ میں حاضری دیا کرو۔ انشاء اللہ قربُ کی نعمت سے نوازے جاؤ گے۔

اس کے بعد حاضرین میں سے کسی نے دریافت کیا:

"معراج کا مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جسم کے ساتھ معراج پر گئے ہوں۔ کیوں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انسان زمین کے اُوپر صرف چند میل تک ہی زندہ رہ سکتا ہے۔"

ہم نے کہا:

"اللہ کے لئے کیا چیز ناممکن ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ
اللہ ہر بات پر قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔"

نماز اوّل وقت ادا کریں

حضرت شاہ شہیدُ اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرتِ اقدسؒ نے ایک دفعہ فرمایا تھا:

"نماز اوّل وقت ادا کرنی چاہیئے۔ اس میں ایک راز ہے۔"

لیکن حضرتِ اقدسؒ نے اس راز کی وضاحت نہیں فرمائی۔ البتہ میرے قلب میں یہ بات آئی کہ پانچ وقت کی نماز میں تزکیہ وتصفیۂ باطن عمل میں آتا ہے اور وہ غبار جو دنیوی مشاغل کی وجہ سے قلب پر جم جاتا ہے۔ وہ دُھل کر صاف ہو جاتا ہے اگر نماز دیر کر کے پڑھی جائے تو شیطان کو بھی زیادہ وقت مِل جاتا ہے۔ قلب پر غبار زیادہ جمع ہو کر دیر میں صاف ہوتا ہے یا بعض اوقات مکمّل طور پر

صاف ہی نہیں ہونے پاتا۔ لیکن اوّل وقت نماز پڑھنے سے شیطان کو وقت نہیں ملتا۔ اور حسبِ دستور تزکیہ و تصفیۂ باطن ہوتا رہتا ہے۔

حضورِ قلب کا مطلب

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ نماز کے وقت اللہ کی جو صورت سامنے آئے اس کی نفی کردینی چاہیئے۔ اور اس کی تجلّی کا منتظر رہنا چاہیئے۔ اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔ وہ صورت سے پاک ہے۔ اپنے بندوں پر تجلّی فرماتا ہے۔ فرمایا وہ نماز جس میں حضورِ قلب نہیں محض اُٹھک بیٹھک ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ	جب تک قلب حاضر نہ ہو نماز نہیں ہوتی۔

حضورِ قلب کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت آدمی یہ خیال کرے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں اور اسی کے لئے رکوع اور سجود کر رہا ہوں۔ اللہ کا خیال ہر وقت دِل میں جما رہے اور وساوس دِل میں نہ آنے پائیں۔

حضرت عمرؓ کا حضورِ قلب

ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ کسی نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّیؒ سے دریافت کیا :

"حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ میں جنگی معاملات نماز میں طے کر لیتا ہوں۔ تو ایسی نماز میں حضورِ قلب کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ حدیث شریف میں تو ہے :

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ	حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔"

حاجی صاحبؒ نے فرمایا :

"جب کسی کو شہنشاہ کے حضور میں شرفِ باریابی حاصل ہو جائے تو وہی تو وقت خاص ہے کہ سب امورِ شہنشاہ کے حضور میں پیش کر کے ان پر احکامات حاصل کر لئے جائیں، یہ حضوریِ قلب کے منافی کس طرح ہوا؟"

اجمالی سلوک ارشاد فرمایا کہ نماز بھی اجمالی سلوک ہے۔ نماز کے ہر رُکن میں سلوک کی منازل طے ہوتی ہیں۔ اگر نماز صحیح طریقہ سے ادا کی جائے تو بے شمار انوار و برکات نازل ہوتے ہیں۔ سالک کو چاہیئے کہ نماز کی حقیقت کو سمجھ کر نماز ادا کرے۔ تکبیر تحریمہ یعنی نیّت باندھتے وقت اللہ اکبر کہنے سے یہ مراد ہے کہ آدمی غیر سے قطع تعلق کر کے اللہ تعالیٰ کی الوہیّت کا قائل ہوتا ہے۔ اور اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور تسبیح کے بعد سورۃ فاتحہ شُروع کرتا ہے۔ سورۃ فاتحہ کے تین حصّے ہیں۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک بندہ اپنے آقا کے سامنے ADDRESS (خطبہ عبودیت) پیش کرتا ہے جس میں اس کی حمد و ثنا کی جاتی ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ بندہ اور مولا کے درمیان ہے۔ یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے لے کر سورۃ کی آخر تک بندہ اپنے مولا سے اپنے لئے دُعا مانگتا ہے۔ یہاں پر بندہ کا خطاب مولا کے سامنے ختم ہو گیا۔ اس کے بعد نمازی قرآن شریف کی آیتیں پڑھنا شروع کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا جواب ہے اپنے بندہ کو۔ اللہ کا یہ جواب بندہ بطور خلیفۃُ اللہ کے خود کو سُناتا ہے۔ اور اس کا اِلقا اللہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ جس سورۃ یا جن آیات کا اِلقا ہوتا ہے بندہ وہی پڑھتا ہے۔ اکثر اس کا مضمون بندہ کے حال کے مطابق ہوتا ہے۔ خلیفۃُ اللہ کے مُنہ سے اللہ کا جواب ایسا ہے جیسے مُوسیٰ علیہ السّلام نے درخت سے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ کی آواز سُنی۔ موسیٰ علیہ السّلام نے درخت کو خُدا نہ سمجھا بلکہ آواز کو خُدا کی آواز سمجھا۔ اَب اللہ کے اس خطاب کے شکرانہ میں بندہ بارگاہِ الٰہی میں جُھک جاتا ہے۔ اور اس کی پاکی بیان کرتا ہے۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ۔ پھر اللہ کی طرف سے خطاب ہوتا ہے۔ اللہ اپنے خلیفہ کے ذریعہ فرماتا ہے۔ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ یعنی اللہ نے اس کی حمد سُن لی۔ تو یہ جملہ اللہ ہی کے لئے زیبا ہے۔ بندہ اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا۔ اب یہ سُنکر بندہ پر ممنونیت کا جذبہ طاری ہوتا ہے اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہہ کر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتا ہے اور کہتا ہے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى اَب بندہ اپنا سب کچھ فنا کر دیتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ میرا رب پاک ہے۔ ارفع و اعلیٰ

ہے عظیم الشان ہے۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ یہ فنائیت کا مقام ہے۔ اب بندہ کے اس عجز و انکسار کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ شفقت فرماتا ہے اور اُسے سجدہ سے اُٹھاتا ہے جس کی وجہ سے بندہ پر نیستی کی کیفیت اور زیادہ گہری ہو جاتی ہے۔ اور وہ دوبارہ سجدہ کرتا ہے۔ دو سجدوں میں یہی راز ہے۔ دُوسری رکعت میں بھی یہی معاملہ ہوتا ہے۔ پھر التحیات پڑھتا ہے یعنی اب فنائیت سے نکل کر بقائیت میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے۔ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود و سلام بھیجتا ہے۔ صالحینِ امّت کے لئے بھی سلامتی چاہتا ہے۔ اور اپنے لئے بھی دُعا مانگتا ہے۔ اس کے بعد سلام پھیرتا ہے۔ سلام پھیرنے کا یہ مطلب ہے کہ جب آدمی بادشاہ کے دربار سے واپس آتا ہے تو اس باریابی کی خوشی میں وہ اپنے عزیز و اقارب۔ دوست احباب اور نوکروں چاکروں میں مٹھائی تقسیم کرتا ہے۔ انعام دیتا ہے یہاں یہ تحفہ اور انعام یہی ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے لئے سلامتی کی دُعا مانگتا ہے۔ اگر اس طرح نماز پڑھی جائے تو وہی انوار نازل ہوں گے جن کا تصوّر ہر مقام پر کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے نماز پڑھ کر انسان تکمیلِ سلوک کر لیتا ہے۔

حجابِ نورانی

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ کسی مرید نے اپنے شیخ سے کہا: مجھے نماز میں لذّت محسوس نہیں ہوتی۔ پیر نے کہا۔ بندۂ خدا باش بندۂ ذوق مباش[1]۔ ارشاد فرمایا کہ ہر کام میں سالک کا مقصُود اللہ ہونا چاہیئے۔ لذّت و کشف و کرامات کی طلب نہیں رکھنی چاہیئے۔ کشف و کرامات حجاب بن جاتے ہیں جس سے سالک کی ترقّی رُک جاتی ہے۔ ان حجابات کو حجابِ نورانی کہتے ہیں۔ ان پردوں کو ہٹائے بغیر سالک آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ایک مرتبہ حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

"مجھے اپنے مخلص بندہ سے ملایئے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فلاں شخص کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہم نے تمہاری

---

[1] (ترجمہ "خُدا کا بندہ بنو۔ ذوق کا بندہ مت بنو"

قسمت میں دوزخ لکھ دی ہے۔ تم خواہ کتنی ہی عبادت کرو لیکن تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے۔"
چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے جا کر اُس شخص کو یہ پیغام سُنایا۔ اُس نے کہا:

" یہ تو ان کی مرضی کی بات ہے۔ ان کی مرضی یہی ہے تو یہی سہی۔ میں کوئی دوزخ کے ڈر سے تھوڑی عبادت کر رہا ہوں کہ یہ وعید سن کر بند کر دوں۔"

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ اُس نے یہ جواب دیا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" اچھا اب جا کر اس سے یہ کہو کہ تیرے اس جواب سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا اور اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہاری قسمت میں بہشت لکھ دی، اب مزید عبادت کی ضرورت نہیں۔"

موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ جا کر یہ پیغام سُنایا۔ اُس نے کہا:

" میں جنّت کی خاطر عبادت نہیں کرتا۔ اس کی مرضی وہ چاہے تو مجھے بہشت بخشے یا دوزخ میں ڈال دے۔ میرا کام تو اس کی عبادت کرنا ہے۔ میں اس کا بندہ ہُوں، وہ میرا رب ہے۔ بندہ کا عبادت کے سوا اور کیا کام ہو سکتا ہے۔"

موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ کی جناب میں اس کا جواب عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" دیکھ لیا میرے مخلص بندہ کو۔ وہ میری عبادت نہ تو دوزخ کے ڈر سے کرتا ہے اور نہ بہشت کی لالچ میں۔ محض میرے لئے عبادت کرتا ہے۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ سالک کا یہی نصب العین ہونا چاہیئے۔ اگر کشف وکرامات کا طلب گار بنا تو گھاٹیوں میں پھنس کر رہ جائے گا، جو صوفی کشف و کرامات کا خوگر ہو جاتا ہے، اصحابِ تمکین اسے چٹورا صوفی کہا کرتے ہیں۔ جس طرح چٹورے بچے کو مٹھائی کا شوق ہوتا ہے اسی طرح انہیں بھی ان چیزوں کا چسکا پڑ جاتا ہے۔ یہ بہت بُری عادت ہے اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اہلِ نظر حضرات نے ہمیشہ ایسی باتوں سے اجتناب کیا۔ طالب کی نظر ہمیشہ منزلِ مقصود پر رہنی چاہیئے۔ کشف وکرامات میں اُلجھ کر اپنے سلوک کو برباد نہیں کرنا چاہیئے۔

اصلاحِ حال اور مضمون نویسی

ایک دن "رسالوں اور مضامین کے ذریعے تبلیغ" پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ارشاد فرمایا: حسن نظامی نے اپنی ایک لڑکی کی شادی کی جن کا ابھی حال ہی میں انتقال ہوا ہے، اس تقریب پر انھوں نے جو دعوت نامے اپنے احباب کو جاری کئے۔ اس کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

"اس محبّت کی بنا پر جو مجھے آپ سے ہے آپ کی خدمت میں لڑکی کی شادی میں شمولیت کی استدعا کرتا ہوں تاکہ آپ کی تشریف آوری میرے لئے خوشی کا باعث بنے۔ تشریف آوری پر آپ کا اسٹیشن پر استقبال کیا جائے گا۔ اسٹیشن پر سواری موجود رہے گی۔ قیام کے لئے نہایت آراستہ و پیراستہ مکان دیا جائے گا اور عُمدہ عمدہ کھانے پیش کئے جائیں گے۔ غرضیکہ ہر قسم کا آرام بہم پہنچایا جائے گا لیکن چونکہ آپ کو تشریف لانے میں اور مجھے یہ تمام انتظامات کرنے میں کافی دِقّت کا سامنا ہوگا اِس لئے عرض کیا جاتا ہے کہ آپ تشریف آوری کی زحمت گوارا نہ فرمائیں تو اچھا ہے۔ بہرحال آپ کو یہ تو معلوم ہو ہی گیا کہ میرے دِل میں آپ کی کتنی وقعت ہے۔ آپ تشریف لاتے تو آپ کی خاطر کیا کیا انتظامات کئے جاتے۔"

فرمایا اس قسم کا دعوت نامہ ہمارے پاس بھی آیا تھا۔

ایک دفعہ کسی جگہ ان سے ملنے کا اتفاق ہُوا۔ عُرس کا زمانہ تھا ہم نے اُن سے کہا:

"اِمسال اجمیر شریف عُرس پر ضرور تشریف لائیے غریب خانہ حاضر ہے۔ ہر قسم کا انتظام ہوگا۔ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ عُمدہ عُمدہ کھانوں کے علاوہ قوالی وغیرہ کا بھی انتظام ہوگا۔ لیکن چونکہ آپ کو تشریف لانے میں اور ہم کو یہ سارے انتظامات کرنے میں تکلیف ہوگی اس لئے مناسب یہی ہے کہ آپ تشریف نہ لائیں۔ بہرحال آپکو معلوم تو ہو ہی گیا کہ میرے دِل میں آپ کے لئے کِس قدر محبّت ہے۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ مولوی عبدالعزیز اسی مضمون نویسی کے ذریعہ تبلیغ پر بات چیت کر رہے تھے ہم نے کہا :

" مولوی صاحب ! اگر ہم آپ کو کھانے پر بلائیں ۔ آپ ہمارے مکان پر تشریف لائیں اور کافی دیر تک باتیں کرتے رہیں ۔ اور جب آپ کو بھوک اور پیاس محسوس ہو تو ہم ایک نہایت اچھے مقرر کو بلا کر آپ کے سامنے پلاؤ اور ٹھنڈے پانی پر تقریر کرائیں تو کیا آپ کی بھوک اور پیاس رفع ہو جائے گی ؟ "

آدمی سمجھ دار تھے ، ہمارا مطلب سمجھ گئے ۔



اصلاحِ قوم کی ذمّہ داری

اِمسال احقر وسط رمضان شریف میں کراچی پہنچا ۔ جب احقر درِ دولت پر حاضرِ خدمت ہوا اس وقت کچھ لوگ آپؒ کے حضور میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ کسی نے کہا :

" رمضان شریف میں لوگ کھلم کھلا دن کے وقت کھاتے پھرتے ہیں ۔ کوئی پروا نہیں کرتے ۔ ہوٹل والے بھی دروازوں پر پردے ڈال لیتے ہیں اور اندر لوگ مزے سے کھاتے پیتے رہتے ہیں ۔ "

فرمایا :

" ہاں لوگ رمضان شریف کا احترام نہیں کرتے معلوم ہوتا ہے کوئی آفت آنے والی ہے ۔ "

اِرشاد فرمایا کہ رمضان شریف کا ہم پر ایک حق ہے جو اس کا حق ادا نہ کرے گا ، مصیبت میں مبتلا ہو گا ۔ اسی طرح قرآن شریف کا بھی حق ہے ۔ اگر قرآن لے کر رکھ دیا جائے ۔ اس کی تلاوت نہ کی جائے اس پر عمل نہ کیا جائے ۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا حق ادا نہیں کیا ۔ اس موقعہ پر

سیّد مقصود حسن صاحب نے کہا:

" ناظم کراچی کی جانب سے جو اعلان ہوا تھا وہ صرف یہ تھا کہ ہم توقع کرتے ہیں کہ رمضان شریف کے دنوں میں کوئی شخص پبلک میں کھلے گا پئیے گا نہیں۔"

فرمایا:

" ہاں حکومت کی طرف سے اتنا اشارہ کافی ہے۔ اب یہ خود مسلمانوں کا کام ہے کہ لوگوں کی اصلاح کریں۔ حکومت سے توقع نہ رکھیں۔ کھانا پینا بند کرائیں۔ اور لوگوں کو اسلامی احکام پر عمل کرانے کی کوشش کریں۔ جو شخص روزہ نہ رکھے۔ نماز نہ پڑھے۔ رشوت یا اس قسم کے دوسرے جرائم کا مرتکب ہو، اس سے قطع تعلق کرلیں۔ اس کی شادی غمی میں شرکت نہ کریں۔ پھر دیکھیں اصلاح ہوتی ہے یا نہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی سے سبق لینا چاہیئے۔ آپؐ نے سب سے پہلے پبلک کی اصلاح کی۔ نبوّت کے ابتدائی پندرہ سال آپؐ نے پبلک کی اصلاح میں صرف کئے۔ آپؐ کی اصلاحی توجّہ کی برکت سے جب عوام کو اخلاقی بلندی نصیب ہوئی اور اُن میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ جیسے آدمی تیار ہوگئے تو پھر آپ نے حکومت کی طرف توجّہ فرمائی۔ جنگِ بدر اسلام کی پہلی جنگ ہے اور جنگِ بدر ہجرت کے دوسرے سال واقع ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سب سے پہلے عوام کی اصلاح ضروری ہے۔ جب عوام کی اصلاح ہوگئی تو حکومت کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔"

یکم شوال المکرم ۱۳۶۹ھ سنہ ۱۹۵۰ء کراچی

مسلم لیگ کا فرض کیا تھا؟

عید کے روز بعد نمازِ عید خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ حضرت شاہ شہید اللہ صاحب، خانزادہ عبدالکریم اور

میجر بابر بھی حاضرِ خدمت تھے۔ حکومت کے متعلق گفت گو ہو رہی تھی۔ میجر بابر نے کہا:

"پہلے لوگ انگریزوں سے تو ڈرتے تھے۔ لیکن اب جب سے ملک آزاد ہوا ہے کسی کا خوف نہیں رہا۔ جو جی میں آتا ہے کرتے ہیں۔ وزیروں کو دیکھئے زکام ہوتا ہے تو امریکہ چلے جاتے ہیں۔"

حضرتِ اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ لوگ اپنی اصلاح خود کریں۔ حکومت کی اصلاح آپ ہی آپ ہو جائے گی۔ اگر لوگ رشوت نہ دیں تو افسر رشوت کیسے لے سکتے ہیں۔ صوبہ سرحد میں لوگ غریب ہیں نہ رشوت دے سکتے ہیں نہ افسر لے سکتے ہیں۔ اس لئے وہاں حالات قدرے اچھے ہیں۔

فرمایا: مسلم لیگ کا فرض تھا کہ پبلک کی اِصلاح کرتی۔ پبلک میں اس قدر تنظیم اور قوت ہونی چاہیئے کہ حکومت کے لوگوں کو غلط کام کرنے کی جرأت نہ ہو۔ جب پبلک کی اِصلاح ہو جاتی ہے تو حکومت میں خود بخود اچھے لوگ آجاتے ہیں۔ لیکن اب مسلم لیگ نااہلوں کے ہاتھ میں آکر بالکل ناکارہ ہو گئی ہے۔ تقسیمِ ہند سے پہلے لیگ بہت مضبوط تھی یہی وجہ ہے کہ اس نے پاکستان حاصل کرلیا۔ لیکن اس وقت کی مسلم لیگ صِرف برائے نام ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ کھوڑو جو جناح کا معتوب تھا اس وقت سندھ مسلم لیگ کا صدر ہے۔

فرمایا: لیگ کا PARTITION (ہندوستان اور پاکستان کے لئے علیحدہ علیحدہ مسلم لیگیں قائم کرنا) غلط اقدام تھا۔ بھارت اور پاکستان کی مسلم لیگ کو الگ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ مسلم لیگ کا مقصد کیا تھا۔ یہی کہ اس برِّصغیر کے مسلمانوں کا تحفّظ ہو جائے۔ جب مسلم اکثریت کے علاقوں میں لیگ نے پاکستان قائم کرلیا تو اب بھارت کے مسلمانوں کا تحفّظ بھی مسلم لیگ ہی کے ذمّے تھا۔ متحدہ لیگ کا ہیڈ کوارٹر پاکستان میں ہوتا اور یہاں سے بھارت کے مسلمانوں کا تحفّظ کیا جاتا۔ پچھلی جنگ کے زمانہ میں بلجیم کی حکومت کا ہیڈ کوارٹر لندن کے ایک ہوٹل میں تھا۔ اور وہاں سے وہ اپنا کام کرتے رہے۔ مسلم لیگ بھی اسی طرح کر سکتی تھی۔

انقلابِ فرانس کے تین نعرے

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ LIBERTY (آزادی) EQUALITY (مساوات) اور FRATERNITY (اخوت) یہ تین — FRENCH REVOLUTION (فرانسیسی انقلاب) کے SLOGANS (نعرے) ہیں۔

فرمایا: جہاں تک LIBERTY (آزادی) کا تعلق ہے اس کا تو کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ انسان پیدائشی طور پر کئی زنجیروں میں جکڑا ہُوا ہے۔ اس کے اندر چار خِلطیں ہیں۔ خاک۔ باد۔ آب وآتش، اگر ان عناصر میں سے کسی ایک کی زیادتی ہوگئی تو صحت بگڑ جاتی ہے۔ لہذا ان میں سے ہر ایک کو کنٹرول میں رکھا جاتا ہے۔ آزاد نہیں ہونے دیا جاتا۔ پھر جسم کے لئے کھانا کھلانے، پانی پینے اور سونے کی قید ہے اگر حوائج کی پابندی سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا جائے تو نتیجہ ہلاکت ہے۔ اس کے بعد حکومت کے قوانین ہیں۔ ان قوانین کی زنجیروں میں آپ جکڑے ہوئے ہیں۔ آپ جو چاہیں کرنے کے لئے آزاد نہیں ہیں۔ اور سب سے زیادہ سخت غلامی کی زنجیر تو آپ کے خیالات ہیں۔ آپ اپنے خیالات کے اندر مقیّد ہیں۔ لوگوں کو اِس قید کا احساس نہیں ہے حالانکہ یہ سب سے زیادہ سخت قید ہے۔ اب ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے آزادی کا نعرہ کیا معنی رکھتا ہے۔ انسان آزاد نہیں ہے، غلام ہے۔ قرآن شریف میں اسے عبد کہا گیا ہے۔ عبد کے معنی ہیں غلام۔ اب عبد کو آزاد کیسے کہہ سکتے ہو۔ رہی EQUALITY (مُساوات)، تو ہم بتا چکے ہیں کہ EQUALITY اس دُنیا میں ناممکن ہے صِرف قانون کے نزدیک مُساوات ہوسکتی ہے جسے قانونی مساوات کہہ سکتے ہیں۔ مالی مساوات ناممکن ہے۔ باوجود آزادی کے ان نعروں کے ان ہی لوگوں نے مساوات کی خوب مٹی پلید کر رکھی ہے۔ مغرب میں امیروں کے الگ ہوٹل ہیں غریبوں کے الگ ہیں امیر اور غریب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے۔ پھر ان کے نزدیک COLOUR BAR (نسلی امتیاز) ہے۔ ان کے کلبوں، ہوٹلوں اور تماشہ گاہوں میں غیر سفید آدمی قدم نہیں رکھ سکتا۔ غرضیکہ سماجی مساوات بھی ان کے ہاں مفقود ہے۔ پھر یہ کس بات پر اکڑتے ہیں۔ تیسرا SLOGAN (نعرہ) FRATERNITY (اخوت) ہے۔

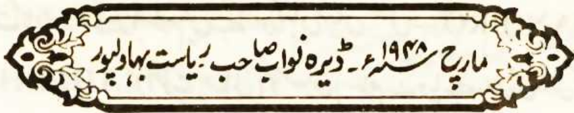
اور اخوت کا وجود صرف اسلام میں ہے۔ اور کہیں نہیں۔ جس HUMAN BRO- THERHOOD (اخوتِ انسانی) کا سبق اسلام نے دیا ہے۔ اس کی مثال کہیں نہیں ملے گی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ	سب مسلمان بھائی ہیں۔

اسلام میں سب کچھ موجود ہے۔ مگر یہ لوگ دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس سوچنے سمجھنے کے لئے وقت ہی نہیں ہے۔ ان کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہے کہ کوئی مفید کتاب پڑھ سکیں۔ وہ تو اخبار بھی نہیں پڑھ سکتے۔ صرف سرخیاں دیکھ لیں اور کچھ موٹی موٹی خبریں پڑھ لیں یا زیادہ سے زیادہ اپنے مطلب کا کوئی مضمون پڑھ لیا۔ بس۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ باوجود اس کے ہمارے یہاں کے لوگوں میں یہ مرض ہے کہ بس یورپ ہی کی تقلید کریں گے۔

اسلام اور غلامی

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ انگریز جرمن قوم کو مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی قوم کو مٹانا ممکنات سے نہیں ہے اسلامی فتوحات کے دور میں کبھی مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کو مٹانے کی کوشش نہیں کی مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی مخالف قوم سے نقصان پہنچانے کی قوت چھین لینے پر اکتفا کیا۔ اس کو مٹانے کے درپے کبھی نہیں ہوئے۔ اب جرمنی میں جو اس قدر عورتیں بیوہ ہو گئی ہیں۔ بچے یتیم ہو گئے ہیں اور لوگ بھوکوں مر رہے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس اس کا کیا علاج ہے۔ اسلام میں تو یہ تھا کہ ان کو غلام بنا لیا جاتا تھا اور اس قسم کے تمام لوگ پوری قوم میں تقسیم ہو جاتے تھے۔ اور کسی کو بوجھ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم تھا کہ غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ جو کچھ خود کھاؤ انھیں بھی وہی کھلاؤ۔ جو خود پہنو انھیں بھی پہناؤ۔ اکثر یہ ہوتا تھا کہ آقا کے مرنے کے بعد غلام اس کا قائم مقام بن جاتا تھا۔ اسلام میں جو آزادی غلاموں کو حاصل ہے وہ ان لوگوں کے ہاں آزاد لوگوں کو بھی نصیب نہیں ہے۔ غلام بنانے کے ساتھ ساتھ غلام آزاد کرنے کی بھی تعلیم ہے کہ ایک غلام آزاد کرو گے تو اتنا ثواب ملے گا۔ دو غلام آزاد کرو گے تو اس قدر ثواب ہو گا۔



پاکستان کی ضرورت

میجر انعام اللہ خان ۔ صاحب زادہ عبدالحمید اور دیگر احباب حاضرِ خدمت تھے ۔ سیاست پر گفتگو ہو رہی تھی ۔ کسی نے ۱۹۴۷ء کے فسادات کا ذِکر کرتے ہوئے دریافت فرمایا :

"کیا پاکستان کی بجائے GROUPING SYSTEM (گروپنگ سسٹم[1]) بہتر نہیں تھا ؟"

اِرشاد فرمایا کہ اوّل تو گروپنگ کو ہندو تسلیم کرنے کے بعد منحرف ہو گئے ۔ اگر منحرف نہ بھی ہوتے تب بھی گروپنگ مُسلمانوں کیلئے پاکستان سے بہتر ثابت نہ ہوتا ۔ یہ ممکن ہے کہ مُسلمانوں کا کشت و خون جو اِس وقت ہُوا ہے گروپنگ کی صُورت میں نہ ہوتا ۔ لیکن گروپنگ میں مُسلمان ہمیشہ دَب کر رہ جاتے اور اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ پریشان دُنیا کے سامنے صحیح اِسلامی حکُومت کا نمونہ پیش کیا جائے ۔ اور ساری دُنیا پر واضح کر دیا جائے کہ اسلامی طرزِ حکُومت اور اسلامی نظام سے سب مُشکلات اور افراتفری ختم ہو سکتی ہے ۔ اس کے لئے پاکستان ہی کی ضرورت تھی ، گروپنگ سسٹم کی نہیں ۔ حکُومت دو قسم کی ہوتی ہے ۔ SOVEREIGNTY OF GOD (خدا کی بادشاہت) یا SOVEREIGNTY OF MAN (انسان کی بادشاہت) اس وقت دُنیا میں جتنی حکُومتیں قائم ہیں خواہ وہ جمہوریت ہو ۔ COMMUNISM (اشتراکیت) ہو یا DICTATORSHIP (آمریت) ہو ۔ سب کی بنیاد SOVEREIGNTY OF MAN (انسان کی بادشاہت) پر ہے ۔ اِنسان کی بادشاہت قائم کر کے یہ لوگ خود خُدا بن گئے ہیں ۔ اور نعوذ باللہ ایک خُدا نہیں کئی خدا پیدا ہو گئے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں افراتفری مچی ہُوئی ہے ۔ پاکستان میں ہم صحیح

---

[1] انگریزوں کی ایک تجویز تھی جس میں ایک مشترکہ مرکزی حکومت کے تحت ہندو اور مُسلم صُوبے الگ الگ علاقے بنا دیئے گئے تھے ۔

اِسلامی حکومت قائم کرکے دُنیا کے سامنے بہترین طرزِ حکومت کا نمونہ پیش کرسکتے ہیں۔ اور دُنیا کو بتا سکتے ہیں کہ اِسلامی نظام ہی میں تمام مشکلات کا حل موجود ہے۔ یہ بہت بڑا کام ہے، اور مُشکل یہ ہے کہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہمارے پاس آدمی نہیں ہیں۔ اس وقت صرف ایک آدمی (جناح) کام کررہا ہے۔ باقی سب اعتراض بازی میں مصروف ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔ ایک نقطہ نظر اور ایک نصب العین کے لئے سب مل کر کام نہیں کررہے ہیں؛ ع

"شد پریشاں خواب من از کثرتِ تعبیرہا"

کے مصداق ہر شخص نے اپنی الگ راہ اختیار کررکھی ہے۔ جب تک اِسی ایک نصب العین کے لئے سب مل کر کام نہیں کریں گے، گاڑی نہیں چلے گی۔

اشتراکیت اَب COMMUNISM (اشتراکیت) کیا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے مساوات پیدا کردی ہے۔ حالانکہ جس قسم کی مُساوات کا یہ دعوی کرتے ہیں وہ تو ناممکن بات ہے۔ سب لوگ یکساں کس طرح ہوسکتے ہیں۔

"NO TWO THINGS ARE EQUAL."

(دُنیا میں کوئی دو چیزیں یکساں نہیں ہیں) دو بھائی ایک دُوسرے کی طرح نہیں ہوسکتے۔ استعداد میں برابر نہیں ہوسکتے۔ اگر امتیاز اُٹھ جائے تو نظام صحیح نہیں رہ سکتا۔ لوگوں کے قویٰ مختلف ہیں۔ کام کرنے کی صلاحیت مختلف ہے۔ دماغ مختلف ہیں۔ سب سے یکساں سلوک کیوں کر مناسب ہے۔ کسی شخص کو کم محنت کے عوض زیادہ محنت کرنے والے کے برابر معاوضہ دیا جائے تو یہ ناانصافی ہوگی۔ زیادہ محنت کرنے والا کیوں نہ زیادہ رقم لے۔ ہاں قانون کی نظر میں سبؑ کو برابر ہونا چاہیئے۔ سماجی مساوات تو ممکن ہے مگر مالی مساوات ممکن نہیں۔ اور مالی مساوات ان لوگوں کے ہاں ہے کہاں؟ پہلے تاجر سرمایہ دار ہوتا تھا اب حکومت سرمایہ دار ہے۔ سرمایہ داری تو ہر جگہ موجود ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سرمایہ دُوسرے ہاتھوں میں منتقل ہوگیا۔ اب کمیونسٹ رُوس میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ انھوں نے ANTI-GODISM یعنی مذہب دُشمنی اور

انکارِ خدا کی مہم جاری کر رکھی ہے۔ ملک کے اندر کھلم کھلا مذہب کی بیخ کنی کی جاتی ہے اور مذہب کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ لیکن ملک سے باہر دوسرے ملکوں میں اپنے پراپیگنڈے سے یہ چیز نکال دیتے ہیں تاکہ مسلمان یا دوسرے مذہبی لوگ ان کے خلاف نہ ہو جائیں۔ ممالکِ غیر میں وہ صرف روٹی کے سوال پر زور دیتے ہیں، مذہب کو نہیں چھیڑتے۔

ترقی اور رجعت پسندی

ایک دفعہ احقر نے عرض کیا کہ حضور کا انگریزی مضمون GOAL OF PAKISTAN (پاکستان کا نصب العین) میں نے ٹائپ کر کے ایڈیٹر "ڈان" اور "پاکستان ٹائمز" کے پاس اشاعت کیلئے بھیجا۔ لیکن انھوں نے اب تک شائع نہیں کیا۔

فرمایا یہ لوگ ایسی چیزیں شائع نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بس اب آزادی مل گئی ہے۔ اپنی حکومت ہے۔ جس طرح انگریز اپنے دورِ حکومت میں مفید باتوں کو دبا کر بے ہودہ چیزیں زبردستی لوگوں پر ٹھونستے تھے۔ یہ لوگ بھی ان ہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ اصلاح ہو بلکہ وہی اپنے مسموم نظریات کی اشاعت کرتے رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ترقی یہی ہے کہ پاکستان مغربی ملکوں کی تقلید کرے۔ اگر اسلامی روایات کو زندہ کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ ان کے نزدیک REACTIONARYISM (رجعت پسندی) ہے۔ تبلیغِ اسلام کو یہ لوگ رجعت پسندی کہتے ہیں۔ اکبر مرحوم کی برسی کے موقعہ پر کسی نے ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> " اکبر مرحوم رجعت پسند تھے۔ وہ ہم کو پیچھے لے جانا چاہتے تھے۔ ان کی شاعری سراسر رجعت پسندانہ ہے آج کے ترقی یافتہ دور میں ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

ہم ان لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ ترقی کی کیا تعریف ہے؟ کیا اللہ سے بُعد اور شیطان کی فرماں برداری کا نام ترقی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ہر بات میں یورپ کی تقلید کرنا چاہتے ہیں۔ وہاں کی MATERIALISM (مادّہ پرستی) کو اپنانا ان لوگوں کے

نزدیک ترقی ہے۔ اہلِ مغرب تو گمراہ ہو چکے ہیں ہم ان کی تقلید کیوں کریں۔ ان لوگوں کے ذہن میں CAPITALISM (سرمایہ داری) اور COMMUNISM (اشتراکیت) کے جھگڑے کے سوا اور ہے کیا؟ جن لوگوں کے پاس مال و دولت کی بہتات تھی وہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی ہو گئے۔ جن کے پاس کمی تھی وہ کمیونسٹ بن گئے۔ اصل ترقی اللہ کا قرب اور اس کے احکام کی پابندی ہے۔

یوروپ کا وحشیانہ طریقۂ جنگ

اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کا طریقۂ جنگ بھی وحشیانہ ہے۔ ہزاروں ہوائی جہاز جا کر شہروں پر اندھا دھند بموں کی بارش کرتے ہیں۔ جس سے مرد، عورت، بچے، بوڑھے سب ہی یکساں طور پر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اسلامی قواعدِ جنگ یہ ہیں کہ آپ عورتوں۔ بچوں اور بوڑھوں پر حملہ نہیں کر سکتے۔ جانوروں تک کی حفاظت کا حکم ہے۔ فصل اور درخت بھی تباہ کرنے کی ممانعت ہے۔ دشمن اگر اپنا ہتھیار پھینک دے تو اس کو اپنی پناہ میں لے لیا جاتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کے ہاں کسی کو پناہ نہیں مل سکتی۔ NEUTRAL COUNTRIES (غیر جانب دار ممالک) کو بھی متنبہ کیا جاتا ہے کہ کسی کو پناہ نہ دیں۔ ان کے مجرم کے لئے دنیا میں کہیں پناہ نہیں، خواہ وہ معافی ہی کیوں نہ طلب کرے۔ لیکن اسلامی جنگوں میں جب کوئی معافی مانگ لیتا تھا تو اس کو معاف کر دیا جاتا تھا۔ اور فتح مکہ کے وقت دشمنانِ اسلام کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کی تو دنیا میں کوئی مثال ہی نہیں ہے۔ فتح کے بعد عام معافی کا اعلان ہوتا ہے۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَانْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔	آج کے دن تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے جاؤ تم سب آزاد ہو۔

کا روح پرور مژدہ سنایا جاتا ہے۔ اپنی خوشی سے جو کوئی کلمہ پڑھ لیتا اس کو بھائی بنا لیا جاتا۔ لیکن آج کل تو معافی کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ اس قدر بے درد اور وحشی لوگ ہیں

کہ انسانیت سے ان کو ذرا بھی مَس نہیں ہے۔ ان کے ہاں سزا کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ فتح کے بعد بھی دشمن برابر کچلے جاتے ہیں۔ پھر اس پر ان کی بے حیائی تو دیکھو۔ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ یہ کہتے ہوئے انھیں شرم بھی نہیں آتی۔ خود بموں اور توپوں کے زور سے اپنی حکومت تسلیم کرا رہے ہیں اور الزام دوسروں پر لگاتے ہیں۔

اسلامی سیاست ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا۔ اس وقت روس، انگلستان، بھارت اور امریکہ سب مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے بہترین طریق کار یہ ہے کہ کمزور دشمن کی مدد کر کے قوی دشمن کی طاقت کو کمزور کر دیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس وقت سیاست اسلامی پر غور کرتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ ایک یہ کہ اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ سارے کافر مسلمانوں کی دشمنی میں یکساں ہیں۔ دوسرے یہ کہ تمام مسلمانانِ عالم کا ایک محاذ بنا کر رجوع الی اللہ ہو جانا چاہیے۔ اسی کی ذات سب سے زیادہ قوی ہے۔ اسی سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی امداد شاملِ حال ہو جائے تو روس و امریکہ ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے تو بہترین عمل یہی ہے کہ ہمہ وقت رجوع الی اللہ رہا کریں۔



رعیت چو بیخ است و سلطان درخت آج جب حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت اقدسؒ نے اپنا ایک تازہ لکھا ہوا مضمون پڑھ کر سنایا۔ مضمون کافی بسیط تھا۔ جس میں حکومت کے اقسام بیان کئے گئے تھے اور خاص طور پر یہ ثابت کیا گیا تھا کہ پاکستان دارالاسلام ہے۔ اور حکومت کی اطاعت فرض ہے۔ (یہ مضمون بعد میں "اسلام، پاکستان اور جمہوریت" کے نام سے شائع ہوا)

مضمون ختم ہونے کے بعد احقر نے عرض کیا :

" یہ مضمون جماعتِ اسلامی کے لئے کاری ضرب ہے ۔"

فرمایا :

" ہاں ۔ یہ لوگ اِسلام کا نام لے کر عوام سے ووٹ حاصل کر کے حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے ۔ اس کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہے ۔ پہلے تو وہ یہ کہتے تھے کہ قرارداد مقاصد پاس کرلی جائے ۔ جب پاس ہوگئی تو اَب وہ یہ کہتے ہیں کہ تم لوگ اِسلام سے بے خبر ہو ۔ تم ہٹ جاؤ ، ہم حکومت کریں گے ۔ ان کی نیّت اچھی نہیں ہے ۔ اور اسی لئے یہ کبھی کامیاب بھی نہ ہوں گے ۔"

فرمایا ۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

" رعیت چو بیخ است و سُلطاں درخت "

یعنی آج کے دَور میں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ " پبلک مانند جڑ کے ہے اور حکومت مثل درخت کے ہے ۔" قاعدہ ہے کہ درخت کی سرسبزی کے لئے جڑ میں پانی دیا جاتا ہے نہ کہ ٹہنیوں اور پتوں میں لیکن یہ لوگ کتنے ناسمجھ ہیں کہ جڑ کو پانی دیئے بغیر پتّے اور ٹہنیاں سرسبز دیکھنا چاہتے ہیں ۔ احقر نے عرض کیا :

" یہ لوگ کہتے ہیں کہ پبلک کی اصلاح حکومت سے ہو سکتی ہے ۔"

آپ نے فرمایا کہ پبلک کی اِصلاح کرنا حکومت کا فرض نہیں ہے ۔ یہ نبوّت کا فرض ہے ۔ اِصلاح کا فرض ان لوگوں پر ہے جن کو تفقہ فی الدین حاصل ہے ۔ یہ اگر اپنا فرض ادا کریں تو حکومت ان کی معاون بن جائے گی ۔ حکومت کا کام یہ ہے کہ جو کچھ موجود ہے اس کی تنظیم کر دے اور مضرّت رساں چیزوں سے اس قسم کا برتاؤ کرے کہ اس کی مضرّت کم ہو جائے ۔

بدی میں حکمت

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ دُنیا میں ہر قسم کی چیزیں موجود ہیں ۔ نیکی بھی ہے بدی بھی ہے ۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ

نے پیدا کی ہے اور کوئی چیز حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اگر اللہ چاہتا کہ تمام دُنیا کے لوگ مُسلمان ہو جائیں اور کافر کا وجود باقی نہ رہے۔ تو یہ بات رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کے زمانے میں ہو جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا مُسلمانوں کے وجود کے ساتھ کافروں کا وجود بھی ضروری ہے۔ اس میں بڑی حکمت ہے۔ قوتِ ایمان مضبوط کرنے کے لئے کافروں کا وجود ضروری ہے۔ ہر چیز مقابلہ سے مضبوط ہوتی ہے۔ پہلوان اپنی طاقت بڑھانے کے لئے دُوسرے پہلوان کے ساتھ مشق کرتا ہے۔ شیطان کے وجود میں بھی یہی حکمت ہے! اور شیطان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت تک تجھ کو مہلت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بدی کا وجود قیامت تک باقی رہے گا۔ اگر مہلت دے کر قوتِ عمل چھین لی جاتی تو مہلت بے معنی ہو جاتی۔ لیکن اللہ کا وعدہ برحق ہے، اس لئے بدی کا وجود لازمی ہے۔

نیچرل اور سوپر نیچرل

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ جو کچھ موجود ہے سب NATURAL (فطرت کے مطابق) ہے۔ SUPERNATURAL (مافوق الفطرت) کا وجود ہی نہیں ہے۔ دراصل ان لوگوں کی عقل میں فطور ہے۔ جو چیز ان کی سمجھ میں آجاتی ہے اُسے NATURAL (فطرت کے موافق) کہتے ہیں۔ اور جو ان کی سمجھ میں نہیں آتا اس کو — SUPERNATURAL (مافوق الفطرت) کہہ دیتے ہیں۔ اب قصور تو ان کی اپنی عقل کا ہے نہ کہ اس چیز کا۔ ایک دفعہ ایک صاحب کہنے لگے :

"صاحب یہ بات تو عقل نہیں مانتی۔"

ہم نے کہا۔ پہلے آپ یہ تو ثابت کیجئے کہ آپ کے پاس عقل ہے۔ کیونکہ جو چیز آپ کے نزدیک عقل کے مطابق ہے دُوسرے لوگ اس کو عقل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور جس چیز کو آپ عقل کے خلاف سمجھتے ہیں دُوسرے اسے عقل کے مطابق سمجھتے ہیں۔ اب کس کی عقل کو حقیقی معنوں میں عقل قرار دیا جائے۔ سائنس والوں کو لیجئے آئے دن نئی

THEORIES (نظریات) پیش کرتے ہیں۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد خود ہی تردید کر دیتے ہیں۔ جو چیز آج ان کی عقل کے مطابق ہے کل وہی چیز ان کی عقل کے خلاف بن جاتی ہے۔ آخر عقل کی کچھ تو تعریف ہونی چاہیئے۔ ڈاکٹر آئن سٹائن (EINSTEIN) نے تو سائنس کے بیشتر نظریات کو غلط قرار دے دیا ہے اقلیدس کی جیومیٹری (EUCLIDIC GEOMETRY) نیوٹن کے نظریہ کشش ثقل (THEORY OF GRAVITY) کو بھی وہ غلط کہتا ہے۔

زمان و مکاں

ارشاد فرمایا TIME AND SPACE یعنی زمان و مکاں صرف عالمِ ناسوت کی چیزیں ہیں۔ یہاں تو اٹھارہ ہزار عالَم ہیں اور ہر عالَم کے قوانین جدا ہیں لیکن ایک عالَم کا دوسرے عالَم کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً جب ایک عالَم میں کوئی پھل پک کر گر جاتا ہے تو دوسرے عالَم میں کوئی مر جاتا ہے۔ اور جب ایک عالَم میں کوئی نیا پودا لگایا جاتا ہے تو دوسرے عالَم میں کوئی پیدا ہوتا ہے۔ یہ سنکر احقر نے عرض کیا :

" یہ جو کہتے ہیں کہ زحل اور مشتری میں آبادی ہے، کیا یہی عالَم مراد ہیں ؟"

فرمایا :

" نہیں۔ زحل اور مشتری وغیرہ تو سب اِسی عالَم کی چیزیں ہیں۔ اور وہ ہماری کائنات میں شامل ہیں۔ اس کائنات کو عالَمِ ناسوت کہتے ہیں۔ اور یہ اٹھارہ ہزار عالَم میں سے ایک ہے۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ TIME AND SPACE (زمان اور مکاں) بھی اعتباری چیزیں ہیں۔ ان کی وہ حقیقت نہیں ہے جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے۔ اب لوگ اس بحث میں پڑے ہوئے ہیں کہ پہلے زمان (TIME) پیدا کیا گیا یا مکاں SPACE ، ایک دفعہ ایک صاحب اس بارے میں ہم سے گفتگو کر رہے تھے۔ ہم

نے اُن سے کہا :

"وقت بھی حادث ہے اَبدی نہیں ہے۔ بعد کی پَیدا کی ہُوئی چیز ہے۔"

انھوں نے کہا :

"جب اللہ میاں نے ٹائم پَیدا کیا ہوگا تو اُس وقت بھی تو کوئی ٹائم ہوگا۔"

فرمایا :

"ان لوگوں کے دماغ میں بڑی الجھن ہوتی ہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ شروع میں اللہ کی ذات تھی اور کچھ نہ تھا کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ شَیْءٌ مَّعَہٗ۔ اس وقت نہ ٹائم تھا نہ اسپیس۔ اصل بات یہ ہے کہ جب افلاک پیدا کئے گئے تو جو کچھ اُن کے نیچے آیا، اس کا نام اسپیس ہوگیا۔ اور جب افلاک کو حرکت ہُوئی تو ٹائم وجود میں آیا۔ جب کائنات ختم ہوجائے گی تو نہ ٹائم ہوگا نہ اسپیس۔"

فرمایا ایک دفعہ ایک پادری سے بحث ہُوئی اور یہ بات فوراً اس کی سمجھ میں آگئی۔

عالمِ بالا کا وقت

دورانِ سفرِ حج احقر نے عرض کیا "جہاز کے ٹائم میں اور ہماری گھڑی میں ایک گھنٹے کا فرق ہے۔" فرمایا :

"ہاں۔ جتنے ہم آگے بڑھتے جائیں گے، یہ فرق بھی بڑھتا جائے گا۔ اللہ کی شان ہے کہ وہی وقت ہے، لیکن کسی جگہ کچھ ہے اور کسی جگہ کچھ۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب اعتبارات ہیں۔ حقیقت میں نہ کوئی ٹائم ہے نہ SPACE (مکاں)۔ ایک دفعہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس قدر لمبا دن کیوں کر کٹے گا۔ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ خُدا کی قسم مومن کو وہ دِن اتنا چھوٹا معلوم ہوگا جتنی دیر میں ایک نماز فرض ادا کرلیتا ہے۔"

فرمایا یہ اللہ کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔ لفظ IMPOSSIBLE (ناممکن) تو اس کی DIC - TIONARY (لُغت) میں ہے ہی نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک مفلوک الحال شخص کچھ زادِ راہ کا انتظام کرکے تلاشِ معاش میں دہلی سے احمد آباد کی جانب روانہ ہُوا چلتے چلتے ایک مقام پر ایک سرائے میں اُترا۔ اَب چونکہ رُوپے اس کے پاس ختم ہو چکے تھے۔ فاقہ کی نوبت آگئی۔ بیچارہ تین روز تک فاقہ سے رہا۔ آگے چلنے کی ہمّت جاتی رہی۔ ایک طوائف جو اس جگہ رہتی تھی اس کا حال تاڑ گئی۔ چنانچہ طوائف اُس کے پاس آئی اور اس سے دریافت کیا :

"جناب کو ایسا کیا غم ہے کہ آپ نہ کچھ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، بس خاموش کسی سوچ میں بیٹھے ہوئے ہیں؟"

اُس بیچارے نے اپنی ساری بپتا سُنادی۔ طوائف پر بڑا اثر ہُوا اور اُس کے حالِ زار پر رحم آیا۔ اس نے سُوت کات کر اپنے کفن کے لئے کچھ رُوپیہ جمع کر رکھا تھا۔ وہ رُوپیہ لاکر اُسے دے دیا اور کہا :

"یہ آپ کی زادِ راہ ہے۔ اگر ہو سکے تو واپسی پر مجھے لوٹا دیں۔"

رُوپے لے کر اس نے کھانا کھایا اور روانہ ہوگیا۔ احمد آباد پہنچ کر کوئی کام شروع کیا اور خدا کے فضل سے بہت سا رُوپیہ کما لیا۔ چنانچہ ایک روز اپنے وطن کی جانب واپسی سفر پر روانہ ہُوا۔ جب اُس جگہ پہنچا جہاں طوائف سے رُوپیہ قرض لیا تھا تو معلوم ہُوا کہ وہ بے چاری ایک ہفتہ سے سکرات کی حالت میں ہے۔ جیسے ہی یہ پہنچا اور اُس نے اسے دیکھا، بس دیکھتے ہی اس کی مُشکل آسان ہوگئی۔ غرضیکہ اسی نے اس کی تجہیز و تکفین کی۔ خود قبر میں اُترا اور تدفین کی خدمت بھی اپنے ذمّہ لی۔ شب کو اسی سرائے میں ٹھہرا۔ لیکن آدھی رات کو اسے خیال آیا کہ اُس کے روپوں کی ہمیانی قبر میں گر پڑی ہے۔ گھبرا کر

اُٹھا اور چپکے سے قبرستان پہنچ گیا۔ قبر کھودی تو اس میں میّت کو نہ پایا۔ دیکھا تو ایک جانب کھڑکی نظر آئی۔ کھڑکی سے جھانک کر جو دیکھا تو ایک نہایت ہی خوبصورت باغ اور ایک عالی شان محل نظر آیا۔ اور دیکھا کہ اس محل کے صحن میں وہ طوائف نہایت آراستہ لباس پہنے ہوئے ایک تخت پر بیٹھی قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہے۔ یہ دیکھ کر وہ شخص اس کھڑکی کے راستے اندر داخل ہونا چاہتا تھا کہ اس طوائف نے آواز دی:

"یہاں مت آؤ، تمھیں یہاں آنے کی اجازت نہیں ہے۔"

اُس نے وہیں سے کھڑے کھڑے دریافت کیا:

"بس اتنا بتا دو کہ تم نے یہ مرتبہ کیسے پایا۔؟"

اُس نے جواب دیا:

"میں نے اپنی حلال کمائی کے روپوں سے تمہاری تکلیف کے وقت جو تمہاری مدد کی تھی اسی ایک عمل پر یہ ذرّہ نوازی فرمائی گئی ہے۔ بس اب تم جاؤ اتنی دیر میں تو تمہاری دُنیا میں کیا سے کیا ہو گیا ہو گا۔"

اس قدر بات چیت کے بعد جب وہ اپنی ہمیانی لے کر باہر آیا تو سارا نقشہ بدلا ہُوا پایا۔ نہ وہ مکانات تھے نہ وہ لوگ تھے۔ لوگوں کی وضع قطع بالکل بدلی ہُوئی تھی۔ اور نہ کہیں اُس سرائے کا نشان تھا۔ اب یہ حیران و پریشان ایک دُکان پر کچھ کھانے پینے کی چیزیں خریدنے کے لئے پہنچا۔ اور جب کوئی چیز خرید کر اُس نے دکان دار کو قیمت دینی چاہی تو اُس نے رقم واپس کرتے ہُوئے کہا:

"صاحب یہ تو بہت پُرانے زمانے کے سکّے ہیں، انھیں کون لے گا۔"

اب وہ شخص نہایت پریشانی کے عالم میں لوگوں سے اپنا واقعہ بیان کرنے لگا۔ اُس نے کہا:

"بھائی میں تو کل ہی آیا ہوں۔ یہاں ایک سرائے تھی، اور ایک طوائف بھی رہتی تھی، جس کا کل انتقال ہُوا۔"

لوگ اس کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر حیران ہوئے کوئی اُسے پاگل سمجھنے لگا تو کوئی جھوٹا۔ اتنے میں ایک ضعیف العمر شخص کہنے لگا :

" بھائی جب میں بچّہ تھا، اُس وقت میرے دادا مرحوم اپنے بچپن کے دور کا ایک واقعہ بیان کیا کرتے تھے وہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا یہ شخص بیان کر رہا ہے۔ دادا مرحوم فلاں جگہ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہاں ایک سرائے تھی۔ جس کے قریب ہی ایک طوائف رہا کرتی تھی جب وہ مَری تو ایک مسافر نے اس کی تجہیز و تکفین کی۔ وہ اپنا سارا اسباب سرائے میں چھوڑ کر اُسی رات کہیں غائب ہوگیا۔ کچھ پتہ ہی نہ چلا کہ وہ شخص کہاں چلا گیا۔"

لوگوں نے جب یہ سُنا تو اس کی باتوں پر یقین آنے لگا۔ غرضیکہ اُس شخص کو لوگوں نے دہلی پہنچا دیا۔ دہلی پہنچ کر اُس نے اپنا گھر تلاش کرنا شروع کیا۔ مگر گھر کہاں تھا۔ یہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا زمانہ تھا۔ لوگوں نے اس شخص کو حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ شاہ صاحبؒ نے جب اس کا ماجرا سُنا تو فرمایا :

" اُس عالَم میں اور اِس عالَم میں بہت فرق ہے۔ تم اس دُنیا کو اس عالَم پر قیاس نہیں کر سکتے۔"

آپؒ نے اُس شخص سے فرمایا :

" تم نے چونکہ وہ جہان دیکھ لیا ہے اس لئے اب اس جہان میں تمہارا دِل نہیں لگے گا۔"

آپؒ نے کچھ پڑھنے کے لئے اُسے بتایا اور فرمایا :

" جب تک زندہ رہو اسے پڑھتے رہو۔"

اِرشاد فرمایا کہ اس جہان کے وقت اور اُس جہان کے وقت میں یہ نسبت ہے کہ یہاں کے دو سو سال وہاں کے چند منٹوں میں گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

اور بے شک ایک دن تیرے رب کے پاس مانند ہزار برس کے ہے تمہاری گنتی کے مطابق ۔

کیا اِنسان آزاد ہے ؟

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ انسان کی ذات ایک محدود ہستی ہے ۔ وہ چار عناصر کا مجموعہ ہے ۔ جہاں ایک عنصر کی زیادتی یا کمی ہوئی ، جسم کا سارا نظام بگڑ گیا ۔ فرمایا آگ پانی کی دشمن ہے اور پانی آگ کا ۔ اسی طرح مٹی اور پانی میں بھی باہمی دشمنی ہے ۔ انسان کے ان چاروں متضاد عناصر کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے ۔ اس لئے ان کو اعتدال میں رکھنا بہت مُشکل ہے ۔ جسمانی اور رُوحانی مشاغل سے اس اعتدال کو قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے ۔ اس قدر مقیّد ہونے کے باوجود لوگوں نے اِنسان کی آزادی کا ڈھونگ رچا رکھا ہے ۔ یہ لوگ بالکل جاہل ہیں کچھ نہیں جانتے ۔ اِنسان ایک تعیّن ہے ۔ اگر انسان آزاد ہو جائے تو گویا ایک تعیّن کا وجود ختم ہو جائے گا اور نتیجۃً تمام کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے گا ۔ کیونکہ کائنات تعیّنات کا مجموعہ ہے ۔ اگر تعیّنات نہ رہیں تو کائنات کا وجود بھی نہ رہے ۔ اس لئے ان لوگوں کے LIBERTY (آزادی) EQUALITY (مساوات) اور FRATERNITY (اخوت) کے دعوے بالکل غلط ہیں ۔ آزادی اور مساوات کا تو کہیں وجود ہے ہی نہیں لیکن اخوت کا دعویٰ اگر کوئی کر سکتا ہے تو اِسلام ہی کر سکتا ہے ۔

۶ محرم الحرام ۱۳۷۰ھ ۔ پاک پتن شریف

نظریۂ اضافت

اِرشاد فرمایا کہ سائنس جیسے جیسے ترقی کرتی جائے گی تصوّف سے قریب ہوتی جائے گی ۔ آئن سٹائن کی THEORY OF RELATIVITY (نظریۂ اضافت) تصوّف سے بالکل

قریب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ دُنیا ایسی نہیں ہے جیسی ہمیں نظر آرہی ہے۔ اس کی فہمائش کے لئے آپ نے دو سلاخوں اور دو ریل گاڑیوں کی مثال دی[1]۔ اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت سعد الدین حمویؒ کی یہ رباعی اسی موضوع پر ہے اسے لکھ لو ؎

حق جانِ جہان است و جہاں جملہ بدن
ارواح و ملائک چو حواسِ این تن
افلاک عناصر و موالید اعضاء
توحید ہمین است دگر شیوہ و فن

آمنہ پوپ کا دِلچسپ روزہ

ایک دن یورپ والوں کی ذہنیت کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ آمنہ پوپ[2] نے چار بجے شام ہی کو روزہ افطار کر لیا۔ ہم نے وجہ دریافت کی تو کہنے لگیں:

"آج میں نے دو بجے ہی سحری کھائی تھی اور آپ لوگوں نے چار بجے سحری کھائی ہے۔ اس لئے میں نے دو گھنٹے پہلے افطار کر لیا۔ مَیں نے حساب کر لیا ہے صبح صادق سے غروب تک جتنے گھنٹے ہوتے ہیں، میں نے پورے کر لئے ہیں۔"

اُس وقت تو ہم کچھ نہ بولے۔ تھوڑی دیر بعد ہم نے اُن سے دریافت کیا

"آپ کو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کی کیفیات میں کچھ فرق محسوس ہوتا ہے؟"

انھوں نے کہا:

---

[1] دیکھیں صفحہ نمبر ۳۷۷

[2] آمنہ پوپ کینیڈا کی رہنے والی ایک خاتون تھیں جنھوں نے مسلمان ہو کر حیدرآباد (دکن) میں معلمہ کی حیثیت سے سکونت اختیار کر لی تھی۔

"ہاں بیشک فرق محسوس ہوتا ہے۔"

ہم نے کہا:

"اس کو نوٹ کرلو۔"

پھر ہم نے ان سے کہا:

"اگر LEGISLATIVE ASSEMBLY (مجلس قانون ساز) کسی معاملہ کے ہر پہلو پر غور و خوض کرنیکے بعد ایک قانون پاس کرے تو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ اس پر عمل کرنا چاہیئے یا نہیں؟"

انھوں نے کہا:

"ضرور کرنا چاہیئے۔"

ہم نے کہا:

"اسے بھی نوٹ کرلو۔"

اس کے بعد ہم نے کہا:

"اگر اس قانون کی ایک شخص اس خیال سے خلاف ورزی کرے کہ ایسا کرنے سے قانون کا مقصد فوت نہیں ہوتا، تو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا وہ ایسا کرسکتا ہے؟"

انھوں نے کہا:

"نہیں اس سے تو BAD PRECEDENT (بُری مثال) پیدا ہو جائے گا اور سارے مُلک میں CONFUSION (افراتفری) ہو جائیگا۔"

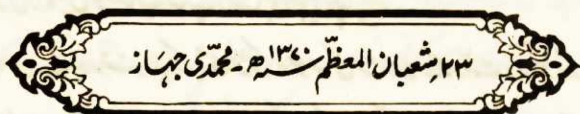
ہم نے کہا:

"اللہ نے جو قانون بنایا ہے۔ اور افطار کا جو وقت مقرر کیا ہے۔ اس میں کئی

مصلحتیں ہیں۔ اس لئے اس قانون پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔"

بات سمجھ میں آگئی۔ کہنے لگیں:

"افسوس میں نے سخت غلطی کی۔"



۲۳ شعبان المعظم ۱۳۷۰ھ - محمدی جہاز

برکت کا مشاہدہ

ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد[۱] ہمارے پیر بھائی تھے۔ ایک دفعہ ہم سے کہنے لگے:

"آجکل دُنیا سے برکت اُٹھ گئی ہے۔"

ہم نے کہا:

"ہاں اُٹھ گئی ہے لیکن تمہاری وجہ سے۔"

انھوں نے کہا:

"کیوں بھائی یہ کیسے، ہماری وجہ سے کیوں؟"

ہم نے کہا تم لوگوں کا MATHEMATICS (ریاضی) کہتا ہے کہ دو اور دو چار۔ اور ہم کہتے ہیں چار سے زیادہ بھی ہوسکتے ہیں۔ ایک دفعہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو آٹے کا برتن بھر کر دیا اور فرمایا:

"اس کو اسی طرح ڈھکا ہوا رکھو۔ حسبِ ضرورت اس میں سے آٹا لے لیا کرو۔ نہ تو اس برتن میں کبھی دیکھنا کہ آٹا کتنا رہ گیا ہے اور نہ برتن کو اُلٹ کر آٹا نکالنا۔"

چنانچہ وہ اسی پر عمل کرتی رہی اور وہ آٹا اس کی زندگی بھر ختم نہیں ہوا۔ ماں کے انتقال کے بعد لڑکے نے تمام عمر اس برکت کو حاصل کیا۔ یہاں تک کہ اُس کے پوتے کا زمانہ آیا وہ بھی اسی

---

[۱] ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، جو ریاضی کے ماہر مانے جاتے تھے۔

طرح اس برتن میں سے آٹا نکال لیا کرتا تھا۔ بس ایک دن اُس نے برتن کو اُلٹ دیا اور وہ بات جاتی رہی۔

اِرشاد فرمایا۔ تم لوگ تفصیلی حساب مت رکھو۔ پھر دیکھو کیسی خیر و برکت ہوتی ہے۔ اور اللہ کی راہ میں تو حساب کتاب رکھنا ہی نہیں چاہیئے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ بڑی لڑکی مرحومہ کی شادی کے وقت ۲۰۰ دوسو رُوپے ہمارے بھائی کی طرف سے آئے تھے۔ ہم نے وہ رقم بکس کے اندر رکھ دی۔ اب جب بھی ضرورت ہوتی ہم بکس میں ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرتے۔ چنانچہ شادی کے تمام اخراجات اسی سے پُورے ہو گئے۔ حتّٰی کہ بھائی کے لئے لاہور جانے کا کرایہ بھی نکل آیا۔ اب یہ جو HINT (اشارہ) ہم نے تمھیں دِیا ہے اس پر عمل کر کے دیکھو تو کیسی برکت ہوتی ہے۔

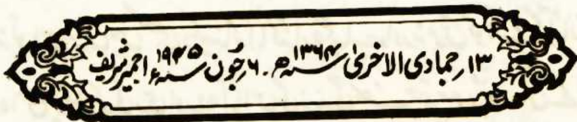
احقر نے عرض کیا:

"حضور میرے پاس تو سب کی رقمیں ہیں، اگر تفصیلی حساب نہ رکھوں تو ممکن ہے بعضوں کو شکایت ہو جائے۔"

فرمایا:

"میری بات ان لوگوں تک پہنچا دو۔ اور تم بس ایک رَف اکاؤنٹ رکھو۔ بڑے مصارف کا حساب لکھ لیا کرو۔ باقی سب لوگوں سے کہدو کہ پانچ دس رُوپے کی کمی زیادتی ایک دوسرے کو معاف کردیں۔"

چنانچہ سفر کے دَوران اس فرمان پر عمل کیا گیا اور برکتِ کثیر مشاہدہ میں آئی۔



جلالِ صابری

اِرشاد فرمایا کہ ایک دفعہ کلیر شریف میں ایک طوائف درگاہ کے اندر گا رہی تھی۔ پہلے طوائفوں کو اندر جانے کی اجازت تھی لیکن

ان کے لئے اَب اندر جانا منع ہے۔ فرمایا جب وہ گا رہی تھی تو اس کی یہ حالت تھی کہ گنبدِ مُبارک کی طرف ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی اور آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ ایک نوجوان نے اس کے ساتھ مذاق کیا اور وہ مذاق کرتے ہی پاگل ہو گیا۔ ہم نے اس کے ساتھیوں سے کہا :

"جو کچھ اس نے کیا ہے ہم دیکھ رہے تھے۔ اس وقت وہ صاحبِ مزار کے زیرِ عتاب ہے۔ اس کو فوراً باہر لے جاؤ اور حضرت بابا صاحبؒ جو آپ کے پیر ہیں یا کسی اور بڑے دربار میں لے جا کر معافی مانگو ورنہ اس کی حالت اور زیادہ خراب ہو جائے گی۔"

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں ہم ہر سال کلیر شریف عُرس پر جایا کرتے تھے۔ ہم دیکھتے تھے کہ ہر سال دو تین طوائفیں تائب ہو کر نکاح کر لیتی تھیں۔

طوائف کا جنازہ

اِرشاد فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے کسی نے دریافت کیا :

"طوائف کی نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟"

آپؒ نے فرمایا :

"جو لوگ ان کے پاس جاتے ہیں ان کا جنازہ پڑھتے ہو یا نہیں ؟"

اُس نے کہا :

"پڑھتا ہُوں۔"

آپؒ نے فرمایا :

"تو پھر طوائف نے تمہارا کیا قصور کیا ہے ؟"

شُکر کا لامتناہی سلسلہ

اِرشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت داوٗد علیہ السّلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر رہے تھے :

"یا اللہ تیرا بے حد شُکر ہے کہ تُو نے مجھے نبوّت بھی عطا کی اور دُنیا کی

بادشاہت بھی بخشی۔ اور یہ جو میں نے تیرا شکر ادا کیا اس کی توفیق بھی تُو نے ہی بخشی۔ اب اگر اس توفیقِ شکر کا شکر ادا کروں گا تو یہ توفیق بھی تُو ہی بخشے گا۔ اس طرح یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا اور میں کبھی شکر سے عہدہ برآ نہ ہو سکوں گا۔"



گفتۂ او گفتۂ اللہ بُود

حضرت اقدسؒ حاضری درگاہ شریف کے بعد ذوقی منزل میں تشریف فرما تھے۔ ایک مرید نے تعویذ کے لئے عرض کیا۔ فرمایا:

"تیار نہیں ہے۔"

اُس نے کہا:

"ڈاک کے ذریعہ ارسال فرما دیجئے۔"

آپؒ نے مُسکراتے ہوئے فرمایا کہ خواجہ صاحبؒ کے زمانہ میں ان کو دو چیزوں کی تکلیف نہ ہوتی ہوگی۔ نہ ڈاک کے ذریعہ خط آتے ہوں گے اور نہ ڈاک کے ذریعہ تعویذ ارسال فرماتے ہوں گے۔

فرمایا روزانہ دس بارہ خط آجاتے ہیں لوگ لکھتے ہیں کہ فلاں فلاں کام کے لئے تعویذ بذریعۂ ڈاک بھیج دیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ڈاک کے ذریعہ تعویذ بھیجنے سے اس کا اثر کم ہو جاتا ہے، اِس لئے کہ ڈاک والے کسی قسم کی احتیاط نہیں برتتے۔ خطوط ہر پاک و ناپاک جگہ ڈال دیئے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا۔ اور خواجہ صاحبؒ کو تو تعویذ دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ان کے لئے تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہاں کیا تھا بس جو کچھ زبان سے فرما دیا وہ ہو گیا۔ اس

کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے قربِ نوافل والی حدیث شریف پڑھی اور فرمایا کہ اللہ کا مقبول بندہ جو کچھ کرتا اور کہتا ہے وہ دراصل اللہ کا کرنا اور کہنا ہوتا ہے۔ اس مضمون کو حضرت مولینا رومؒ اس طرح ادا فرماتے ہیں :-

گفتۂ او گفتۂ اللہ بُوَد
گرچہ از حلقوم عبداللہ بُوَد

حضرت خواجہ حسن رسُول نماؒ

ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ حسن رسُول نماؒ کے ایک مولوی صاحب مرید تھے جو بیچارے بڑی عسرت کی زندگی گزار رہے تھے۔ ایک دفعہ مولوی صاحب کی بیوی نے کہا :

"اور لوگوں کے پیر تو اپنے مریدوں کی امداد کرتے ہیں۔ اور ایک تمہارے پیر ہیں کہ ہم افلاس کی وجہ سے مرے جا رہے ہیں اور انھیں ہمارا ذرّہ برابر بھی خیال نہیں۔ جاؤ اپنے پیر سے کوئی وظیفہ وغیرہ حاصل کرو، تاکہ ہماری یہ تکلیف تو رفع ہو۔"

جب مولوی صاحب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا

"کیوں۔ اپنی بیوی سے مجھے گالیاں کھلواتے ہو؟۔ اچھا جاؤ۔ شب کو پچھلے پہر اٹھ کر 'یَا بَابُ'، پڑھا کرو۔"

اَب وہ تھے مولوی، خیال گزرا کہ حضرت شیخ غلبۂ حال میں 'یَا بَابُ' فرما رہے ہیں۔ غالباً اس سے ان کا مقصد 'یَا وَهَّابُ'، ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے 'یَا وَهَّابُ' پڑھنا شروع کیا۔ بیس۲۰ دن گزرے لیکن کچھ اثر نہ ہُوا۔ بیوی نے پھر چلّانا شروع کیا کہ

"پیر نے اچھا وظیفہ بتایا۔ بیس۲۰ دن ہو گئے اور کوئی اثر نہیں۔"

چنانچہ مولوی صاحب دوبارہ اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھیں دیکھتے ہی حضرت خواجہ رسُول نماؒ نے فرمایا :

" تمہاری بیوی نے پھر مجھے گالی دی ہے۔ قصور تمہارا اپنا ہے۔ ہم نے تو 'یا بابُ' بتایا تھا اور تم نے 'یَا وَھَّابُ' پڑھنا شروع کر دیا۔ اب جاؤ 'یا ببویا' پڑھو۔ اب کی بار اگر علمیت بگھاری تو یہاں سے ڈنڈا پھینک کر تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔"

بیچارے مولوی صاحب رات کے چار بجے اُٹھ بیٹھے۔ اور سوچ میں پڑ گئے کہ اَب کیا کروں۔ یک نہ شد دو شد۔ صحیح تلفّظ تو "یَا وَھّابُ" ہے۔ لیکن حضرت نے پہلی بار "یَا بَابُ" بتایا اور اَب "یا ببویا" فرما رہے ہیں۔ اسی کشمکش میں انھوں نے "یا ببویا" پڑھنا شُروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بھی نہیں گذری کہ بادشاہ کے آدمی نے دروازہ پر دستک دی اور کہا:

"بادشاہ سلامت نے تمھیں یاد فرمایا ہے۔"

یہ سُن کر وہ بہت ڈرے کیونکہ بادشاہ کا دستور تھا کہ جس کسی کو قتل کرنا مطلوب ہوتا۔ رات کو بلوا کر چپکے سے قتل کرا دیتا۔ تاکہ لوگوں کو اس کا علم نہ ہو۔ اب وہ بیوی بچّوں سے رُخصت ہُوئے، گھر میں کہرام مچ گیا۔ سَب رو رہے تھے۔ جب بادشاہ کے پاس پہنچے تو اُس نے روشنی میں دیکھ کر کہا:

"ہاں یہی ہیں۔ جاؤ انھیں غسل کراؤ اور اچھے کپڑے پہنا کر ہمارے سامنے لے آؤ۔"

اَب مولوی صاحب نہا دھوکر زرق برق لباس پہنے ہُوئے بادشاہ کی خدمت میں پیش ہُوئے، مگر شش و پنج میں تھے کہ جانے کیا حکم نافذ ہوتا ہے۔ لیکن ان کے حیرت کی انتہا نہ رہی، جب بادشاہ نے یہ کہا:

"آج سے آپ ہمارے شہزادہ کے اتالیق ہیں۔ اِتنی جاگیر، اتنے گھوڑے اور اِتنے ہاتھی آپ کی نذر ہیں۔ اُب آپ یہیں رہیں گے۔"

جب ملکہ کو معلوم ہوا تو اُس نے بھی پچاس ہزار اشرفیاں ان کے پاس بھجوا کر کہلا بھیجا :

"یہ معاملہ اچانک ہوا ہے اس لیے فی الحال اسے قبول فرمالیں ۔"

اِس کے بعد بادشاہ نے مولوی صاحبؒ سے دریافت کیا :

"یہ حضرت خواجہ حسن رسُول نُما کون بزرگ ہیں ۔ کہاں رہتے ہیں ، تاکہ مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہو سکوں ۔ تعجّب ہے کہ میری مملکت میں رہتے ہیں اور مجھے علم نہیں ۔ مجھے تو رات خواب میں رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم فرمایا کہ فلاں مولوی صاحب کو اپنے لڑکے کا اتالیق مقرر کردو کیونکہ ہم حسن رسُول نماؒ کی بات نہیں ٹال سکتے ۔"

مولوی صاحبؒ نے کہا :

"پہلے میں حضرت سے اجازت حاصل کرلوں اس کے بعد عرض کروں گا ۔"

چنانچہ وہ اسی طرح زرق برق پوشاک پہنے ہوئے ہاتھی پر سوار اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اپنی آمد کی اِطّلاع کرائی ، تو حضرت شیخ نے کہلا بھیجا :

"پہلے اپنے گھر جاؤ اور اپنے بیوی بچّوں کے آنسو پونچھو ۔ اور پھر اپنے وہی پرانے کپڑے پہن کر ہمارے پاس آؤ ۔"

چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا ۔ گھر گئے ۔ گھر والوں کو خوش خبری سُنائی ۔ اور پھر وہی چیتھڑے پہن کر شیخ کی خدمت میں باریابی حاصل کی ۔ حضرت خواجہ حسن رسُول نماؒ نے مولوی صاحبؒ سے فرمایا :

"پچھلی شب جب تم اس کشمکش میں تھے کہ 'یا ببوحیٔ' پڑھوں یا نہ پڑھوں ۔ اُس وقت رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم تمہاری یہ کیفیت دیکھ کر تبسّم فرمارہے تھے ۔ مَیں نے موقعہ مناسب دیکھ کر آنحضرت صلّی اللہ

علیہ وسلّم کی جناب میں عرض کیا کہ حضور بادشاہ کو حکم فرمائیں کہ وہ ان کو اپنے لڑکے کا اتالیق بنا دے۔ چنانچہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بادشاہ کو یہ حکم دیا۔"

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اہل اللہ اکثر کیف و مستی کے عالم میں مختلف انداز میں اپنے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ والہانہ انداز اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ حضرت خواجہ حسن رسول نُماؒ پر اکثر اسی قسم کی کیفیات کا غلبہ رہا کرتا تھا۔ وہ ذوق و مستی میں عجیب عجیب طرح سے اللہ تعالیٰ کو پکارا کرتے تھے۔ چنانچہ پہلی دفعہ مولوی صاحب جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان دنوں حضرت کی رٹ وقتِ خاص میں یہ تھی۔ یا بابُ یا بابُ۔ بابُ میرے بابُ اور دوسری بار جب مولوی صاحب حاضر ہوئے اس وقت اُن کی رَٹ یہ تھی یا ہبویا یا ہبویا ہبویا میرا ہبویا۔ اَب یا ہبویا میں جو عشقی کیفیت اور خلوص پوشیدہ تھا۔ اس کا ذرا سا پرتو مولوی صاحبؒ کے قلب پر پڑا اور اُن کا کام بن گیا۔

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ ہمیں مولینا صاحبؒ نے سُنایا تھا۔ جب ہم دہلی میں حضرت خواجہ حسن رسول نُماؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے تو ہم نے عرض کیا:

"حضور مجھے بھی یا ہبویا کا وظیفہ بتائیے۔"

آپ یہ سُنکر مُسکرا دیئے۔

کیفیت کا حد سے بڑھنا

ارشاد فرمایا کہ جب حضرت جنید بغدادیؒ کی عُمر دس بارہ برس کی تھی تو ایک دفعہ وہ کھیلتے کھیلتے حضرت سری سقطیؒ کے کمرہ سے گُذرے۔ حضرت سری سقطیؒ آپ کے ماموں تھے۔ اس وقت وہ مشغول تھے۔ آنکھ کھول کر فرمایا:

"کیا کر رہے ہو۔ آؤ یہاں بیٹھو، اور یہ مراقبہ کرو۔ اللہُ حاضِری۔ اللہُ ناظِری۔ اللہُ مَعِی۔"

یہ فرما کر انھوں نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔ اور جنیدؒ بھی مراقبہ میں مشغول ہوگئے۔ کہیں رات کو جب انھوں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ بدستور مراقبہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ فرمانے لگے:

"ارے تو کدھر آگیا۔ جا کھیل۔"

وہ اُٹھ کر چلے گئے۔ صبح جب والدہ صاحبہ نے کہا:

"آؤ بیٹا کھانا کھالو۔"

تو جنیدؒ کہنے لگے:

"کھانا کھانے کے بعد بیت الخلاء جانا پڑے گا۔ لیکن اللہ تو سامنے ہے وہ دیکھ رہا ہے۔ میں کس طرح ننگا بیٹھوں گا۔"

والدہ صاحبہ یہ سُن کر بہت برہم ہوئیں۔ اور حضرت سری سقطیؒ سے جاکر کہا:

"خود تو کسی کام کے رہے نہیں۔ اَب میرے بیٹے کو بھی بیکار کر دیا۔"

انھوں نے حضرت جنیدؒ کو بُلاکر توجہ دی۔ اور ان کی حالت اعتدال پر آگئی۔

عرش پر نماز

اس کے بعد بزرگوں کے اعلیٰ کمال کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ اپنے مرید خاص حضرت ابوبکر شبلیؒ کو ساتھ لے کر شہر سے باہر تشریف لے گئے۔ ایک مقام پر ابدالوں کی ایک جماعت ہوا میں اُڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ شبلیؒ نے دریافت کیا:

"یہ کون لوگ ہیں؟"

حضرت جنیدؒ نے فرمایا:

"یہ ابدالوں کی جماعت ہے جو تمہاری زیارت کے لئے آئی ہے۔"

غرض کچھ دیر صحبت گرم رہی۔ اتنے میں نماز کا وقت آگیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت ابوبکر شبلیؒ کو امامت کا حکم دیا۔ نماز کے درمیان یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت

شبلیؒ کے چند مریدین اُس وقت کسی کشتی پر سوار تھے، اور وہ کشتی سمندر کے طوفان میں گھر گئی تھی۔ اب اُن مریدین نے خطرہ محسوس کیا تو اپنے شیخ کی رُوحانیت کی طرف متوجّہ ہُوئے۔ حضرت شبلیؒ نے اثنائے نماز ہی میں دستِ توجہ دراز کیا اور کشتی کو ڈوبنے سے بچالیا۔ جب ابدالوں نے یہ رنگ دیکھا تو نیّت توڑ دی اور کہا:

"ہم ملّاح کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔"

حضرت جنیدؒ بغدادیؒ نے فرمایا:

"شبلیؒ نے اگر ملّاحی کی ہے تو تم نے بھی جاسُوسی کی۔ نماز پڑھنا تم میں سے کِسی کو بھی نہیں آتا۔ آؤ ہم نماز پڑھاتے ہیں۔"

چنانچہ جب آپ اِمام بن کر نیّت باندھ رہے تھے تو سب نے دیکھا کہ کعبۃ اللہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ جب نیّت باندھ چکے تو یہ معلوم ہوا جیسے عرش پر نماز پڑھ رہے ہوں۔ سلام پھیر کر حضرت جنیدؒ نے حضرت شبلیؒ سے فرمایا:

"کمال اِسے کہتے ہیں۔ ہوا میں اُڑنا اور پانی پر چلنا کمال نہیں ہے۔ ہوا میں تو پرندبھی اُڑتے ہیں اور پانی پر تنکا بھی چلتا ہے۔ کمالِ انسانی کچھ اور ہے۔"

توجہ کی کھچڑی

اس کے بعد وہ ابدالوں کی جماعت کو لے کر گھر آئے اور شبلیؒ سے فرمایا کہ مہمانوں کے لئے کھچڑی تیار کرو۔ جب حضرت شبلیؒ کھچڑی تیّار کر رہے تھے تو دیکھا کہ لکڑی کم پڑگئی ہے۔ یہ دیکھ کر آپؒ نے اپنی ٹانگ بھی چولہے میں ڈال دی لیکن ان کی ٹانگ پر آگ کا کچھ اثر نہ ہُوا۔ اور ہانڈی جیسی تھی ویسی ہی رہ گئی۔ کچھ دیر بعد حضرت جنیدؒ اندر تشریف لائے اور دریافت فرمایا:

"کیا بات ہے، کیوں دیر ہوئی ؟"

انھوں نے عرض کیا:

"حضور لکڑی کم پڑگئی تھی اسلئے میں نے اپنی ٹانگ چولہے میں رکھ دی تاکہ حکم

کی تعمیل جلد ہوسکے۔ لیکن آگ اس پر اثر نہیں کرتی۔"

آپؒ نے فرمایا:

"ہاں آگ اثر نہیں کرے گی۔ اِس لئے کہ میری ولایت 'ولایتِ ابراہیمی' ہے۔
تم ہٹ جاؤ ہم خود ہی کھچڑی پکالیں گے۔"

یہ کہہ کر آپؒ نے ہانڈی کی طرف توجہ کی وہ فوراً اُبلنے لگی۔ اور کھچڑی تیار ہوگئی انھوں نے ابدالوں سے کہا:

"آیئے کھانا کھالیجئے۔"

ابدالوں نے کہا:

"ہمارا اِتنا ظرف کہاں کہ ہم آپ کی توجہ سے پکی ہوئی کھچڑی کھا سکیں۔"

چنانچہ پیر اور مرید دونوں نے مِل کر وہ کھچڑی کھائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ ابدالوں کا ان کی زیارت کے لئے آنا حضرت جنیدؒ کی توجہ سے پکی ہوئی چیز کا کھالینا۔ یہ سب ان کے بلند مرتبے کی علامتیں ہیں۔ لیکن باوجود اس کے شبلیؒ ہمیشہ یہی سمجھتے تھے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ بہت کم مشائخ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے مریدین باوجودیکہ کمال کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں یہی خیال کرتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہ شیخ کے کمال کی علامت ہے۔ مُرید کے اعلیٰ مراتب اُن پر ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ یہ کیا کہ مُرید کو دو باتیں بتادیں اور اس کا پیٹ اتنا پھول گیا کہ "ہمچوں من دیگرے نیست" کا دعویٰ کرنے لگ گیا۔

طریقِ ادب

کسی موقعہ پر ارشاد فرمایا، ایک دِن سُلطان محمود غزنوی کے وزیر یا کسی مصاحب نے شکایت کی:

"حضور ایاز کو بہت زیادہ چاہتے ہیں۔ ہماری بہ نسبت ایاز کی قدر و منزلت آپ کے نزدیک بہت ہے۔ اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟"

بادشاہ نے کہا:

"ٹھیک ہے اس کی وجہ کسی وقت بتادی جائے گی۔"

چند دنوں کا وقفہ دے کر بادشاہ نے ایاز کو تو کسی کام سے بھیج دیا اور وزیر سے پینے کے لئے پانی طلب کیا۔ وزیر نے کٹورے میں پانی لاکر نہایت ادب سے پیش کیا۔ بادشاہ نے طیش میں آکر یہ کہتے ہوئے کٹورہ فرش پر پٹخ دیا:

"تم نے کٹورہ گندہ کردیا۔ اپنے ہاتھ بھی نہیں دھوئے اور کٹورہ اٹھا کر لے آئے۔ یہ کیسی بدتمیزی ہے۔"

وزیر گھبرایا، فوراً اپنے ہاتھ دھوئے اور دوسرے صاف شفاف کٹورے میں پانی پیش کیا۔ بادشاہ نے کٹورہ لے کر دریافت کیا:

"یہ تو دوسرا کٹورہ ہے وہ ہمارا پرانا کٹورہ کیا ہوا۔؟"

وزیر نے دست بستہ عرض کیا:

"وہ تو شاہی عتاب میں آگیا۔ حضور نے خود ہی اسے توڑ دیا۔"

بادشاہ نے کہا:

"اچھا یہ بات ہے۔"

پھر جب ایاز کام سے فارغ ہوکر درباری خدمت کے لئے حاضر ہوا تو بادشاہ نے ایاز کو حکم دیا کہ وہ پانی پیش کرے۔ ایاز نے حسبِ معمول پانی کا کٹورہ پیش کیا۔ بادشاہ نے غضب آلود نگاہوں سے ایاز کی طرف دیکھا اور کہا:

"نالائق بغیر دھوئے ہوئے کٹورہ میں پانی لے آیا۔"

یہ کہتے ہوئے کٹورہ پھینک دیا۔ کٹورہ گرتے ہی چکنا چور ہوگیا۔ ایاز نے دوسرے کٹورہ میں پانی پیش کیا۔ بادشاہ نے کہا:

"کون سا کٹورہ لے آئے۔ وہ پہلا کٹورہ کیا ہوا۔؟"

ایاز نے عرض کیا:

"حضور وہ ٹوٹ گیا۔"

بادشاہ نے کہا:

"کیسے ٹوٹا۔؟"

ایاز نے کہا:

"حضور خطا کار ہوں۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔" بادشاہ نے مسکرا کر وزیر کی طرف دیکھا۔
اس کے بعد حضرت اقدس نے خواجہ حافظ کا یہ شعر پڑھا ؎

گنہ اگرچہ نبود اختیارِ ما حافظ
تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ من است

اتباع و نقل میں فرق

ارشاد فرمایا۔ شیخ کا حکم ضرور ماننا چاہیئے لیکن ہر بات میں بے سوچے سمجھے ان کے حکم کے بغیر تقلید نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ان کا مقام اور ہوتا ہے وہ اپنے مقام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید کو مسجد کے ایک کونے میں بٹھا کر مشغولی کا حکم دیا۔ اور خود دوسرے کونے میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت اس مسجد میں ایک اور بزرگ بھی موجود تھے۔ پیر صاحب کسی مسئلہ میں الجھے ہوئے تھے۔ اسی الجھن میں وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کی جانب متوجہ ہو کر کچھ دیر کے لئے لیٹ گئے۔ شیخ کو لیٹتے دیکھ کر مرید بھی تقلید شیخ میں لیٹ گیا۔ مگر اسے لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ کچھ دیر بعد اس کے شیخ اٹھے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ وہ دوسرے بزرگ جو یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ اٹھے اور اس مرید کو لات مار کر فرمایا:

"اب تو بھی اٹھ اور بغیر وضو نماز پڑھ"

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا: ہر بات میں شیخ کی تقلید نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ وہ جو حکم دیں اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

وارثی احرام اس کے بعد فرمایا : احرام کیا ہے ؟ عشق کا لباس ہے۔ جب حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحبؒ حج پر گئے تو آپ کو احرام میں ایسی لذت حاصل ہوئی کہ پھر عمر بھر کے لئے اسے اپنا لیا۔ اور ہمیشہ نہایت اہتمام سے احرام کے آداب بجالاتے رہے۔ آپ کی تقلید میں بعض لوگوں نے بھی احرام باندھ لئے ہیں۔ لیکن احرام کے آداب سے بالکل ناواقف ہیں۔ انھیں چاہیئے تھا کہ پہلے عشقِ الٰہی کے ذریعہ وہ حال پیدا کرتے۔ صرف احرام باندھ لینے، آنکھوں میں سرمہ لگانے اور ہر روز زلفیں سنوارنے سے کیا ہوتا ہے۔ بعضوں نے تو نماز پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ محض اس لئے کہ حاجی صاحبؒ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ حالانکہ وہ تو مجبور تھے۔ ہر وقت استغراق کی حالت میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مولوی صاحب نے دن کے نو بجے آپؒ سے کہا :

"حضرت ظہر کا وقت ہوگیا ہے، نماز پڑھ لیجئے۔"

آپؒ نے فرمایا :

"اچھا ظہر کا وقت ہوگیا !"

یہ کہہ کر آپؒ نے ظہر کی نماز پڑھ لی۔ نصف گھنٹے بعد آپ سے عرض کیا گیا :

"حضور عصر کی نماز کا وقت ہوگیا۔"

یہ سنکر آپؒ نے عصر بھی پڑھ لی۔ اسی طرح دو تین گھنٹوں میں آپؒ سے پانچوں وقت کی نمازیں پڑھوا لیں۔ یہ دیکھ کر مولوی صاحب نے کہا :

"بھائی انھیں تو وقت کا بھی ہوش نہیں ہے۔ یہ کس طرح نماز پڑھ سکتے ہیں۔ شرع کی رو سے یہ بالکل معذور ہیں۔"

حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ حاجی وارث علی شاہ صاحبؒ پر تو استغراقی کیفیت طاری تھی۔ آپکے معتقدین کو کیا حق پہنچتا ہے کہ نماز جیسے اہم فریضے کو ترک کریں جبکہ وہ حالتِ استغراق میں نہیں ہیں ! پہلے وہ کیفیت تو پیدا ہو۔

بشر حافی کی توبہ

ایک موقع پر ارشاد فرمایا: بشر حافیؒ پہلے بہت شراب پیا کرتے تھے اور شرابی کی حیثیت سے شہر میں کافی مشہور تھے۔ ایک دفعہ آپ کہیں جا رہے تھے تو راستے میں کاغذ کے ایک پُرزہ پر آپ کی نظر پڑی جس پر بسم اللہ لکھا ہُوا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ کہنے لگے:

"اسے ہے میرے مالک کا نام زمین پر پڑا ہُوا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے آپ جُھکے۔ فوراً کاغذ اٹھالیا، آنکھوں پر رکھا اور عطر میں بسا کر کسی اُونچی جگہ رکھ دیا۔ اُسی شب عالمِ رویا میں ایک بزرگ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے حُکم ہُوا:

"بشر حافی سے کہدو کہ جس طرح تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی ہم نے بھی تمہارے نام کو بلند کیا۔"

جب وہ بزرگ خواب سے بیدار ہُوئے تو انھیں خیال گزرا کہ جن بشر حافی کو میں جانتا ہُوں وہ تو ایک آوارہ مزاج شرابی آدمی ہے۔ ممکن ہے اس نام کے کوئی اور صاحب ہوں۔ دُوسری بار بھی یہی خواب دیکھا اور اُن بزرگ کو یہی خیال گزرا۔ جب تیسری مرتبہ تنبیہ ہُوئی تو فوراً وہ بزرگ بشر حافیؒ کے گھر پہنچے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ وہ تو اس وقت شراب خانہ میں ہیں۔ وہ بزرگ شراب خانہ کی طرف گئے۔ باہر کھڑے ہو کر ایک آدمی کے ذریعہ اطلاع کرائی کہ ایک شخص تمہارے نام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا ہے۔ آپ نے جب سُنا تو اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے ہُوئے رُخصت ہُوئے:

"بھائیو اَب میرے واپس آنے کی اُمید نہ رکھنا۔ نہ معلوم کس قسم کا پیغام ہے۔ پیامِ رحمت ہے یا پیغامِ عتاب۔"

جب باہر آئے تو ان بزرگ نے فرمایا:

"بشر حافی! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی اور اسے بلند مقام پر رکھا، ہم نے بھی تمہارے نام کو بلند کیا۔"

بشرحافیؒ نے جب یہ بشارت سُنی توآپ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہُوئی۔ آپؒ نے سچے دِل سے توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدے کئے اور بہت بڑے مرتبے کو پہنچے۔ آپؒ بھی احرام باندھا کرتے تھے اور ننگے پاؤں پھرا کرتے تھے۔

حاجی صاحبؒ میں جامعیت

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ کسی نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے شیخ حضرت مولٰینا نُور محمد جھنجھانویؒ سے کہا:

"آپ اس لڑکے پر اس قدر محنت کر رہے ہیں ؟"

آپؒ نے فرمایا:

"جی ہاں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ وہ ہنڈیا ہو گی جس سے انواع و اقسام کے کھانے تیّار ہو کر نکلیں گے۔"

چنانچہ ایسا ہی ہُوا آپ میں وہ جامعیت تھی کہ حضرت مولٰینا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ بھی آپ کے خلیفہ حضرت مولٰینا محمّد قاسم صاحبؒ بھی آپ کے خلیفہ حضرت مولٰینا محمّد حسین الہ آبادیؒ جن کا وصال قوّالی میں ہُوا وہ بھی آپ کے خلیفہ۔ ان کے علاوہ آپؒ کے اور بہت سے خلفاء ہیں، جو مختلف استعداد اور مختلف کمالات کے مالک ہیں۔ آپؒ کے ایک مرید تھے جو اکثر جڑی بُوٹیوں کی تلاش میں جوگیوں کے پیچھے پھرا کرتے تھے۔ کسی نے آپ سے شکایت کی۔ تو آپؒ نے فرمایا:

"بھائی اگر کسی شخص کے باغ میں میٹھے پھلوں کے درخت بھی ہوں اور کھٹّے پھلوں کے بھی ہوں تو کیا باغ کا مالک کھٹّے پھل والے درختوں کو کاٹ کر پھینک دیتا ہے ؟ نہیں۔ بلکہ انھیں اچار اور چٹنی کے لئے رہنے دیتا ہے۔"

آسان مجاہدہ

ارشاد فرمایا کہ ہمارے مولٰینا صاحبؒ بھی عجب مجتہدانہ شان رکھتے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ بمبئی کے اکثر لوگ نہ روزے رکھ سکتے ہیں نہ زیادہ تلاوت کر سکتے ہیں اور نہ لمبے لمبے اوراد و وظائف کر سکتے ہیں۔ تو ان کے لئے

انھوں نے ایک اور قسم کا مجاہدہ تجویز فرمایا۔ ارشاد فرمایا کرتے تھے :

"تم لوگ پابندی سے نماز پڑھا کرو۔ اور کسی کسی وقت جب تمہارا جی پلاؤ کھانے کو چاہے تو نہایت نفیس پلاؤ پکواؤ اور طشتری میں رکھ کر اپنے نفس کو صرف ایک دو نوالے چکھاؤ اور اپنا سارا کھانا اللہ کی راہ میں دے دو۔ اچھے سے اچھے کپڑے سلواؤ، پہنو اور اُتار کر کسی کو دے دو۔"

یہ نہایت سخت مجاہدہ تھا لیکن مالی اعتبار سے بمبئی والوں کے لئے قابلِ برداشت بھی تھا۔ قلبی اعتبار سے سخت اور مالی اعتبار سے آسان۔

داڑھی کا قضیہ ایک مرتبہ جب مولینا صاحبؒ بمبئی تشریف لے گئے تھے تو سبھوں نے یہ طے کیا کہ آپ کو باندرہ میں شمس الدین کے مکان پر ٹھہرایا جائے۔ لیکن عبدالرحمٰن اپنے مکان پر ٹھہرانا چاہتے تھے۔ جس کی وجہ سے عبدالرحمٰن کے دل میں شمس الدین سے شکایت پیدا ہو گئی۔ عبدالرحمٰن داڑھی رکھتے تھے اور شمسُ الدین — CLEAN SHAVED (داڑھی مُنڈے) تھے[1]۔ ایک دفعہ عبدالرحمن نے مولینا صاحبؒ سے شکایت کی

"شمسُ الدّین میری داڑھی کا مذاق اُڑاتے ہیں، کہتے ہیں کہ بکرے کی سی داڑھی ہے۔"

مولینا صاحبؒ نے اپنا ڈنڈا سنبھال لیا اور فرمایا :

"بُلاؤ شمسُ الدّین کو۔"

جب وہ آئے تو دریافت فرمایا :

"کیا بات ہے! تم داڑھی کا مذاق اُڑاتے ہو!"

شمسُ الدّین نے عرض کیا :

"حضور یہ عبدالرحمٰن ہمیشہ مجھ پر لعن طعن کرتے ہیں کہ تم تو داڑھی مُنڈے ہو،

---

[1] اَب تو ماشاء اللہ ان کا انگریزی لباس بھی اُتر گیا اور چہرہ پر داڑھی بھی عین سُنّت کے مُطابق ہے۔

ایسے ہو ویسے ہو۔ آخر میں نے تنگ آکر ایک دفعہ ان سے کہدیا کہ تم داڑھی رکھ کر اپنے مقابلہ میں دُوسروں کو ذلیل سمجھتے ہو، ایسی بکرے کی سی داڑھی سے کیا فائدہ۔"

مولینا صاحبؒ نے ڈنڈا رکھ دیا اور میری طرف دیکھ کر فرمایا:

"اَب تو مقدمہ کی نوعیت ہی بدل گئی۔"

پھر عبدالرحمٰن کو ڈانٹا اور فرمایا:

"تم داڑھی رکھ کر اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگے ہو؟ دُوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہو۔؟"

غرض مولینا صاحبؒ نے کُچھ اپنے تجربے بیان کئے اور عبدالرحمٰن کی اچھی طرح فہمائش کردی۔

اِس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ بُرائی سے روکنے کا بھی ایک طریقہ ہے۔ بھری مجلس میں داڑھی مُنڈوں کو اگر ٹوک دیا جائے تو ان کی اصلاح کم ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے ضد بڑھتی ہے۔ بس باتوں باتوں میں اِشارۃً کنایۃً کہہ دینا کافی ہوتا ہے۔

جمادی الاخریٰ ۱۳۶۴ھ --- ۱۰ر جُون ۱۹۴۵ء اجمیر شریف

ظاہر کا اثر باطن پر

حضرت مولینا شاہ وارث حسنؒ کا ذکرِ خیر تھا۔ ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک یورپ زدہ نوجوان انگریزی لباس میں ملبوس بڑی رعونت کے ساتھ مولینا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گُستاخانہ طریقہ سے مخاطب ہوکر کہنے لگا:

"میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ یہ جو آپ لوگ کہتے ہیں کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ اس کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔ آپ کیوں انگریزی لباس پہننے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ اس میں کیا خرابی ہے؟"

مولینا صاحبؒ نے فرمایا :

" ہم نے تو آج تک کسی کو بھی نہیں روکا۔ ہمارے پاس آنے والے خود ہی کچھ عرصہ کے بعد انگریزی لباس پہننا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہاں مگر تمہارے اس سوال کا جواب ہمارے پاس ہے۔ لیکن ہم آج نہیں دیں گے۔ پرسوں ہمارے پاس آنا۔ پرسوں ہم بتا دیں گے۔ لیکن کل ایک کام کرنا۔ جب دفتر جانا تو زنانہ کپڑے پہن کر جانا۔ شام کو اپنے دوستوں سے بھی مل لینا۔ اور کلب کا بھی ایک چکر لگا لینا۔ پھر آنا ہمارے پاس۔"

یہ سُنکر وہ کچھ شرمندہ سا ہُوا اور جھینپتے ہُوئے عرض کیا :

" حضور جواب تو ہو گیا۔"

غرضیکہ ذرا سی دیر میں اس کی رعونت ختم ہو گئی اور مُرید ہو کر اُٹھا۔

بزرگوں کا انکسار

ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصریؒ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ آپ کو دیکھ کر کسی لڑکے نے کہا :

" دیکھو منافق جا رہا ہے۔"

یہ سُنکر آپ ٹھہر گئے۔ اور اپنے نفس سے مخاطب ہو کر فرمایا :

" سُن لیا تُو نے اپنے کانوں سے ــــ میں ہزار بار کہتا تھا کہ تُو منافق ہے۔ مگر تجھے یقین نہیں آتا تھا، اَب تو یقین آ گیا۔ یہ مُسلمانوں کے بچے ہیں اور مُسلمانوں کے بچے جھُوٹ نہیں بولا کرتے۔"

فرمایا یہ ہے ان حضرات کا عجز و انکسار۔ اور کوئی ہوتا تو ڈنڈا لے کر لڑکوں کے پیچھے دوڑتا۔ عبادت پر نازاں نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ اللہ کی رحمت پر نظر رکھنی چاہیئے۔

مشیخت سے گریز

جہاز پر کسی نے دریافت کیا کہ حضرت آج جمعرات ہے۔ کیا حلقۂ ذکر ہو گا؟ فرمایا :

"ہم تو فقیر بن کر اُن کے پاس جا رہے ہیں۔ ہم بھیک مانگنے جا رہے ہیں۔ جب کوئی فقیر کسی کے پاس جاتا ہے تو یہ تھوڑے ہی کہتا ہے کہ ہم امیر کبیر ہیں۔ ہمارے بڑے بڑے محل ہیں، شاندار ساز و سامان ہے۔ اگر ایسا کہے تو اُسے کون دے گا۔ جب وہ اپنے آپ کو مفلس ظاہر کرتا ہے۔ تب ہی تو کچھ ملتا ہے۔"

فرمایا:

"ہم اَب ان باتوں سے تنگ آگئے ہیں۔ ہمیں تو خلافت سے بہت تکلیف ہوئی ہے۔ ہم صِرف قلندر ہی رہتے تو اچھا تھا۔ اب بھی اگر مولینا صاحبؒ مل جائیں تو ہم ان سے عرض کریں گے کہ اپنی خلافت ہم سے واپس لے لیجئے اور ہمیں قلندر ہی رہنے دیجئے۔"

احقر نے عرض کیا:

"خلافت بھی تو انھوں نے اہل دیکھ کر دی ہے۔"

فرمایا:

"ہم نااہل بن جائیں گے۔ پھر تو خلافت کے مستحق نہیں رہیں گے۔"

اَپنے کو بُرا سمجھو! ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ سالک کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو سب سے بُرا اور حقیر سمجھے۔ اور بار بار کہا کرے:

"میں سب سے بُرا ہوں۔"

اگر ایسا محسوس نہ ہو تب بھی بہ تکلّف کہتا رہے۔ کیونکہ بہ تکلّف کہنے کا بھی بہت اثر ہوتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ حقیقتاً اپنے آپ کو بُرا سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح کسی بُری عادت کے ترک کرنے کیلئے بھی یہ عمل مؤثر ثابت ہو سکتا ہے۔ روزانہ کئی مرتبہ اپنی بُری عادت کی بُرائی کا خیال کر کے بار بار بُرا کہتا رہے۔ خدا نے چاہا تو دل میں اُس کی نفرت بیٹھ جائے گی اور وہ عادت خود بخود ترک ہو جائے گی۔ آدمی کو چاہیئے کہ ہمیشہ اپنے ہی عیبوں پر نظر رکھے۔ دُوسروں کے عیوب

بیان کرنا درحقیقت اپنی تعریف کرنا ہے۔ دُوسروں کے عیب کو تلاش کرتے رہنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو سب سے اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ اور خود بینی کا شکار ہو جاتا ہے۔ شیخ سعدیؒ کے مُرشد نے اُن کو رخصت کرتے وقت اسی امر کے متعلق نصیحت کی تھی جس کو انھوں نے اس رباعی میں ادا کیا ہے ؎

مرا پیر دانائے مُرشد شہابؒ ❊ دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آں کہ بر غیر بد بیں مباش ❊ دگر آنکہ بر خویش خود بیں مباش

(میرے دانا مرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے دریا کے کنارے مجھے دو نصیحتیں کیں۔ ایک یہ کہ دُوسرے لوگوں کی عیب جوئی نہ کروں۔ دُوسری یہ کہ خود بین نہ ہوں۔ یعنی اپنے آپ کو دُوسروں کے مقابلہ میں اچھا نہ سمجھوں۔)

یزید پر لعنت

اِس کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ یزید پر لعنت بھیجتے ہیں اِس لئے کہ اس نے اہلِ بیت پر ظلم کیا۔ اور بعض لوگ اُسے لعنتی کہنے سے احتراز کرتے ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ سیّد الشہدا، حضرت اِمام حُسین علیہ السّلام رحمۃ اللعٰلمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نواسے ہیں۔ بہت ممکن ہے آپ نے یزید کو معاف کر دیا ہو۔ ایک دفعہ کسی نے خواجہ قطب صاحبؒ سے دریافت کیا :

"یزید پر لعنت بھیجنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔؟"

آپؒ نے فرمایا :

"بھائی مجھے آجتک یہ نام لینے کا اتفاق نہیں ہُوا۔"

فرمایا کتنی اچھی طرح ٹال دیا۔ یزید تک کی بُرائی کرنا گوارا نہ کیا۔ لیکن آجکل تو دُوسروں کی بُرائی بیان کرنا فیشن میں داخل ہو گیا ہے۔ جہاں دو چار آدمی مل کر بیٹھے دُوسروں کے عیوب بیان کرنا شروع کر دیئے بعض اوقات تعریف بھی کرتے ہیں لیکن غیبت سے بھی باز نہیں آتے۔ فرمایا غیبت گناہِ کبیرہ ہے۔

نہ بُرائی کرے نہ سُنے

اس کے بعد فرمایا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ دُوسروں کی بُرائیوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ اس سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ خود اس بُرائی کے مرتکب نہیں ہوتے لیکن ہر وقت بُرائی کے تخیّل سے دِل میں تاریکی آجاتی ہے۔ جیسے ایک آدمی اگر کھانا کھا رہا ہے اور دُوسرا آدمی اس کے سامنے کسی گندی چیز مثلاً پاخانہ پیشاب کا ذِکر کرے تو کھانا کھانے والا کہے گا کہ بھائی ذرا ہمیں کھانا تو کھا لینے دو۔ بعینہٖ دُوسروں کے عیوب تلاش کرنے، بیان کرنے یا سُننے سے اپنا قلب بھی ان بُرائیوں کے تعفّن سے متاثر ہوجاتا ہے۔ اس لئے اِنسان کو چاہیئے کہ کبھی کی بُرائی کرے نہ اسے سُنے۔

باہی جرم اور جاہی جرم

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّیؒ سے کسی نے دریافت کیا:

"حدیث شریف میں جو غیبت کو زنا سے زیادہ سخت کہا گیا ہے، اسکی کیا وجہ ہے؟"

آپؒ نے فرمایا:

"زنا باہی جُرم ہے اور غیبت جاہی جُرم ہے۔ زنا کے بعد انفعالی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور آدمی پشیمان ہوتا ہے بیشکن غیبت سے نفس موٹا ہوتا ہے، آدمی خوش ہوتا ہے کہ کس طرح میں نے فلاں کی مٹی پلید کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زنا سے غیبت کا گُناہ زیادہ ہے۔"

اس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ	اللہ کو پسند نہیں کسی کی بُری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظُلم ہوا ہو۔

اِس لحاظ سے غیبت کہاں تک جائز ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہ غیبت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر مظلوم اپنی داد رسی کی خاطر حاکم سے شکایت کرے تو اسے غیبت نہیں کہیں گے۔ یا کوئی عینی شاہد کسی کے خلاف حاکم کے سامنے سچ بات کہہ دے تو اس کا شمار بھی غیبت میں نہیں ہوگا

یاکوئی شخص اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے حقیقت ظاہر کرے اور اس میں کسی کی شکایت کا پہلو بھی نکلتا ہو تب بھی یہ جائز ہے البتہ کسی کو ذلیل کرنے کی خاطر اس کا عیب بیان کیا جائے تو یہ گناہ ہے۔ لیکن غلط فہمی دُور کرنے کے لئے اور لوگوں کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کی خاطر سچ سچ کہہ دیا جائے تو یہ غیبت نہیں ہے۔ اسی طرح ایک راوی دُوسرے راوی کی نکتہ چینی کرے اور اس کا جھوٹ ظاہر کرے تو جائز ہے۔ ایک دفعہ امہات المومنینؓ میں سے کسی نے ایک آدمی کا ذکر کرتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ پست قامت ہے۔ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"یہ غیبت ہے۔"

صحابہ کرامؓ کے دریافت کرنے پر حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"اگر کسی کے پس پُشت ایسی بات کہی جائے جو اگر اس کے رُوبرو کہی جائے تو اُسے غصّہ آجائے۔ ایسی بات بھی غیبت میں شمار ہوگی۔"

صحابہؓ نے عرض کیا:

"یا رسُول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اگر وہ بات سچّی ہو پھر بھی غیبت ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا:

"ہاں اگر بات سچّی ہے جبھی تو غیبت ہے ورنہ بہتان ہے۔"

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ سچ بات ہی غیبت ہے، غلط بیانی تو بہتان ہے جس کا زیادہ گنُاہ ہے۔ بعض لوگ کسی کے سامنے ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو اس کو ناپسند ہو — یہ نکتہ چینی اور عیب جوئی ہے۔ یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کو تجارت میں شریک کرنا چاہے اور وہ آکر تم سے دریافت کرے کہ فلاں کا چال چلن کیسا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اسکو صحیح طور پر آگاہ کردو۔ یہ غیبت نہیں ہے۔ اگر تم نے کوئی بات چھپائی تو تم گنہگار ہوگے۔

غیبت اور حُسنِ ظن

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا۔ حدیث ہے اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا یعنی غیبت زنا سے زیادہ شدید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ مشاغل تو کرتے ہیں لیکن انھیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ غیبت کی وجہ سے سب کیا کرایا برباد ہوجاتا ہے۔ ویسے بھی بدی کے تصوّر ہی سے قلب پر تاریکی چھاجاتی ہے۔ اور غیبت کا نقصان تو حد سے زیادہ ہے۔ غیبت کرنے والے کی نیکیاں خارج کر کے اس شخص کے نامۂ اعمال میں درج کردی جاتی ہیں جس کی غیبت کی گئی ہو۔ اور جس کی غیبت کی گئی اس کے گُناہ کاٹ کر غیبت کرنیوالے کے نامۂ اعمال میں درج کردیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ آدمی کیوں خواہ مخواہ اپنے اعمال برباد کرے۔ اگر ہم کسی بُرے آدمی کو حُسنِ ظن سے اچّھا سمجھیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو قرآن کے عین مُطابق ہے۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا۔ (سُورۂ نُور۔ آیت ۱۲)	جب تم لوگوں نے یہ بات سُنی تھی تو مُسلمان مردوں اور مُسلمان عورتوں نے اپنے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہیں کیا؟

اِس سے نتیجہ یہ نکلا کہ نیک گمان کرنا اللہ کو پسند ہے۔ لیکن اس کے برعکس کسی اچّھے آدمی کو بُرا کہہ دیں تو بڑی سخت گرفت ہوگی۔ اس لئے اس بارے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ نہ تو کسی کی بُرائی بیان کریں اور نہ کسی کو بُرا سمجھیں، بلکہ اپنے آپ کو سب سے بُرا سمجھنا چاہیئے۔

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ بعض بزرگ تو شیطان کو بھی بُرا نہیں کہتے۔ ایک بزرگ سے کسی نے دریافت کیا:

"شیطان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔؟"

انھوں نے فرمایا:

"اللہ کا دربان ہے جو نااہلوں کو اندر نہیں جانے دیتا۔"

غیبت کرنا فیشن بن گیا

ارشاد فرمایا کہ آجکل غیبت کرنا فیشن میں داخل ہوگیا ہے۔ گویا رنگِ محفل اسی سے قائم ہوتا ہے۔ جب لوگ اکٹھے ہوکر بیٹھتے ہیں تو بس دُوسروں کی عیب جوئی کے سوا انھیں کوئی کام نہیں ہوتا غیبت بہت بُرا مرض ہے۔ اس سے نیکی کے برتن میں گویا چھید ہو جاتا ہے۔ اُوپر سے جس قدر چاہو ڈالتے جاؤ لیکن جمع کچھ بھی نہیں ہوتا۔ سب خارج ہو جاتا ہے۔

علامتِ ایمان

احقر کی والدہ ماجدہ وغیرہ حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جہاز میں چکّر آنے کا ذکر ہو رہا تھا۔ والدہ صاحبہ نے عرض کیا:

"حضورؒ ہمیں تو کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ہمیں تو اِن چکّروں میں لذّت آتی ہے۔"

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا:

"یہ ایمان کی علامت ہے۔ اُس کی راہ میں تکلیف کا محسوس نہ ہونا بلکہ اس سے لذّت حاصل کرنا علامتِ ایمان ہے۔ بس یہی خیال رکھو کہ جس قدر مسافت طے ہوتی جائے گی۔ اس سے قریب تر ہوتے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ قلوب کو دیکھتا ہے۔"

اصل ہجرت

ہماری رباط (سرائے) میں ایک دن ایک حاجی جو بہاولپور کا باشندہ تھا فوت ہوگیا۔ اس روز مولٰینا ابوحامد بخاری حضرتؒ سے ملنے آئے ہوئے تھے، حضرتؒ نے اُن سے فرمایا:

"آج یہاں ایک حاجی کا اِنتقال ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ	جو شخص اللہ اور اس کے رسُول کیطرف ہجرت کرکے اپنے گھر سے روانہ ہُوا۔ اور راستے میں فوت ہوگیا تو اس کا

وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝	اجر اللہ پر ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے "الی اللہ ورسولہ" فرمایا ہے۔ "الی المکّۃ و المدینۃ" نہیں فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص طلبِ حق میں اپنے خانۂ نفسانیت طبیعت۔ عادت اور بشریت سے نکلتا ہے اور راستے میں اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔"

۸ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ - ۱۲ جون ۱۹۵۱ء مکّہ معظّمہ

ہم ان کے بچے ہیں

ارشاد فرمایا کہ کسی وقت حضرت حاجی صاحبؒ کے مزار مبارک پر جنّت المعلّٰی جانا چاہیئے۔ ویسے تو روحانی طریق پر ہم ان کی طرف متوجّہ ہوئے تھے۔ انھیں ہم لوگوں کا علم ہے۔ اور ہماری طرف متوجّہ ہیں۔ وہ بھی اور حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ اور حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ بھی۔ ان کی توجّہ ہمارے ساتھ ہے لیکن اس جسم کے ساتھ بھی دولتِ باریابی حاصل کرنا چاہیئے۔ فرمایا، ایک دفعہ ہمارے مولٰینا صاحبؒ مکّہ کی گلیوں میں راستہ بھول گئے۔ جب بہت تھک گئے تو حضرت فضیل بن عیاضؒ کی روحانیت کی جانب متوجّہ ہوئے۔ اور جب آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو حرم شریف میں پایا۔ تم لوگوں کو بھی اسی پر عمل کرنا چاہیئے۔ ہم ان کے بچے ہیں۔ وہ ہم پر بہت مہربان ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے مولٰینا صاحبؒ سے دریافت کیا:

"والدین کو جس قدر بچوں کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے، اولاد کو ماں باپ کی تکلیف کا اتنا احساس کیوں نہیں ہوتا؟"

آپؒ نے فرمایا:

"اگر گوشت کا ایک ٹکڑا جسم سے کاٹا جائے تو درد جسم کو ہو گا یا اس ٹکڑے کو؟"

اصالتاً اللہ کیلئے مجازاً خلیفۃ اللہ کیلئے

ارشاد فرمایا حیدر آباد دکن میں ایک جھیل ہے جس کے کنارے ایک باغ ہے۔ لوگ وہاں سیر کے لئے جایا کرتے ہیں۔ ہم بھی ایک مرتبہ وہاں گئے۔ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان میں سے ایک صاحب کسی سے مولینا کہہ کر مخاطب ہوئے۔ اس پر ایک اور صاحب معترض ہوئے:

"مولینا مت کہو۔ مولا تو اللہ ہے۔ کسی اور کو مولا کہنا شرک ہے۔"

ہم سن رہے تھے۔ ہم نے کہا:

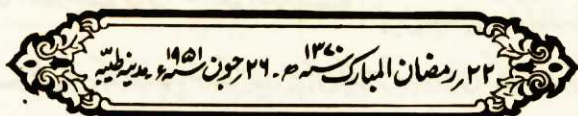
"جو صفات اصالتاً اللہ کے لئے صادق آتے ہیں وہ مجازاً اللہ کے خلیفہ کے لئے بھی صادق آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝	بے شک تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آئے ہیں جو تکلیف تم کو پہنچی ہے ان پر گراں گزرتی ہے۔ تمہارے لئے فراوانی کے طالب رہتے ہیں۔ مومنوں کے حق میں تو نہایت شفیق و مہربان ہیں۔

اس آیت میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف و رحیم کہا گیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں اللہ کے نام ہیں۔"

نور کی کھڑکیاں

ایک موقعہ پر مختلف سلسلوں کا تذکرہ تھا۔ فرمایا نور ایک ہے لیکن اس کے ظہور کے ذرائع مختلف ہیں۔ مثلاً حضرت خواجہ غریب نوازؒ، حضرت غوث الاعظمؒ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ۔ گویا کھڑکیاں ہیں جن کے ذریعہ وہی ایک نور چمکا ہے۔ اولیاء اللہ سب ایک ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ اولیاء اللہ کنفس واحدۃ۔



حبِّ اللہ حبِّ رسولؐ

آج صبح حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت کے متعلق گفتگو تھی۔ اِرشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ عالمِ مشاہدہ میں رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے مشرف ہُوئیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"اے رابعہ تیرے دِل میں میری محبّت کتنی ہے؟"

حضرت رابعہؓ نے عرض کیا:

"میرے ماں باپ فدا۔ وہ مومن کیسے رہ سکتا ہے جس کے دِل میں آپؐ کی محبت نہ ہو۔ مگر میں آپؐ سے بے حد شرمندہ ہوں۔ اِس لئے کہ میرا دِل اللہ تعالیٰ کی محبت سے لبریز رہتا ہے۔"

آپؐ نے فرمایا:

"رابعہ فِکر مت کر اللہ کی محبّت میری محبّت ہے۔"

فرمایا دہی عروج و نزول کا مسئلہ ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ وہی ایک نُور ہے جو عروج میں اللہ ہے اور نزول میں محمّد رسُول اللہ ہے۔ نُور ایک ہے مگر مختلف کھڑکیوں سے نمودار ہو کر کہیں آدمؑ بنا ہے۔ کہیں نوحؑ۔ کہیں موسیٰؑ اور کہیں عیسیٰؑ۔ اب اگر ایک کمرے میں چراغ جلایا جائے اور اس کی کھڑکیوں کے شیشے مختلف رنگ کے ہوں تو کسی جگہ ہرا رنگ نظر آئے گا۔ کہیں سُرخ اور کہیں زرد۔ لیکن روشنی ایک ہی ہے۔

اِس کے بعد ارشاد فرمایا کہ GRAMMAR (صَرف و نحو) کی رُو سے حرفِ عطف کا اِستعمال کیوں ہوتا ہے؟ نحوی قاعدہ سے حرفِ عطف کا کام یہ ہے کہ دو جُملوں کے درمیان آکر دونوں میں اِمتیاز پیدا کرے۔ اب تم یہ دیکھو کہ کلمۂ طیّبہ لاالٰہ الا اللہ محمّد رسُول اللہ کے درمیان واوِ عطف کہاں ہے؟ عطف کا

"و" تو نہیں ہے جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اللہ محمدؐ میں غیریت نہیں ہے۔ بس جو عروج میں اللہ ہے وہ نزول میں محمد رسول اللہ ہے۔

قُلْ یَا عِبَادِیْ

ایک دفعہ مولانا صاحبؒ (حضرت مولانا شاہ وارث حسن صاحبؒ) نے ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا۔ قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ میں یا عبادی سے کیا مراد ہے؟ اللہ کے بندے یا رسول کے بندے۔ اگر اللہ کے بندے مراد ہوتا تو من رحمتی ہوتا من رحمتہ اللہ نہ ہوتا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عبادی سے مراد رسول کے بندے ہے۔ بات اتنی پکی تھی کہ مولوی صاحب کچھ نہ کہہ سکے۔

۸ شوال ۱۳۷۰ھ - ۱۳ جولائی ۱۹۵۱ء - مدینہ منورہ

مہرِ نبوی کی گمشدگی

(آج حضرتِ اقدسؒ کے ہمراہ مدینہ شریف کے قرب و جوار میں بعض مقدس مقامات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ سب سے پہلے جبلِ اُحد گئے۔ پھر مسجدِ قبلتین اور مقامِ غزوۂ خندق سے ہوتے ہوئے مسجدِ قبا پہنچے۔ مسجدِ قبا کے پاس ایک کنواں ہے جس میں حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مہرِ نبوی گر گئی تھی جس کی تلاش میں بے حد کوشش کی گئی تھی۔ یہاں تک کہ سارا پانی نکال کر کنواں خشک کیا گیا تھا لیکن مہرِ نبوی دستیاب نہ ہو سکی۔)

مسجد کے قریب سائے میں ایک کرسی رکھی گئی۔ جس پر حضرتِ اقدسؒ تشریف فرما ہوئے اور باقی سب لوگ کنوئیں پر گئے اور پانی پیا۔ پانی پی کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اس وقت حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ مہرِ نبوی کے کنوئیں میں گرنے اور پھر نہ ملنے میں ایک بڑا راز ہے۔ تم دیکھ لو مہرِ نبوی گم ہونے کے بعد حکومت اور سیاست میں کس قدر خلفشار واقع ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت میں تو سیاسی انتشار حد سے تجاوز کر گیا۔ البتہ آپ نے

تعلیم و ارشاد کے امور نہایت حسن و خوبی سے انجام دیئے جن کا فیضان ان کے خلفاء کے ذریعہ آج تک جاری ہے اور حضرت امام مہدی علیہ السّلام تک جاری رہے گا۔ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے :

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا	میں علم کا شہر ہوں اور علی (رض) اس کا دروازہ ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خصوصی شان یہی ہے۔ رشد و ہدایت کی اہم ذمّہ داری آپ ہی کے سپرد تھی۔ آج بھی خلفائے علی رض کے توسّل سے خلافت راشدہ کا دَور دَورہ ہے اور یہ قائم رہے گا۔ شیعہ حضرات خواہ مخواہ بحث میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ یہاں بحث مباحثہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

عِلم کے مرحلے

اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی ایسا ذریعہ ہو جس سے ماں کے پیٹ کے اندر بچّے کو یہ بتایا جا سکے کہ دُنیا میں ایسی ایسی چیزیں بھی ہیں جو تمہاری ماں کے پیٹ سے سو گُنا بڑی ہیں۔ تو وہ یقین نہیں کرے گا۔ وہ فقط اپنی دُنیا کو جانتا ہے۔ اِس کے علاوہ اُسے کسی چیز کا علم نہیں۔ پھر جب وہ دُنیا میں قدم رکھتا ہے تو بتدریج عمر کے ساتھ ساتھ معلومات میں اِضافہ ہوتا جاتا ہے۔ آتے ہی سب کچھ معلوم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ آہستہ آہستہ برسوں کی محنت کے بعد حقیقتِ اشیا کا کچھ علم میسّر آتا ہے۔ یہی حال آخرت کا ہے۔ عام طور پر وہاں کی اشیا کا عِلم انسان کو اس دُنیا میں نہیں ہوتا لیکن موت کے بعد اُسے آہستہ آہستہ تمام چیزوں کا عِلم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے تو ایک عرصے تک اُسے برزخ میں رکھا جاتا ہے جہاں اس کے اندر صلاحیت پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اور اس کے بعد بتدریج اُسے وہاں کی باتوں کا علم ہوتا ہے۔

موت کے بعد رُوح اور جسم کے درمیان ضرور تعلّق رہتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے لوہے کا ایک گولہ اگر تم آگ میں ڈال دو تو کچھ دیر بعد وہ گولہ آگ کی صُورت اور سیرت اختیار کرلے گا۔ پھر جب اُسے باہر نکالو گے تو تم دیکھو گے کہ کافی دیر تک اس میں آگ کا اثر باقی رہتا

ہے اسی طرح جب رُوح جسم سے الگ ہو جاتی ہے تو کچھ عرصہ تک جسم سے رُوح کا تعلّق رہتا ہے۔ قوی رُوحوں کا تعلّق جسم کے ساتھ قوی ہوتا ہے۔ اور زیادہ دیر تک قائم رہتا ہے۔



اُس جہان کے معاملات کو سمجھنا بہت مشکل ہے

خان زادہ عبدالکریم اور احقر حاضرِ خدمت تھے حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ جس وقت بچّہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ اس وقت کسی ذریعہ سے اگر اسے یہ بتایا جاسکے کہ جس جہان میں تم ہو اسے چھوڑ کر اب تم ایسے جہان میں جاؤ گے جو اس جہان سے بہت بڑا ہے جس کی کئی چیزیں تمہارے اِس جہان سے ہزاروں لاکھوں گُنا بڑی ہیں۔ تو وہ یقین نہیں کرے گا۔ بلکہ یہ بات اس کی سمجھ میں بھی نہیں آئے گی۔ اُس جہان سے نکل کر جب وہ اِس جہان میں آتا ہے تو برسوں کے بعد رفتہ رفتہ اُسے اس جہان کی اشیاء کا علم ہوتا ہے۔ آتے ہی فوراً سب کچھ اس کی سمجھ میں نہیں آجاتا۔ اور ایک لذّت تو اس دُنیا کی ایسی ہے جسے وہ سنِ بلوغ سے قبل نہیں سمجھ سکتا۔ اس جہان اور اگلے جہان میں بھی وہی نسبت ہے جو ماں کے پیٹ اور اس دُنیا میں ہے۔ اُس جہان کی باتیں اس جہان والوں کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ حتیٰ کہ موت کے فوراً بعد بھی آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ پہلے اسے برزخ میں رکھا جاتا ہے۔ جہاں رفتہ رفتہ اس میں وہاں کے حقائق سمجھنے کی صلاحیّت پیدا ہو جاتی ہے اُس جہان میں ایسی لذّتیں ہیں جس کے سامنے یہاں کی سب سے اعلیٰ لذّت جسے آدمی سنِ بلوغ کے بعد پاتا ہے۔ بالکل ہیچ ہے۔ اس لذّت کی SHORT — DURATION (مختصر مدّت) اس کے حقیر ہونے کی دلیل ہے۔

نقد روپیہ سے ایصالِ ثواب

ایک مرتبہ فاتحہ کا ذکر تھا۔ فرمایا آئندہ ہم کھانا پکوانے کی بجائے رقم غریبوں میں تقسیم کر دیا کریں گے۔

یہی بہترین مصرف ہے۔ کھانا پکوانا اور دعوتیں دینا ظاہر داری ہے۔ فلاں کو بلاؤ۔ فلاں شریک ہوئے۔ فلاں نہیں آئے اور فلاں نے یہ اعتراض کیا کہ پانی ٹھنڈا نہیں تھا۔ کھانا تھوڑا تھا۔ یہ سب دردِ سر ہے۔ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ثواب حاصل کرنے کیلئے صرف ایک نوالہ کافی ہے۔ بس آئندہ ہم چپکے سے رقم غریبوں میں تقسیم کردیا کریں گے صرف تھوڑی سی مٹھائی منگوا کر فاتحہ دے لیا کریں گے۔ اور باقی نقد روپیہ تقسیم کردیا کریں گے۔ نقد رقم سے بھی ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے۔ کھانا پکوانا کچھ ضروری تھوڑا ہی ہے۔

اس زمانے کے لوگوں کے ساتھ نرمی

ایک دفعہ کلکتہ کے ایک سوداگر حاضرِ خدمت ہوئے عبادت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ارشاد فرمایا کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابۂ کرامؓ سے فرمایا:

"اگر تم نے عبادت کا دسواں حصّہ بھی کم کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ ہوگا۔ لیکن ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ تمہاری عبادت کا دسواں حصّہ بھی ادا کریں گے تو ان کو اس کا ثواب تمہارے برابر ملے گا۔"

صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کی کیا وجہ ہے؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

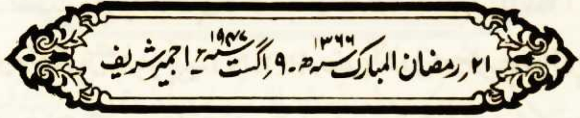
"تم لوگوں نے مجھے دیکھا ہے۔ قرآن تمہارے وقت میں نازل ہوا ہے۔ وحی تمہارے سامنے آتی ہے۔ جو بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی، مجھ سے پوچھ لیتے ہو۔ لیکن وہ لوگ بغیر مجھے دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے۔"

یہ سُنکر کلکتہ والے سوداگر نے کہا:

"آپؒ نے خوب فرمایا۔ یہی سوال میرے دل میں تھا۔ اس کے متعلق میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا تھا۔"

حضرت نے فرمایا :

"یہ ALLOWANCE (رعایت) دے دیا گیا ہے ۔"



قید و آزادی

آج احقر جب حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ حضرت مولینا جامیؒ کی کتاب "نفحات الانس" کا مطالعہ فرما رہے ہیں۔ آپ نے ایک اقتباس پڑھ کر سنایا ۔ فرمایا ۔ دیکھو ایک بزرگ کیا فرما رہے ہیں ۔ فرماتے ہیں :

"جو کوئی تمھیں کچھ دیتا ہے وہ گویا تمھیں قید کر لیتا ہے اور جو تم پر ظلم کرتا ہے وہ گویا تمھیں آزاد کر دیتا ہے ۔ اور آزاد ہونا قید ہونے سے بہتر ہے ۔"

پھر فرمایا کہ دیکھو ان لوگوں کے نقطہائے نگاہ کتنے عجیب ہوتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ جو شخص آپ کو کچھ دے گا، آپ اُس کے آگے جھکیں گے ۔ اور جو نہیں دے گا بلکہ ظلم کرے گا تو آپ اس سے آزاد رہیں گے اور اللہ کے آگے جھکیں گے ۔

مسئلہ قضا و قدر

ارشاد فرمایا کہ ایک اُستاد کے دو شاگرد ہیں ۔ ایک ذہین اور محنتی ہے ۔ ہر کام اچھی طرح کرتا ہے ۔ سبق خوب یاد کرتا ہے ۔ دوسرا غبی ہے ۔ محنت بھی نہیں کرتا ۔ سبق بھی یاد نہیں کرتا ۔ اَب اُستاد کو تو معلوم ہے کہ ذہین لڑکا پاس ہو جائے گا اور غبی لڑکا فیل ہوگا ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ فلاں نیک کام کرے گا اور فلاں بُرے کام کرے گا ۔ اب اگرچہ اللہ کے علم میں ہے کہ فلاں سعید ہے اور فلاں شقی ۔ لیکن اس نے جو اختیار اپنے بندوں کو دیا ہے، اُس اختیار کی وجہ سے وہ سزا اور جزا کے مستحق ہوتے ہیں ۔

جبرو اختیار ایک مرتبہ احقر نے عرض کیا کہ اکثر یہ خیال دل میں آتا ہے کہ جب ہر جگہ ذات ہی ذات ہے تو CONTROL CENTRE (انتظامی مرکز) کہاں ہے۔ فرمایا ہر ایک POINT (نقطہ) کنٹرول سینٹر ہے۔ دائرہ پر ہر نقطہ دائرہ کا ابتدائی نقطہ ہے۔ مراقبہ ذات میں بس یہی خیال جمالینا چاہیئے کہ میں نہیں ہوں وہی ہے۔ قلم کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص ہمارے سامنے فرش پر لیٹا ہوا ہے، اور ہم اس اونچے پلنگ پر لیٹے ہوئے لکھ رہے ہیں۔ اس کو صرف ہمارا قلم دکھائی دے رہا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ قلم لکھ رہا ہے۔ ایک اور شخص ہے جو بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو ہمارا ہاتھ بھی نظر آرہا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ ہاتھ لکھ رہا ہے۔ ایک تیسرا شخص ہے جو سمجھدار ہے کچھ عقل رکھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہاتھ نہیں لکھ رہا ہے بلکہ اس کے پیچھے دماغ کام کررہا ہے۔ لیکن دراصل دماغ بھی محرک نہیں ہے۔ دماغ کے پیچھے انا ہے جو صدائے بازگشت ہے انائے حقیقی کی۔ اصل میں انائے حقیقی محرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"مَا یَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ" یعنی وہ نہ چاہیں گے جب تک اللہ نہ چاہے۔

اِس آیت سے جبر و قدر کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ لیکن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ پر عوام کو بحث کرنے کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ یہ مسئلہ عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے:

"اس مسئلہ پر بحث کرنے سے عوام کو منع کیا گیا ہے۔ لیکن خواص جو حقائق کو سمجھ سکتے ہیں اس مسئلہ میں گفتگو کرسکتے ہیں۔"

فرمایا۔ اگرچہ انسان مجبور ہے، لیکن ایک حد تک اُسے اختیار بھی دے دیا گیا ہے۔ اگر یہ اختیار نہ ہوتا تو انسان کی خلافت بے معنی ہوجاتی۔ والسرائے بادشاہ کا نائب ہے۔ وہ بادشاہ کے احکام کے مطابق عمل کرتا ہے۔ لیکن اس کو ایک حد تک اختیار بھی ہوتا ہے۔ وہ اس حد کے اندر جو چاہے کرسکتا ہے۔

مدینہ منوّرہ ۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۵۱ء

قرب کے معنی

ایک دفعہ حضرتِ اقدسؒ نے دریافت فرمایا کہ قرب کے کیا معنی ہیں؟ جب سرے سے SPACE (مکان) کا وجود ہی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اِرشاد فرمایا: قرب سے مراد قرب عرفانی ہے۔ عرفان جتنا بڑھے گا قرب میں ترقّی ہوگی۔ قرب کا دُوسرا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی صفات سے متصف کرے۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہِ یعنی خُدائی اخلاق سے متصف ہوجاؤ۔ اِس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ نیک و بَد پر یکساں مہربان ہے۔ اس صفت کا نام رحمٰن ہے۔ دُوسری صفت یہ ہے کہ وہ نیکوں پر بدوں کی نسبت زیادہ مہربان ہے۔ اس صفت کا نام رحیم ہے۔ اور بِسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں تینوں اسماء موجود ہیں۔ اللہ۔ رحمٰن۔ رحیم۔ بسم اللہ بہت جامع ہے۔ حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ پُورے قرآن کا نچوڑ ہے اور بِسم اللہ سورۃ فاتحہ کا نچوڑ ہے۔ اور سارا مضمون بِسم اللہ کے نقطہ "ب" میں سمٹا ہُوا ہے۔ وہی العلم نقطۃ کثرہ الجہال یعنی عِلم فقط ایک نقطہ ہے جسے جاہلوں نے پھیلا دیا ہے۔

اس کے بعد احقر نے عرض کیا:

"کیا عشق بھی عرفان میں شامل ہے۔؟"

اِرشاد فرمایا: عشق عرفان کا نتیجہ ہے۔ پہلے اجمالی عرفان ہوتا ہے جس سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد تفصیلی عرفان کے ساتھ عشق ترقی کرتا ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں کی تکمیل ہوگئی، یہ ایک اعتباری اصطلاح ہے جس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ سیر الی اللہ ختم ہوگئی اور سیر فی اللہ سیر باللہ اور سیر مع اللہ کا آغاز ہُوا۔ سیر فی اللہ کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ ذات کی انتہا نہیں ہے۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اب تک عروج میں ہیں لیکن چونکہ ذات کی

کوئی انتہا نہیں اس لئے عروج کی بھی کوئی حد مقرر نہیں ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

اسلامی انصاف ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ آجکل ADMINISTRATION (نظام) کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ہر شخص کو بے ایمان تصور کیا جائے۔ ہر بات کے لئے گواہ اور مقدمہ کی کارروائی کے لئے دستاویزی ثبوت ضروری ہے۔ اسکے برعکس اسلامی ریاستوں میں ذمہ دار اشخاص کو ایماندار تصور کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں حضرت اقدسؒ نے ایک دو واقعات بیان فرمائے۔ آپؒ نے فرمایا کہ جب ہم اپنے والدِ مرحوم کے ساتھ حج پر گئے تو ایک دفعہ شیخ الہند (یعنی وہ جج جو ترک حکومت کی طرف سے ہندوستانی حجاج کے مقدمات فیصل کرنے کیلئے مقرر تھا) کے ہاں دو سندھی رئیسوں کا ایک مقدمہ پیش ہوا۔ ان کا آپس میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ اب جیسا کہ ہندوستان میں دستور ہے فریقین نے اپنے بیانات میں جھوٹ کی کافی آمیزش کر لی۔ بیانات سننے کے بعد شیخ الہند نے فرمایا:

"اَب تم دونوں ہمارے سامنے اپنے معاملہ پر بحث کرو۔"

چنانچہ کافی دیر تک دونوں میں بحث ہوتی رہی اور شیخ سنتے رہے۔ آخر نورِ فراست سے شیخ الہند مقدمہ کی اصل حقیقت سے واقف ہو گئے۔ دونوں سے فرمایا:

"اب آپ لوگ خاموش ہو جائیں۔ میں تمہارے مقدمے کو سمجھ چکا ہوں۔ تم لوگوں نے فلاں فلاں موقعہ پر غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اور یہ یہ باتیں تمہارے جھگڑے کی اصل بنیاد ہیں۔ کہو کیا کہتے ہو؟"

دونوں سہم گئے اور اعتراف کر لیا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید شیخ الہند پر بذریعہ کشف حقیقت منکشف ہو گئی ہے۔ شیخ الہند نے بڑے نرم لہجے میں اور بہت ہی موثر پیرائے میں دونوں کو

نصیحتیں کیں اور فرمایا :

" اب ایک دُوسرے کو معاف کر دو اور گلے مل جاؤ ۔"

دونوں گلے ملے ۔ ایک دُوسرے کو معاف کر دیا ۔ شیخ بہت خوش ہوئے ۔ دُعائیں دیں اور فرمایا

" آپ حضرات آج ہمارے ساتھ کھانا کھائیں ۔ اور پھر دونوں ایک دُوسرے کی دعوت کریں ۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ ہے انصاف اور فوری فیصلہ ۔ یہاں تو سالہا سال ایک مقدمہ کے فیصلہ میں لگ جاتے ہیں ۔ کئی گواہ پیش ہوتے ہیں ، ہزار ہا رُوپے برباد ہوتے ہیں ، تب کہیں جا کر مقدمہ کا فیصلہ ہوتا ہے ۔ اور فیصلہ کا نتیجہ کیا نکلتا ہے ؟ آپس میں صُلح نہیں ہوتی بلکہ اکثر کئی پشتوں تک دشمنی جاری رہتی ہے ۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک عورت نے شیخ الہند سے فریاد کی :

" میرا شوہر عیّاش ہے ۔ نہ تو مجھے کھانا دیتا ہے اور نہ میرا کسی قسم کا خیال رکھتا ہے ۔"

شیخ نے فرمایا :

" اچھا اپنے شوہر کو بُلا لاؤ ۔"

وہ بُلا لائی ۔ کیسا سمن اور کیسی تاریخ ۔ بس اُسی وقت مدّعی اور مدعا علیہ پیش ہو گئے ۔ انھوں نے اس کے شوہر کو سر سے پاؤں تک دیکھا ۔ وضع قطع عیاشوں کی سی تھی ۔ تاڑ گئے کہ ضرور اپنی بیوی کو تکلیف دیتا ہوگا ۔ آپ نے اُسے دُو تھپّڑ رسید کئے اور خوب ڈانٹا ۔ وہ سر جھکائے یہ کہتا جا رہا تھا :

" سیّدی یہ بھی میرا کہنا نہیں مانتی ۔"

آپ نے بیوی کو بھی اچھی طرح ڈانٹا اور پھر دونوں کی صُلح کرا دی ۔ دونوں ہنسی خوشی اپنے گھر لوٹے ۔ چلتے وقت آپ نے فرمایا :

" خبردار۔ آئندہ کوئی شکایت نہ آئے۔ "

فرمایا، اسے کہتے ہیں اِنصاف۔ یہ تھا اِسلامی مُلکوں کا حال۔ لیکن آجکل تو وقت بھی برباد ہوتا ہے اور پیسہ بھی۔ مگر نتیجہ خرابی کے سوا کچھ نہیں۔

باطنی نظام

ایک موقعہ پر باطنی نظام[1] کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی حضرتؒ نے فرمایا کہ خدمت اور تعلیم کے لئے علیحدہ علیحدہ لوگ مقرر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات شاگرد اپنے اُستاد سے زیادہ بلند مرتبہ حاصل کرلیتا ہے، جیسے ایک پروفیسر کا شاگرد جب کمشنر بن جاتا ہے تو وہ اپنے اُستاد سے زیادہ تنخواہ لیتا ہے۔ اور زیادہ اہم عہدہ پر فائز ہوتا ہے۔ مقدّمات اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ وہ فیصلے صادر کرتا ہے۔ لیکن اہلِ علم کے نزدیک وہ پروفیسر ہی فضیلت رکھتا ہے۔

اِرشاد فرمایا، اُوپر والے حضرات کی پہچان کیلئے تو BROAD PRIN—CIPLES (عام اُصول) ہیں۔ ان سے یہ لوگ پہچانے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ اجمیر شریف میں ہمارے مولینا صاحبؒ صُبح کے قریب گھر لَوٹے۔ ہم نے عرض کیا :

" آج آپ تمام رات باہر رہے ؟ "

فرمایا :

" ہاں ایک صاحب بیمار تھے۔ بہت تیز بُخار تھا۔ سات روز سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ ہمیں ان کی تیمار داری کا حُکم ملا۔ ہم نے دُودھ کے ساتھ ڈبل روٹی انھیں کھلائی۔ اَب وہ اچھے ہیں۔ ان کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ وہ فلاں جگہ کے صاحبِ خدمت ہیں۔ "

ایک دفعہ اجمیر شریف میں ایک افسر رہتے تھے جن کو حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کے افسرِ بالا نے ان کا تبادلہ کردیا اور ساتھ ہی ساتھ ان کی فائل پر

---

[1] باطنی نظام کے متعلق "سرِّ دلبراں" میں تفصیل دیکھئے۔

یہ بھی لکھ دیا کہ اس شخص کا تعین کسی وقت بھی اجمیر میں نہ کیا جائے۔ اَب ان کے دوستوں نے حضرت مولینا صاحبؒ سے عرض کیا:

"اجمیر شریف نہ سہی کم از کم بیاور ہی میں ان کا تبادلہ ہو جائے۔ وہاں سے آجایا کریں گے۔" (بیاور اجمیر شریف کے قریب واقع ہے)

مولینا صاحبؒ نے فرمایا:

"فِکر نہ کرو، ان کا تبادلہ اجمیر شریف میں ہو چکا ہے۔"

چنانچہ دوسرے ہی دِن انھیں تار مِل گیا:

"تمہارا تبادلہ اجمیر شریف کر دیا گیا ہے۔ فوراً پہنچ جاؤ۔"

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا، جب ہم نے یہ تصرّفات دیکھے تو ڈر گئے کہ بس اب ان کا وقت آگیا ہے۔ آپ جانتے تھے کہ اَب ظاہر ہو گئے تو کیا ہُوا۔ وصال کے بعد لوگ ہمارا پیچھا نہیں کر سکیں گے ھم نے عرض کیا:

"آپؒ تو ہمیں مُشکل میں ڈال رہے ہیں، آپؒ تو پیچھا چھڑا لیں گے لیکن لوگ اب ہمیں تنگ کریں گے۔"

مولینا صاحبؒ نے فرمایا:

"اِس بات کی فِکر مت کرو۔ تم کسی اور علاقے میں بھیج دیئے جاؤ گے۔"

کوتاہ نظری

اس کے بعد محمد شفیع نے کہا کہ جہاز میں ایک صاحب نے ایسی بات کہی جس پر مجھے سخت غصّہ آیا۔ انھوں نے کہا:

"تکمیل کے لئے سلسلۂ نقش بندیہ میں داخل ہونا ضروری ہے، ورنہ تکمیل محال ہے۔"

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا، اَرے بھائی۔ جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنا مقصود ہو تو جب تک لوگ نیچے کے مقامات پر ہوتے ہیں اُن کے راستے مختلف نظر آتے ہیں۔ اس لئے انکے درمیان

اختلافات ہو جایا کرتے ہیں۔ ہر ایک اپنا ہی راستہ صحیح سمجھتا ہے۔ لیکن جب چوٹی پر پہنچ جاتے ہیں تو سارے اختلافات مٹ جاتے ہیں اور سب ایک ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خفا نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ اپنی کوتاہ نظری سے مجبور ہیں۔

اللہ کا باطنی نظام

ایک اور موقعہ پر باطنی خدمت کا تذکرہ تھا۔ ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی شخص کو پھانسی دی جائے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ اس کا القا قطب الاقطاب کے دل میں ہوتا ہے۔ وہ اس کا القا اس ملک کے قطب کے دل میں کرتے ہیں۔ ملک کے قطب اس کا القا اُس شہر کے صاحب خدمت کے دل میں کرتے ہیں۔ اور وہ جج کے دل میں القا کرتے ہیں اس کام میں دیر بالکل نہیں لگتی۔ چشم زدن میں سب کچھ ہو جاتا ہے۔ ان حضرات کی حکومت کا یہ عالم ہے کہ سانپ تک بغیر ان کے حکم کے کسی کو نہیں کاٹتا۔ اس کے بعد احقر نے دریافت کیا :

"کیا مجاذیب کو بھی خدمت سپرد ہوتی ہے ؟"

ارشاد فرمایا : مجاذیب سے اور قسم کی خدمت لی جاتی ہے۔ مثلاً جہاں تک حکومت اور پالیسی کا تعلق ہے تو یہ خدمت کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کے سپرد ہوگی۔ لیکن ڈاک رسانی کا کام ڈاکیہ کے سپرد ہوتا ہے۔ بعض اوقات جن لوگوں کو کوئی خدمت سپرد ہوتی ہے وہ جان بوجھ کر مجذوب بن جاتے ہیں۔ دراصل وہ مجذوب نہیں ہوتے۔

کسی صاحب نے دریافت کیا :

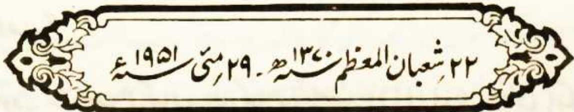
" صاحب خدمت ہونے کے لئے خلافت ضروری ہے۔؟ "

ارشاد فرمایا :

" خلافت ضروری نہیں ہے۔ "

اللہ کی حقیقت تک انسانی دماغ کی رسائی نہیں

اِرشاد فرمایا، لوگوں کو تو ایک مرض ہوگیا ہے۔ اُن باریک مسائل میں گفت گو کریں گے جن کا ذرّہ برابر بھی انھیں عِلم نہیں ہوتا۔ مثلاً حقیقتِ رُوح۔ موت کے بعد رُوح کا جسم سے تعلّق۔ یہاں تک کہ حقیقتِ الٰہیہ پر بھی لب کشائی کی جرأت کر بیٹھتے ہیں۔ اَب اللہ جو کائنات کا خالق ہے جس کی کائنات میں لاکھوں SOLAR SYSTEM (نظامِ شمسی) ہیں۔ ان میں سے ایک ہمارا سولر سسٹم ہے جس میں یہ سُورج چاند اور بے شمار ستارے ہیں۔ اور ان میں ایک کرّہ ارض ہے، جس پر ہم رہتے ہیں۔ اس کرّہ ارض میں کئی برِاعظم ہیں۔ یورپ ہے، امریکہ ہے، افریقہ ہے، ایشیا ہے۔ جس میں یہ پاکستان بھی ہے۔ پاکستان میں ایک شہر ہے جس کا نام کراچی ہے۔ اور اس وقت اس میں گیارہ لاکھ آدمی بستے ہیں[1]۔ اس شہر میں ایک مکان ہے اور اس مکان میں ایک چھوٹا سا کمرہ ہے، جس میں تم رہتے ہو۔ تمہارے جسم میں ایک سَر ہے۔ اس سَر کے اندر دماغ ہے اور اس دماغ کے اندر پِن کے سِرے کے برابر ایک چھوٹا سا نقطہ ہے جو اشیاء کا ادراک کرتا ہے۔ اَب یہ کیسے ممکن ہے کہ اِس تمام کائنات کی حقیقت اور اس کے خالق کا عِلم تمہارے دماغ کے اس چھوٹے سے نقطہ میں سما سکے۔ اِنسان پہلے اپنی حقیقت کو تو پہچان لے۔



سمندر کے برکات

"محمّدی جہاز" نے لنگر اُٹھالیا۔ بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا سفر کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ احقر نے عرض کیا:

"سمندر میں خشکی کی نسبت زیادہ برکات محسوس ہوتے ہیں۔"

اِرشاد فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ شہروں میں لوگوں کے قلوب کے اثرات ہوتے ہیں جن سے

---

[1] یعنی ۱۹۵۱ء میں۔

فضا مکدر رہتی ہے لیکن سمندر میں یہ بات نہیں ہے۔ اور پھر کون جانتا ہے کہ اس جہاز میں کتنے اللہ کے نیک بندے ایسے موجود ہوں گے جن کے برکات محسوس کئے جا رہے ہیں۔

وحدت الوجود

فرمایا، آنکھ عقل اور رُوح اللہ کی عنایت کردہ چیزیں ہیں۔ یہ نُور ہیں اور ان ہی سے ہم سب کچھ دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ اور اللہ کائنات کا نُور ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اس لئے وہ خود کو دیکھتا ہے۔ غیر کا وجود ہی نہیں ہے

ہرچہ آید در نظر غیرِ تو نیست
یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو

اور اس کے ساتھ ساتھ دوئی بھی ہے لیکن اعتباری طور پر عشق کا مزہ لینے کے لئے معشوق بنا دیئے۔ ورنہ عاشق بھی خود اور معشوق بھی خود ہے

خویش را از روئے خوباں آشکارا کردہ
پس بچشمِ عاشقاں خود را تماشہ کردہ

اس کے بعد فرمایا کہ ایک صاحب ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے:

"مجھے کوئی ایسی کتاب بتائیے جس سے تصوف کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرسکوں۔"

ہم نے کہا تصوف کتابوں میں کہاں ہے۔ کتابیں تو صرف GUIDE (رہنمائی) کے طور پر بزرگوں نے لکھی ہیں۔ اور ماہرینِ فن کے لئے لکھی ہیں۔ عوام اس سے مستفید نہیں ہوسکتے۔ بھلا ڈاکٹری کی کتاب کو عوام کیا سمجھیں گے۔ اس سے تو ڈاکٹر اور ماہرینِ فن ہی فائدہ حاصل کرسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ اکبر حضرت ابنِ عربیؒ نے فرمایا ہے:

"نااہلوں کے لئے میری کتابوں کا مطالعہ حرام ہے۔"

ایک دفعہ حضرت شیخ شہابُ الدّین سہروردیؒ کی مجلس میں لوگوں نے حضرت ابنِ عربیؒ

کی تعریف کی تو آپؒ نے فرمایا:

"خبردار اس کے پاس ہرگز نہ جانا۔ تم زندیق ہو جاؤ گے۔"

جب حضرت شیخ اکبرؒ کا وصال ہوا اور آپ کو اطلاع پہنچی تو فرمایا:

"مَاتَ قُطْبُ الْوَقْتِ وَوَلِیُّ اللّٰہِ"	آج قطب وقت اور اللہ کا دوست اِس دُنیا سے اُٹھ گیا۔

مُریدین نے عرض کیا:

"حضور تو پھر ہمیں ان کی صحبت سے محروم کیوں رکھا گیا؟"

آپؒ نے فرمایا:

"ان کے اقوال تم لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھے، اگر تم ان کی باتیں سُنتے تو گمراہ ہو جاتے۔ اس لئے مصلحتاً میں نے تمھیں روک دیا تھا۔"

وحدت الوجود اور قرآن مجید

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ پورا قرآنِ پاک وحدت الوجود سے بھرا ہوا ہے۔ سورۃ فاتحہ کو لو۔ اِس کے دو حصّے ہیں۔ شروع سے لیکر ایاک نستعین تک حقائق کا بیان ہے۔ بقیہ حصّہ دُعا ہے۔ الحمد للہ کے کیا معنی ہیں۔ حمد کے معنی تعریف کے ہیں۔ تعریف — DEFINITION کے معنوں میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب تعریف یعنی سب DEFINITION جو کائنات میں ہے اللہ کی ہے۔ یہ وحدت الوجود نہیں تو اور کیا ہے۔ الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین یعنی وہ رحمٰن و رحیم ہے مالک ہے قیامت کے دِن کا ایاک نعبد و ایاک نستعین یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اب اگر ہم نوکر سے پانی طلب کرتے ہیں تو نوکر میں پانی دینے کی طاقت کہاں سے آئی۔ اور پانی میں پیاس بجھانے کی خاصیت کس نے رکھی۔ نوکر کا پانی دینا اور پانی کا پیاس بجھانا دراصل اللہ کا فعل ہے۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین بیانِ حقائق ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اعانت ہمیں کسی سے ملتی ہے وہ دراصل اللہ کی اعانت ہے۔ اس کے بعد دُعا شروع ہوتی ہے۔ دُعا کی تین قسمیں ہیں:

- ایک دُعا قالی ہے جس میں الفاظ کے ذریعہ مراد طلب کی جاتی ہے۔
- دُوسری دعائے حالی ہے۔ جیسے بھوکا آدمی سامنے کھڑا ہو جائے، جس کے چہرے پر بھوک کے آثار ہوں اور زبانِ حال سے کھانا طلب کرے۔
- تیسری دُعائے استعدادی ہے۔ یعنی اگر انسان میں وہ استعداد پیدا ہو جائے تو خود بخود عطیہ مل جائے۔

آخری دو قسم کی دُعاؤں میں خاموشی ہوتی ہے۔ زبان سے کچھ نہیں مانگا جاتا۔

اس کے بعد فرمایا۔ اللہ سے اللہ کو طلب کرنا چاہیئے۔ اللہ سے غیر اللہ کو کیوں مانگیں۔ ایک بزرگ سے کسی نے دریافت کیا:

"اگر بغیر طلب آپ کو کوئی چیز مل جائے تو آپ لے لیں گے؟"

انھوں نے فرمایا:

"نہیں۔ ہم نہیں لیں گے۔ کیونکہ اگر طلب کیا تو عذاب ہے اور بے طلب لیا تو حساب ہے۔"

حَسَنَۃً کا مطلب

اس کے بعد کسی نے کہا کہ آج سے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً نہیں کہیں گے حضرت نے فرمایا، کیوں؟ کیوں نہیں کہو گے! بات یہ ہے کہ لوگ اس آیت کا مطلب غلط سمجھتے ہیں۔ دراصل حَسَنَۃً سے مراد حسنات ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ اس دُنیا میں بھی حسنات یعنی نیکی کی قوّت عطا فرما اور آخرت میں بھی اس کا نیک پھل عطا فرما۔ اس دُنیا کی ہر چیز وصول الی اللہ میں ممدّ و معاون ہو سکتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا مانگنی چاہیئے کہ جو کچھ مجھے اس دُنیا میں مِلا ہے یا ملے گا اسے حسنات بنا دے۔ یعنی وصول الی اللہ میں ممدّ و معاون بنا دے۔ اب اس نیت سے دُنیا کی چیزیں طلب کرنا

کیونکر مذموم ہوسکتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اللہ سے یہ دُعا مانگے کہ اللہ کی ہر عطا کردہ شے سے اس کا قرب و معرفت حاصل ہو۔ یہ ہے مطلب ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة کا۔ اس کے بعد ہے وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ یعنی نجات دے آگ کے عذاب سے۔ اب جب دونوں جہان کے لئے حسنات کی دُعا مانگی گئی تو پھر آگ کے عذاب سے بچنے کی دُعا کیسی؟ یہ تو تکرار ہوئی۔ مگر نہیں۔ یہ تکرار نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مطلب کچھ اور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نارِ فراق سے اللہ بچائے۔ کیونکہ نارِ فراق بہشت میں بھی ممکن ہے۔ ایک بادشاہ ہے جو بہت فیاض ہے۔ خوش خلق ہے حسین و جمیل ہے۔ اور اس نے لوگوں کو مدعو کیا ہے کہ لوگ اس کے پاس آئیں۔ اب کسی شخص کی اس بادشاہ تک رسائی ہوگئی تو وہ اسے کیا کرے گا؟ اس کی چٹنی بنائے گا۔ اچار ڈالے گا۔ کیا کرے گا؟ یہی کریگا کہ اس کو شاہی مہمان خانہ میں رکھے گا۔ اچھے اچھے کھانے کھلائے گا۔ اگر شکار کا شوق ہے تو اس کے لئے شکار کا بندوبست کر دے گا۔ مگر یہ ساری باتیں ضمنی ہیں جو بادشاہ تک رسائی ہونے پر خود بخود مل جاتی ہیں۔ کیونکہ آخر وہ بادشاہ ہے۔ اب اگر بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ ایک شخص نے محض ان چیزوں کو حاصل کرنے کیلئے میرا قرب حاصل کیا ہے تو بادشاہ کے دل میں اس کی کیا قدر و منزلت ہوگی۔ وہ یہی کہے گا کہ تم گھر جاؤ، یہ ساری چیزیں تمھیں وہیں بھیج دی جائیں گی۔ تو بہشت میں اس قسم کی نارِ فراق ہوسکتی ہے جس سے بچنے کی دُعا کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ تکرار نہیں ہے۔

ایک دفعہ ہم نے مولٰینا صاحبؒ سے دریافت کیا:

> "یہ جو قرآن شریف میں شیطان کے حق میں ہے عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ یعنی قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا قیامت کے بعد اس سے لعنت ہٹا لی جائے گی۔"

مولٰینا صاحبؒ نے فرمایا، قیامت کے دن تک لعنت ہے اور اس کے بعد اس لعنت کا

اثر ہوگا۔ اسی طرح رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا والی آیت میں بھی دُنیا کے لئے حسنات کی توفیق اور اس کے بعد ان حسنات کا اثر طلب کیا گیا ہے۔

ربطِ آیات اِس کے بعد اِرشاد فرمایا کہ حضرت مخدوم فقیہ علی مہائمیؒ نے اپنی تفسیر تبصیر الرحمٰن[۱] ایک خاص انداز سے لکھی ہے۔ ہر آیت کو دُوسری آیت اور ہر سورۃ کو دُوسری سورۃ کے ساتھ مربوط کردیا ہے۔ اور جن آیات میں لوگوں کو REPITITION (تکرار) نظر آتا ہے وہاں انھوں نے نئے معنی اور نئی شان بیان کرکے ثابت کردیا ہے کہ قرآن میں تکرارِ مضمون نہیں ہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بھی تکرار قرار نہیں دیا۔ بلکہ ہر سُورۃ کے مضمون اور معانی کے مُطابق ہر بسم اللہ شریف کی جُداگانہ تفسیر بیان کی ہے۔

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ حضرت مخدوم مہائمیؒ (بمبئی) بیک وقت ایک بہت بڑے مفسّر، محدّث، فقیہ اور عارف باللہ تھے۔ ان کی اس تفسیر میں ان کی ساری خصوصیات موجود ہیں۔

تفسیر بالرائے احقر نے عرض کیا کہ بہاول پور میں ایک صاحب ہیں، جو تفسیرِ مظہری کا ترجمہ کررہے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اس تفسیر کے مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ہیں جو حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلیفہ ہیں۔ تفسیر کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ یعنی انھوں نے تفسیر کو اپنے شیخ کے نام سے منسوب کیا ہے۔ اس تفسیر میں انھوں نے ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

"تفسیر بالرائے نہیں کرنی چاہیئے کا مطلب یہ ہے کہ شانِ نزول بالرائے نہیں بیان کرنا چاہیئے۔ یہ گُناہ ہے۔ لیکن آیت کی تاویل کرنا یعنی معنیٰ کی تشریح کرنا

---

[۱] اس تفسیر کا نام تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنّان ہے۔ برِ صغیر ہند و پاکستان میں اس کی شہرت تفسیرِ رحمانی کے نام سے ہے۔ یہ تفسیر مصر میں چھپ چکی ہے۔ صاحبِ تفسیر حضرت مخدوم فقیہ علی المہائمیؒ کا مزارِ مقدس مہائم (بمبئی) میں ساحلِ سمندر کے قریب واقع ہے۔ آپ کی ولادت ۷۷۶ھ میں ہوئی اور آپ کا وصال ۸ جمادی الاخریٰ ۸۳۵ھ میں ہُوا۔

گناہ نہیں ہے۔"

ایں راہ رفتنی است

ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شیعہ مجتہد ہمارے کسی دوست کی معرفت ہم سے ملنے آئے۔ کہنے لگے:

"صاحب میں آپ سے وحدت الوجود پر بحث کرنے آیا ہوں۔"

ہم نے کہا:

"بہت اچھا۔ لیکن پہلے آپ وحدت الوجود کو DEFINE (تعریف) تو کردیں۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ وحدت الوجود سے آپ کا کیا مطلب ہے۔"

کہنے لگے:

"کیا یہ ضروری ہے۔؟"

ہم نے کہا:

"جی ہاں، جب تک آپ یہ نہ بتائیں کہ وحدت الوجود سے آپ کی مراد قلم ہے یا گھڑی، تو اس پر بحث کس طرح ہوسکتی ہے۔ خیر آپ کم ازکم یہ تو بتائیے کہ آپ کس وحدت الوجود پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں؟ یونانی، نصرانی، ہندوانی کون سا وحدت الوجود؟"

یہ سن کر بہت سٹپٹائے۔ کچھ گھبرا سے گئے۔ کہنے لگے:

"کیا اس کی بھی قسمیں ہیں۔؟"

ہم نے کہا:

"یقیناً۔"

اَب انھوں نے کہا:

"اچھا تو آپ صرف اتنا بتا دیجئے کہ آپ حضرات کے ہاں وحدت الوجود سے کیا مراد ہے۔؟"

ہم نے کہا:

"اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ۔ اللہ بندہ نہیں ہوسکتا اور بندہ اللہ نہیں بن سکتا ۔ اس کے باوجود سب کچھ اللہ ہی اللہ ہے ۔"

یہ سُنکر کہنے لگے :

"آپ کی پہلی بات تو سمجھ میں آگئی کہ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے باوجود سب کچھ اللہ ہی اللہ ہے ۔"

ھم نے کہا :

"یہ بات سمجھنے کے لئے آپ کو لنگوٹ کس کر ہماری خانقاہ میں داخل ہونا پڑے گا ۔ یہ بات ذِکر وشغل اور تزکیۂ نفس کے بعد ہی سمجھ میں آسکتی ہے ۔اس کے بغیر ممکن نہیں ۔"

اس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ " ایں راہ رفتنی است گفتنی نیست " یعنی یہ راستہ باتوں سے نہیں چلنے سے طے ہوتا ہے ۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے :

" جو کچھ ھم بتائیں ۔کرو ۔ اگر چالیس دن کے اندر حقیقت آشکارا نہ ہو جائے تو ہم ذمّہ دار ہیں ۔"

فرمایا کہ ذات کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چاند اور ستاروں میں آفتاب کی روشنی دیکھے۔ نور آفتاب کا ہے لیکن چاند اور ستاروں میں ظاہر ہے آفتاب نظر نہیں آتا ۔ یہ مبتدی کی حالت ہے ۔ اس کے بعد دن کو لو ۔ دن کے وقت آفتاب ہی آفتاب ہوتا ہے ۔ اگرچہ چاند اور ستاروں کا وجود دن کے وقت ہوتا ہے ۔لیکن آفتاب کی روشنی میں نظر نہیں آتے ۔بس آفتاب ہی کا نُور نظر آتا ہے ۔ یہ متوسّط کی حالت ہے ۔ اس کو وحدتُ الشہود کہتے ہیں ۔ یعنی اگرچہ چاند اور ستاروں کا وجود ہے لیکن صِرف آفتاب نظر آتا ہے ۔ اس کے بعد ایک شخص ہے جو آفتاب کی روشنی کو چاند اور ستاروں پر پڑتے ہُوئے دیکھتا ہے ۔آفتاب کو

بھی دیکھتا ہے اور چاند ستاروں کو بھی دیکھتا ہے۔ یہ منتہی کی حالت ہے۔ ایک سمجھدار شخص کیلئے اس مثال سے کسی حد تک وحدتُ الوجود کی حقیقت سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔

قریب ترین راستہ

ایک دفعہ اِرشاد فرمایا کہ نُور کی خاصیت یہ ہے کہ خود بھی ظاہر ہوتا ہے اور دُوسری چیزوں کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ سُورج کے نورُ سے ہم سُورج کو بھی دیکھتے ہیں اور دُوسری چیزوں کو بھی۔ اگر روشنی نہ ہو تو آنکھیں کچھ نہیں دیکھ سکتیں۔ اللہ نورُ ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اللہ آسمانوں اور زمین کا نورُ ہے۔

اِس لئے ہم جو کچھ دیکھتے ہیں اللہ سے دیکھتے ہیں۔ آنکھیں اور نُور دو دیکھنے کی چیزیں ہیں۔ اگر آنکھیں ہیں لیکن نُور نہیں ہے تو کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اگر نورُ ہے اور آنکھیں نہیں ہیں تب بھی ہمیں کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ دیکھنے کے لئے ہم دونوں چیزوں کے محتاج ہیں۔ نُور اور آنکھوں کے۔ اَب نُور اللہ ہے۔ اور آنکھوں میں بھی اللہ کا نورُ ہے اور آنکھیں اللہ نے دی ہیں اس لئے نُور اور آنکھوں سے دیکھنا گویا اللہ سے دیکھنا ہے۔ اور دیکھتے کس کو ہیں۔ اللہ کو دیکھتے ہیں۔ غیر کا وجود ہی نہیں ہے۔ اللہ کو اللہ سے دیکھتے ہیں۔ اَب چونکہ ہماری آنکھوں کا نور وُہی ہے اِس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ بس یہی SHORT CUT یعنی قریب کا راستہ ہے۔ تمام اذکار و مشاغل کی غرض و غایت یہی ہے۔ ہمارا وجود ہی نہیں ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ ہم وہی ہیں کیونکہ یہ دوئی ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ ہمارا وجود ہی نہیں ہے۔ وجود اللہ کا ہے۔ یہ SHOR-TEST CUT (آسان ترین اور مختصر ترین راہ) ہے بس اسی کو سُلطان الاذکار اور سُلطان المشاغل سمجھو۔

نہ عین نہ غیر

اس کے بعد وحدتُ الشہود کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ اِرشاد فرمایا کہ دراصل وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا مطلب ایک

ہی ہے۔ وحدت الوجود یعنی ہمہ اوست اور وحدت الشہود سے مراد ہے ہمہ از اوست لیکن ہمہ از اوست سے ہمہ اوست لازم آتا ہے۔ "ہمہ از اوست" یعنی سب کچھ اُسی سے ہے اور "ہمہ اوست" یعنی سب کچھ وہی ہے میں کوئی فرق نہیں۔ صرف لفظی فرق ہے۔ اصل ایک ہی ہے۔ اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سب کچھ وہی ہے تو نظر کیوں نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ دِن رات کی ضد ہے۔ سفیدی کی ضد سیاہی ہے۔ اگر رات نہ ہو تو دِن کو دِن کون کہے گا۔ اگر سیاہی نہ ہو تو سفیدی کو سفیدی کیسے کہہ سکیں گے۔ اگر دُنیا میں کوئی بدصورت نہ ہو تو خوبصورت کو خوبصورت کوئی نہیں کہے گا۔ اَب چونکہ اللہ کی ضد نہیں ہے اِس لئے اس کا نظر آنا مُشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اذکار و مشاغل سے مدد لی جاتی ہے۔

فرمایا، اس بات کو سمجھنے کے لئے بہترین مثال وہی ہے جو ہم "سرِّ دلبراں" میں لکھ چکے ہیں[1]۔ یعنی انسان اپنے دِل میں ایک خیالی دُنیا پیدا کرے جس میں TIME (زمان)، انسان، مکانات وغیرہ ساری چیزیں خیالی ہوں۔ اب جو کچھ اس خیالی دُنیا میں ہے، اس آدمی سے جُدا نہیں ہے۔ سب کچھ وہی ہے۔ نہ TIME (زمان) ہے نہ SPACE (مکان) لیکن اس کے باوجود بھی ایک دُنیا اس کے دماغ میں بس رہی ہے آمد و رفت ہے۔ نقل و حرکت ہے۔ اب اِسی پر اس کائنات کو قیاس کر لو۔ یہ کائنات بھی گویا اللہ تعالیٰ کے خیال کا نتیجہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اِس لئے اپنے پیدا کردہ انسانوں کو احساسِ حیات بھی بخشتا ہے۔ ہمیں یہ قدرت حاصل نہیں کہ ہم اپنی دُنیا کے بسنے والوں کو احساسِ حیات دے سکیں۔ اب کون ہے جو کائنات کو اللہ کا غیر کہہ سکے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ کائنات کو ہم اللہ کا عین بھی نہیں کہہ سکتے۔ دراصل "عین اور غیر" متکلمین کی پیدا کردہ اصطلاحات ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یا تو ایک چیز عین ہے یا غیر ہے،

---

[1] مفصّل مضمون "سرِّ دلبراں" میں صفحہ نمبر ۵۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے سوا دُوسری صُورت ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر یہی بات ہے تو ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ آئینہ میں جو آپ کا عکس نظر آتا ہے آپ کا عین ہے یا غیر۔ اگر عین ہوتا تو آئینہ کے ٹوٹ جانے سے وہ عکس قائم رہتا۔ عکس پر مٹی ڈالنے سے آپ کے مُنہ پر بھی مٹی پڑتی۔ اور اگر غیر ہوتا تو آئینہ کے آگے سے ہٹ جانے سے عکس نہ مٹ جاتا۔ اِس لئے عکس نہ آپ کا عَین ہے اور نہ غیر۔ اور ساتھ ہی ساتھ عین بھی ہے اور غیر بھی۔ تو ثابت ہُوا کہ متکلّمین کی یہ اصطلاحات ناقص ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے ساتھ یہی تعلق ہے۔ مخلوق نہ اس کی عین ہے نہ غیر۔ اور عین بھی ہے اور غیر بھی۔

اس کے بعد احقر نے عرض کیا :

"پاکستان ٹائمز میں ڈاکٹر آئن اسٹائن کے کسی مضمون کا ایک اِقتباس شائع ہوا ہے جس میں اس نے مادّہ اور خلا (MATTER AND SPACE) کی وحدت کو ثابت کیا ہے۔"

اِرشاد فرمایا کہ آئن اسٹائن ان حقائق کے بہت قریب آگیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہ دُنیا اس طرح نہیں ہے جس طرح ہمیں نظر آتی ہے۔ بلکہ جس ANGLE (زاویہ) سے ہم اُسے دیکھتے ہیں وہ ویسی نظر آتی ہے۔

وحدت الوجود کا قرآنی ثبوت

ارشاد فرمایا کہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے زیادہ قرآن شریف کی تفسیر کون جانتا ہے۔ حضورؐ نے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کی یوں تفسیر فرمائی ہے :

انت الاوّل فلیس قبلک شیئ وانت الاخر فلیس بعدک شیئ وانت الظاهر فلیس فوقک شیئ وانت الباطن فلیس دونک شیئ۔

تو اوّل ہے تجھ سے قبل کوئی چیز نہیں۔ اور تُو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں اور تُو ظاہر ہے تیرے اُوپر کوئی چیز نہیں اور تُو باطن ہے پس تیرے سوائے کوئی چیز نہیں۔

اِس کے بعد فرمایا

اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۔	جس طرف تم مُنہ کرو اسی طرف اللہ ہے ۔

اِس آیت سے بھی وحدت الوجود صاف ظاہر ہے ۔ اور

اَلَمْ تَرَ اِلَی اللّٰهِ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۔	کیا تُو اللہ کی طرف نہیں دیکھتا کہ اس نے کیسے سایہ کو پھیلایا ہے ۔

کا بھی یہی مطلب ہے ۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا :

" آپؒ کا مسلک تو 'وحدت الوجود' ہے لیکن آپ کے خلفاء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تو اس مسلک پر نہیں ہیں ۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ "

آپؒ نے جواب[1] میں لکھا :

" بیشک میرا مسلک وحدت الوجود ہے اور ان دونوں حضرات کا بھی یہی مسلک ہے لیکن چونکہ یہ مسئلہ عوام کے سمجھنے کا نہیں ہے ۔ اس لئے اس خیال سے کہ کہیں عوام فتنہ میں نہ مبتلا ہو جائیں ۔ انھوں نے اس مسئلہ میں استتار سے کام لیا ہے ۔ "

توحید کی آڑ میں شرک

اِس کے بعد فرمایا کہ صوفیائے کرام کا مسلک تو بالکل SAFE (اعتراض سے بالاتر) ہے ۔ صوفیاء کا عقیدہ یہ ہے کہ دُنیا میں جتنی طاقتیں کارفرما ہیں ۔ وہ سب اللہ ہی کی ہیں ۔ یعنی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] آپ کا یہ جواب " رسالہ درمسئلۂ وحدت الوجود " " شمائم امدادیہ " " کلیاتِ امدادیہ " اور " امداد المشتاق " میں موجود ہے ۔

وسلم اور اولیائے کرام سب اللہ تعالیٰ کی ایجنسیاں ہیں۔ ان ایجنسیوں سے کوئی چیز طلب کرنا اللہ سے طلب کرنا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے تو نعوذ باللہ اللہ میاں کو زنجیروں میں جکڑ کر عرش پر بٹھا دیا ہے۔ اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم موحّد ہیں۔ یہ توحید کیسے ہو سکتی ہے، یہ تو صریح شرک ہے۔ کیونکہ اپنے تخیّل کے مطابق انھوں نے اللہ کو عرش ہی پر بٹھا رکھا ہے۔ گویا وہ اللہ ان کے تخیّل کی پیداوار ہے۔ یہ بُت پرستی نہیں تو اور کیا ہے؟ اپنے تخیّل میں ایک بُت بنا لیتے ہیں جسے خدا کہتے ہیں۔ اور پھر اس کی پرستش کرتے ہیں۔ ابنِ تیمیہ کا جوان لوگوں کے امام ہیں، عقیدہ یہ ہے:

> اللہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ ہر جگہ بالذات موجود نہیں ہے بلکہ بالعلم موجود ہے۔

ابنِ بطوطہ نے لکھا ہے:

> ایک دفعہ ابنِ تیمیہ مسجد میں تقریر کر رہے تھے اور دورانِ تقریر انھوں نے کہا کہ آخر شب اللہ تعالیٰ پہلے آسمان پر اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں، کوئی ہے میرا بندہ جو مجھ سے طلب کرے۔ سامعین میں سے کسی نے دریافت کیا کہ کس طرح اُتر آتے ہیں۔ وہ ممبر پر کھڑے ہوئے تھے ایک زینہ نیچے اُتر کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح اتر آتے ہیں۔

یہ ہے ابنِ تیمیہ کی توحید۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھے ہوئے ہیں، وہ اللہ کو انسان پر قیاس کرتے ہیں۔ اپنے اس عقیدہ کے ثبوت میں انھوں نے بارہ[۱۲] دلائل پیش کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جب اللہ کا نام لیا تو اُوپر کی طرف اشارہ کیا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ خدا اُوپر ہے۔ ابنِ تیمیہ یہ نہیں سمجھے کہ اُوپر کی طرف اِشارہ کرنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کے علومرتبہ کو ظاہر کرنا تھا۔ جب کسی کے مرتبہ کو بیان کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں کا مرتبہ فلاں سے زیادہ

بلند ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے سر کے اوپر رہتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک کا مرتبہ دوسرے سے اونچا ہے۔ لہٰذا اوپر کی طرف اشارہ کرنے سے اللہ کے بلند مرتبہ کی طرف اشارہ ہے نہ اوپر کی سمت ہی طرف۔ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے۔ اِن لوگوں نے اللہ کو محدود کر رکھا ہے۔ ان کے نزدیک اللہ صرف اوپر ہے اور کہیں نہیں۔



مقصود اللہ کی یاد ہے

قاضی غلام مصطفیٰ بہاولپوری نے خدمتِ اقدس میں عرض کیا:

"حضور میرے شیخ علیہ الرحمۃ کا وصال ہو چکا ہے۔ آپ مجھے کوئی وظیفہ وغیرہ بتا دیجئے۔"

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا:

"جو کچھ تمھیں اپنے پیر سے مِلا ہے۔ اُسی پر کاربند رہو۔"

قاضی صاحب نے عرض کیا:

"حضور وہ تو میں تین سال سے برابر پابندی کے ساتھ کر رہا ہوں۔"

حضورؒ نے دریافت فرمایا:

"اس کا کچھ فائدہ بھی محسوس ہوا؟"

عرض کیا:

"جی ہاں، بہت فائدہ ہوا۔"

فرمایا:

"تو بس اور چیز کیوں طلب کرتے ہو۔ اِسی کو کئے جاؤ۔"

اس کے بعد فرمایا کہ دراصل فائدہ کا بھی خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ ان چیزوں کا

خاص فائدہ تو موت کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ اصل چیز تو اللہ کا ذکر ہے۔ بس اللہ کے ذکر میں خوب مشغول رہے۔ یہی بڑی عنایت ہے کہ انھوں نے اپنے ذکر میں لگا رکھا ہے۔ باقی کشف وکرامات۔ ہوا میں اُڑنا اور پانی پر چلنا یہ سب بھان متی کا تماشہ ہے۔ اس کھیل میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ وہ تو صرف ENCOURAGE (حوصلہ افزائی) کرنے کیلئے کبھی کبھی جھلک دکھا دیتے ہیں۔ ورنہ اصل مقصود یہ نہیں ہے۔ اور وہ بھی اس کو دکھاتے ہیں، جسے وہ سمجھتے ہیں کہ اسے دکھانے کی ضرورت ہے۔ جو راسخین ہیں ان کو دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انھیں مُفت میں OVERBURDEN (زیر بار) کرنا نہیں چاہتے۔

اِسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک دفعہ ایک لڑکا کسی بزرگ کے پاس مُرید ہونے گیا۔ ان بزرگ نے اس لڑکے سے فرمایا:

> "میاں بیعت کا مطلب ہے فروخت ہو جانا۔ بیعت کے بعد تم میرے حکم کے تحت آجاؤ گے۔ کیا تم اپنے قلب میں اتنی وسعت پاتے ہو کہ میں جو کچھ بھی حُکم دوں اس پر عمل کر سکو!"

اُس نے کہا:

"جی ہاں۔ آپ جو حکم دیں گے اِنشاء اللہ میں اس کی تعمیل کروں گا۔"

ان بزرگ نے فرمایا:

"اچھا تم شہر جاؤ اور لوگوں کو گالیاں دو۔"

وہ فوراً چلا گیا اور راستے میں جو مِلا، اسے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اَب جواب میں ایک سے مار کھائی۔ دوسرے نے کان اینٹھے۔ تیسرے نے لات گھونسوں سے تواضع کی۔ غرض یہ کہ شام تک یہی کرتا رہا اور خوب پٹتا رہا۔ جب واپس آیا تو شیخ نے دریافت فرمایا:

"میرے کہنے پر عمل کیا تھا؟"

اس نے عرض کیا:

"جی ہاں اور اتنی مار کھائی کہ جوڑ جوڑ دُکھ رہا ہے۔"

دوسرے روز انھوں نے فرمایا:

"اچھا اَب دوبارہ جاؤ اور لوگوں کو چھیڑو۔"

اُس نے بازار میں جا کر یہی عمل شروع کیا۔ اَب جسے وہ چھیڑتا، وہ اسے خوب گالیاں دیتا۔ گالیاں کھا کر آگے بڑھتا اور دُوسرے لوگوں کے ساتھ یہی حرکت کرتا۔ وہ بھی اسے گالیاں دیتے۔ غرضیکہ دِن بھر گالیاں کھا کر واپس آگیا۔ شیخ نے دریافت فرمایا:

"اچھا اَب یہ بتاؤ کہ دُنیا کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

کہنے لگا:

"حضور دُنیا بہت بُری ہے۔ بس جی یہ چاہتا ہے کہ جنگل میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا رہوں۔"

شیخ نے فرمایا:

"تم دُنیا سے منقطع ہو چکے ہو، اب ہم تمھیں تم ہی سے منقطع کئے دیتے ہیں۔"

یہ فرما کر انھوں نے اسے ایک کمرہ میں بند کر دیا اور تین دن خلوت میں رکھا۔ چوتھے روز خلافت دے کر رُخصت کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر وہ لوگ جو عرصہ سے خانقاہ میں پڑے ہوئے تھے بہت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ اور سب مِل کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"ہم آپ کے دروازہ پر عرصہ دراز سے عبادت میں مشغول ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں ملا۔ اور ایک لڑکا آیا جسے آپ نے تین دن کے اندر اندر خلافت دے کر رُخصت کر دیا۔"

ان لوگوں کو بس اتنا ہی معلوم تھا کہ وہ لڑکا صرف تین دِن رہ کر خلافت سے سرفراز ہُوا۔ باقی جو کچھ اُس پر گذری اس کا انھیں کوئی عِلم نہیں تھا۔ ان کے شیخ نے فرمایا:

"اس لڑکے کا سا خلوص تو کوئی پیدا کرے۔ تم لوگ تو اس غرض سے عبادت کر رہے ہو کہ کشف وکرامات حاصل ہوں۔ خلافت مِلے۔ پیر بنیں۔ لوگوں میں ہماری عزّت ہو اور ہاتھ پیر چُومے جائیں۔ اِس لئے تمھیں کچھ نہیں ملتا۔ یہ سب حجابات ہیں جن کی وجہ سے تم لوگ اصل مقصود تک نہیں پہنچے۔"

ان لوگوں کے علاوہ ایک اور شخص بھی خانقاہ میں تھا۔ جو چالیس برس سے وہاں مقیم تھا۔ وہ ان کے ساتھ شریک نہیں تھا۔ جب یہ لوگ وہاں سے ہٹ گئے تو وہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ شیخ نے فرمایا:

"تم ان لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں آئے؟"

اُس نے عرض کیا:

"حضور میں کِس لئے شکایت کرنے آتا، میرا مقصُود تو مجھے مِل گیا ہے۔ میں اتنے عرصہ سے اللہ کے ذِکر میں مشغول ہوں۔ یہ کیا کم نعمت ہے۔ اِس سے بڑھ کر مجھے اور کیا چاہیئے۔"

یہ سُنکر شیخ نے فرمایا:

"تمہاری منزل اس لڑکے سے بھی بڑھی ہُوئی ہے۔"

آپ نے خلافت دے کر اسے بھی رُخصت کر دیا۔

عادت بھی حجاب ہے

ارشاد فرمایا کہ عُرفاء کا قول ہے کہ ذات ستّر ہزار پردوں میں مستور ہے۔ بعض پردے ظلمانی ہیں

جو گناہوں کے سبب حائل ہو جاتے ہیں۔ بعض پردے نورانی ہیں جو اذکار و مشاغل کے انوار سے پیدا ہو کے حائل ہو جاتے ہیں۔ اور بعض پردے کیفی ہیں جو کیفیات و احوال سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے مشائخ اکثر اذکار و مشاغل کو بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی ان کی ہیئت بدل دیتے ہیں۔ کبھی وقت بدل دیتے ہیں تاکہ عادت نہ بن جائے۔ جو کام عادتاً کیا جاتا ہے اس کی غرض و غایت مفقود ہو جاتی ہے۔ ایک دوا اگر کافی عرصہ تک متواتر استعمال کی جائے تو وہ دَوا دَوا نہیں رہتی، غذا بن جاتی ہے۔ بمبئی میں ایک رُوسی ڈاکٹر تھا، اُس نے ہمارے بُلَڈ پریشر کا خوب علاج کیا۔ اُس نے ایک دَوا دی اور کہا:

"اسے پانچ دن استعمال کریں اور دس دن چھوڑ دیں۔ اس کے بعد پھر پانچ دن اِستعمال کریں اور دس دن چھوڑ دیں۔"

اِس ترکیب سے وہ دوا خوب کارگر ثابت ہُوئی۔ اور وہ شکایت رفع ہو گئی۔ عادت بُری چیز ہے۔ اسی لئے مشائخ کرام مشاغل بدلتے رہتے ہیں تاکہ نُورانی اور کیفی پردے دور ہوں اور ذاتِ بے کیف تک رسائی حاصل ہو۔ احقر نے عرض کیا:

"کیا ذات میں کیف نہیں ہے؟"

فرمایا ذات میں ایک ایسا کیف ہے جسے کیفِ بے کیفی کہتے ہیں۔ وہ ہمارے رند مرزا غالب جنھیں حضرت مولانا فخرؒ کی چند صحبتیں نصیب ہُوئیں اس مضمون کو خوب ادا کرتے ہیں ؎

مستم اما نہ ازاں بادہ کہ سازند فرنگ
مستم اما نہ ازاں بادہ کہ سازند مغاں
اللہ الحمد کہ در ساغرِ من ریختہ اند
مَے بے رنگ زمیخانۂ بے نام و نشاں

ذکر میں مشغول ہونا ہی اس کا صلہ ہے

ایک صاحب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے عرض کیا :

" مجھے مرید ہوئے اٹھائیس سال گذر گئے۔ جو کچھ میرے پیر و مرشد نے بتایا اُس پر عمل کر رہا ہوں۔ لیکن اب تک کچھ حاصل نہیں ہوا۔ "

یہ سنکر حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا :

" تم کیا چاہتے ہو؟ مرید کِس لئے ہوئے تھے؟ "

انھوں نے کہا :

" اللہ کی محبّت کے لئے۔ "

حضرتؒ نے فرمایا :

" تم نماز پڑھتے ہو۔ اللہ اللہ کرتے ہو۔ اللہ نے تمھیں یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ اس کے کام میں لگے ہوئے ہو۔ پھر کیا چاہتے ہو؟ اللہ میاں کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ وہ کوئی چڑیا ہیں، جسے پکڑ کر اپنی جیب میں رکھ لوگے۔ جب اللہ کا ذِکر زبان پر جاری ہے اور حسنات کی توفیق اللہ نے عطا فرمائی ہے تو یہ کیا کم نعمت ہے؟ "

انھوں نے کہا :

" حضور میں کیا عرض کروں۔ پہلے میری حالت بہت اچّھی تھی۔ اچھی اچّھی چیزیں نظر آتی تھیں۔ ایسی حالت تھی کہ اب بیان نہیں کر سکتا۔ "

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا :

" کشف و کرامات عالمِ مثال کی چیزیں ہیں۔ جب رُوحانیت میں ترقّی ہوتی ہے تو یہ چیزیں پیچھے رہ جاتی ہیں اور سالک آگے بڑھ جاتا ہے لیکن وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اب میری حالت پست ہو گئی ہے۔ حالانکہ

اس کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ مکاشفات کا بند ہونا پستیِ حال کی علامت نہیں ہے۔ بلکہ حال کے ارفع ہونے کی دلیل ہے۔ تم فکر نہ کرو، تمہاری حالت اچھی ہے۔ مایوس مت ہو۔ مایوسی شیطانی دھوکہ ہے۔ شیطان اس قسم کے خطرات دِل میں اِس لئے ڈالتا ہے تاکہ تم عبادت میں سُست پڑ جاؤ۔ اِنسان کو ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔"

اِس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا ہمارے ایک پیر بھائی ہیں، جن پر عجیب و غریب کیفیت طاری رہتی تھی۔ آنکھیں سُرخ، قلب میں جوش و خروش۔ ہر آن اور ہر لحظہ مکاشفات و مشاہدات۔ انھوں نے ہم سے اپنی کیفیتِ حال بیان کی۔ ہم نے کہا:

"بھائی مولٰینا صاحبؒ سے کہو۔"

جب وہ مولٰیناؒ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولٰینا صاحبؒ نے فرمایا

"اچھا یہ رنگ ہے۔ اِدھر آؤ۔"

وہ قریب ہوئے تو آپ نے اُن کے سینہ پر ہاتھ پھیرا، اور پچکار کر فرمایا:

"جاؤ اَب یہ بات نہیں ہوگی۔"

اَب وہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے:

"بھائی ہم سے تو سب کچھ چھن گیا۔"

ہم نے انھیں بتایا:

"کچھ نہیں چھنا۔ پکڑ کر اُوپر کر دیئے گئے ہو۔"

ذکرِ کثیر

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:—
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا

(اَے ایمان لانے والو اللہ کو یاد کرو کثرت سے) اَب ذکرِ کثیر کے کیا معنی ہیں، ہزار، لاکھ، دس لاکھ ! سو میں اکیاون زیادہ ہیں اور انچاس کم ہیں۔ تیس میں سولہ زیادہ اور چودہ کم ہیں۔ ایک دِن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں بارہ گھنٹے اور ایک منٹ MINIMUM کثیر ہے یعنی کثیر کی کم سے کم مقدار ہے۔ اس آیت کے مُطابق چوبیس گھنٹوں میں کم ازکم بارہ گھنٹے اور ایک منٹ اللہ کی یاد میں مشغول رہنا چاہیئے۔ پہلے یہ کام مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن جب مراقبہ کی مشق ہو جاتی ہے تو آسان ہو جاتا ہے۔ نصف گھنٹہ بلا وساوس ذات کی طرف متوجّہ رہنے سے آدمی BY LEAPS AND BOUNDS (دن دُونی رات چوگنی) ترقی کرنے لگتا ہے۔ ہمارے مولینا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے :

" جب تک دو گھنٹہ تک مراقبہ ذات نہ کروگے۔ آگے کچھ نہیں بتائیں گے "

اور یہ ہم نے پندرہ دِن میں کر لیا تھا۔

استقامت

راہِ حق میں استقامت کا ذِکر ہو رہا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :

" سورۃ ھود نے میرے بال سفید کر دیئے۔ "

اس کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ ھود میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ	اِستقامت سے رہو جس طرح تمھیں حکم دیا گیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اِستقامت کا حکم ملا ہے جو بہت کٹھن ہے۔ لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس پر پُوری طرح عمل کیا۔ اور کمالِ استقامت سے منزلِ مقصُود تک پہنچے۔ اَب بارگاہِ الٰہی سے اس کا اِنعام ملا۔ یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نورانیت میں اِضافہ ہُوا۔ بالوں کا سفید ہونا جو کہا گیا وہ اسی نورانیت کی

جانب اِشارہ ہے۔

۱۷ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ ۔ ۲۰ اپریل ۱۹۴۶ء اجمیر شریف

شیخ درمیانی چیز ہے

آج حضرت مولینا شاہ وارث حسن صاحبؒ کا عُرس ہے۔ جب احقر حاضرِ خدمت ہُوا، اس وقت فرخ صاحب اور دو اور صاحبان بیٹھے ہُوئے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب اپنی کیفیتِ حال اور کچھ مشاہدات حضرتؒ سے بیان کر رہے تھے۔ آخر میں انھوں نے کہا:

"ان مشاہدات کے بعد میں نے اَب یہ طے کر لیا ہے کہ آپ کا مُرید ہو جاؤں۔"

حالانکہ اُن صاحب کی بیعت ضلع جہلم کے ایک بزرگ سے ہو چکی تھی۔ اس پر حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا:

"تمہاری بیعت تو ہو چکی ہے۔ تم ایک دفعہ بک چکے ہو۔ دوبارہ بیعت کی ضرورت نہیں ہے۔ اُسی سودے کا احترام کرو۔ ہم تمھیں مشورہ دے دیا کریں گے۔"

اِس کے بعد فرمایا:

"اَب تم کو خواجہ صاحبؒ کے ساتھ لگاؤ پیدا ہو گیا ہے، تمہارے شیخ نے اپنا کام کر دیا۔ اور تمھیں خواجہ صاحبؒ کی چوکھٹ پر لا کر کھڑا کر دیا۔ شیخ کا یہی کام ہوتا ہے۔ وہ درمیان میں وسیلہ کا کام کرتا ہے۔ بزرگانِ سلسلہ درمیانی چیز ہوتے ہیں، مقصود بالذات نہیں ہوتے۔ مقصودِ حقیقی اللہ کی ذات ہے۔"



حصولِ فیضان

ارشاد فرمایا کہ فیضانِ شیخ حاصل کرنے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ (حضرتِ اقدسؒ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی شہادت والی انگلیوں کے سروں کو ملاتے ہوئے فرمایا) شیخ کیساتھ اس طرح سیدھا رابطہ قائم رہے۔ اس میں کوئی گھنڈی نہ ہو۔ نہ مُرید کی طرف سے اور نہ پیر کی طرف سے۔ اور نہ کوئی کھچاؤ اور کرہ پن ہو۔ دُوسرے یہ کہ جب ایک برتن سے کوئی چیز دُوسرے برتن میں ڈالی جاتی ہے تو وہ برتن جو بھرا ہُوا ہے اُونچا کیا جاتا ہے اور لینے والے برتن کو نیچا رکھا جاتا ہے۔ ان دو شرطوں کے بغیر حصولِ فیضان ناممکن ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ جو لوگ کہتے ہیں:

"پیر مریدوں سے اپنی پرستش کراتے ہیں۔"

یہ نہیں جانتے کہ جب تک دینے والا برتن اُونچا نہ ہوگا، اس میں سے کچھ نہیں مِل سکتا۔ یہ اس راہ کے ETIQUETTE (آداب) ہیں، ان پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔

سلوک کا خاکہ بیعت کے وقت

۱۹۴۶ء کے آخری مہینوں میں احقر نے حضرت شاہ شہید اللہ صاحب کو بمبئی خط لکھا:

"اگر آپ اپنا کاروبار بمبئی سے کراچی منتقل کرلیں تو یہ آپ کے لئے بھی اور مُلک کے لئے بھی بہتر ہے۔"

انھوں نے جواب میں لکھا:

"حضرت شاہ صاحبؒ سے اجازت مل گئی ہے لہٰذا میں فروری میں بہاولپور آرہا ہوں، وہاں سے کراچی جاکر حالات کا جائزہ لوں گا۔"

چنانچہ فروری ۱۹۴۷ء میں آپ بہاولپور تشریف لے آئے۔ دورانِ قیام بہاولپور حضرت شاہ شہید اللہ صاحب نے حضرت اقدسؒ کے چند ارشاداتِ گرامی سے مشرف فرمایا۔ فرمانے لگے کہ ایک دفعہ ہم لوگ حضرتؒ کے ساتھ حیدرآباد دکن گئے اور وہاں سے دولت آباد اور خلد آباد بھی گئے۔ جہاں اولیاء کرام کے بے شمار مزارات ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ چودہ سو اولیاء اللہ دہلی سے بیک وقت حیدرآباد گئے جن کے مزارات دولت آباد اور خلد آباد میں ہیں۔ ہم نے ان مزارات پر حاضری دی۔ لیکن حضرت سیّد یوسف حسینیؒ (والد حضرت سیّد محمد گیسو درازؒ) کے مزار پر میرے قلب کو کسی کیفیت کا ادراک نہیں ہوا۔ میں نے حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپؒ نے فرمایا:

"جب آدمی مرید ہوتا ہے تو اس کے شیخ شروع میں اس کے لئے ایک SKELETON PROGRAMME (اجمالی خاکہ) تیّار کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا تمام سلوک اسی پروگرام کے مطابق طے ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض واقعات اور کیفیات ایسے ہوتے ہوں جو اس پروگرام میں درج نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سالک پر کچھ اثر نہیں ہوتا صرف پروگرام میں درج شدہ امور کا سالک پر اثر پڑتا ہے۔ باقی کا نہیں"

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا:

"اس سے شیخ کے اختیارات کا پتہ چلتا ہے کہ شیخ کو مرید کے سلوک طے کرانے میں کس قدر اختیار ہے۔"

پھر حضرتِ اقدسؒ نے حکم فرمایا،

"اچھّا تم کل صبح کی نماز کے بعد اکیلے جا کر حاضری دینا۔"

اس دُوسری حاضری میں حضرتِ اقدسؒ کے تصرّف کی برکت سے شروع ہی سے کیفیت محسوس ہُوئی اور نسبت کا ادراک ہُوا۔

ایک نادر نسخہ

اس کے بعد حضرت شاہ شہید اللہ صاحبؒ نے کہا کہ ایک دفعہ حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ شیخ مُرید کے لئے مظہرِ اتم ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ سالک کو چاہیئے کہ ہر دس پندرہ منٹ کے بعد تھوڑی دیر کے لئے ذات کی طرف متوجّہ ہوجایا کرے۔ اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ خواہ کچھ ہی کررہا ہو۔ پڑھ رہا ہو۔ باتیں کررہا ہو۔ کھانا کھا رہا ہو۔ ان مشاغل کے ساتھ ساتھ ہر دس منٹ کے بعد کم از کم دو منٹ کے لئے ضرور ذات کی طرف متوجّہ ہوجایا کرے۔



سلوکِ محمدیؐ کی خصوصیت

حضرتِ اقدسؒ نے احقر سے فرمایا کہ اَب تم شادی کرلو، ورنہ سلوک میں رکاوٹ پڑجائے گی BRAKE (بریک) لگ جائے گا۔ ارشاد فرمایا کہ ہماری پہلی بیوی کے انتقال کے بعد جب ہم مُرید ہوئے تو بہت آزاد تھے۔ کسی قسم کی فکر نہ تھی۔ پہلے قید کا مزہ چکھ چکے تھے پھر آزادی کا مزہ چکھا۔ اَب دوبارہ قید ہونے کو جی نہ چاہتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ہمارے مولٰینا صاحبؒ نے فرمایا:

"اَب تمہارے لئے شادی کرنا ضروری ہے، تم شادی کرلو۔"

لیکن ہم ٹالتے رہے۔ اسی طرح ایک سال گذر گیا۔ ایک روز ہمیں بلاکر سختی سے فرمایا:

"ذوقی! ہم تمھیں سلوکِ عیسوی نہیں طے کرارہے ہیں سلوکِ محمدیؐ

طے کرا رہے ہیں۔ لُطف و کمال تو اسی میں ہے کہ بیوی بچّے بھی ہوں اور تم اولوالعزمی کے ساتھ راہِ سلوک طے کرتے ہُوئے منزلِ مقصُود تک پہنچ جاؤ۔ اب لیت و لعل چھوڑو اور شادی کرلو۔ جب تک نکاح نہ کروگے، سلوکِ محمّدیؐ طے نہ ہوگا۔ اور مقامات میں ترقی نہیں ہوگی۔"

ہم نے عرض کیا:

"اگر مقامات میں ترقّی نہ ہوگی تو ہم یہاں سے نہیں اُٹھیں گے۔ آپ کو اختیار ہے آپ جہاں چاہیں نکاح کرادیں۔"

چنانچہ مولٰینا صاحبؒ ہی نے ہمارا نکاح کرایا۔[1]

سلوک میں شارٹ کٹ

اِس کے بعد فرمایا کہ آج کل عُمریں کم ہیں اور ہمتیں بھی پست ہیں، اس لئے سلوک میں شارٹ کٹ بنالئے گئے ہیں۔ خیال کو پُختہ کرنا بھی ایک شارٹ کٹ ہے، لیکن اس طرح اجمالی طور پر سلوک طے ہوجاتا ہے، تفصیلی طور پر نہیں۔ اگر تفصیلات شروع کردی جائیں تو ابھی پہلے ہی قدم پر ہوں گے کہ ملک الموت پہنچ جائیں گے۔ اگلے زمانے میں جب لوگوں کی عُمریں بڑی ہوتی تھیں اور ہمتّیں بھی بلند تھیں تو وہ تفصیل کے ساتھ سلوکؒ طے کرتے تھے۔ اب تو میل ٹرین کے ذریعہ سفر کرنا پڑتا ہے اور کھڑکیاں بھی بند کردی جاتی ہیں کہ تاکہ اِدھر اُدھر نظر نہ پڑے۔ ہاں ایک دفعہ اجمالی طور پر سفر ہوگیا تو پھر حسبِ استعداد آدمی تفصیلات میں بھی جاسکتا ہے۔

---

[1] صفحہ ۹۸ پر عنوان "سلوکِ عیسوی اور سلوکِ محمّدیؐ" والا مضمون بھی دیکھ لیں۔

۶ جون ۱۹۵۱ء ۔ جدہ

شیطانی توحید

ارشاد فرمایا۔ ان لوگوں کی توحید بھی شیطانی توحید ہے۔ شیطان کوئی منکرِ خدا نہیں تھا۔ اس نے اپنے عمل سے یہی ظاہر کیا کہ میں تجھے تو مانتا ہوں لیکن تیرے اس حکم کو نہیں مانتا۔ میں آدم کو سجدہ ہرگز نہیں کروں گا۔ یہ لوگ بھی اللہ کو تو مانتے ہیں لیکن اس کے جو احکام قرآن و حدیث میں ہیں، ان کے ماننے میں پس و پیش کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے تو نعوذ باللہ اللہ میاں کو زنجیروں میں جکڑ کر آسمان پر بٹھا رکھا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ ہر جگہ بالعلم موجود ہے بالذات موجود نہیں ہے۔ ذات اور صفات کو انھوں نے الگ کر دیا ہے۔ اگر یہ کائنات اس کی صفات میں سے نہیں ہے تو پھر اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اللہ اپنے ظہور کے لئے غیر کا محتاج ہے۔

سورۂ اخلاص کے معنی

ارشاد فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یعنی تو کہہ اللہ ایک ہے۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ بے نیاز ہے۔ اب جب اللہ بے نیاز ہے تو ہر لحاظ سے بے نیاز ہونا چاہیئے۔ اس لئے وہ اپنے اظہار کے لئے غیر کے وجود سے بھی بے نیاز ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ غیر کا وجود ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد ہے وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ یعنی اس کے ساتھ کا کوئی نہیں ہے وہ اکیلا ہے۔

صرف اللہ لامحدود ہے

اس کے بعد فرمایا کہ ایک صاحب ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے:

"میں آپ سے وحدت الوجود سمجھنے آیا ہوں۔"

ہم نے کہا:

"سمجھنے آئے ہو یا الجھنے؟ کیونکہ یہ مسئلہ گفتگو کے ذریعہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے۔

یہ تو حال سے تعلّق رکھتا ہے۔ نہ کتابوں میں لکھا جا سکتا ہے اور نہ تقریر میں سما سکتا ہے۔ آپ گھوڑے کی سواری کے متعلق ہزار کتابیں پڑھ ڈالیں لیکن گھوڑے کی شکل نہ دیکھیں تو کیا آپ سوار بن سکتے ہیں؟ سواری تو عمل سے تعلّق رکھتی ہے۔ کتابوں کے پڑھنے سے کیسے سیکھی جا سکتی ہے۔ اور اگر آپ باتیں ہی کرنا چاہتے ہیں تو پہلے یہ بتائیے کہ اللہ محدود ہے یا لامحدود۔"

کہنے لگے:

"اگر ہم محدود کہتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ اللہ محدود نہیں ہو سکتا۔ اگر لامحدود کہتے ہیں تو اس کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔"

ہم نے کہا:

"آپ نے سمجھ تو لیا ہے۔ اب قرآن شریف کو لو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ	اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

اب دنیا کی ہر چیز محدود ہے۔ زمین، آسمان، فضا سب محدود ہیں۔ جب اسکے مثل کوئی چیز نہیں ہے تو وہ لازماً لامحدود ہے۔ اور جب لامحدود ہے تو بس وہ ہی وہ ہے۔ کوئی جگہ اور کوئی مقام اس سے خالی نہیں ہے۔"

صرف اللہ قدیم ہے

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ اب دنیا کی تو ہر چیز محدود ہے۔ جب کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لامحدود ہے۔ جب وہ لامحدود ہے تو وہ ہر جگہ ہے اور ہر چیز میں ہے۔ "ہمہ اوست" کا یہی مطلب ہے۔ لیکن ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اللہ اس SPACE (مکان) کے کسی کونے میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ SPACE کو CREATED (مخلوق) نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ SPACE کو بھی اللہ کی طرح قدیم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اللہ کے سوا سب کچھ

حادث ہے۔ صِفت اللہ قدیم ہے۔

منافقین کی فہرست

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے سب منافقین سے آگاہ فرمایا تھا اور آپ نے ان کے نام حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ کو بتا دیئے تھے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا تھا کہ یہ نام کسی پر ظاہر نہ کئے جائیں۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عمرؓ آپ کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ جب وہ تشریف لاتے تھے تو حضرت عمرؓ کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور اُن سے خوشامدانہ انداز میں دریافت کرتے:

"بھائی اِتنا تو بتا دو کہ اس فہرست میں کہیں میرا نام تو نہیں ہے۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جواب دیتے:

"امیر المومنین مجھے معاف رکھیں۔ اس سلسلے میں مجھے کچھ بتانے کی اجازت نہیں ہے۔"

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ سوچنے کا مقام ہے خلیفۂ دوم۔ امیر المؤمنین۔ اِتنے بڑے جلیل القدر صحابیِ رسول اور ان پر یہ خوف طاری ہے کہ خدانخواستہ کہیں منافقین کی فہرست میں تو نہیں ہیں۔

فرمایا، اِن واقعات کو سامنے رکھ کر اَپنے قلب کو ٹٹولتے رہنا چاہیئے کہ میرا اللہ سے صحیح تعلّق ہے بھی یا نہیں۔

مولانا صاحبؒ کے صاحبزادے کا اِنتقال

اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارے مولیٰنا صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے بالکل اُن کے ہم شکل تھے۔ اور ماشاء اللہ ذہین بھی بہت تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں تو وہ فارسی بے تکلّف بول لیتے تھے۔ عربی بھی سمجھتے تھے اور تھوڑا تھوڑا بول بھی لیتے تھے۔ مسائل پر بھی کافی عبور تھا۔ قضائے الٰہی کہ کچھ دن بیمار رہ کر چودہ سال کی عمر میں اِنتقال کر گئے۔ حضرت مولیٰنا صاحبؒ نے قریب کھڑے ہو کر فارسی کا ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم سرو ستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی سے ملتا جلتا تھا۔ پھر آپؒ نے غسل

کیا۔ کپڑے بدلے، عطر لگایا اور مسجد میں جاکر دو رکعت نفل شکرانہ ادا کیا اور کہا :

"شکر ہے کہ میرے اللہ نے آج مجھے آزمائش کے قابل سمجھا۔"

فرمایا کہ لکھنؤ کے قریب ایک مقام ہے جس کا نام ہے ہردوئی۔ وہاں ایک بزرگ رہتے تھے۔ جن کا سن ایک سو تیس برس کا تھا۔ انھوں نے اپنی ساری عمر اسی گاؤں میں گذاری تھی۔ کبھی باہر نہیں گئے تھے۔ حتّٰی کہ ریل گاڑی تک نہیں دیکھی تھی۔ صاحبزادہ صاحب کے انتقال کے چند روز بعد اُن بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ دریا کے کنارہ پر ایک ٹیلہ ہے۔ جس پر ایک مسجد ہے۔ وہاں ایک بزرگ رہتے ہیں، جن کا نو عمر لڑکا فوت ہوگیا ہے۔ اور اس کی وفات پر انھوں نے نمازِ شکرانہ ادا کی ہے۔ اسی خواب میں کسی نے انھیں یہ بھی بتایا کہ وہ ٹیلے پر رہنے والے بزرگ غوثِ زماں ہیں۔

مولٰینا صاحبؒ کے مریدین ہردوئی میں بھی تھے۔ جب ان بزرگ نے اپنا خواب بیان کیا تو سننے والوں میں مولٰینا صاحبؒ کے بعض مرید بھی شامل تھے۔ انھوں نے کہا :

"ایسی جگہ تو ہمارے شیخ رہتے ہیں۔"

چنانچہ صاحبزادہ کی وفات کے تذکرہ سے متأثر ہوکر اُن مریدوں نے لکھنؤ کا قصد کیا۔ اس پر اُن بزرگ نے فرمایا :

"اَب وہ لکھنؤ میں نہیں ہیں۔ بنارس چلے گئے ہیں۔"

ان مریدین نے کہا :

"اَب ہم سے نہیں رہا جاتا، ہم ان کے پیچھے بنارس جائیں گے۔"

ان بزرگ نے کہا :

"اچھا جب آپ لوگ ان سے ملیں تو میرا سلام کہیں۔ اور میری طرف سے عرض کریں کہ حضور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرا خاتمہ ایمان پر کرے۔"

جب وہ لوگ لکھنؤ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مولٰینا صاحبؒ بنارس تشریف لے گئے ہیں چنانچہ وہ لوگ بھی بنارس پہنچے۔ اور حاضرِ خدمت ہوئے اور اُن بزرگ کا سلام و پیام پہنچا کر اُن کا

خواب بیان کیا۔ جب خواب کے اس ٹکڑے پر پہنچے کہ آپ غوثِ زماں ہیں تو آپ نے فرمایا:

"خاموش! خبردار یہ بات کسی سے نہ کہنا۔"

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ یہ حضرات مصائب میں مبتلا ہونے پر رنجیدہ نہیں ہوتے بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ اور مصیبت کو مقبولیت کی علامت سمجھتے ہیں۔

اللہ کی شفاعت

ایک دفعہ اِرشاد فرمایا: کسی کے ظاہر کو دیکھ کر اُسے بُرا نہیں کہنا چاہیے۔ ممکن ہے اس کا باطن اچھا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ مومن کے ساتھ نیک گمان رکھو۔ حضرت مولٰنا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے ایک چلّو والی حدیث کی شرح لکھی ہے۔ جو ہمارے پاس موجود ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ جب بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے فرمائے گا:

"دوزخ سے اُن لوگوں کو باہر نکال لائیے جن کے دِل میں جَو برابر بھی ایمان ہو۔"

چنانچہ آپؐ تشریف لے جائیں گے اور ایسے لوگوں کو چُن چُن کر باہر لے آئیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

"پھر جائیے اور جن کے دِلوں میں رائی برابر بھی ایمان ہو ان کو باہر لے آئیے۔"

آپؐ پھر جائیں گے اور ایسے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر باہر نکال لائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

"پھر جائیے اور جن لوگوں کے دِل میں ایمان کی ذرا سی بھی رمق ہو ان کو بھی باہر لے آئیے۔"

چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تیسری بار جائیں گے اور ایسے آدمیوں کو نکال لائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ دوزخیوں میں سے اپنا ایک چلّو بھر کر ایسے اِنسان باہر نکالے گا جن میں کسی نے کوئی بھلائی نہ دیکھی ہوگی۔

فرمایا: جب اس قدر خفیف ایمان رکھنے والوں کو بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا

تو یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کیوں کُفر کے فتوے صادر کرتے رہتے ہیں۔ اِمام ابُوحنیفہ رح کا مقولہ ہے :

" اگر کسی میں ننانوے ۹۹ وجوہ کُفر کے ہوں اور ایک وجہ اِسلام کی ہو تو اُسے کافر مت کہو۔"

اور یہاں لوگوں کا یہ حال ہے کہ دُوسروں کو کافر سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو چند نمازیں پڑھنے سے بہشت کا حقدار سمجھنے لگتے ہیں۔ فرمایا، نماز بھی مقصود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ	قائم کرو نماز کو میرے ذکر کی خاطر۔

اس سے ظاہر ہے کہ نماز مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ ذکر مقصود ہے۔ اور پھر ذکر بھی درمیانی چیز ہے۔ اصل مقصود "مذکور" ہے۔ یعنی اللہ لیکن یہ لوگ نماز کی ظاہری صُورت کو کافی سمجھتے ہیں اور بس بہشت کے مدّعی بن جاتے ہیں۔

دُودھ والی رات

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے پیٹ میں درد ہُوا۔ کسی نے تکلیف کی بابت دریافت کیا تو آپؒ نے فرمایا :

" رات میں نے دُودھ پی لیا تھا جس کی وجہ سے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔"

جب آپؒ کا وصال ہُوا تو ایک بزرگ نے آپؒ کو خواب میں دیکھا۔ ان بزرگ نے آپؒ سے دریافت کیا :

" اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ؟"

آپؒ نے فرمایا کہ بھائی میں تو تباہ ہو گیا تھا مگر اس کے کرم نے مجھے بچا لیا۔ جب میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا :

" بایزید! میرے لئے کیا لائے ہو ؟"

میں نے عرض کیا :

" باری تعالیٰ تو تمام کائنات کا مالک میں ایک عاجز بندہ۔ میری کیا ہستی

کہ تیرے لائق کچھ لاسکتا۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے کبھی شرک نہیں کیا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اُذْکُرْ لَیْلَةَ اللَّبَنِ۔"	دُودھ والی رات یاد کرو۔

حضرت بایزیدؒ نے فرمایا:

"اِس بات سے مجھے بے حد شرم آئی۔ اور میں نے اپنا سر جُھکا لیا۔"

اِس کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت جنید بغدادیؒ کے متعلق بھی ایسا ہی واقعہ بتایا جاتا ہے۔ ایک صاحب نے اُن کو خواب میں دیکھا تو حال دریافت کیا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا:

"وہ ارشادات وکمالات اور ریاضتیں کچھ کام نہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف دو رکعتوں کے عوض بخشا جو میں پچھلی رات کو خالصةً لِلّٰہ پڑھا کرتا تھا۔"

اِس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ جب ایسے جلیل القدر بزرگوں کا یہ حال ہے تو یہ لوگ کس بِرتے پر "ہمچو ما دیگرے نیست" کا دعویٰ کرنے لگ جاتے ہیں۔

۲۰ جون ۱۹۴۵ء - اجمیر شریف

موت کو قریب سمجھنا

بمبئی کے تاجر محمد بھائی کٹلری والے عُرس شریف میں شرکت کے لئے اجمیر شریف پہنچے۔ آپؒ نے فرمایا:

"اچھا ہُوا تم آگئے۔"

انھوں نے عرض کیا:

"حضور کام کا پھیلاؤ تو بہت تھا، لیکن آہی گیا۔"

ارشاد فرمایا:

"ہاں مَلک الموت بھی اِسی طرح کام کے پھیلاؤ کے وقت آجائیں گے۔"

محمد بھائی نے عرض کیا :

" ان کا اسٹاف بھی ہے یا سب کام خود ہی کرتے ہیں ۔؟ "

ارشاد فرمایا کہ لوگ مَلک الموت کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں ۔ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو اپنے سامنے کر کے فرمایا کہ ان کے آگے تو سارا جہاں یوں ہے ۔ وہ مختلف مقامات پر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی رُوح بیک وقت قبض کر سکتے ہیں ۔ اس موقع پر حضرت اقدسؒ نے وہ حدیث بیان فرمائی جس میں موت کے قریب ہونے کے متعلق صحابۂ کرامؓ سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سوال فرمایا تھا[1] ۔ ارشاد فرمایا ۔ جتنا جس کا تقویٰ بڑھا ہُوا ہوگا اتنی ہی موت اس کو اپنے قریب معلوم ہوگی ۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ فرمانا کہ :

" ایک سلام پھیرنے کے بعد مجھے یقین نہیں ہوتا کہ دُوسرا سلام پھیر سکوں گا ۔ "

یہ آپ کے انتہائے تقویٰ کی دلیل ہے ۔ حالانکہ آپؐ نبی تھے ۔ قرآن نازل ہو رہا تھا ۔ اور ابھی قرآن کا پورا نزول بھی نہیں ہوا تھا ۔ اللہ تعالیٰ کو آپ سے اس دُنیا میں ابھی بہت سے کام لینے تھے ۔ کام ختم ہونیکے بعد ہی آپ اس دُنیا سے اُٹھائے جا سکتے تھے ۔ لیکن دیکھ لو باوجود اس کے آپؐ کو موت کس قدر قریب معلوم ہوتی تھی ۔ یہ تقویٰ کی انتہائی شان ہے ۔

مَلک الموت کی صُورت

اس کے بعد ملک الموت کی صُورت پر گفتگو ہونے لگی ۔ فرمایا ، جب ایماندار کی رُوح قبض کرنے آتے ہیں تو نہایت حسین صُورت اختیار کر لیتے ہیں ۔ لیکن جب کافر کی رُوح نکالتے ہیں تو نہایت خوفناک شکل میں ظاہر ہوتے ہیں ۔ ایک دفعہ حضرت داوٗد علیہ السّلام نے مَلک الموت سے دریافت فرمایا :

" آپ کافروں کے پاس کس شکل میں جاتے ہیں ؟ "

انھوں نے عرض کیا :

" اگر وہ شکل آپ کو دِکھادوں تو آپ برداشت نہیں کر سکیں گے ۔ "

---

[1] حدیث کا مضمون صفحہ ۳۳۲ پر دیکھ لیں ۔

آپؑ نے فرمایا:

"میں وہ شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔"

جب عزرائیل علیہ السلام نے وہ شکل اختیار کی تو وہ اس قدر کریہہ اور خوفناک تھی کہ آپؑ بے ہوش ہوگئے۔

اِرشاد فرمایا کہ ان کی اصلی شکل تو اور ہی ہے۔

جبرائیلؑ کی صُورت

اِس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صُورت کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُو مرتبہ اُن کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا ہے۔ اُن کے پَر مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے تھے لیکن عموماً وہ حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آیا کرتے تھے۔ اَب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام یہ صُورت اِختیار کرتے تھے تو کیا اس وقت حقیقتِ جبرائیل علیہ السلام بھی قائم رہتی تھی؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ حقیقتِ جبرائیلؑ قائم رہتی تھی۔ اسی طرح اولیاءِ کرام بھی باوجود مختلف صُورتیں اختیار کرنے کے اپنی اصلی صُورت قائم رکھ سکتے ہیں۔

اِس کے بعد حضرت اقدسؒ نے حضرت میر سیّد علی ہمدانیؒ کا وہ واقعہ بیان فرمایا، جس میں آپؒ نے مختلف مقامات پر بیک وقت چالیس آدمیوں کے ہاں کھانا تناول فرمایا تھا۔

حضرت حاجی صاحبؒ کی کرامت

فرمایا، خدیو مصر کے شیخ پر سات سال سے حالتِ انقباض طاری تھی۔ بہت کوشش کی۔ خاص خاص مجاہدے کئے مگر قبض دُور نہ ہوا بلکہ بڑھتا گیا۔ وہ بزرگ اپنے کچھ مریدوں کو ساتھ لے کر مکّہ معظّمہ حاضر ہوئے۔ بیتُ اللہ شریف کا طواف کیا اور حرم شریف ہی میں قیام فرمایا۔ لیکن وہ حالت بدستور جاری رہی۔ انبساطی کیفیت پیدا نہ ہوئی۔ کسی بزرگ نے انھیں ہمارے حضرت حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکّیؒ کا پتہ دیا۔ وہ اپنے مریدین کو ساتھ لے کر حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس پہنچے۔ بعد سلام جب مصافحہ ہوا تو حضرت حاجی صاحبؒ نے کچھ دیر تک ان کے ہاتھ کو دبائے رکھا اور بس ان کی انقباضی حالت انبساطی کیفیت میں تبدیل ہوگئی۔ ان بزرگ کو حضرت حاجی صاحبؒ

سے اتنی عقیدت ہوگئی کہ آپ مع اپنے مریدین کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔ اور جب وہ مصر واپس پہنچے تو خدیوِ مصر بھی بیعتِ عثمانی کے ذریعہ حضرت حاجی صاحبؒ کا مرید ہوگیا۔ اس طرح حضرت حاجی صاحبؒ کے مصر میں بہت سے مُرید ہوگئے۔ اور وہاں سلسلۂ چشتیہ صابریہ کافی پھیلا۔

تمباکو نوشی کا نقصان

فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں ایک بزرگ تھے جنھیں رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عشق تھا۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کے لئے انھوں نے کئی وظائف پڑھے لیکن زیارت نصیب نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے وہ بہت پریشان تھے۔ ہمارے خاندان کے ایک اور بزرگ تھے جو روزانہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے مشرّف ہُوا کرتے تھے۔ انھوں نے اُن سے کہا:

"بھائی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں میری جانب سے اتنا تو عرض کریں کہ مجھ سے ایسی کیا خطا سرزد ہُوئی ہے جو آج تک زیارت سے محروم ہوں۔"

انھوں نے یہ عرض رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کی۔ حضورؐ نے فرمایا:

"ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ وہ حقّہ پیتے ہیں، جس کی بُو مجھے بہت بُری لگتی ہے۔"

جب ان کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے حقّہ توڑ ڈالا اور تمباکو وغیرہ سب پھینک دیا۔

اِس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا۔ صفائی اور خوشبو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بہت پسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاتحہ کے وقت اگربتی وغیرہ جلاتے ہیں۔ اور خوشبو لگائی جاتی ہے تاکہ آپ کی طبعِ مُبارک خوش ہو۔ گھر میں ہر وقت صفائی رکھنی چاہیے۔ خود کو بھی پاک صاف رکھنا چاہیے۔ آپ کا مزاج مُبارک نہایت نازک اور لطیف ہے۔ بدبو اور گندگی سے

آپؐ کو نفرت ہے۔ بعض لوگ جب آپؐ کی خدمت میں پیلے دانتوں سے حاضر ہوتے تھے تو آپؐ فرمایا کرتے تھے :

"مسواک کر کے آیا کرو۔"

کپڑے دھونے اور جسم کو پاک صاف رکھنے کی آپ اکثر تاکید فرمایا کرتے تھے۔ بعض چیزیں آپ نہیں کھایا کرتے تھے۔ مثلاً گوہ[۱] کا گوشت وغیرہ۔ اگرچہ یہ چیزیں حلال تھیں۔ آپؐ صحابہ کرامؓ سے فرمایا کرتے تھے :

"کچی پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں نہ آیا کرو۔"

استغفار کے اجزاء

ارشاد فرمایا کہ استغفار نہایت ضروری ہے۔ کسی بندہ کا اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی خطا کا اقرار کرنا اُسے بہت اچھا لگتا ہے۔ لیکن صرف مُنہ سے استغفراللہ کافی نہیں ہے۔ ہر نسخہ کے کچھ INGREDIENTS (اجزاء) ہوتے ہیں۔ استغفار میں پہلی ضروری بات یہ ہے کہ دِل میں ندامت ہو۔ جب اپنی لغزش پر دِل کے اندر شرمندگی نہیں تو مُنہ سے استغفراللہ کہنے سے کیا فائدہ۔ دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ دِل میں ایک عزم ہونا چاہیئے کہ آئندہ یہ گناہ ہرگز نہیں کروں گا۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے بعد وہی گناہ پھر سرزد ہو جائے۔ لیکن توبہ کرتے وقت دِل میں یہ خیال راسخ ہونا چاہیئے کہ اَب میں یہ گناہ نہیں کرونگا۔ تیسری بات یہ ہے کہ تلافیِ گُناہ کی خاطر کچھ زائد کام کرنا چاہیئے۔ استغفار میں ان تینوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ارحم الرّاحمین ہیں۔ گُناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

گُناہ سے ندامت

ارشاد فرمایا کہ مومن کے دِل میں گناہ کی وجہ سے ندامت پیدا ہوتی ہے۔ اور رعونت دُور ہو جاتی ہے۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے:

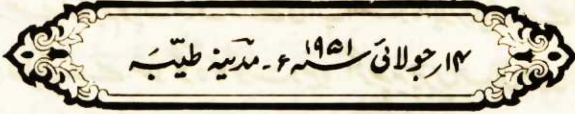
"وہ گُناہ جس سے دِل میں ندامت و رقت پیدا ہو اس نیکی سے بہتر ہے

---

[۱] گوہ زیادہ تر صحرائے عرب میں پایا جاتا ہے۔ عرب کے بدّو اسے کھایا کرتے تھے۔ اس کی شکل کچھ کچھ چھپکلی سے ملتی ہے لیکن جسامت میں کافی بڑا ہوتا ہے۔

جس سے رعونت پیدا ہو۔"

فرمایا POISON (زہر) سے بھی علاج کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر زیادہ پی لیا گیا تو ہلاک کردے گا۔



۱۴ر جولائی سنہ ۱۹۵۱ء۔ مدینہ طیبہ

فیضِ صحبت

تبلیغی جماعت کے افراد جو تعداد میں چار یا پانچ تھے حضرتؒ سے ملنے آئے۔ سب پاکستانی تھے۔ دورانِ گفتگو حضرتؒ نے ارشاد فرمایا کہ آج کل کوئی گروہ، گروہ ہونے کی حیثیت سے اچھا نہیں (یعنی بحیثیت مجموعی) گروہوں کے صِرف چند افراد اچھے ہوتے ہیں۔ اِس کے بعد حضرتؒ نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا:

"آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس کے ذریعہ ہم صحابۂ کرامؓ کے مرتبہ تک پہنچ سکیں۔ یا کم از کم تابعین یا تبع تابعین ہی کے مرتبہ تک رسائی ہو جائے؟"

انھوں نے جواب دیا:

"یہ تو ناممکن ہے۔"

حضرتؒ نے دریافت کیا:

"کیوں ناممکن کیوں ہے؟"

انھوں نے جواب دیا:

"صحابۂ کرامؓ کا مرتبہ تو اس لئے بلند ہے کہ انھیں رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت نصیب تھی۔ اور تابعین کا مرتبہ اس لئے بلند ہے کہ انھوں نے صحابۂ کرامؓ کی صحبت سے فیض حاصِل کیا۔ اسی طرح تبع تابعین نے تابعین کی صحبت سے استفادہ کیا۔ اَب وہ بات کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟"

اِس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ صوفیائے کرام اسی لئے تو مصاحبت پر زور دیتے ہیں صحبت ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے مقابلہ میں سب عمل ہیچ ہیں۔ کتابوں سے صرف علم حاصل ہوتا ہے۔ عمل حاصل نہیں ہوتا۔ صحبت سے علم و عمل دونوں حاصل ہوتے ہیں۔ دُوسری بات یہ ہے کہ آج کل ہر شخص دُوسروں کی اصلاح کے درپے ہے اور خود کو اصلاح سے بالاتر سمجھتا ہے۔ سورۂ فاتحہ مبتدی اور منتہی کے لئے یکساں ذریعۂ ہدایت ہے۔ جب آپ اھدنا الصراط المستقیم پڑھا کریں تو اپنے لئے خشوع و خضوع کے ساتھ یہ تصوّر رکھیں کہ اللہ مجھے راہ ہدایت عطا فرمائے۔ ہدایت کا ہر شخص محتاج ہے خواہ وہ مبتدی ہو یا منتہی۔

خلوت دَر انجمن

ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے کسی نے دریافت کیا: "کیا آپ خلوت میں رہتے ہیں؟" آپؒ نے فرمایا:

"خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے۔"

اُس شخص نے کہا:

"تو پھر آپ کیا کرتے ہیں۔؟"

آپؒ نے فرمایا:

"خلوت دَر انجمن"۔

اِس کے بعد فرمایا کہ سالک کو باہمہ اور بے ہمہ رہنا چاہیئے،

"دست بکار دِل بیار"

فرمایا، دولت سے لطف اُٹھانے کے لئے تندرستی اور طاقت کی ضرورت ہے۔ کمزور اور بیمار کے لئے دولت بیکار ہے۔ یہی حال رُوحانی طاقت کا ہے۔ دُنیا کے کاموں میں مشغول رہتے ہوئے اگر اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم رکھا جائے تو اندرونی قویٰ کی خوب نشوونما ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے ایک ایسا شخص جس کو دُنیا میں مختلف کوائف اور مختلف حالات سے سابقہ نہیں پڑتا اس کے اندرونی قویٰ کو نہ تو مشق حاصل ہوتی ہے اور نہ اس کی رُوحانیت میں قوّت آسکتی ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ اطلاق اور تعینات میں توازن قائم رکھنے کے لئے بڑی سمجھ کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے بہترین ترازو قرآن وسُنّت ہے۔ شارع علیہ السّلام نے جو حدود مقرّر کی ہیں ان کے اندر رہ کر جس طرح چاہے دُنیا سے فائدہ اُٹھائے اور لُطف حاصل کرتا رہے۔ شر کو شر سمجھے اور خیر کو خیر۔

عابد و قلندر

کسی موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں ایک عابد تھا جو تیس برس سے ایک غار میں گوشہ نشین تھا۔ وہاں ایک قلندر بھی رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام سے فرمایا:

"اِن دونوں (عابد و قلندر) سے ایک بات پُوچھو۔ ان سے کہو کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں نے سُوئی کے سُوراخ میں سے اونٹوں کی قطار گُزرتے دیکھی ہے تو تمھیں یقین آئے گا یا نہیں؟"

جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے عابد سے یہ بات کہی، تو عابد نے جواب دیا:

"موسیٰؑ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ ایسی ناممکن بات کا کسے یقین آسکتا ہے ـــ؟"

اِس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام اُن قلندر صاحب سے ملے اور اُن سے بھی یہ بات کہی۔ قلندر صاحب نے سُنتے ہی کہا:

"سُبحان اللہ اُونٹوں کی قطار تو معمولی بات ہے اگر میرا اللہ چاہے تو پُوری کائنات سُوئی کے سوراخ میں سے گذار سکتا ہے۔ اُسے سب قدرت ہے۔"

غرض موسیٰ علیہ السّلام نے دونوں کے خیالات بارگاہِ الٰہی میں پیش کئے تو باری تعالیٰ نے فرمایا:

"تم نے دیکھ لیا ان دونوں کے یقین کا فرق؟"

دہ دَر دُنیا، ستّر در آخرت

اس کے بعد فرمایا کہ اچّھا اب اس عابد سے جا کر کہو کہ اپنی کوئی ایک خواہش بیان کرے ہم اس کی خواہش پُوری کریں گے۔ موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کا پیام اس عابد کو پہنچایا تو اُس

نے کہا:

"عرصہ ہوا میں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ بس ایک دفعہ پیٹ بھر کھانا کھلوا دو۔"

مُوسیٰ علیہ السّلام نے اُس کی یہ درخواست اللہ کے حضور میں پیش کی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"دیکھا تم نے کتنی ذلیل خواہش کی ہے اس نے۔ اچھّا ڈھائی سیر چاول اس کو دے دو۔"

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ڈھائی سیر چاول اس عابد کو پہنچا دیئے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا جب اس طرف گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ عابد بیٹھا ہوا ہے اور دیگیں پک رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر انھیں حیرت ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"تم میرے نبی ہو۔ جب تم دو تین بار اس کے پاس گئے تو اس کی برکت سے اس کے دِل میں صفائی پیدا ہوگئی۔ اور وہ سارے چاول اس نے پکا کر خیرات کر دیئے۔ اس کے اس فعل سے ہم خوش ہوئے۔ اور بمصداق وہ در دُنیا ستّر در آخرت، ہم نے اسے دس گُنا چاول اور دیدیئے۔ اس نے وہ بھی خیرات کر ڈالے! اسی طرح وہ خیرات کرتا رہا اور ہم مزید دیتے گئے۔"

پاکیزگی کی اِنتہا اِس کے بعد فرمایا کہ ایک بزرگ نے حضرت خضر علیہ السّلام کی دعوت کی۔ جب کھانا لایا گیا تو آپ نے کھانے سے اِنکار کر دیا۔ صاحبِ خانہ نے باورچی سے دریافت کیا:

"آج تم سے کیا غلطی ہوئی ہے۔؟"

اُس نے کہا:

"حضُور روزانہ میں باوضو کھانا پکاتا ہوں۔ آج اِس خیال سے کہ کہیں کھانا جل نہ جائے، مَیں وضو نہ کر سکا۔"

عشق کی زبان میں درود شریف کے معنی

ارشاد فرمایا کہ قاری شاہ سلیمان صاحب پھلواروی کے خاندان میں ایک خاص درود شریف ہے جس کے پڑھنے سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ مجھ پر سخت انقباض طاری ہوا۔ تو میں نے اپنے خاندانی مخصوص درود شریف کا ورد شروع کر دیا لیکن میری حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ میں بے حد پریشان تھا کہ حُسنِ اتفاق سے ایک دفعہ حضرت مولٰنا فضل الرحمان گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں حاضری کا موقعہ مل گیا۔ میں نے اپنا حال بیان کیا۔ آپؒ نے فرمایا:

"اچھا پڑھیئے درود شریف اور اس کے معنی بیان کیجئے۔"

میں نے درود شریف پڑھا اور معنی بھی بیان کر دیئے۔ آپؒ نے فرمایا:

"نہیں۔ ایسے نہیں۔ عشق کی زبان میں معنی بیان کیجئے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا کہ یا اللہ کیا عشق کی زبان میں کوئی اور معنی ہیں۔ اور اب میں عشق کی زبان کہاں سے لاؤں۔ ابھی یہ میں سوچ ہی رہا تھا کہ حضرتؒ نے فرمایا:

"میاں! عشق کی زبان میں اس کا یہ مطلب ہے، پیار کرے اللہ پیارے محمدؐ کو اور ان کی پیاری آل کو"

جیسے ہی حضرتؒ کی زبان مبارک سے یہ معنی بیان ہوئے۔ میری کیفیت بدل گئی۔ اور جتنا سخت انقباض تھا اس سے زیادہ انبساطی کیفیت پیدا ہو گئی۔

گونگی مائی

اس کے بعد فرمایا کہ پشاور میں ہماری ایک پیر بہن تھیں جو نیم مجذوبہ تھیں۔ اُن کا نام گونگی مائی پڑ گیا تھا۔ اس لئے کہ پانچ سات سال تک ان کی زبان بالکل بند رہی۔ اس کے بعد جب بولنا شروع کیا تو تمام علماء کو حیرت میں ڈال دیا۔ آیاتِ قرآنی کی ایسی تفسیر بیان کرتیں کہ علماء دنگ رہ جاتے۔ مثلاً دیکھو فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کی تفسیر کیا پیارے انداز میں بیان کر رہی ہیں۔ فرماتی ہیں:

"اللہ کہندے تُسی پیار کرو مینوں تے میں پیار کراں توہانوں"

اَب ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ بُوا اُنکی بڑی سہیلی تھیں۔ بُوا مجھ سے کہتی تھیں:

"اگر آپ کسی وقت پشاور کا قصد کریں تو مجھے ضرور ساتھ لے لیں۔ میں گونگی مائی کے مزار کی زیارت کرنا چاہتی ہوں۔"

عورتیں خلافت کی مجاز نہیں ایک مرتبہ بزرگوں کی خلافت کا تذکرہ تھا۔ فرمایا عورت خواہ کتنا ہی بلند مرتبہ رکھتی ہو لیکن اس کو خلافت نہیں دی جاتی۔ خلافت کا منصب مرد کے لئے ہے۔ عورت کو نہ تو خلافت دی جاتی ہے اور نہ کسی عورت کو پیری ملی ہے۔ ہمارے مولانا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے:

"اگر عورت کیلئے خلافت جائز ہوتی تو ہم نسیم کی بہن کو خلافت دیتے۔"

نیز فرمایا کہ ایک دفعہ لوگ بُوا کو ایک ایسے مزار پر لے گئے جہاں کافی لوگ جایا کرتے تھے۔ پھول پیش کرتے تھے اور چادر چڑھایا کرتے تھے۔ اَب بُوا وہاں پہنچتے ہی کہنے لگیں:

"ارے بھائی مجھے کہاں لے آئے؟ یہ تو تیلی کی قبر ہے۔"

تحقیق کرنے پر معلوم ہُوا کہ واقعی کسی وقت ایک تیلی ہی کو اس جگہ دفن کیا گیا تھا۔

دیکھنے والی چیز ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضور رات جو سماع خانہ میں تقریب فاتحہ ہوئی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے پہلے کبھی ایسی محفل دیکھی ہے لیکن یہ یاد نہیں کہ وہ میرا خواب تھا یا مشاہدہ۔ یہی فاتحہ خوانی یہی فانوس۔ ایسا ہی مجمع لیکن قوالی نہیں تھی۔

ارشاد فرمایا کہ جو کچھ اس دُنیا میں واقع ہوتا ہے۔ اس کا وقوع عالم مثال میں پہلے ہوتا ہے اور عالم مثال کی چیزیں کبھی کبھی کسی پر منکشف ہوجاتی ہیں۔ اور یہ معمولی بات ہے۔ لوگوں کو خواب کے ذریعہ بھی تو آئندہ ہونے والی باتوں کا علم ہوجاتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دیکھنے والی چیز صرف آنکھیں ہیں۔ حالانکہ خواب میں تو آنکھیں بند ہوتی ہیں لیکن

ے والدہ چودھری خلیق الزماں مرحوم لکھنؤ کے مشہور بیرسٹر نسیم کی ہمشیرہ اور حضرت اقدسؒ کی پیر بہن۔ حلقہ مُریدین میں ان کے مجاہدہ اور ریاضت کی کافی شہرت رہے۔

آدمی دیکھتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ دیکھنے والی چیز آنکھ نہیں ہے بلکہ دیکھنے والی چیز رُوح بھی نہیں ہے۔ دیکھنے والی چیز اصل میں انا ہے جو حقیقی انا کی صدائے بازگشت ہے۔ آپ کہتے ہیں میرا دل۔ میرا دماغ۔ میری رُوح۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب آپ کی چیزیں ہیں اور آپ کچھ اور ہیں۔ رُوح کا آپ کے ساتھ وہی تعلق ہے جو جسم کا رُوح کے ساتھ ہے یا کپڑوں کا جسم کے ساتھ۔ اگر کوئی شخص اپنے جِسم کو خوب موٹا تازہ رکھے اور رُوح کی پروا نہ کرے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اچھے اچھے کپڑے پہنے لیکن جِسم کو نہ کھانا دے نہ پانی پلائے اور نہ نہلا دھلا کر صاف کرے۔ جس طرح کپڑے جِسم کا لباس ہیں اسی طرح جسم بھی رُوح کا لباس ہے۔ اور رُوح بھی ایک اور چیز کا لباس ہے۔ اور وہ انا ہے۔ اِنسان کا فرض ہے کہ انا کی حقیقت کو پہچانے اور انائے حقیقی کے ساتھ ھم آہنگ ہوجائے۔ اس کے بعد سب راز کُھل جاتے ہیں۔ اور ہر چیز کی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے۔

ہماری انا اور انائے حقیقی

ایک مرتبہ رُوح کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ اِرشاد فرمایا کہ رُوح بھی تو تم نہیں ہو۔ تم کہتے ہو میرا جِسم ۔ میری رُوح۔ اس سے ظاہر ہے کہ رُوح اور جسم تمہارے ہیں اور تم کوئی اور چیز ہو۔ تم وہ انا ہو جو صدائے بازگشت ہے۔ انائے حقیقی کی۔

احقر نے عرض کیا:

"حضور اس صدائے بازگشت کا تصوّر نہیں ہوسکتا۔؟"

اِرشاد فرمایا کہ صدائے بازگشت۔ کا تصوّر اس لئے ممکن نہیں کہ اس کی حقیقت ماورائے عقل و ادراک ہے۔ اس کی حقیقت عجیب و غریب ہے اگر اِسے کریدا جائے تو انائے حقیقی تک پہنچ جاتے ہیں۔

مامی کنیم

کتاب "امیر الروایات" آپؒ کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ کتاب کھول کر حضرتؒ نے ایک واقعہ پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے:-

ایک دفعہ حضرت شاہ محمد یعقوبؒ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ احمد جامؒ کی خدمت میں ایک عورت اپنے نابینا بیٹے کو لائی اور عرض کیا :

"حضور اس کے مُنہ پر ہاتھ پھیریں تاکہ یہ بینا ہو جائے ۔"

آپ اس وقت مقامِ عبدیت میں تھے، فرمایا :

"یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام ہے ۔ میں عیسیٰؑ نہیں ہوں ۔"

جب اُس عورت نے بہت اصرار کیا تو آپ وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے ۔ تھوڑی دُور گئے تھے کہ اُن کے کانوں میں یہ آواز آئی :

"نہ عیسیٰ کند نہ مُوسیٰ کند ۔ ما می کنیم (نہ عیسیٰ کرتے ہیں نہ مُوسیٰ ہم کرتے ہیں)

جاؤ اور اس کے مُنہ پر ہاتھ پھیرو ۔"

آپؒ فوراً واپس لوٹے اور "ما می کنیم" کہتے ہوئے لڑکے کے مُنہ پر ہاتھ پھیرا اور وہ بینا ہو گیا ۔

اَنَا اور نَحْنُ

اس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا "ما می کنیم" میں ضمیر پر غور کیا ؟ یہاں جمع کا صیغہ کیوں اِستعمال کیا گیا ؟ اللہ تعالیٰ کبھی صیغۂ جمع میں کلام فرماتے ہیں اور کبھی صیغۂ واحد میں ۔ بات یہ ہے کہ جب تجرّدِ ذات کے ساتھ کلام فرماتے ہیں تو لفظ اَنَا اِستعمال کرتے ہیں ۔ اور جب ذات وصفات کے ساتھ کلام فرماتے ہیں تو نَحْنُ یعنی صیغۂ جمع استعمال فرماتے ہیں ۔ مثلاً

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۔	ھم ذات وصفات کے ساتھ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں

ریاضت اور مجاہدہ کی ضرورت

"امیر الروایات" میں سے ایک اور صفحہ کھول کر ایک دُوسرا واقعہ پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے :

ایک دفعہ دَورانِ سفر حضرت مولینا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا :

"رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم میں رُوحانی قوّت اس درجہ تھی کہ جس شخص کو بھی کلمۂ طیّبہ پڑھا کر مُسلمان بنا لیتے، اسی وقت اس کو مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا تھا۔ مجاہدات وغیرہ کی کچھ ضرورت نہ ہوتی۔ آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ میں وہ قوّت تھی لیکن کم۔ اسی طرح تابعین میں اس سے بھی کم قوّت تھی۔ لیکن تبع تابعین میں یہ قوّت بہت ہی کم ہو گئی۔ اس کمی کی تلافی کے لئے بزرگوں نے مجاہدات و ریاضات ایجاد کئے۔ جن سے اِس کمی کو پُورا کرنا مقصود تھا۔ شُروع شروع میں تو یہ خاص اذکار و مشاغل حصول مقصد کا ایک ذریعہ تھے۔ لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اکثر اوقات یہی اذکار و مشاغل مقصود بالذات ہو گئے اور احسان کی جگہ استغراق نے لے لی۔ ہر طبقہ نے یہی کیا۔ علماء نے اصل مقصد کو چھوڑ کر تحصیلِ علم کو مقصود بالذات بنا لیا۔"

کل من علیہا فان کا حقیقی مفہوم

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ قاضی گدڑی (گدڑی شاہ صاحبؒ کے مرید) جسٹس محمد شفیع اور ایک اور صاحب آیت کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ کے معانی پر بحث کر رہے تھے۔ ایک صاحب نے کہا:

"ھا سے مراد زمین ہے۔ یعنی جو کچھ زمین پر ہے سب فنا ہو جائے گا۔"

ہم نے کہا:

"اِس سے تو یہ نتیجہ نکلا کہ آسمان، سُورج، چاند اور ستارے فنا نہیں ہوں گے۔ صرف جو کُچھ زمین پر ہے فنا ہو گا۔"

غرضیکہ ہم نے سمجھایا کہ بھائی اس سے ذات مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ذات کے اوپر ہے۔ یعنی یہ تعیّنات یا مظاہر سب فنا ہو جائیں گے[1]۔ اور ذات ہی ذات باقی رہ جائیگی۔ یہ تفسیر سُن کر قاضی صاحب بہت محظوظ ہُوئے۔ اِس لئے کہ وہ کٹّر وجودی تھے۔

---

[1] یہ تفسیر کا رُوحانی پہلو ہے۔

تعیّنات کا فائدہ

اِس کے بعد تعینات پر گفت گو ہونے لگی۔ فرمایا کہ مقصد حاصل کرنے کے لئے تعیّنات کا وجود بہت ضروری ہے۔ فنا بغیر تعیّنات کے نہیں ہوسکتی۔ اطلاق میں کس طرح فنا حاصل ہوسکتی ہے۔ فنا ہونے کے لئے کوئی نہ کوئی وجود ضروری ہے۔ اگر ایک پتّھر کو سمندر میں پھینکا جائے تو کہا جائے گا کہ پتّھر سمندر میں فنا ہوگیا لیکن سارے سمندر میں تھوڑا فنا ہُوا ہے۔ فنا ہونے کے لئے اُسے سمندر کے ایک حصّہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح فنا فی الذات ہونے کے لئے تعیّنِ شیخ اور تعیّنِ رسالت کی ضرورت ہے۔

تعیّنات کا دُوسرا فائدہ یہ ہے کہ تعیّنات اور حفظِ مراتب میں مشق کرنے سے سالک اپنی طاقت کو بڑھاتا ہے جس سے عرفان میں ترقی ہوتی ہے۔ فرمایا حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنے رسالۂ توحید میں اس امر سے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے۔ (یہ واقعہ صفحہ ۲۵ پر حفظِ مراتب کے تحت درج ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔)

اِس کے بعد فرمایا، آگ اور پانی کو لو۔ آگ کے صحیح اِستعمال میں نجات ہے۔ بیجا اِستعمال میں ہلاکت ہے۔ اسی طرح پانی سے بھی زندگی کو سہارا ملتا ہے اور زندگی تباہ بھی ہوتی ہے۔ اِس لئے ضروری ہے کہ ہر چیز کا مرتبہ پہچانا جائے اور اسی کے مطابق عمل کیا جائے ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ اسی طرح ہر معاملہ میں ہر تعیّن کا لحاظ رکھنے سے POWER OF DISCRIMINATION — (قوّتِ تمیز) اور عرفان میں ترقّی ہوتی ہے۔ اگر تعیّنات نہ ہوں تو یہ مشق کہاں سے حاصل ہو۔ سادھو لوگ جنگلوں میں بیٹھ کر اپنے ایک ہاتھ کو اُوپر کی جانب اُٹھائے رکھتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ عضو کام میں نہ آنے کی وجہ سے معطّل ہوجاتا ہے۔ لوہار کا دایاں ہاتھ جس سے وہ ہتھوڑا چلاتا ہے بائیں ہاتھ کی نسبت جو کم کام کرتا ہے زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ تعیّنات میں تمیز کرنے اور حفظِ مراتب پر کاربند ہونے سے POWER OF DISCRIMINATION (قوّتِ تمیز) میں اِضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ورنہ یہ صلاحیّت جاتی رہتی ہے۔ اس دُنیا میں جس قدر عرفان زیادہ ہوگا اسی قدر

معاملات اور مشاہدات کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ سیرِ اسمار کے وقت اسمائے متقابلہ کا سمجھنا تو کسی قدر آسان ہے لیکن ALLIED NAMES (قریب المعنیٰ اسمار) مثلاً غفور اور غفّار، رحیم اور رحمان کے سمجھنے کے لئے قوّتِ تمیز کی ضرورت ہے۔ اور یہ چیز بغیر حفظِ مراتب کی مشق کے مشکل ہے۔

یافت و نایافت

ایک دفعہ اِرشاد فرمایا: نایافت بہت بڑی چیز ہے۔ حضرت شاہ تراب علیؒ کی یہ رُباعی کیفیتِ یافت اور نایافت کے متعلق ہے:

مَن میں آگ لگے تو بجھے جل سے ؛ جل بیچ لگے تو بجھے کہو کیسے

ہمرو بروگ پیا سے کٹت ہے ؛ پی کا بروگ کٹے کہو کیسے

پہلے اور تیسرے مصرعہ میں کیفیتِ یافت بیان کی گئی ہے۔ دُوسرے اور چوتھے میں نایافت۔ فرمایا نایافت کئی طرح سے ہے۔ وہ اپنی صفت کو ہزاروں نقطہ ہائے نگاہ سے دیکھتا ہے۔[1]

حقیقتِ کلام

ایک دفعہ اِرشاد فرمایا کہ ایک بنگالی نومُسلم آگرہ میں رہتے تھے۔ (یہ صاحب حضرتِ اقدسؒ کے معتقد تھے اور آپؒ سے رُوحانی تربیت حاصل کرتے تھے) ان کے اِنتقال کے بعد میں نے مولینا صاحبؒ سے دریافت کیا:

"اَب بنگالی صاحب کا کیا حال ہے؟"

آپؒ نے فرمایا:

"آؤ مراقب ہوں اور دیکھیں اس کا کیا حال ہے۔"

مراقبہ میں مَیں نے دیکھا کہ ایک مجلس منعقد ہے جس میں وہ بنگالی بھی ہیں۔ اس مجلس میں مختلف زبانیں بولی جارہی ہیں اور وہ سب زبانیں بآسانی سمجھ رہے ہیں۔ جب ان سے دریافت کیا گیا:

"آپ نے یہ مرتبہ کیسے پایا؟"

تو انھوں نے جواب دیا:

---

[1] یافت اور نایافت کی کچھ تفصیل صفحہ ۱۳۰ پر درج ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"میں بچپن سے اہلِ توحید میں سے تھا۔"

مراقبہ سے فارغ ہو کر حضرت مولینا صاحبؒ نے فرمایا:

"میں نے یہ دیکھا کہ وہ منو[1] کا ہم مرتبہ تھا۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ منو بھی اہلِ توحید میں سے تھا۔ بنگالی صاحب کی زباندانی کے متعلق فرمایا کہ وہ ایسے مقام میں تھے جہاں حقیقتِ کلام ان پر منکشف تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سب زبانیں سمجھ رہے تھے۔ فرمایا حضرت ابنِ عربیؒ فرماتے ہیں:

"حقیقتِ کلام ایک ہے جب اس کا نزول خانۂ موسیٰ میں ہوا تو توریت بن گئی۔ جب اس کا نزول خانۂ داؤدؑ میں ہوا تو زبور بن گئی۔ خانۂ عیسیٰ میں ہوا تو انجیل کہلائی اور جب خانۂ محمدؐ میں اس کا نزول ہوا تو قرآن نام ہوا۔"

بِن دیکھے ایمان

ایک دفعہ اِرشاد فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب تک ہم خدا کو دیکھ نہ لیں ایمان کیسے لائیں۔ ہم اُن سے کہتے ہیں کہ کیا آپ نے مجھے دیکھا ہے یا اپنے آپ کو دیکھا ہے۔ جو کچھ آپ دیکھتے ہیں یہ میرا جسم ہے میں نہیں ہوں۔ جسم کے اندر رُوح ہے اور رُوح میں انا ہے اور وہی میں ہُوں۔ جسم الگ چیز ہے اور آدمی الگ۔ جسم آدمی کی صفت ہے خود آدمی نہیں ہے۔ کیونکہ جب آدمی مرجاتا ہے تو جسم موجود ہوتا ہے لیکن ہر شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں تو چل بسا۔ اِس سے ظاہر ہوا کہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں میں نہیں ہُوں میرا جسم ہے۔ جو کچھ میں ہُوں وہ آپ کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ لیکن پھر بھی آپ کو میری ہستی کا یقین ہے۔ اسی طرح یہ کائنات جو آپ دیکھ رہے ہیں مظہر ہے اللہ کا۔ ذات مخفی ہے اور صفات ظاہر ہیں۔ جب آپ میری صفات کو دیکھ کر میری ہستی پر ایمان لے آتے ہیں تو اللہ کی صفات کو دیکھ کر اس کی ہستی پر ایمان لانے میں کیا امر مانع ہے۔ اور اگر آنکھ دیکھنے والی ہو تو اس کے لئے تو وہ ظاہر بھی ہے۔ بعض اولیا مکرام نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بوجہ شدّت ظہور نظر نہیں آتا، جیسے سُورج۔ جب وہ پوری آب وتاب

---

[1] منو ھندو مذہبی قانون کا بانی تھا۔

کے ساتھ چمکتا ہے تو اُس وقت آپ اس کو نہیں دیکھ سکتے ۔ وہ اقرب ہونے یعنی بہت زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے بھی نظر نہیں آتا۔ جیسے اپنا چہرہ اور آنکھیں ۔

بے چون وچرا عقیدہ

ایک روز ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر بھٹہ چاریہ[1] اور ان کے بھائی ہم سے ملنے آئے۔ خیر سلا کے بعد کچھ مذہب کے متعلق بات میں بات نکل آئی۔ کہنے لگے :

" صاحب مذہب کے معاملہ میں تو بس آپ لوگ BLIND FAITH (اندھی تقلید) سے کام لیتے ہیں ۔"

ہم نے کہا BLIND FAITH (اندھی تقلید) کس جگہ نہیں ہے۔ آپ جب ہمیں دوائی دیتے ہیں۔ تو کیا ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ اس میں کیا کیا ہے ؟ ہر چیز کی مقدار کتنی ہے ؟ ان دواؤں کی خاصیتیں کیا ہیں ؟۔ اگر کوئی مریض اس قسم کے سوالات کرنا شروع کر دے تو آپ اس کا علاج ہی نہ کریں گے ، اور صاف کہہ دیں گے :

" بھائی جاؤ کسی اور کو ڈھونڈو ۔ ہمارے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے ۔"

پھر جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے ماں باپ نے آپ کو بتایا کہ یہ روٹی ہے۔ یہ پانی ہے۔ اس کا نام یہ ہے ۔ اُس کا نام یہ ہے ۔ آپ نے BLINDLY (بلا تحقیق) قبول کر لیا۔ ان سے تو آپ نے کبھی وجہ نہیں پوچھی کہ اس کا نام پانی کیوں ہے اور اسے روٹی کیوں کہتے ہیں ۔ جب آپ اسکول گئے تو ماسٹر صاحب نے کہا A (الف) آپ نے بھی کہا A ۔ ماسٹر نے کہا B (ب) تو آپ نے بھی کہا B ۔ آپ نے اپنے اُستاد سے کبھی یہ نہ پوچھا کہ اس کے A ہونے کا کیا ثبوت ہے ؟ اس کی شکل ایسی کیوں ہے ؟ ایسی کیوں نہیں ؟ جو کچھ اُستاد نے آپ کو بتایا آپ نے اسے بے چون وچرا BLINDLY قبول کر لیا ۔ پھر جب آپ کوئی مکان بنوانا چاہتے ہیں تو جو کچھ انجنیئر کہتا ہے آپ بغیر کسی بحث کے BLINDLY اسے قبول کر لیتے ہیں ۔ اسی طرح جب آپ کا کوئی مقدمہ ہوتا ہے تو آپ وکیل کے مشورہ

---

[1] ڈاکٹر بھٹہ چاریہ اجمیر شریف کے ایک مشہور و معروف ڈاکٹر تھے ۔

پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کہتا ہے آپ بے چون وچرا اُس کو کر لیتے ہیں۔ آپ BLIND FAITH (اندھی تقلید) سے کس طرح بچ سکتے ہیں؟ دُنیا کی ہر بات میں آپ ماہرینِ فن کو BLINDLY FOLLOW کرتے ہیں (یعنی ان کے کہنے پر آنکھ بند کر کے چلتے ہیں) تو جب ہم مذہب کے معاملہ میں اسی اصول کو برتتے ہیں تو آپ کو کیا اعتراض ہے؟

اولیاء اللہ کا ذکر قرآن وحدیث میں

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ حقیقت سے بالکل بے بہرہ ہیں اور اپنے قیاس کی بنا پر انھوں نے اپنا ایک علیحدہ مذہب بنا لیا ہے۔ اور بس اُسی پر قائم ہیں۔ صحیح معنیٰ میں نہ تو فہمِ قرآن انھیں حاصل ہے اور نہ رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث سمجھ سکتے ہیں۔ نہ اولیاء کرام کے قائل ہیں اور نہ ان کی قوّتوں کو مانتے ہیں۔ اور جو کوئی ان سے تعلّق رکھے بس اُس کو کافر اور مشرک ٹھہرا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝	بلاشک وشبہ جو اللہ کے دوست ہیں نہ ان کے لئے کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اب سمجھنا یہ ہے کہ دوست کسے کہتے ہیں؟ دوست کی کیا تعریف ہے؟ ایک دفعہ ایک شخص حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا:

"مجھے آپ سے محبّت ہے اور میں آپ کا دوست بننا چاہتا ہوں۔"

آپ رضؓ نے فرمایا:

"تم نے اپنے قلب کو اچھّی طرح ٹٹول لیا ہے؟"

اُس نے کہا:

"جی ہاں۔"

آپؓ نے فرمایا :

"کیا تم یہ گوارا کر سکتے ہو کہ تمہاری عدم موجودگی میں میں تمہارے گھر آؤں اور جو کچھ میرا جی چاہے اُٹھا کر لے جاؤں ۔ ؟"

اُس نے کہا :

" جی نہیں ۔ میں اپنے دِل میں اس کے برداشت کی قوت نہیں پاتا ۔"

آپؓ نے فرمایا :

" تو تم جھوٹے ہو ۔ ابھی تمہاری محبت ناقص ہے ۔"

اَب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میرے دوست ہیں انھیں نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ غم ۔ دوست کا مرتبہ تو بہت بڑا ہے ۔ دوست جو چاہتا ہے اپنے دوست کے ہاں سے لے سکتا ہے ۔ ورنہ کیسی دوستی ۔

دُوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :

حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اَے نبی آپکے لئے اللہ اور آپکی پیروی کرنے والے مومنین کافی ہیں ۔

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ اللہ اور مومنین کافی ہیں ۔ یہ نہیں فرمایا کہ صرف اللہ کافی ہے ۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ خواجہ صاحب اور اللہ تعالیٰ کافی ہیں تو یہ لوگ اسے مشرک قرار دیتے ہیں ۔ کس قدر جہالت ہے ۔ حقیقتِ شرک سے تو واقف نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے طلب کرنا شرک ہے ۔ خود کیوں نوکر سے پانی طلب کرتے ہیں ؟ اور جب بیمار ہو جاتے ہیں تو کیوں ڈاکٹر سے اعانت چاہتے ہیں ؟ فرمانِ رسولؐ ہے :

انما انا قاسم واللہ یعطی ۔	اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں ۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے کہے گا :

"اَے پسرِ آدم میں بُھوکا تھا لیکن تم نے مجھے کھانا نہیں دیا۔"

آدمی عرض کرے گا:

"بارِ خدایا تو بھلا کیسے بھوکا تھا، تُو تو تمام جہان کا مالک ہے اور تجھے کھانے کی حاجت نہیں۔"

اللہ تعالیٰ کہے گا:

"تیرا بھائی بُھوکا تھا اگر تو نے اُس کو کھانا کھلا دیا ہوتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس سے پیار کرتا ہُوں حتیٰ کہ میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے میں اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سُنتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے پکڑتا ہے۔ میں اس کے پاؤں بن جاتا ہُوں اور وہ مجھ سے چلتا ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ مذہب سے بالکل نابلد ہیں۔ انھوں نے اپنا ایک الگ مذہب بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو نظام قائم کیا ہے یہ اسکے قائل نہیں ہیں۔

شدّتِ حُب ایمان کی علامت ہے

اس کے بعد فرمایا کہ دُوسری آیت جو ان لوگوں نے خارج از قرارت تو نہیں لیکن خارج از عمل کر رکھی ہے۔ یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔	جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید محبّت رکھتے ہیں۔

شدّتِ حُب کا دُوسرا نام عشق ہے۔ کیا ان لوگوں کو اللہ سے عشق ہے؟ ان کے اعمال سے ظاہر ہے کہ وہ صرف اپنے پیٹ کے عاشق ہیں۔ جب اللہ سے محبّت ہوتی ہے تو اس کے نام پر انسان سر کٹانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ حقیقتِ جہاد یہی ہے۔ اس میں سب نیکیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ اللہ کا عاشق اس کے راستہ میں سر کٹانے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

وہ نہ جھوٹ بولے گا۔ نہ چوری کرے گا۔ نہ صوم وصلوٰۃ ترک کریگا۔ شدّتِ حُب میں سب کچھ موجود ہے۔

اللہ کا ہم مذاق ہونا

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ ہمیں اولیاء اللہ سے محبّت ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی اولیاء کرام سے محبّت ہے۔ اَب ہم کس کے ہم مذاق ہوُئے جبکہ اولیاء اللہ سے ہم بھی محبت کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی محبّت کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ہم اللہ کے ہم مذاق ہوگئے۔ اور یہ بہت بڑا شرف ہے۔ جب ایک شخص تمہارا ہم مذاق ہوتا ہے تو تمہیں کس قدر اچّھا لگتا ہے۔ تم اس سے ملنے کے خواستگار رہتے ہو۔ اس کی خاطر کرتے ہو۔ اس کی عزّت کرتے ہو۔ اللہ کا ہم مذاق ہونا بہت بڑی بات ہے۔

شعائرُاللہ

اِرشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا طرزِ بیان بھی عجیب وغریب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ۔	صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

اَب من شعائرُ اللّٰہ کا کیا مطلب ہُوا؟ اس کا مطلب یہ نکلا کہ اور بھی شعائرُ اللہ یعنی اللہ کی نشانیاں ہیں۔ قرآن شریف میں اور موقعوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے شعائرُاللہ کی عظمتؔ و اہمیّت بیان فرمائی ہے۔ اَب صفا و مروہ کیوں شعائرُ اللہ ہیں؟ اس لئے کہ بی بی ہاجرہؓ جو نبی نہیں بلکہ ایک ولیہؔ تھیں ایک حالتِ خاص میں اس مقام پر پانی کی تلاش میں دوڑیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام شعائرُاللہ میں داخل فرمادیا۔ بس یہی وجہ ہے اور کوئی وجہ نہیں۔ جب ایک ولیہؔ کے قدموں کی برکت سے زمین کا ایک ٹکڑا شعائرُ اللہ بن جاتا ہے تو اَب آپ یہ بتائیں کہ جہاں انبیاء علیہم السّلام اور اولیاء کرام کے جسم موجود ہوں جس جگہ انھوں نے عمر بھر عبادتیں کیں۔ مجاہدے کئے۔ تو کیا ایسے مقامات کا شمار شعائرُاللہ میں نہیں ہوگا؟ لیکن یہ لوگ تو سیّد الانبیاءؐ کے بھی روضۂ مُبارک کی جالی کو چُومنے نہیں دیتے اور نہ ہاتھ لگانے دیتے ہیں۔ اگر مراقبہ میں سر جُھک جاتے تو سپاہی سر کو پکڑ کر اُونچا کر دیتا

ہے کس قدر جہالت ہے۔ قرآن تو پڑھتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں ہیں۔ بڑے جاہل ہیں۔

حضرت شہید کرمانیؒ

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت شہید کرمانیؒ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے پیر بھائی ہیں۔ آپؒ کا مزار مبارک نارنول میں ہے۔ (نزد ریاست پٹودی براستہ ریواڑی) فرمایا آپؒ شہید ہیں۔ آپ کے مزار پر بڑا جلال ہے۔ ایک دفعہ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ آپ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ آپ نے دیکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی قبر کے قریب ایک پتھر پر تشریف فرما ہیں اور شہید کرمانیؒ بھی آپؐ کے پاس موجود ہیں۔ اب لوگوں نے اس پتھر کے گرد کٹھرا بنا دیا ہے۔ جو کوئی کٹھرے کو پکڑ کر دعا مانگتا ہے، مراد پوری ہو جاتی ہے۔

فرمایا، ایک دفعہ ایک سائل حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"حضورؒ میرا یہ کام ذرا جلد کرا دیجئے۔"

آپؒ نے فرمایا:

"بھائی ہمارے ہاں تو دیر رہتی ہے اگر جلدی ہے تو میرے بھائی شہید کرمانی کے پاس جاؤ۔ وہ تمہارا کام جلد کرا دیں گے۔[ا]"

درویشوں کی ظاہری حالت پر اعتراض مناسب نہیں

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ اہل اللہ کی ظاہری حالت کو دیکھ کر ان پر نکتہ چینی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور نہ ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے فرمایا مولوی سعد اللہ صاحب (جو ڈھاکہ یونیورسٹی میں فارسی کے پروفیسر تھے) کہتے ہیں کہ ایک

[ا] "گلزار الابرار" میں صفحہ ۶۸ پر ان بزرگ کا ذکر "شیخ محمد ترک" کے نام سے ہے۔ اور "اخبار الاخیار" میں صفحہ ۴۶ پر دونوں میں کرمانی "نہیں" نارنولی "لکھا ہے۔ یہ شاید اس وجہ سے کہ شیخ اصلاً کرمانی ہوں لیکن نارنول میں سکونت اختیار کرنے کی بنا پر ان کو نارنولی کہنے لگے ہوں۔

مرتبہ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ میری ہمشیرہ بیمار ہوگئیں۔ بہتیرا علاج معالجہ کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہُوا۔ آخر حکیموں اور ڈاکٹروں نے انھیں لاعلاج قرار دے دیا۔ میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اُن سے دُعا کی درخواست کی۔ اُن بزرگ نے فرمایا:

"آپ رام پور جائیں۔ وہاں فلاں مقام پر فلاں حلیہ کے ایک صاحب بیٹھے ہوئے ملیں گے۔ ان کی کسی بات پر اعتراض نہ کرنا اور نہ ان کی کسی حرکت کو دیکھ کر دِل میں کراہیت پیدا ہونے دینا۔ آپ کو دیکھ کر وہ گالیاں دیں گے اور آپ کی طرف پتّھر پھینکیں گے لیکن اس کی بالکل پروانہ کرنا۔ وہ پتّھر آپکے آس پاس گریں گے۔ لگیں گے نہیں۔ جب ان کے قریب پہنچو تو ہمارا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ انھوں نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اور اپنا مدّعا بیان کرنا۔ اگر انھوں نے ہاتھ اُٹھا دیئے تو آپ کی بہن اچھی ہو جائے گی ورنہ سمجھ لو کہ اس بیچاری کے دن پُورے ہوچکے ہیں۔"

وہ کہتے ہیں کہ میں رام پور گیا اور اُن بزرگ کی بتائی ہوئی جگہ پر جاکر دیکھا تو ایک فقیر بیٹھے ہوئے نظر آئے جن کا حُلیہ وہی تھا جیسا کہ انھوں نے بیان کیا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی انھوں نے گالیاں دینی شروع کردیں اور کچھ پتّھر بھی پھینکے۔ لیکن مُجھے ایک بھی پتّھر نہیں لگا۔ میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اُن کے آگے ایک مٹّی کی ہانڈی رکھی ہوئی ہے جس میں کیڑے بلبلا رہے ہیں اور وہ مزے سے کھا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے کچھ کراہیّت آنے لگی لیکن معاً ان بزرگ کی ہدایت کا خیال آیا اور میں بہ کوشش اس کیفیت پر غالب آیا۔ قریب پہنچ کر میں نے عرض کیا:

"فلاں بزرگ نے سلام کہا ہے اور ایک کام کے سلسلے میں مجھے آپکی خدمت میں بھیجا ہے۔"

انھوں نے فرمایا:

"کہو کیا کام ہے۔؟"

میں نے عرض کیا:

"حضور میری بہن سخت بیمار ہے، براہِ کرم اس کی صحت کیلئے دُعا فرمادیں۔"

انھوں نے فرمایا:

"جاؤ گھر جاؤ تمہاری بہن تو اچھی ہوگئی ہے۔"

اَب دوبارہ جو میری نظر اُس ہانڈی پر پڑی تو دیکھا کہ وہ پلاؤ سے بھری ہوئی ہے۔ اور وہ فقیر صاحب پلاؤ کھا رہے ہیں۔ لیکن جب اُن سے رُخصت ہوا اور دو چار قدم چلنے کے بعد جو اُس برتن کی طرف دیکھا تو پہلے کی طرح وہی کیڑے نظر آنے لگے۔ بہرحال جب میں گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بہن بالکل تندرست ہے۔ مرض کے کوئی آثار نہ تھے۔ مزے سے چل پھر رہی تھی۔ جب میں نے والدہ سے اس کی بابت دریافت کیا تو انھوں نے بتایا:

"پہلے تو اس نے بھوک کی شکایت کی، پھر فلاں چیز کھانے کے لئے مانگی۔ میں نے بھی سوچا کہ بیچاری کی آخری خواہش پوری کردوں۔ بچنے کی کوئی اُمید تو نظر نہیں آتی۔ میں نے اس کے اصرار پر وہ چیز اسے کھلادی۔ کھاتے ہی اس میں یہ توانائی پیدا ہوگئی۔ اللہ نے اسے بغیر دوا کے شفا بخشی۔"

میں نے وقت پوچھا تو معلوم ہُوا کہ یہ عین اسی وقت ہوا جس وقت اُن درویش نے کہا تھا کہ وہ تو اچھی ہوگئی ہے۔

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ان حضرات کی ظاہری حالت دیکھ کر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ لوگ مقبولِ بارگاہ ہوتے ہیں[1]۔ ان کو بُرا کہنے سے ایمان خطرے میں

---

[1] اسی مضمون کی یہ حدیث ہے: رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ (مسلم) ترجمہ: کبھی ایک ایسا آدمی جس کے بال پراگندہ ہوں جو گرد و غبار سے اَٹا رہتا ہو اور دروازے سے دُھتکار دیا جاتا ہو اگر وہ اللہ کی قسم کھائے تو اللہ اس کو ضرور پورا کرتا ہے۔

پڑجاتا ہے۔ پس اس اصُول پر کاربند رہنا چاہیئے کہ اگر ہم کسی بُرے کو اچھا کہدیں تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں اور اگر کسی مقبول بندے کو لاعلمی سے بھی بُرا کہدیا تو پھر خیر نہیں! اس لئے کیوں خواہ مخواہ ان پر اعتراض کر کے اپنی عاقبت خراب کریں۔

عقلمندی کی علامت

ایک دفعہ ارشاد فرمایا: جب شیطان دیکھتا ہے کہ اللہ کے نیک بندہ پر اس کا داؤ نہیں چلتا تو وہ ایک اور چال چلتا ہے۔ وہ یہ کرتا ہے کہ اس کو اعلیٰ عبادت سے ہٹا کر ادنیٰ عبادت میں مشغول کر دیتا ہے۔ کیونکہ عبادت کے ادنیٰ اور اعلیٰ ہونے کی پہچان بہت مُشکل ہے۔ ایک دفعہ چند اولیاء کرام بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ رابعہ بصریہؒ بھی موجود تھیں۔ اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ عاقل کون ہے۔ سب نے کہا:

"عقلمند وہ ہے جو نیکی اور بدی میں تمیز کر سکے۔"

حضرت رابعہؒ نے فرمایا:

"غلط ہے۔ یہ کام تو کُتا بھی کر لیتا ہے۔ کُتے کی طرف ہڈی پھینکو تو آتا ہے اور پتھر پھینکو تو بھاگ جاتا ہے۔ یہ کون سی بڑی بات ہے۔"

سب نے کہا:

"اچھا آپ بتائیے۔ عاقل کون ہے؟"

انھوں نے کہا:

"عاقل وہ ہے جو دو نیکیوں میں تمیز کر سکے کہ ان میں افضل کون سی ہے! اور دو برائیوں میں تمیز کر سکے کہ ان میں سے بدتر کون سی ہے۔"

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ جب کسی میں یہ استعداد پیدا ہو جائے تو شیطان کا بس اُس پر نہیں چلتا۔

محفوظ راستہ

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ کشف و کرامات کا ظہور صفات میں مشغول رہنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ ذات میں مشغول رہے۔ یہ راستہ بہت آسان اور محفوظ ہے کشف و کرامات کی وجہ سے شیطان کو گمراہ کرنے کا موقعہ مل

جاتا ہے. فرمایا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ شیطان اپنا ہیولیٰ مثل نُور بنا کر تخت پر بیٹھے ہوئے حضرت غوث الاعظمؒ کے سامنے حاضر ہوا. اور اپنے آپ کو ذاتِ حق ظاہر کر کے کہنے لگا:

" اے عبدالقادر ہم تم سے بہت خوش ہیں تم کو عبادت معاف کی جاتی ہے، اب تمھیں مزید عبادت کرنے کی ضرورت نہیں۔ "

آپؒ نے فوراً لاحول پڑھی اور سارا منظر غائب ہو گیا۔ آواز آئی:

" آپ کے عِلم نے آپ کو بچالیا۔ "

آپؒ نے فرمایا:

" تو جھوٹا ہے مجھے میرے اللہ نے بچالیا۔ "

فرمایا شیطان بڑا چالباز ہے. جاتے جاتے بھی وار کر گیا کہ شاید اس سے آپؒ گمراہ ہو جائیں لیکن آپؒ نے اس کے اس وار کو بھی ناکام بنا دیا۔

رابعہ بصریؒ اور سفیان ثوریؒ

ارشاد فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ بیمار ہوئے تو ان کی عیادت کے لئے حضرت رابعہ بصریؒ تشریف لے گئیں. جب انھوں نے حال دریافت کیا تو حضرت سفیان ثوریؒ نے کہا:

" دَرد کے مارے سَر پھٹا جا رہا ہے۔ دُعا فرمایئے اللہ تبارک وتعالیٰ اِس دَرد کی تکلیف سے نجات دے۔ "

اِتنا سُننا تھا کہ حضرت رابعہ بصریؒ کا چہرہ غصّہ سے سُرخ ہو گیا۔ اور وہ اُٹھ کر چلی گئیں. جب حضرت سفیان ثوریؒ اچھے ہو گئے تو وہ انھیں راضی کرنے کے لئے اُن کے گھر گئے اور کہا:

" رابعہ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔ "

حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا:

" ایسا کہتے ہُوئے تمھیں شرم نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس ایک تحفہ بھیجا مگر تم نے اسے قبول نہیں کیا۔ تم تو اللہ سے راضی نہیں ہو اور چاہتے ہو کہ اللہ تم سے راضی ہو جائے. یہ کیسی باتیں کرتے ہو؟ "

حضرت اقدسؒ نے فرمایا، یہ تھا حضرت رابعہ بصریؒ کا مقام کہ سفیان ثوریؒ جیسے بزرگوں کو بھی سبق دیا کرتی تھیں۔

حضرت امیر خسروؒ

ایک مرتبہ حضرت امیر خسروؒ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ حضرت امیر خسروؒ بھی عجیب جامعیت کے مالک تھے۔ کئی بادشاہوں کے دربار سے اُن کا تعلق رہا جس کو نہایت خوبی سے نبھاتے رہے۔ شاعری اور موسیقی میں بھی اُستاد کامل تھے۔ رُوحانی کمالات میں بھی اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اِس کے علاوہ انھوں نے متعدد کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ اپنے شیخ کے ساتھ اُن کو بے انتہا محبت اور بہت ہی قوی نسبت تھی۔ ایک دفعہ کسی غیر مُلک کا ایک سوداگر حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا:

"سوداگری میں میرا بڑا نقصان ہُوا ہے۔ سب کچھ جاتا رہا۔ اس وقت میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

آپؒ نے اپنا ایک پھٹا پُرانا جُوتا اسے دے دیا۔ وہ عقیدت مند سوداگر کفش مُبارک لے کر چلا گیا۔ جب بنگال پہنچا تو ایک سرائے میں قیام کیا۔ حضرت امیر خسروؒ بھی وہاں موجود تھے۔ اپنے احباب سے فرمانے لگے:

"آج مجھے اپنے شیخ کی خوشبو آرہی ہے۔"

چنانچہ آپ کو جستجو ہُوئی۔ اتفاقاً اس سوداگر سے ملاقات ہوئی اور جب آپ کو واقعہ کا علم ہُوا تو آپ نے بڑی منت سماجت سے وہ جوتا اس سے حاصل کر لیا اور اس کے عوض بہت سی اشرفیاں پیش کیں۔ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ آپکو اپنے شیخ کے ساتھ کس قدر محبت اور کیسی قوی نسبت تھی۔

اِس کے بعد فرمایا کہ اُن کا وصال بھی عجیب طریقہ سے ہُوا۔ جب حضرت محبوب الٰہیؒ کا وصال ہوا تو حضرت امیر خسروؒ موجود نہیں تھے۔ لکھنوتی گئے ہُوئے تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا:

"ہمارے بعد جب خسروؒ آئیں تو انھیں فلاں جگہ سے آگے نہ آنے دینا۔ ورنہ ممکن ہے کہ ہم سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جس سے دُنیا کے نظام میں خلل واقع ہو جائے۔"

چنانچہ جب وہ سفر سے واپس آئے تو ان کو بتایا گیا کہ فلاں مقام سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ وہیں رُک گئے اور یہ شعر پڑھا ؎

گوری لیٹی سیج پر مُکھ پہ ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چَو دیس

یعنی محبوب مُنہ پر زلفیں ڈال کر سو گیا ہے اب خسرو تم اپنے گھر چلو، چاروں طرف اندھیرا چھا گیا ہے۔ اس کے بعد آپؒ گوشہ نشین ہو گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپؒ کا وصال ہو گیا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت محبُوب الٰہیؒ نے فرمایا ہے:

"قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ میرے لئے کیا لائے ہو، تو میں عرض کروں گا کہ خسرو کے دِل کا سوز۔"

شیخ عبدالقدوسؒ کا وجد

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے ایک مرید حج کرنے جا رہے تھے، تو آپؒ نے اُن سے فرمایا:

"جب تم روضۂ اقدس پر پہنچو تو میری جانب سے بھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں سلام عرض کرنا۔"

جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو اپنے شیخ کا سلام عرض کرنا بھول گئے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنی طرف متوجّہ نہ پایا۔ اَب وہ بے حد پریشان تھے سوچ میں پڑ گئے کہ مجھ سے ایسی کیا خطا سرزد ہُوئی ہے کہ حضورؐ کے التفات سے محروم ہوں۔ اسی کرب و بے چینی کی حالت میں اُن پر نیند طاری ہوئی اور خواب میں انھوں نے دیکھا کہ حضور صلّی اللہ

علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور اُن سے فرما رہے ہیں :

"اُپنے پیر کا سلام ہمیں نہیں پہنچایا ؟ بھول گئے ؟"

یہ جب بیدار ہوئے تو فوراً روضۂ اطہر پر حاضری دی اور اپنے شیخ کا سلام حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ جس کے جواب میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔"

چنانچہ جب وہ سفر سے واپس آئے اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت شیخؒ نے دریافت فرمایا :

"کیوں بھائی ہمارا سلام عرض کیا تھا ؟"

انھوں نے کہا :

"جی ہاں، آپؒ کا سلام پیش کر دیا تھا۔ اور جواباً رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کو سلام پہنچانے کا مجھے حکم فرمایا ہے۔"

حضرت شاہ عبدالقدّوس گنگوہیؒ نے فرمایا :

"بھائی خیانت نہ کرو۔ وہی فقرہ دُہراؤ جو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مُبارک سے ادا ہوا تھا۔"

چنانچہ مجبوراً انھیں اُس فرمان کا اعادہ کرنا پڑا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا :

"اپنے بدعتی پیر سے ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔"

اِتنا سُنتے ہی آپؒ پر کیفیت طاری ہوئی اور آپ رقص فرمانے لگے۔ دورانِ رقص یہ شعر آپ کے وردِ زبان تھا ؎

بدم گفتی وخورسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا (حافظؒ)

یہ کیفیتِ وجد آپؒ پر سات روز طاری رہی۔ "بدعتی" کے لفظ سے یہ نہ سمجھیں کہ آپ خدانخواستہ بدعتی تھے۔ بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ آپ کے دَور میں بعض زاہدانِ خشک نے

آپ کو "بدعتی" مشہور کر رکھا تھا۔ اور آپ اس پر خوش تھے کیونکہ آپ اس لفظ کو اپنے لئے "ملامت کی چادر" تصور فرماتے تھے۔ اب جبکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے از روئے مزاح "بدعتی پیر" فرمایا، تو آپ پر وجد طاری ہونا ناگزیر تھا۔

کشفِ کونی و کشفِ حقائق

فرمایا کہ شمامۃ العنبر (ملفوظات حضرت مولانا وارث حسن شاہ صاحبؒ) میں تم نے نہیں پڑھا کہ جس وقت احمد شاہ ابدالی ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو مرہٹوں کے ساتھ لڑائی سے پہلے وہ دہلی میں مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"حضور جنگ کے نتیجہ کے متعلق مجھے آگاہ فرما دیجئے۔"

آپؒ نے فرمایا:

"تجھے شکست ہوگی۔"

وہ دعا کی درخواست کر کے چلا گیا اور ان کے ہم عصر شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی عرض کیا۔ انھوں نے فرمایا:

"تجھے فتح ہوگی۔"

غرض بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی اور آخر احمد شاہ ابدالی کی فوج نے فتح پائی اور مرہٹے بھاگ گئے۔ اس کے بعد وہ پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بغیر اس کے کہ حضرت مرزا صاحبؒ پر کوئی اعتراض کرے، دریافت کیا:

"حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ مرزا صاحبؒ نے فرمایا کہ تجھے شکست ہوگی۔ حالانکہ ہوا اس کے برعکس۔"

شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"ان کا کشف بھی صحیح تھا اور ہمارا بھی صحیح تھا لیکن ہمیں از قسم کشفِ حقائق ہوا تھا اور ان کو از قسم کشفِ کونی۔ ہم دونوں کو یہی انکشاف ہوا کہ "دکن والوں کو فتح ہوگی"۔ انھوں نے اپنا تھوڑا سا اجتہاد شامل کر کے

سمجھ لیا کہ چونکہ مرہٹے دکنی ہیں کامیابی انہی کو حاصل ہوگی۔ ہمیں بھی وہی کشف ہُوا لیکن کیونکہ از قسم کشفِ حقائق تھا، میں نے جب اصل سے فروع نکالیں تو معلوم ہُوا کہ میدانِ جنگ میں دکن کی جانب تیری فوج ہے۔ پس میں نے نتیجہ نکال لیا کہ تُو کامیاب ہوگا۔"

شغل سہ پایہ اور شغل سر گوشی

ارشاد فرمایا کہ شغل سہ پایہ مدینہ طیبہ میں رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خواجہ غریب نوازؒ کو تعلیم فرمایا۔ اور جب آپ بغداد گئے تو آپ نے یہ شغل حضرت غوث الاعظمؒ کو تعلیم فرمایا۔ قادری حضرات اس شغل کو دائرۂ قادریہ کہتے ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے بھی شغل سر گوشی جو انھیں رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عطا ہُوا تھا، خواجہ غریب نوازؒ کو تعلیم فرمایا۔ شغل سر گوشی میں یہ ہوتا ہے کہ ایک خاص چیز کان میں کہہ دی جاتی ہے۔

سُلطان الاذکار

ارشاد فرمایا کہ جب لطائفِ ستّہ زندہ ہو جاتے ہیں تو ان سب پر ذِکر جاری ہو جاتا ہے۔ اسی کو سُلطان الاذکار کہتے ہیں۔

۲۹ر اپریل ۱۹۴۶ء۔ اجمیر شریف

لطیفۂ خفی

ارشاد فرمایا کہ لطیفۂ خفی کا نام لطیفۂ قالبیہ بھی ہے۔ یہ رُوح کا مرکز ہے۔ اس کا مقام پیشانی ہے۔ فیضان پہلے اسی جگہ ہوتا ہے۔ یہاں سے بقیہ تمام لطائف کو پہنچتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچّے کے اندر رُوح اسی جگہ سے ڈالی جاتی ہے۔ اور مرتے وقت رُوح سب سے آخر میں یہیں سے نکلتی ہے۔ نقش بندی حضرات اسے لطیفۂ نفس کہتے ہیں۔ یہاں نفس کے معنی روح کی اصل اور نچوڑ کے ہیں نہ کہ نفس امّارہ کے۔ یہ سب اصطلاحی فرق ہے۔ اصل ایک ہے۔

فناء الفنا

اِس کے بعد احقر نے عرض کیا کہ مراقبۂ فنا میں فنا کا احساس رہتا ہے یا نہیں؟ ارشاد فرمایا ، احساس رہتا ہے۔ احساس اُس وقت ختم ہوتا ہے جب فنا کا خیال بھی باقی نہ رہے۔ اس مقام کا نام فناء الفنا ہے۔ یعنی فنا کا فنا ہو جانا۔ اور یہ بقا کا دروازہ ہے۔ فناء الفنا نیند کی مانند ہے۔ جیسے نیند میں نیند کا احساس نہیں رہتا۔ یعنی سونے والا یہ نہیں جانتا کہ میں سو رہا ہوں۔ اسی طرح مقام فناء الفنا میں فنا کا احساس نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی خبر بھی مطلق نہیں رہتی۔

دینِ الٰہی کی تکمیل

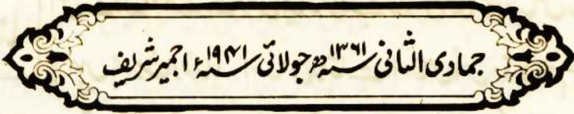
ارشاد فرمایا۔ نفس اسمِ ذات سے مغلوب ہوتا ہے۔ جب سالک مراقبۂ ذات کرتا ہے۔ تو قسم قسم کی صُورتیں سامنے آتی ہیں۔ اِن سب کی نفی کر کے تجلّیِ حق کا منتظر رہنا چاہیئے۔ جب تجلّیِ حق ہوتی ہے تو اس پر محویت طاری ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ سالک دُنیا و مافیہا کو بھُول جاتا ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو بھی بھُول جاتا ہے۔ اسے فنا کہتے ہیں۔ فنا کے بعد فناء الفنا یا بقا کا مرتبہ ہے۔ یہ سلوک کا آخری مقام ہے۔ تمام مذاہب کے اہلِ باطن کے نزدیک فنا آخری منزل ہے۔ لیکن اِسلام نے بقا بعد الفنا کو آخری منزل قرار دیا ہے۔ اِس طرح اسلام نے دائرہ کی تکمیل کر دی ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ.	آج ہم نے تمہارے دین کی تکمیل کر دی اور تم پر اپنی نعمتوں کو مکمل کر دیا۔

اس سے دین و سلوک کا آخری مقام مراد ہے۔ بقا باللہ مقام عبدیت ہے۔ اس مقام پر آدمی فنا سے نِکل کر دُنیا کے کاروبار کرتا ہے۔ شادی بیاہ کرتا ہے اور تمام فرائض ادا کرتا ہے۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے :

"ایک محل عرصہ سے بنتا چلا آ رہا تھا۔ ایک اینٹ کی کسر تھی۔ میں اس محل کی وہی اینٹ ہوں۔"

اِس حدیث میں اسی حقیقت کی جانب اِشارہ ہے۔



ذات کے ۲ دو پہلو

حضرت شاہ شہید اللہ صاحب سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرتِ اقدسؒ سے دریافت کیا :

"ذاتِ باری کے انوار کو سیاہ اور سفید رنگوں سے تعبیر کرتے ہیں تو اِن دونوں میں کیا فرق ہے ؟"

ارشاد فرمایا "سفید رنگ سے مراد ذات بحیثیت جامعِ اسماء و صفات ہے۔ چونکہ سفید رنگ سب رنگوں کی اصل ہے۔ یہ ذات کا ظاہری پہلو ہے۔ سیاہ رنگ سے مراد ذاتِ خالص یا ذات بحت بلا تعینِ اسماء و صفات ہے۔ یہ ذات کا باطنی پہلو ہے۔"

میں نے عرض کیا :

"اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ باطنی پہلو ظاہری پہلو کی نسبت ارفع و اعلیٰ ہے"؟

فرمایا :

"نہیں یہ صرف اعتبارات ہیں۔ ایک کو دوسرے سے ارفع نہیں کہا جا سکتا۔"

خلفائے راشدین

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا : شریعتِ محمدیؐ میں تمام امور کا انحصار ان چار چیزوں پر ہے۔ قرآن۔ سنّت۔ اجماع اور قیاس۔ اگر کوئی بات قرآن اور سنّت میں نہ مل سکے تو اجماعِ امّت (یعنی جس بات پر اُمّت متفق ہوئی ہو) دیکھا جاتا ہے۔ اگر اس بات پر اجماع نہ ہوا ہو تو قیاس سے کام لیا جا سکتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اجماع کا مطلب صرف صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ہے اور وہ اسی کو مستند سمجھتے ہیں۔ بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے :

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ	تم کو لازم ہے قائم رہنا میری سنّت پر اور

خُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ بَعْدِی۔ | میرے بعد آنیوالے ہدایت یافتہ قائم مقام (خلفاء راشدین) کے طریق پر۔

اِس کے معنی یہ ہیں کہ خواہ خلفاء راشدین کے آپس میں اختلافات ہی کیوں نہ ہوں ان میں سے کسی ایک کی پیروی کرنا صحیح مسلک ہے۔ پھر فرمایا خلفائے راشدین کے زمانے میں اجتہاد شروع ہوگیا تھا۔ اب ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد اجتہاد کی بدرجۂ اولیٰ ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں شرابی کے لئے چالیس دُرّوں کی بجائے اسّی دُرّے مقرر کئے تھے۔ اور طلاق کے مسئلہ میں ترمیم کردی تھی۔ پہلے تین طلاق ایک ایک ماہ کے بعد دینا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اور اگر کوئی بیک وقت تین طلاق دیتا تو ایک ہی سمجھی جاتی تھی۔ لیکن چونکہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر طلاق دینے لگے تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے حکم دے دیا:

"آئندہ اگر کوئی شخص ایک ہی وقت میں بھی تین مرتبہ طلاق کے الفاظ کہے گا تو تین طلاقیں پڑجائیں گی۔"

چنانچہ آج تک یہی حکم جاری ہے لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر کوئی بیک وقت تین طلاق دے تو طلاق مطلق تو ہو جاتی ہے لیکن وہ شخص گنہگار ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسا کرنا تقویٰ کے خلاف ہے۔

اِس کے بعد فرمایا: خلفاء کے معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب جو اصحابِ رُشد ہیں یعنی جن کے سپرد خدمتِ ارشاد ہے۔ اس لحاظ سے شیخ بھی خلیفۂ راشد ہے۔ یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم خلافتِ راشدہ دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ ویسی رعایا کہاں سے لاؤ گے؟ اُس وقت کی رعایا تو صحابۂ کرامؓ تھے اب ویسے لوگ کہاں ہیں۔ ان لوگوں کو صرف کتابی علم ہے لیکن عملی ملکہ بالکل نہیں ہے۔ تجویزیں بہت پیش کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ قابلِ عمل بھی ہیں یا نہیں۔

اپنے اوپر سختی کرو

حضرت شاہ شہید اللہ صاحب نے بیان کیا کہ ایک موقعہ پر حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ ہم کسی سے کہتے ہیں اللہ کے حکم سے کہتے

ہیں لیکن ھم کسی پر سختی نہیں کرتے۔ کیونکہ سختی کرنا ہمارے مزاج کے خلاف ہے۔ اس لئے تم لوگوں کو چاہیئے کہ خود اپنے اوپر سختی کرو ورنہ گھر چلے جاؤ۔

فلسفہ والہام ایک دفعہ احقر اور حضرت شاہ شہید اللہ صاحب حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت شہید اللہ صاحب نے مولانا عبید اللہ سندھی کی کتاب "شاہ ولی اللہؒ صاحب اور ان کی سیاسی تحریک" حضرت اقدسؒ کو دکھائی۔ حضرتؒ نے فرمایا، انھوں نے ایک اور کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ"۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو علم نہیں ہے کہ فلسفہ اور الہام میں کیا فرق ہے فلسفہ انسانی دماغ کا اختراع ہے۔ لیکن الہام اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتا ہے۔ فلسفہ دماغ کی REASONING (استدلال) کا نام ہے۔ لیکن ان بزرگوں نے جو کتابیں لکھی ہیں وہ ذہنی استدلال کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القا اور کشف ہیں۔ اس لئے ان کو فلسفہ نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح لوگ قرآن کا فلسفہ کہتے ہیں حالانکہ قرآن شریف وحی ہے فلسفہ نہیں ہے۔

واضح اشارات حضرت شاہ شہید اللہ صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ بعض اوقات سالک کو غیب سے واضح اشارات ملتے ہیں۔ اُن پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ یہ اشارات ملنے کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔

مبہم اشارات ایک دفعہ کسی نے عرض کیا کہ حضور بعض اوقات غیب سے اشارات ملتے ہیں۔ مثلاً پرندوں کی آواز کے ذریعے یا کسی اور طرح سے لیکن بعض سمجھ میں آجاتے ہیں اور بعض نہیں آتے۔

ارشاد فرمایا، ہاں ایسا ہوتا ہے۔ یہ ان کی مہربانی ہے کہ ہدایت فرما دیتے ہیں۔ لیکن بعض اشارات کا سمجھنا واقعی مشکل ہوتا ہے۔ خیر ایسی صورت میں ان مبہم اشارات کی طرف زیادہ توجہ نہ دو بلکہ اپنے مشاغل کی طرف زیادہ متوجہ رہو۔ انشاءاللہ ان مشاغل

کی برکت سے چاہے کتنے ہی مبہم اشارات ہوں سمجھ میں آجائیں گے۔

رُوحانیت میں پاکیزگی کا معیار

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک لڑکا حضرت باقی باللہؒ کا مُرید تھا۔ ایک دن اس نے حضرت سے کثرتِ کشف کی شکایت کی عرض کیا:

"حضور مجھ سے تو اب کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ ہر وقت اہلِ دلّی کے قلوب میرے سامنے رہتے ہیں۔ اور سب کے حالات کا اِنکشاف مجھ پر ہوتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے رجوع الی اللہ میں بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔"

آپؒ نے نان بائی سے روٹی منگوا کر اُسے کھلادی۔ روٹی کھاتے ہی کشف کی یہ حالت جاتی رہی۔ فرمایا، نان بائی یہ احتیاط تھوڑی کرتے ہیں کہ آٹا کیسا ہے۔ کہاں سے آیا ہے۔ طہارت کا خیال بھی نہیں کرتے۔ اِس لئے اُس کھانے کی کثافت کے جسم میں داخل ہوتے ہی مُرید کا کشف زائل ہو گیا۔

شرفِ صحبت

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا: حضرت غوث الاعظمؒ نے ایک مرتبہ فرمایا:

"صحابہؓ میں سے حضرت معاویہؓ کو بعض لوگ بہت زیادہ ہدفِ ملامت بناتے ہیں لیکن اگر اُن کے گھوڑے کی ٹاپوں کا غبار بھی میرے دامن پر پڑ جائے تو مجھے اپنے جنّتی ہونے کا یقین ہو جائے۔"

فرمایا۔ صحابہٌ کرامؓ کو یہ شرف صحبتِ رسولؐ سے حاصل ہُوا، عبادت و ریاضت سے نہیں۔ اصل چیز صحبت ہے۔ اگر تم لوگ مجاہدہ نہیں کر سکتے تو کم از کم صحبت ہی اختیار کر لو۔ اگلے زمانہ میں لوگ یہ نہیں پوچھتے تھے کہ کہاں تک تعلیم پائی ہے۔ بلکہ یہ پوچھتے تھے کہ کسے دیکھا ہے؟ کس کی صحبت اختیار کی ہے؟

فیضانِ رسُول صلعم کی خصوصیت

ارشاد فرمایا، رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فیضان میں یہ خصوصیت ہے کہ یہاں

ظرف بھی ملتا ہے اور مظروف بھی۔ یعنی برتن بھی ملتا ہے اور برتن میں ڈالنے کی چیز بھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی مجذوب روضۂ اطہر پر حاضر ہوتا ہے تو اس کا جذب ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے برتن کو وسیع کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ ہوش میں آجاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ہمارے مولٰنا صاحبؒ پر جذب طاری ہوا اور کافی عرصہ تک رہا۔ آپؒ کے ایک دوست نے آپ کے ساتھ یہ بھلائی کی کہ آپ کو مدینہ طیبہ لے آئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو جذب جاتا رہا۔ حضور غریب نوازؒ کے فیضان میں بھی اس صفت کا عکس ہے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ چونکہ نائب رسولؐ ہیں۔ اس لئے فیضان کی نوعیت میں بھی بحفظ مراتب مماثلت پائی جاتی ہے۔ ہر شخص کو اپنے ظرف کے مطابق ملتا ہے بلکہ جس کا ظرف چھوٹا ہوتا ہے اسے بڑھا دیا جاتا ہے۔ دربار خواجہؒ میں کبھی کبھی روضۂ اطہر کی سی خوشبو آتی ہے۔ ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ درگاہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ روضۂ اطہر کی ایک کیاری ہے۔

مدینہ طیبہ

امام مالکؒ کی روش

ارشاد فرمایا، حضرت امام مالکؒ نے کئی برس مدینہ طیبہ میں درس دیا۔ ہر روز ہاتھ باندھ کر روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور جب اجازت ملتی تھی تو جا کر مسجد نبویؐ میں درس دیتے تھے۔ مدینہ سے باہر دعوت قبول نہیں کرتے تھے اس خیال سے کہ اگر کہیں موت آگئی تو مدینہ طیبہ میں دفن ہونے سے محروم نہ ہو جاؤں۔ آپؒ مدینہ کی گلیوں میں ادباً کبھی گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے۔ آپ کو جب کوئی پرانی دیوار نظر آتی تھی تو اسے بوسہ دیتے تھے اس خیال سے کہ شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک اس دیوار سے مس ہوئی ہو۔ یہ تھی ان کی مبارک روش۔ ہم تو انھیں بزرگوں کی روش پر ہیں۔ مگر یہ لوگ اپنی کج فہمی

کے باعث منحرف ہو گئے ہیں۔

تم کہو گے تو پِٹ جاؤ گے

ایک دفعہ اِرشاد فرمایا کہ مہرولی شریف میں ایک بزرگ تھے جو ہمیشہ اپنے حجرہ ہی میں رہا کرتے تھے اور باہر اُس وقت آتے تھے جب انھیں کوئی تکلیف ہوتی تھی۔ ایسے موقعہ پر رات کے وقت باہر آکر ٹہلا کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے :

"مار دے۔ کچل دے۔ برباد کر دے۔ میں تیرا کیا بگاڑ سکتا ہوں۔ کوئی برابر والا ہوتا تو اور بات تھی۔ میں ایک غریب مسکین میں کیا کر سکتا ہوں"۔

بس ان کی تکلیف دُور ہو جاتی تھی اور وہ اپنے حجرہ میں چلے جاتے تھے۔ ایک شخص نے ہم سے کہا :

"ہم بھی اب یہی کہا کریں گے۔"

ہم نے کہا :

"خبردار! ایسی حرکت نہ کرنا۔ پِٹ جاؤ گے۔ اللہ کے ساتھ اُن کا جو کھاتا کُھلا ہوا تھا اُس بنیاد پر وہ اس طرح کہہ سکتے تھے۔ تم کہو گے تو پِٹ جاؤ گے۔ اِنسان کو چاہیئے کہ اپنا کھاتہ پہچانے۔ اور یہ بہت مشکل ہے۔ اِس میں بہت دیر لگتی ہے۔"

فرمایا :

" IT IS NOT A MATTER OF DAYS
IT IS A MATTER OF YEARS. "

یعنی یہ بات دِنوں میں نہیں سالوں میں معلوم ہوتی ہے۔

آلِ رسُولؐ کے تین درجے

اِرشاد فرمایا کہ آلِ رسُولؐ کے تین درجے ہیں۔ ایک وہ جو خاتونِ جنّت رضؓ کی اولاد پر مشتمل ہے۔ دُوسرا درجہ اُمّتِ محمّدیہ کے افراد پر مشتمل ہے۔ کیونکہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُمّت کے ہر فرد

کو اپنا فرزند قرار دیا ہے۔ اور تیسرے درجہ میں تمام کائنات شامل ہے۔ کیونکہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے:

"پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے تمام کائنات پیدا کی۔"

اِس لحاظ سے تمام کائنات کا وجود آپؐ کے وجود سے ہے۔ اور اولاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

اِس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ ہم خاتونِ جنّتؓ کی اولاد ہونے کی وجہ سے پہلے درجہ میں ہیں۔ لیکن ہمیں قرآن کی اِس آیت سے ڈر لگتا ہے۔ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۔ حضرت نوحؑ علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے اعمال غیر صالح ہیں۔"

اَب اس میں تو کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ وہ لڑکا حضرت نوحؑ علیہ السّلام کا حقیقی بیٹا تھا لیکن صرف برے اعمال کی وجہ سے اس کو درجۂ اولاد سے خارج کر دیا گیا۔ اس لئے ہمیں اس آیت سے ڈر لگتا ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت بندہ نواز سیّد محمد گیسو درازؒ نے لکھا ہے:

"جن لوگوں کو خدمت ارشاد سپرد ہوتی ہے ان کی نجات ضرور ہوتی ہے۔"

مصیبت دُور کرنے کا ایک طریقہ

اِس کے بعد فرمایا کہ چونکہ تمام کائنات رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نور سے پیدا کی گئی ہے۔ اِس لئے جب کہیں وبا آئی ہو یا آفت آنے والی ہو اور لوگ مِل کر کثرت سے درود شریف پڑھیں تو مصیبت دُور ہو جاتی ہے۔

فضل الحق برکلے کے سوالات

فضل الحق برکلے ایک نومسلم انگریز تھے جو ایک دفعہ حضرتِ اقدسؒ سے اجمیر شریف میں ملے تھے۔

اِرشاد فرمایا کہ ایک دفعہ وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے :

" لوگ کہتے ہیں کہ خواجہ صاحبؒ ہمارا دین و ایمان ہیں کیا یہ کہنا شرک نہیں ہے ؟ "

میں نے کہا :

" آپ اِتنے سخت اور کھرے کیوں ہو گئے ہیں۔ کیا آپ اقلیدس کی تھیوری نہیں جانتے :۔

IF TWO THINGS ARE EQUAL TO THE SAME THING THEY ARE EQUAL TO EACH OTHER

یعنی اگر دو چیزیں ایک ہی چیز سے مساوی ہیں تو وہ ایک دوسرے سے مساوی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ خواجہ صاحبؒ کا دین و ایمان ہے۔ اَب اگر خواجہ صاحبؒ ہمارا دین و ایمان ہیں تو اس کا یہی مطلب ہے کہ دراصل اللہ تعالیٰ ہمارا دین و ایمان ہے ۔ "

یہ سُنکر وہ کہنے لگے :

" آج میں اپنے آپ کو ایک نئی دُنیا میں محسوس کر رہا ہوں ۔ "

اِس کے بعد فضل الحق برکلے نے دریافت کیا :

" یہ جو لوگ درگاہ میں جاکر سجدہ کرتے ہیں ان کو آپ کیا سمجھتے ہیں ؟ "

ہم نے کہا :

" سجدہ کرنے کی ایک خاص ہیئت ہے اور جب تک وہ ہیئت پُوری نہ ہو سجدہ نہیں ہوتا۔ یعنی ناک، پیشانی ، دونوں ہاتھ ، دونوں گھٹنے ، دونوں پاؤں زمین پر ہوں تو سجدہ ہوتا ہے اگر ان میں سے ایک بھی زمین پر نہ ہو تو سجدہ نہیں ہوتا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کا تم ذِکر کر رہے ہو وہ واقعی سجدہ کر رہے

ہیں یا نہیں ۔سجدہ کے لئے دُوسری ضروری بات نیّت ہے ۔جب تک سجدہ کی نیّت نہ ہو سجدہ نہیں ہوتا ۔ہاں اگر واقعی کوئی ان سب شرائط کے ساتھ سجدہ کرتا ہے تو یہ ناجائز ہے لیکن اگر کوئی شخص غلبۂ محبّت سے مغلوب ہو کر مزار کے سامنے سر رکھ دے تو وہ معذور ہے ۔ بغیر مغلوبیت کے ایسا کرنا ٹھیک نہیں ۔"

پھر فرمایا جب شیخ سعدیؒ ہندوستان آئے تو سومنات دیکھنے کے لئے گئے ۔ وہاں جاکر دیکھا کہ لوگ بُت سے دُعائیں مانگتے ہیں اور بُت ان کو جواب دیتا ہے ۔اَب وہ حیران ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے ۔اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ٹھہر گئے اور سادھوؤں کا لباس اِختیار کیا ۔ایک دِن موقعہ پاکر دیکھ لیا کہ بُت اندر سے کھوکھلا ہے اور اس کے اندر ایک آدمی چُھپ جاتا ہے جو لوگوں کے سوالوں کے جواب دیتا ہے ۔ایک دفعہ آپ رات کو مندر کے اندر رہ گئے اور اس آدمی کو قتل کر دیا ۔اَب وہ آواز بند ہو گئی ۔شیطان کو بہت غصّہ آیا کیونکہ انھوں نے اُس کے داؤ کو بیکار کر دیا ۔شیطان آدمی کی شکل اِختیار کر کے ان کے پاس آیا اور کہنے لگا :

"کیا آپ یہ نہیں مانتے کہ اللہ ہر چیز میں ہے ؟"

سعدیؒ نے جواب دیا :

"ہاں ہم مانتے ہیں ۔"

اُس نے کہا :

"تو پھر بُت کے آگے سجدہ کیوں نہیں کرتے ؟"

انھوں نے کہا :

"ہمارے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم تمام عارفوں کے سردار ہیں ۔ انھوں نے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی مخلوق کے سامنے سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے ۔"

یہ سُنکر فضل الحق برکلے بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے :

"آپ نہایت صحیح ANGLE OF VISION (زاویہ نظر) سے ہر چیز کو دیکھتے ہیں ۔"

یورپ میں تبلیغ کا طریقہ

فرمایا کہ جب ڈاکٹر زین العابدین امریکہ سے ہندوستان واپس آئے تو انھوں نے حضرت مولینا قاری شاہ سلیمان صاحبؒ سے عرض کیا :

"امریکہ میں تبلیغِ دین کا زرّین موقعہ ہے ۔ آپ اگر وہاں تشریف لے جائیں تو بہت سے لوگ ہدایت پاسکیں گے ۔"

لیکن شاہ سلیمان صاحبؒ نے بعض وجوہ کی بنا پر وہاں جانے سے معذوری ظاہر کی۔ فرمایا کہ ہمارا بھی عرصہ سے خیال تھا کہ وہاں جاکر عملاً ان لوگوں کو دکھانا چاہیئے کہ مسلمانوں کی رُوحانیت میں کیا طاقت ہے ۔مثلاً بیمار کو توجہ سے اچھا کردیا ۔میاں بیوی کے درمیان تعلّقات اچھے کرادیئے ۔ ان باتوں کا عوام پر بڑا اثر ہوتا ہے LITERARY (ادبی) مضامین اور MAGAZINES (رسائل) سے تو اُونچے طبقہ کے لوگوں کے خیال میں تبدیلی پیدا کی جاسکتی ہے ۔عوام کے لیئے یہ ضروری ہے کہ انسان خود جاکر ان کے درمیان رہے اور ان کو اپنی طرف متوجّہ کرے ۔

احقر نے عرض کیا :

"حضور تو تشریف نہیں لے جاسکتے (حضرت) شہید اللہ صاحب اِس کام کے لیئے بہت موزوں ہیں ۔ اگر حضور مناسب سمجھیں تو یہ خدمت انکے سپرد فرمادیں ۔"

اِرشاد فرمایا، یہاں کا کام بالکل بند ہوجائے گا ۔یہ تو بہت مُشکل ہے کہ کنواں بھی خود کھودو۔ ڈول بھی لاؤ۔ اور پانی بھی خود ہی نکال کر پلاؤ ۔یہ سب کام تو ہم سے نہیں ہوتے ۔اس میں بہت سرمایہ کی ضرورت ہے ۔ اگلے زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ ایک شاہ صاحب پیدل روانہ

ہوئے اور کسی گاؤں کے قریب پہنچ کر ایک درخت کے نیچے کمبل بچھا کر بیٹھ گئے۔ چند دِنوں کے بعد ان کی شہرت ہوگئی۔ لوگ ان کی خدمت میں آنے جانے لگے۔ اس سے انھیں تبلیغ کا اچھا موقعہ مِل جاتا تھا۔ لیکن اَب یورپ جانے کے لئے کافی مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ کسی نے اخبار میں ایک مضمون شائع کیا تھا کہ آج کل اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جو چوتھے آسمان سے اُتر کر انگلستان میں داخل ہوں تو ان سے دریافت کیا جائے گا کہ آپ کے پاس واپس جانے کا کرایہ ہے یا نہیں؟ یہاں رہنے کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اتنا سرمایہ نہیں ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ مہربانی فرما کر آپ واپس تشریف لے جائیں۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ڈاکٹر ٹیگور کو اسی بناء پر وہاں سے واپس کر دیا گیا تھا جب وہ وہاں پہنچے تو ان سے یہی دریافت کیا گیا:

"واپسی کا کرایہ ہے یا نہیں؟ اور یہاں قیام کے لئے کتنا روپیہ آپ کے پاس ہے؟"

ٹیگور نے یہ بتانے سے اِنکار کیا اور کہا:

"تمہارے یہ سوالات آدابِ مہمان نوازی کے خلاف ہیں۔"

لیکن ان لوگوں نے اِس بات کی کچھ پروا نہیں کی اور انھیں واپس بھیج دیا۔ فرمایا، اِس حالت میں جب تک کافی سرمایہ نہ ہو یہ کام کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ کام تو ایک اچھی خاصی جماعت ہی کے ذریعہ انجام پا سکتا ہے۔

نیک نگاہی

فرمایا حضرت بندہ نواز سیّد محمد گیسو درازؒ کا ایک شعر ہے جس کا مصرع ثانی یہ ہے ؎

"چوں نیک نگہ کردم او را ہمہ خود دیدم"

فرمایا یہی نیک نگاہی اصل چیز ہے۔ یہی تمام مجاہدات کا ماحصل ہے۔ اگر یہ نہیں تو تمام مجاہدات بے کار ہیں۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت سرمد علیہ الرحمۃ کی ایک رُباعی ہے ؎

سرمد اگرش وفاست خود می آید
ور آمدنش رواست خود می آید
بیہودہ چرا درپئے او می گردی
بنشیں! اگر او خداست خود می آید

ترجمہ: اے سرمد اگر اس میں وفا ہے تو خود آئے گا۔ اور اگر اس کا آنا جائز ہے تو وہ خود آئے گا۔ اس کے پیچھے فضول سرگردانی کیوں کرتے ہو۔ بیٹھ جاؤ اگر وہ خدا ہے تو خود آئے گا۔ (خُدا مرکب ہے خود آسے جسکے معنی ہیں خود آنے والا)

مطلب یہ ہے کہ اب ہم سارے کام چھوڑ کر دوست کے دروازہ پر بیٹھ گئے ہیں۔ کسی نے اس رُباعی پر اعتراض کیا کہ مجاہدہ چھوڑ کر بیٹھ جانا کہاں دُرست ہے۔ لیکن ان کو یہ نہیں معلوم کہ درِ دوست پر جم کر بیٹھ جانا بھی تو ایک مجاہدہ ہے۔ جب تمام راستے طے ہو چکے تو بس یہی کام باقی رہ گیا کہ دوست کے دروازہ پر بیٹھ جائیں اور دروازہ کھلنے کے منتظر رہیں۔

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں:

"میں نے تیس۳۰ سال تک اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر انتظار کیا، تیس۳۰ سال کے بعد دروازہ کھلا۔"

فرمایا بندہ کا کام یہیں ختم ہو جاتا ہے یعنی جب وہ دروازے پر پہنچ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اب اللہ کی مرضی جب بھی دروازہ کھولے۔ اور اس نے وعدہ فرمایا ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔	جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کرتے ہیں ہم انھیں یقیناً اپنے راستے دکھلاتے ہیں۔

محکمۂ عشق ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ ہندوستان میں عشق کا فیضان حضرت خواجہ بندہ نواز سیّد محمد گیسو درازؒ کی رُوحانیت کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ یعنی عشق کا DEPARTMENT (محکمہ) آپکے سپرد ہے۔ آپ کے متعلق آپکے شیخ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ فرماتے ہیں ؎

ہر کو مرید سیّدِ گیسو دراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

یعنی جو کوئی حضرت سیّد محمد گیسو درازؒ کا مرید ہوا اسے یقیناً نسبت عشقیہ حاصل ہو گئی۔

۲۰ رجون ۱۹۴۵ء ۔ اجمیر شریف

بندہ نوازؒ کی بندہ نوازی آج حضرت شاہ شہید اللہ شیخ عبد الرحمان اور احقر حاضرِ خدمت تھے۔ چند روز بیشتر حضرتِ اقدسؒ نے ایک کتاب پڑھنے کے لئے دی تھی۔ جس میں حضرت غوث الاعظمؒ کے وہ الہامات تھے۔ جن کی حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ نے شرح لکھی ہے۔ حضرتؒ نے دریافت فرمایا:

"الہامات پڑھے تھے؟"

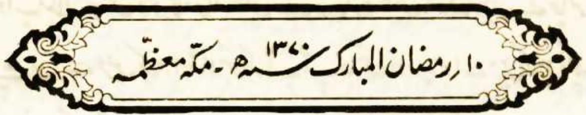
عرض کیا:

"جی ہاں۔ بہت رُوح پرور اور دلِ چسپ ہیں۔"

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ جب ہم گلبرگہ شریف حاضر ہوئے تھے تو یہ کتاب ہمیں وہاں مل گئی اور حضرت بندہ نوازؒ کی جانب سے ہمیں یہ اشارہ ہوا کہ اسے پڑھ کر ہمارے پاس آؤ۔ جمعہ کا دن تھا۔ بخار بھی تھا۔ فرخ اور محمد حسین سے ہم نے کہا:

"تم لوگ مسجد جا کر نمازِ جمعہ پڑھ لو۔ ہم نماز یہیں پڑھیں گے۔"

چنانچہ ہم نے حجرہ ہی میں نماز ادا کی اور اُسی دن اس کتاب کو پڑھ لیا۔ کتاب ختم کر کے جب مزارِ مبارک پر حاضری دی تو حضرت بندہ نوازؒ نے بندہ نوازی فرمائی اور ان الہامات کے متعلق نہایت اہم باتیں ہمیں سمجھائیں۔



کیفیاتِ نبوی ۳

ارشاد فرمایا کہ حضرت بندہ نواز سیّد محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے بہت بڑے بزرگ ہیں۔ آپؒ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے چند ہمارے پاس بھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا۔ حضورؐ سے عرض کیا:

"میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضورؐ کو زندگی میں ایک مرتبہ وجد آیا تھا، کیا یہ صحیح ہے؟"

آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"مجھے زندگی میں دو مرتبہ وجد آیا۔ ایک جب آیت اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی۔ (کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے) نازل ہُوئی تو اس تصوّر سے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے مجھے وجد آگیا۔ جب اس وجد کی حالت میں گھر پہنچا تو (حضرت بی بی) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے مجھے دیکھ کر بڑی حیرت سے دریافت کیا۔ 'اے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کیا آج آپ نے کوئی مشروب پی لیا ہے؟' میں نے کہا 'نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ آج یہ آیت نازل ہُوئی جس سے مجھ پر یہ کیفیت طاری ہوئی'۔ یہ سُنکر انھیں بھی وجد آگیا۔"

اس پر حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ بس ان کی نظر کافی ہے۔ ہم انھیں دیکھ سکیں یا نہ دیکھ سکیں۔ جب وہ ہمیں دیکھتے ہیں تو بس کافی ہے۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"دُوسری دفعہ وجد مجھے شبِ معراج میں آیا۔ جب میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچا تو حکم ہُوا کہ فلاں مقام سے ہو کر آؤ۔ چنانچہ میں وہاں گیا اور دستک دی۔ اندر سے آواز آئی، کون ہے!؟ میں نے کہا محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) جواب ملا کہ یہ من و تو کا مقام نہیں ہے دروازہ نہیں کھلتا۔ میں نے جا کر اپنے اللہ سے عرض کیا۔ اِرشاد ہُوا کہ اب آپ جائیں اور یہ جواب دیں کہ میں کچھ بھی نہیں ہُوں"

اِس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ دیکھو پیغمبروں کو کیا تعلیم دی جاتی ہے۔ اور یہاں تو دو لفظ سیکھ لئے اور غوثیت قطبیت کے دعوے شروع ہو گئے۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"جب مَیں نے دوبارہ جا کر دستک دی تو اندر سے آواز آئی، کون ہے۔! مَیں نے جواب دیا کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہُوں۔ اب دروازہ کُھل گیا۔ جب میں اندر داخل ہُوا تو ایک جگہ سے ایک نہایت دِل کش آواز سُنائی دی۔ اِلَیَّ اِلَیَّ یعنی میری طرف آیئے۔ میری طرف آیئے۔ وہ آواز اِس قدر دِلنواز تھی کہ مجھے وجد آ گیا۔ اور حالتِ وجد میں جب آگے بڑھا تو ایک جبّہ جو اُوپر لٹکا ہُوا تھا، مجھ پر گر کر بدن پر چست ہو گیا۔ ملائکہ نے مبارکباد دی اور کہا کہ اس جبّہ کی تمنّا بہت سے انبیاء نے کی لیکن کسی کو نہ ملا۔ مُبارک ہو آپ کو کہ یہ آپ ہی کا حصّہ تھا۔"

۳ شوال المکرّم ۱۳۶۶ھ ۔ ۲۰ اگست ۱۹۴۷ء اجمیر شریف

کاکل و آغوش

آج رات حضرتِ اقدسؒ کے ہاں محفلِ سماع منعقد ہوئی۔ آستانۂ خواجہؒ کے مشہور و معروف قوّال غلام نجف بلوائے

گئے تھے۔ جب درمیان میں چائے کے لیے کچھ دیر قوالی موقوف کی گئی تو اس وقت حضرت اقدسؒ نے ایک غزل کی شرح بیان فرمائی جس کا مطلع ہے ؎

پریشاں کاکل وآغوش وا مستانہ می آئی
سرت گردم باین شانے عجب ترکانہ می آئی

فرمایا "کاکل" سے مراد تعینات ہیں۔ جس طرح زلف چہرے کے لئے حجاب ہوتی ہے اسی طرح ذات بھی تعینات کے پردوں میں پوشیدہ ہے۔ پریشاں کاکل سے یہی مراد ہے کہ تعینات ہر جگہ بکھرے ہوتے ہیں۔ "آغوش وا" اس حدیثِ قدسی کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی جانب ایک ہاتھ بڑھتا ہوں۔ جو چل کر میری طرف آتا ہے میں دوڑ کر اُس کے پاس جاتا ہوں۔"

"آغوش وا" کے لفظی معنی یہ ہیں کہ آغوش میں لینے کے لئے (ہیئت بناتے ہوئے فرمایا) اِس طرح اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے جائیں۔

فرمایا، اِس غزل میں حمد و نعت دونوں جمع ہیں۔ دُوسرا شعر یہ ہے ؎

کُلہ کج طرّہ پیچان وقبا چست وکمر بستہ
فدایت بادل وجانم چہ بے باکانہ می آئی

کلہ کج۔ طرّہ پیچاں اور چُست قبا سے شانِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم مراد ہے۔ اس غزل کا گلبرگہ شریف میں بھی خوب رنگ جمتا ہے۔ "پریشان کاکل" کی شان حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ پر خوب صادق آتی ہے۔ عجیب مستی رہتی ہے۔ اِس غ[illegible] میں ایک جگہ "بپالغزش" کا لفظ آتا ہے۔

احقر نے دریافت کیا:

"بیا لغزش سے کیا مُراد ہے؟"

فرمایا "عبدیت" وجہ یہ ہے کہ عبد میں کمزوریاں ہوتی ہیں اور کئی جگہ ٹھوکریں کھاتا ہے. علاوہ اس کے اس سے مقامِ خوف ورجا کی طرف بھی اشارہ ہے. اگر بالکل خوف طاری ہو تو مارے ڈر کے پاؤں پھول جاتے ہیں اور چلنا محال ہو جاتا ہے. اور رجا ہی رجا ہو تو شانِ کریمی کو دیکھ کر عذاب سے بے فکر ہو جاتا ہے. اور خوب اُچھل کُود کرتا ہے. لیکن جب دونوں حالتیں (خوف ورجا) ہوں تو آدمی چلتا بھی ہے اور ڈر کے مارے سہم بھی جاتا ہے. یہی لغزش ہے.

چائے کے بعد دوبارہ قوّالی شروع ہُوئی حضرت اقدسؒ کی فرمائش پر زیادہ تر ہندی کلام گایا گیا. قوّالی ختم ہونے کے بعد غلام نجف قوّال سے حضرتِ اقدسؒ نے دریافت فرمایا:

"اَب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

انھوں نے عرض کیا:

"حضور کیا عرض کروں لوگ کہتے ہیں کہ تم اچھّے ہو لیکن میں جانتا ہُوں کہ میں کیسا ہُوں. اور مجھ پر کیا گذر رہی ہے."

اِرشاد فرمایا کہ لوگوں کے کہنے پر ایمان لے آو. اور یہ سمجھو کہ میں بالکل تندرست ہُوں. انسان کے خیال میں بڑی قوت ہے. یہ کائنات بھی تو اللہ تعالیٰ کے خیال کا نتیجہ ہے. اللہ میاں نے فرمایا، ہو جا. ہو گئی. اور چونکہ اِنسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے لہذا اسے بھی خیال کی قوت کچھ نہ کچھ حاصل ہی ہے.

اِس کے بعد فرمایا کہ قوّالی میں کبھی سالک پر فنائیت طاری ہو جاتی ہے جو بمنزلہ وصال ہے. اور کبھی ذوق وشوق کا غلبہ ہوتا ہے جسے ہجر کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں. لیکن ہجر وصال سے بہتر ہے. اکثر مشائخ نے ہجر کو وصال پر ترجیح دی ہے. وجہ یہ ہے کہ وصال سے اطمینان پیدا ہوتا ہے اور ہجر سے ذوق وشوق میں اِضافہ ہوتا ہے. اس راہ میں کبھی

سَیر ہوکر مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ ہر وقت هَلْ مِنْ مَّزِيْد کا نعرہ لگانا چاہیئے اور ہمیشہ قدم آگے ہی بڑھانا چاہیئے۔

احقر نے عرض کیا:

"وہ شعر بھی خوب ہے ؎

من لذّتِ دردِ تو بدرماں نہ فروشم
کفرِ سرِ زلفِ تو بایماں نہ فروشم"

(اس موقعہ پر حضرتِ اقدسؒ نے ایک شعر پڑھا۔ افسوس کہ وہ شعر ذہن میں محفوظ نہیں رہا۔ جس کے لیئے احقر معذرت پیش کرتا ہے۔)

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا، اس سلسلہ میں یہ شعر بہت مناسب ہے۔ کس قدر جامع شعر ہے۔ اِس کی شرح میں ایک ضخیم کتاب تصنیف ہو سکتی ہے۔ یہاں ذِکر جمال سے وصال اور فکرِ وصال سے ہجر مراد ہے۔ اچھا جب ہم سُبحان اللہ کہتے ہیں تو یہ بھی ذِکرِ جمال ہے۔ یعنی تیری ذات عیبوں سے پاک ہے۔ سُبحان اللہ کے بعد الحمد للہ ہے۔ سُبحان اللہ NEGATIVE SENSE (منفی انداز) میں حمد ہے اور الحمد للہ POSITIVE SENSE (مثبت انداز) میں حمد ہے۔ یعنی سُبحان اللہ میں تمام عیوب کی نفی کی جاتی ہے۔ اور الحمد للہ حمدِ مثبت ہے۔ یہاں حمد کے معنی صِرف خوبی بیان کرنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ یہاں حمد سے DEFINITION (تعریف) بھی مُراد ہے۔ جیسے کوئی دریافت کرے کہ آپ کی تعریف کیا ہے، یا فلاں چیز کی تعریف کیا ہے! تو الحمد للہ کے معنی یہ ہوئے کہ تمام DEFINITIONS (تعریفیں) اللہ کی تعریفیں ہیں۔ اس میں وحدت الوجود کی طرف واضح اشارہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی بھی تعریف کی جائے۔ وہ دراصل اللہ ہی کی تعریف ہوگی۔ اس کے بعد اللہ اکبر ہے۔ الحمد للہ کو کافی

نہیں سمجھا گیا۔ کیونکہ حمد کا احاطہ محال ہے۔ اس لئے فوراً کہہ دیا گیا اللہ اکبر یعنی باوجودیکہ سب کچھ وہی ہے لیکن اس کی ذات اس قدر وسیع اور لامحدود ہے کہ ہماری عقل اور سمجھ میں نہیں آسکتی۔

لوگ لمبی لمبی تسبیح سبحان اللہ، الحمدللہ، اور اللہ اکبر کی رٹتے رہتے ہیں، لیکن معنوں پر غور نہیں کرتے۔ فرمایا ان الفاظ میں اس قدر تاثیر ہے کہ دس دفعہ دِل وزبان سے کہہ لینا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کیا ہی اچھے الفاظ سکھائے ہیں۔ بس ان الفاظ کو خلوص کے ساتھ دہراتے رہیں۔ اپنی جانب سے کوئی جدّت نہ کریں بھلا اللہ اور اس کے رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو الفاظ بیان کئے ہیں ان سے بہتر الفاظ کون بیان کر سکتا ہے۔ ہم بھی یہی الفاظ دہراتے رہتے ہیں۔ ہم تو لکیر کے فقیر ہیں جس طرح انھوں نے فرمایا ہے اسی طرح ہم کہتے ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی جدّت نہیں کرتے۔ اگر جدّت کی جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہم نے اس کا پُورا احاطہ کر کے معلوم کر لیا ہے کہ وہ کیا ہے۔ لیکن یہ بات ناممکن ہے۔ اِس لئے جو تعریف کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہم تک پہنچے ہیں ہم وہی اپنی زبان سے اَدا کرتے ہیں۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارے مولینا صاحبؒ ہارمونیم نہیں سُنتے تھے۔ سِتار پر قوّالی سُنا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے مولینا صاحبؒ سے دریافت کیا:

"آپؒ ہارمونیم کیوں نہیں سُنتے؟"

آپؒ نے فرمایا:

"اِس لئے کہ ہمارے بزرگوں نے سِتار ہی پر قوّالی سُنی ہے۔ ہم بھی ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ جہاں وہ جائیں گے ہم بھی وہیں جائیں گے۔ اگر وہ دوزخ میں گئے تو ہم بھی بخوشی دوزخ میں چلے جائیں گے۔ ہم اُن سے الگ نہیں ہو سکتے۔"

اِس پر فرمایا کہ جب تک شیخ کے ساتھ اس طرح کا رابطہ قائم نہ ہو۔ کام نہیں بنتا۔

شرک ہے کیا؟ ارشاد فرمایا ، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے :

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ	اے رسُول ۔ بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت
اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ	کرتے ہیں فی الحقیقت وہ اللہ سے بیعت
یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ	کرتے ہیں ۔ اللہ کا ہاتھ انکے ہاتھوں کے اُوپر ہے۔

اس میں رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیعت کو اللہ کی بیعت اور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ کو اللہ کا ہاتھ کہا گیا ہے ۔ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ تعالیٰ کے مظہرِ اتم ہیں ۔ کعبہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا مظہر قرار دیا ہے اور حجرِ اسود کو ہاتھ فرمایا ہے ۔ لیکن حقیقتِ محمدیؐ حقیقتِ کعبہ سے کہیں زیادہ بلند اور بالاتر ہے ۔ انسانِ کامل ذات وصفات کا مظہر ہے ۔ سنگ وخشت کو یہ رتبہ حاصل نہیں ہے ۔ لیکن یہ لوگ کہتے ہیں کہ روضہ اطہر کی جالی کو چُومنے یا ہاتھ لگانے سے آدمی مشرک ہوجاتا ہے ۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کہو کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمارے دِل کی بات معلوم کر لیتے ہیں ۔ اس سے آدمی مشرک ہوجاتا ہے ۔ کیونکہ علمِ غیب تو صِرف اللہ کو ہے ۔ نہ جانے یہ لوگ اللہ میاں کو گھسیٹ کر اتنی نیچی سطح پر لانے کی کیوں کوشش کرتے ہیں ؟ اللہ تعالیٰ تو اس قدر ارفع واعلیٰ ہے کہ انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا ۔ پھر جب کسی سے خوارق عادات ظاہر ہوتے ہیں تو کیوں یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے برابر ہو گیا ؟ اور ہم تو انھیں اللہ والا سمجھ کر انکا احترام کرتے ہیں تو اس میں شرک کا کیا احتمال ہے ؟ یہ لوگ ایسا کیوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے انھیں اللہ کے برابر کر دیا ؟ ایک مرتبہ ایک شخص نے ہم سے کہا :

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت غوث الاعظمؒ دُنیا کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھتا ہے ۔"

کہنے لگا :

"معاذ اللہ لوگ ان کو خدا کے برابر بنا دیتے ہیں ۔"

ہم نے کہا ؎

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

دُنیا کو اِس طرح سے دیکھنا تو اللہ میاں کے ادنیٰ غلاموں کا مرتبہ ہے ۔ اللہ میاں کو تم اِتنا نیچے کیوں گھسیٹ رہے ہو اور اسے اس کے غلاموں کے برابر کر رہے ہو؟ ملک الموت دُنیا کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح کوئی اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں ہے جسے وہ دن میں پانچ مرتبہ نہ دیکھ لیتے ہوں ۔ تمہارے گھر کے لوگوں کو وہ تم سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں ۔ اسی طرح حضرت میکائیل علیہ السّلام کے ذمّہ تقسیمِ رزق کی خدمت ہے ۔ وہ بھی تمام کائنات جن ۔ چیونٹی اور چھوٹے سے چھوٹے جانور کو اچھی طرح جانتے اور دیکھتے ہیں ۔ اب کیا وہ بھی ان صفات کی وجہ سے خدا کے برابر ہو گئے ؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ادنیٰ خادم ہیں جنھیں اللہ نے اتنی قدرت سے نوازا ہے ۔ اور انسانِ کامل کا مرتبہ تو ملائک سے کہیں زیادہ بلند ہے ۔ انسانِ کامل اللہ کا خلیفہ ہے اور دُنیا میں اللہ کا نائب ہے ، تو اللہ کے خلیفہ میں ان کمالات کا ہونا کون سی بڑی بات ہے ۔ یہ لوگ اس پر کیوں اعتراض کرتے ہیں ؟

توحید کا راز

ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جن کو یہ لوگ (یعنی وہابیانِ نجد) بھی اپنا امام سمجھتے ہیں ۔ اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں نے عالمِ مشاہدہ میں دیکھا کہ ایک قوم زہریلی مکھی کو سجدہ کرتی ہے ۔ جو ہر وقت اپنی دُم اور پَر ہلاتی رہتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پُوچھا :

"اِن سجدہ کرنیوالوں کے دِل میں شِرک کی نجاست پاتے ہو ؟"

میں نے جواب دیا :

"اِن لوگوں کے دِل میں میں شِرک کی بُو تک نہیں پاتا ۔ انھوں نے مکھّی کو

قبلہ بنایا لیکن اس کو اس کی ذات پر قائم رکھا ۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

"اَب تم نے توحید کا راز پالیا ۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں تو کیا اللہ میاں کعبہ کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ نے کعبہ کو اپنا مظہر بنایا ہے اور معبودِ حقیقی کو سجدہ کرنے کے لئے مظہر کی سمت سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے ۔حدیث شریف میں ہے :

"حجرِ اسود کو بوسہ دینا گویا اللہ کے ہاتھ کو بوسہ دینا ہے ۔"

اُدھر یہ بھی فرمایا ہے :

"رسُول کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے جس نے میرے رسول کا ہاتھ پکڑا اُس نے میرا ہاتھ پکڑا ۔"

کس قدر واضح بات ہے لیکن ان لوگوں نے خواہ مخواہ شور مچا رکھا ہے ۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک انشراحِ قلب نہ ہو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ۔تفرقہ بازی سے قلب میں تاریکی پیدا ہوتی ہے ۔ہدایت کا دارومدار شرحِ صدر پر ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۔	جب اللہ چاہتا ہے کہ کسی کی ہدایت فرمائے تو اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے ۔

صحابہ کرامؓ نے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا :

"شرحِ صدر کیا ہے ؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا :

"شرحِ صدر ایک نُور ہے جو اللہ انسان کے سینہ میں ڈالتا ہے ۔"

اِس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تو بے نشان ہے کسی کو نظر نہیں آتا ۔ وہ لامحدود ہے اور انسان ایک محدود ہستی ہے ۔اب ایک بے نشان اور لامحدود ہستی اور ایک محدود مخلوق کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کے لئے ایک برزخ کی ضرورت تھی چنانچہ وہی

نورِ صورتِ محمدیؐ میں مظہرِ اتم کی حیثیت سے ظاہر ہوا۔ وہی عروج و نزول کا معاملہ ہے۔
حضرت شاہ نیاز احمد صاحب بریلویؒ کا یہ شعر اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے ؎

سرِّ حق را بیاں معین الدین
بے نشاں را نشاں معین الدین

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم انسان اور بے نشان کے درمیان ایک CONNECTING LINK یعنی ملانے والی کڑی ہیں۔ احقر نے عرض کیا:

"متقدمین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب وہ اپنے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو سجدہ کرتے تھے۔"

حضرت اقدسؒ نے فرمایا، ہاں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ "سر بر پا نہادند" سر ان کے پاؤں پر رکھتے تھے اور پاؤں چومتے تھے۔ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حق میں فرمایا:

لَحْمُكَ لَحْمِي دَمُكَ دَمِي۔	تمہارا گوشت میرا گوشت ہے اور تمہارا خون میرا خون ہے۔

تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر کیفیت طاری ہوئی۔ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر گر پڑے اور قدم مبارک چومنے لگے۔

تصوف عینِ توحید ہے

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ کلیر شریف میں مالابار کے ایک بزرگ آئے ہوئے تھے وہ تصوف کو تصوف نہیں کہتے تھے بلکہ علمِ توحید کہتے تھے۔ اور یہ بالکل درست ہے۔ تصوف عینِ توحید ہے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ ہمارے معلّم کے والد مولوی عبداللہ رشید جن کا ابھی حال ہی میں اِنتقال ہوا ہے موتمر عالم اسلامی میں شریک ہونے کے لئے کراچی آئے ہوئے تھے۔ وہ کٹر ANTI-WAHDAT UL WUJUD (وحدت الوجود کے مخالف) تھے۔ دورانِ گفتگو ہم نے ان سے دریافت کیا:

"اللہ محدود ہے یا لامحدود ؟ "

یہ لوگ جانتے ہیں کہ اگر لامحدود کہیں تو پکڑے جاتے ہیں کہنے لگے :

"یہ تو متکلمین کی اصطلاحات ہیں ۔ وحدت الوجود کو قرآن شریف سے ثابت کیجئے ۔"

ہم نے کہا :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ	کوئی شے اُس کے مثل نہیں ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

اَب دُنیا کی ہر چیز محدود ہے ۔ اور جب اللہ کسی چیز کے مثل نہیں ہے تو پھر وہ لامحدود ہے ۔ اور جب وہ لامحدود ہے تو وہ ہر چیز میں ہے ۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس جگہ نہیں ہے باقی ہر جگہ ہے ۔ اگر یہاں نہیں ہے تو محدود ہو گیا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ حقیقت میں اس کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں ہے ۔ انھوں نے جواب دیا :

" اَب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ شَیْئٌ ہے یا نہیں ۔ "

ہم نے کہا ، "شَیْئٌ" شَاءَ يَشَاءُ سے ہے ۔ یعنی وہ چیز جس کا ارادہ کیا گیا ہو ۔ اور شیئ مخلوق ہے لہٰذا اللہ شیئ نہیں ہے ۔ اللہ تو قدیم ہے ۔ خود اسی آیت کو دیکھئے جب وہ کسی شیئ کے مثل نہیں ہے تو شیئ کس طرح ہو سکتا ہے ۔ كُنْ فَيَكُوْن کو دیکھئے جب اللہ کے سوا کسی چیز کا وجود نہ تھا كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ مَّعَهٗ تو اللہ نے کُنْ کا حکم کس کو دیا ۔ بات یہ ہے کہ جو کچھ پیدا ہونے والا تھا اس کی ایک صُورت اللہ کے علم میں تھی ۔ اللہ نے اس صُورت کو حُکم دیا کہ اب بطون سے نکل کر ظہور میں آجا ۔ چنانچہ کائنات وجود میں آگئی ۔ اب اللہ قدیم ہے اس لئے اس کا علم بھی قدیم ہے ۔ اس کے علم پر جہل نے تقدیم نہیں کی ۔ تقدیم کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کسی نے دس بجے بتایا کہ فلاں کام ہو گیا ۔ دس بجے سے پہلے ہمیں اس کا علم نہیں تھا ۔ تو گویا ہمارے

علم پر جہل نے تقدیم کی۔ لیکن چونکہ اللہ کا علم قدیم ہے اس لئے معلوم بھی قدیم ہے یعنی کائنات کی صورت بھی قدیم ہے۔ صفت موصوف سے کیسے جدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے غیر کا وجود ناممکن ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک اعتبار سے غیریت بھی ہے یعنی نزول کے اعتبار سے۔ لیکن یہ غیریت محض اعتباری ہے حقیقی نہیں ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ حقیقت توحید سمجھنے کے لئے مجاہدے اور ذکر و شغل کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ پہلے مجھے حقیقت سمجھا دو پھر مجاہدہ کروں گا تو اس کی مثال اس مریض کی سی ہے جو یہ کہے کہ پہلے اچھا ہو جاؤں پھر دوا پیوں گا۔

اطلاق اور تعیّنات کی مثال

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اطلاق کی ادنیٰ درجہ کی ایک مثال روشنائی ہے۔ روشنائی میں اطلاق ہے۔ لیکن جب الفاظ لکھے جاتے ہیں تو تعیّنات وجود میں آتے ہیں۔ تعیّنات کا وجود ضروری ہے۔ اگر تعیّنات نہ ہوتے تو کائنات کا یہ رنگ کہاں ہوتا۔

قرعہ فال

آیۂ پاک اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کیا لیکن انھوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور اسے انسان نے اُٹھا لیا۔ بے شک وہ اپنے کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے) کے معانی پر گفتگو تھی فرمایا:

"ہمارے امانت والے مضمون میں تم نے اس آیت کی تفسیر دیکھی ہے؟"

عرض کیا:

"جی ہاں۔"

فرمایا، اصولِ تفسیر یہ ہے کہ سیاق و سباق دیکھ کر معنی کئے جائیں۔ اب اس آیت کے شروع میں تو یہ ہے کہ اللہ نے یہ امانت آسمانوں۔ زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی۔ لیکن انھوں نے اسے قبول نہیں کیا اور جب انسان کو یہ امانت پیش کی گئی تو اس

نے قبول کرلیا کیونکہ وہ ظلومی اور جہولی تھا۔ اب بعض علماء ظلوماً جہولاً کے ظاہری معنی ہی لیتے ہیں یعنی "ظالم اور جاہل" یہ معنی سیاق وسباق سے مطابقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اگر یہی معنی لئے جائیں تو نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ آپ کسی کو کوئی قیمتی چیز پیش کرتے ہیں، وہ لینے سے انکار کرتا ہے۔ آپ دوسرے کو پیش کرتے ہیں وہ بھی نہیں لیتا۔ آپ تیسرے شخص کو پیش کرتے ہیں تو وہ لے لیتا ہے۔ اب آپ یہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ چیز فلاں فلاں کو دینی چاہی لیکن انھوں نے قبول نہیں کی۔ آپ نے قبول کرلی۔ آپ بڑے بداخلاق اور خراب آدمی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہاں ظلوماً کے معنی "ظلمتِ عدمی" کے ہیں۔ جہولاً سے مراد "جہل از غیراللہ" ہے۔ ظلمتِ عدمی یہ ہے کہ نورِ محض کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی اور نہ ظلمتِ محض ہی کو آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ زمین وآسمان چونکہ کثیف تھے مشاہدۂ ذات نہ کرسکے۔ ملائک بھی سراپا نور ہونے کی وجہ سے ذات کا عکس اپنے اندر نہ دیکھ سکے۔ انسان چونکہ نور وظلمت سے مرکب تھا اس لئے وہ ذات کا عکس اپنے اندر دیکھ سکا اور فوراً امانت قبول کرلی۔ جب تک آئینہ کو ایک طرف سے کثیف نہ بنایا جائے اس کے اندر عکس نظر نہیں آتا ؎

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

فرمایا۔ امانت کیا ہے۔ ہر چیز کا مرتبہ پہچاننے اور اس کا حق ادا کرنے کا نام ہے۔ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

ہر مرتبہ زوجود حکمے دارد ⁂ گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

خاندانی تفوّق

ایک موقعہ پر احقر نے عرض کیا کہ حضور ایک غیر قریشی کے لئے قریشی عورت سے شادی کرنا کیسا ہے؟۔ آپ نے فرمایا اسلام میں سب بھائی بھائی ہیں۔ یہ خاندانی تفوّق اسلام میں کوئی چیز نہیں ہے۔ قرآن شریف

میں صرف یہ ہدایت ہے کہ نیک مرد نیک بیبیوں کے لئے ہیں اور بُرے مرد بُری عورتوں کے لئے۔ بس اسی بات کو دیکھ لینا چاہیئے۔ خاندان اور نسل کوئی چیز نہیں ہے۔ دیکھو ہم نے کیا کیا ہے۔ ایک نومسلم کو لڑکی دیدی۔ وہ کوئی بیوی لینے کی خاطر تو اپنا وطن چھوڑ کر نہیں آیا تھا۔ اس کے دِل میں صحیح اِسلامی جذبہ تھا۔ اس لئے کوئی امر مانع نہ ہُوا۔

حضرت بلالؓ کی مثال

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت بلالؓ کو اندھیرے میں کسی کی ٹھوکر لگی۔ آپ نے اسے محسوس کیا اور آپ کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ چونکہ میں غلام ہُوں اس لئے یہ لوگ مجھے برابر نہیں سمجھتے۔ انہوں نے اس کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے فرمایا:

"خبردار اِسلام میں سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔"

یہ سُنکر سب پر گریہ طاری ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے عرض کیا:

"حضورؐ ہم اپنی لڑکی بلالؓ کے نکاح میں دینے کے لئے تیار ہیں۔[1]"

تصدیقِ نسب

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ہمارے دل میں خیال پیدا ہُوا کہ ممکن ہے ہمارا شجرۂ نسب کسی نے غلط لکھ دیا ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو غلط نسل سے منسوب کرتا ہے وہ دوزخی ہے۔ اس لئے ہمارے دِل میں یہ خیال پیدا ہُوا۔ لیکن ایک دفعہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا:

"تم ہماری اولاد ہو۔"

بس ہمارا شبہ جاتا رہا۔ کیونکہ رسُول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر یقین نہ کرنا صریحاً کُفر ہے۔

---

[1] روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت بلالؓ کا نکاح قبیلہ بنی زھرہ میں ہُوا۔ جو قریش کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔

تعویذ پر نذر کا جواز

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سریہ کے لئے بھیجی گئی۔ واپسی میں انھوں نے کسی گاؤں کے قریب پڑاؤ ڈالا اور عرب کے دستور کے مطابق گاؤں والوں کو کہلا بھیجا :

"ہماری مہمانی کرو !"

ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ اتفاقاً اس گاؤں کے سردار کو ایک نہایت زہریلے بچھو نے ڈنک مارا۔ اب گاؤں والے صحابہؓ کے پاس آکر پوچھنے لگے :

"آپ لوگوں میں کوئی بچھو کا زہر اُتارنے کا منتر جانتا ہے ؟"

صحابہؓ نے کہا :

"ہاں جانتے ہیں لیکن ہم جھاڑ پھونک نہیں کریں گے۔ کیونکہ تم لوگوں نے ہماری مہمانداری نہیں کی۔ اب اگر تمہاری خواہش ہے کہ ہم جھاڑ پھونک کریں تو پہلے ہماری مہمانی کرو۔ پھر ہم کچھ کریں گے۔"

چنانچہ فی الفور انھوں نے تیس ۳۰ دُنبے پیش کر دیئے۔ اب صحابہؓ میں سے کسی نے سورۂ فاتحہ سات دفعہ پڑھ کر دَم کر دی۔ جس کی برکت سے اسی وقت اس کی تکلیف رفع ہوگئی۔ وہ اچھا ہوگیا۔ لیکن صحابہؓ میں اب اس پر بحث ہونے لگی کہ اس نذر کا لینا ہمارے لئے جائز ہے یا ناجائز۔ چنانچہ انھوں نے وہ دُنبے ذبح نہیں کئے اور زندہ سلامت اپنے ساتھ لے آئے اور یہ قضیہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا :

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ میں شفا ہے ؟"

انھوں نے عرض کیا :

"حضورؐ ہمیں یہ بات معلوم تو نہیں تھی۔ البتہ اس وقت ہم کو ایسا اِلقا ہوگیا۔"

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"یہ دُنبے بالکل جائز ہیں تم بھی کھاؤ اور ہمیں بھی کھلاؤ۔"

اس کوچہ کا ایک فتنہ ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ بیگم فرخ ایک مرتبہ اپنی ایک سہیلی کو ہمارے پاس لے آئیں۔ جو مذہباً شیعہ تھیں۔ ہم نے اُن سے دریافت کیا :

"آپ نے کسی جگہ بیعت بھی کی ہے؟"

انھوں نے کہا :

"جی ہاں بمبئی کے مضافاتی بستی میں ایک بزرگ خاتون ہیں جو لوگوں کو مرید کرتی ہیں، میں اُن سے بیعت ہوں ۔"

ہم نے کہا :

"عورت کے لئے تو خلافت نہیں ہے وہ کیسے کسی کو مرید بنا سکتی ہیں ؟"

انھوں نے کہا :

"وہ کہتی ہیں کہ حضرت حاجی وارث علی شاہؒ کی طرف سے مجھے خلافت ملی ہے ۔"

ہم نے کہا :

"تم اس بات کو نہیں سمجھ سکتیں۔ کسی وقت اُن سے ہماری مُلاقات کرا دو۔ ہم انھیں سمجھا دیں گے ۔"

ایک دن وہ انھیں لے آئیں۔ کافی عمر کی عورت تھیں ۔ ان کی لڑکیاں بھی ہمراہ تھیں۔

ہم نے ان سے دریافت کیا :

"تم نے کِن بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کی اور تمہاری خلافت کا کیا قصّہ ہے؟"

انھوں نے جواب دیا :

"ایک مرتبہ میں سرکار (حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحبؒ) کے مزارِ مُبارک پر حاضر ہوئی تھی اس وقت ایک صاحب نے غلاف کے نیچے میرا سر رکھوایا

اور وہیں سے خلافت دلوائی۔ "

یہ سُنکر ہمیں بے حد افسوس ہوا۔ ہم نے وضاحت کے ساتھ بیعت اور خلافت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی چونکہ اس نیک خاتون کے دل میں خلوص تھا۔ طلبِ صادق تھی۔ ہماری باتوں کا اُن پر اثر ہُوا۔ اور خُدا کے فضل سے وہ تائب ہو گئیں۔

اس کے بعد فرمایا۔ کیا لوگ ہیں۔ عجب تماشا بنا رکھا ہے۔ مزار پر سر جھکوا کر سر پر غلاف ڈال دیا۔ بس اَب کیا ہے، داخلِ سلسلہ بھی ہو گئے۔ نہ ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت رہی۔ نہ تعلیمِ شیخ کی حاجت۔ آناً فاناً بلا کسب سلوک طے ہو گیا۔ رُشد وہدایت کے لئے خلافت سے بھی نوازے گئے۔ اللہ بچائے ایسے لوگوں سے۔ یہ تو بہت بڑا فتنہ پیدا ہو گیا ہے۔ یہ لوگ نہ تو خود کوئی فیض پہنچا سکے ہیں اور نہ لوگوں کو صحیح چشمہ تک پہنچنے کا موقعہ دیتے ہیں کہ بیچارے پیاسے اپنی پیاس بُجھا سکیں۔

اس کے بعد کسی کے مشاہدہ یا خواب کا تذکرہ فرمایا کہ ایک مقام پر پانی ہی پانی ہے اور اس کے ایک کنارہ پر ایک پہاڑ ہے جس کی دُوسری سمت لوگ پیاس کے مارے مر رہے ہیں۔ وہ اس پر تعجب کر رہے تھے کہ کسی نے ان کو ایک لمبا بانس دیا اور کہا:

" فلاں سوراخ اس بانس سے صاف کر دو۔ "

جیسے ہی انھوں نے وہ بانس سوراخ کے اندر چلایا۔ چمگادڑوں کے غول اس سوراخ سے نکلے اور پانی کا راستہ جو بند تھا کُھل گیا۔ اور لوگ سیراب ہونے لگے۔ اُن صاحب سے دریافت کیا گیا:

" اس کا مطلب سمجھے؟ "

انھوں نے کہا:

" پانی کا راستہ بند تھا اَب کُھل گیا ہے۔ "

تو کہا گیا:

" نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ پانی فیضانِ الٰہی کا چشمہ

ہے۔ اور چمگادڑ یہ جھوٹے پیر ہیں جنھوں نے فیض کا دروازہ بند کر کے لوگوں کو اس سے محروم کر رکھا ہے۔"

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ان جھوٹے مدّعیوں کا وجود ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ یہ لوگوں کو اپنا مرید کر کے ان کو حقیقی چشمہ سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیتے ہیں۔ وہ بیچارے نہ اِن مکّاروں کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ حقیقی فیض سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس نعمتِ عظمیٰ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ یہ گمراہ کرنے والے کس قدر سنگین گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس موقعہ پر حضرت شاہ شہید اللہ صاحب نے دریافت کیا:

"اس فتنہ کو روکنے کے لئے کیا تدبیر کرنی چاہیئے؟"

ارشاد فرمایا، بس یہی کہ صحیح باتیں لوگوں تک پہنچائی جائیں۔ اور اولیاء کرام کی ان علامات سے لوگوں کو باخبر کیا جائے جو بزرگوں نے بیان فرمائی ہیں تاکہ لوگ اہل اللہ کو پہچان سکیں۔ اس کے بعد اولیاء اللہ کی چند علامات آپ نے بیان فرمائیں[1]۔

انگریزوں کی شکست

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے ایک مرتبہ ایک خواب دیکھا تھا کہ عیسائی نوجوانوں کے ایک گروہ نے ہمیں گھیر لیا ہے۔ اتنے میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ تشریف لائے اور ہمیں ایک چھڑی عنایت کر کے فرمایا:

"لو اس سے ان کو مارو۔"

ہم نے اُس چھڑی سے سب کو مارنا شروع کر دیا۔ وہ عیسائی نوجوان اس چھڑی کی ضرب سے سب کے سب مر گئے۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

"تم نے تو سب کو قتل کر دیا۔"

اس کے بعد فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انگریز مسلمانوں سے شکست کھا جائیں گے۔

---

[1] صفحہ ۲۸۷ پر "علامات شیخ، شرائط بیعت، تجدید بیعت" کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

اہلِ تمکین اور اہلِ تلوین

ایک دفعہ حضرتِ اقدسؒ کے ہاں اُلور کے ایک بزرگ مسرور شاہ صاحبؒ آئے ہوئے تھے، اُن سے ملنے ایک صاحب آئے جو ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس تھے۔ انھوں نے مسرور شاہ صاحبؒ سے حضرتِ اقدسؒ کے متعلق دریافت کیا۔ مسرور شاہ صاحبؒ نے کہا:

"قبلہ ذوقی شاہ صاحبؒ مقامِ تمکین میں ہیں لیکن ہم اور ہماری طرح بہت سے لوگ مقامِ تلوین میں ہیں۔ رشد و ارشاد کا کام اُنھیں حضرات کے سپرد ہوتا ہے جو مقامِ تمکین میں ہوں۔"

۵ رجب ۱۳۶۸ھ ۔ ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء ۔ کراچی

اولیاء اللہ کی پہچان

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ بزرگوں نے اولیاء اللہ کی چند علامات بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ شریعت کے پابند ہیں یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے مریدین میں کیا تبدیلی واقع ہوئی۔ تیسری علامت یہ ہے کہ اُن کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی محبّت دل میں پیدا ہو۔ خواہ یہ حالت محض ان کے پاس بیٹھنے تک ہی رہے اور وہاں سے چلے جانے کے بعد وہ کیفیت باقی نہ رہے۔ اگر یہ تینوں باتیں ہیں تو آنکھیں بند کر کے ان بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہیئے۔ یہ بھی فرمایا کہ چونکہ ناقص کامل کا انتخاب نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ علامات بطور رہنمائی کے بزرگوں نے بتائی ہیں۔ اگر کسی بزرگ میں ان علامات میں سے کوئی علامت نہ ہو تو بدظنی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ خدمتِ ارشاد کے علاوہ کوئی اور خدمت ان کے سپرد ہو جس کی وجہ سے ان کو کوئی خاص ہیئت اختیار کرنی پڑی ہو۔

حقیقتِ واحدہ

ایک موقعہ پر فرمایا کہ منزلِ مقصود اصل مدّعا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ	قائم کرو نماز کو میرے ذکر کے لئے ۔

یہاں نماز مقصود نہیں ہے ۔ ذِکر مقصود ہے ۔ نماز ذِکر کا ذریعہ ہے ۔ اور دَراصل ذِکر بھی مقصود بالذات نہیں ہے ۔ مذکور مقصود بالذات ہے ۔ یعنی وہی جس کا ذِکر کیا جائے اور جو نماز ذِکر کے لئے نہ ہو یعنی کاہلی اور بے پروائی سے ادا کی جائے وہ مُنہ پر ماری جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۔	پس خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں میں سُستی کرتے ہیں ۔

لیکن جب انسان منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے تو اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ سب کچھ منزلِ مقصود ہے ۔ لیکن یہ بات پہنچ جانے کے بعد حاصل ہوتی ہے اس سے پہلے ہر چیز کا اس کے اپنے مقام اور مرتبہ کے مطابق احترام کیا جاتا ہے ۔ حقیقتِ واحدہ کے انکشاف کے بعد تعیّنات کی حدود فوت ہو جاتی ہیں اور سب کچھ وہی بن جاتا ہے ۔ ہر مقام مقامِ دوست ہو جاتا ہے ۔ لیکن حقیقتِ واحدہ کے اِنکشاف سے پہلے ایسی باتیں نہیں کہی جاسکتیں ۔ کتابوں میں پڑھ لینا کافی نہیں ہے ۔ جب تک حال وارد نہ ہو ۔ اور مشاہدہ نہ کرلے ۔ ہر چیز سے وہی سلوک کرے جیسی کہ وہ ہے ۔

ایمان کی پختگی دلیل کی محتاج نہیں

اِمام فخرالدّین رازی استدلال سے بہت شغف رکھتے تھے ۔ جب اُن کی موت کا وقت قریب ہُوا تو شیطان بہکانے آگیا ۔ اور اِمام صاحب سے دریافت کیا :

" آپ اللہ کی ہستی کا یقین رکھتے ہیں ؟ "

انھوں نے جواب دیا :

" ہاں "

شیطان نے کہا :

" آپ کے پاس کیا دلیل ہے ؟ "

انھوں نے اپنی دلیل پیش کی۔ شیطان نے رُد کر دی۔ آپ نے دوسری دلیل دی شیطان نے وہ بھی رُد کر دی۔ اس طرح امام صاحب نے ننانوے دلائل پیش کئے مگر شیطان نے سب کو غلط ثابت کر دیا۔ دلیلوں کا خزانہ خالی ہونے سے رازی بہت گھبرائے۔

اُسی وقت وہاں سے کوسوں دُور حضرت نجم الدین کبریٰؒ وضو کر رہے تھے اور امام رازی کا ایک شاگرد جواُن کا مرید تھا، اُن کو وضو کرا رہا تھا۔ شیخ کو بذریعہ کشف امام رازی کی کشمکش کا حال معلوم ہوگیا اور انھوں نے اپنے مرید سے کہا :

"آج کسی کا اُستاد دُنیا سے بے دین جارہا ہے۔"

وہ معاملہ کو سمجھ گیا اور شیخ سے عرض کیا :

"آپ دستگیری کیجئے۔"

انھوں نے وہیں سے بلند آواز سے کہا :

"کہہ کیوں نہیں دیتا کہ ہم نے خُدا کو بے دلیل مانا ہے۔"

امام رازی نے یہ آواز سُن لی اور انھوں نے شیطان کو یہی جواب دے دیا۔ یہ جواب سُنکر شیطان بھاگ گیا۔

حصولِ علم کے تین ذرائع

آپؒ نے فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے علم حاصل کرنے کے تین ذریعے بیان کئے ہیں۔ عقل۔ نقل اور کشف۔ لیکن آجکل اکثر علماء عقل اور کشف سے بے بہرہ ہیں۔ صرف نقل سے کام لیتے ہیں۔

نئی اصطلاحات کی ضرورت

اس کے بعد فرمایا کہ آجکل تو حالات میں بہت تبدیلی ہو گئی ہے۔ نئے طرزِ بیان کی بہت ضرورت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کامیابی کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے پُرانی باتوں کو نئے الفاظ میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ لیکن اب وہ اصطلاحات بھی پُرانی ہو چکی ہیں۔ اس لئے نئی اصطلاحات اختراع کرنی چاہئیں۔ اکبر الٰہ آبادی کہا کرتے تھے :

"آجکل 'پابرکاب' کی بجائے 'دست بٹنک' کہنا چاہیئے۔ اور نکیل ان کے ہاتھ میں ہے' کی بجائے STEERING WHEEL (اسٹیرنگ ویل) اُن کے ہاتھ میں ہے' کہنا چاہیئے۔"

اُمتِ محمدیؐ کے بعض اولیاء

اس کے بعد فرمایا کہ ایک روز ہم نے اپنے ایک مرید سے کہا یہ حدیث تو سبھی جانتے ہیں۔

عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل	میری اُمّت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مانند ہیں۔

لیکن ایک روایت یہ بھی ہے۔

عُلَمَاءُ اُمَّتِی اَفْضَلُ مِنْ اَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیْل	میری اُمّت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل سے افضل ہیں۔

یہ سُنکر انھیں کچھ تردد ہُوا۔ چونکہ پہلے وہ عیسائی تھے اس وجہ سے انبیاء بنی اسرائیل کے ساتھ انھیں فطری لگاؤ تھا۔ لیکن رات کو عالمِ رویا میں رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے فرمایا:

"یہ صحیح ہے کہ میری اُمّت کے بعض اولیاء بعض انبیاء بنی اِسرائیل سے افضل ہیں۔"

حضرت امیر معاویہ رضؓ

ایک موقعہ پر صحابہ کرامؓ کے مرتبہ کے متعلق گفتگو تھی۔ ارشاد فرمایا کہ صحابہ کرامؓ کو چونکہ صحبتِ رسولؐ میسّر تھی۔ اس لئے ان کے مرتبہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ خواہ وہ کتنا ہی عمل کرے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے صحابی کا رُتبہ غوث اور قطب سے بڑھ کر ہے۔ بعض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ادنیٰ درجہ کا صحابی سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت غوث الاعظمؓ کا قول ہے:

"اگر معاویہؓ کے گھوڑے کے سُموں کی خاک میری آنکھوں میں پڑجائے تو مجھے اپنے جنّتی ہونے کا یقین ہوجائے۔"

حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک روز ہم یہ مضمون بیان کر رہے تھے تو ہمارے ایک مرید کو کچھ غلط فہمی ہو گئی۔ اور اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ وہ ادنےٰ درجہ کے صحابی ہیں۔ رات کو خواب میں حضرت امیر معاویہؓ کو دیکھا کہ اُن سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں:

"میں ادنیٰ درجہ کا صحابی نہیں ہُوں۔ مَیں نے تو ان اصُولوں کی بنیاد ڈالی جن کی بدولت عجمی قوموں پر حکومت کی جا سکتی ہے۔"

چنانچہ ہمارے اس مرید کی غلط فہمی دُور ہو گئی۔

امام مہدیؑ کی شان

اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے ایک مرید کے ساتھ عجیب غریب معاملات ہُوا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ انھوں نے کہیں یہ پڑھا کہ دجّال کو حضرت عیسٰی علیہ السلام قتل کریں گے۔ تو ان کے دِل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ اس بات سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام حضرت امام مہدی علیہ السلام سے افضل ہوں گے۔ بس اتنا خطرہ ان کے دِل میں گذرا۔ اسی شب رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"امام مہدی کی میرے ساتھ ایک خاص نسبت ہے اور اس نسبت کی وجہ سے ان پر میری جامعیت کا مکمّل پرتو ہو گا۔ حضرت عیسٰی میں وہ جامعیت نہیں ہے۔ وہ مسیحِ موعود ہیں اور دجّال مسیح دجّال یعنی جھوٹا مسیح۔ اس لئے وہ اپنے ضد کو قتل کرنے پر مامور ہُوئے ہیں۔"

بات یہ ہے کہ حقیقتِ محمّدیؐ ساری کائنات کی اصل ہے۔ اور یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے جُزو کو ہلاک کرے۔ امام مہدیؑ پر حقیقتِ محمّدیؐ کا خاص پَرتو ہونے کی وجہ سے ان کے لئے بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ دجّال کو خود ہلاک کریں۔

پیر و مرید کیسے ہوں!

ایک دن جہاز میں دورانِ تقریر ارشاد فرمایا کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے ایک مرید نے آپ سے دریافت کیا:

"پیر کیسا ہونا چاہیئے اور مرید کیسا ہونا چاہیئے ؟ "

آپ نے اُسے ایک خط دیا اور فرمایا :

"اسے لے کر لاہور چلے جاؤ اور میرے فلاں مرید کو دے دو ۔"

خط دیتے وقت آپ نے اپنے ہاتھ سے جس سمت اِشارہ کیا ، لاہور اس سمت نہ تھا بلکہ مخالف سمت میں تھا۔ اَب وہ مرید اُسی سمت روانہ ہُوا جِس طرف حضرت محبوب پاک رضؓ نے اِشارہ فرمایا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں اس نے اپنے آپ کو لاہور میں پایا۔ اور اُس آدمی کا پتہ لگا کر اس کے گھر پہنچا اور وہ خط اس کے حوالے کیا۔ اس نے خط پڑھا۔ خط میں لکھا تھا کہ دس ہزار رُوپے اس شخص کو دے دو۔ اور رات کے وقت اپنی لڑکی کو اس کے پاس بھیج دینا۔ وہ فوراً اندر گیا اور دس ہزار رُوپے لاکر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ جب رات ہوئی تو لڑکی سے کہا :

"ان کی خِدمت میں رہو اور جو حُکم دیں اُس پر عمل کرو ۔"

چنانچہ وہ لڑکی جاکر اس کے پاس بیٹھ گئی ۔ اُس نے کہا :

"میری ٹانگیں داب دو ۔"

وہ ٹانگیں دبانے لگی۔ کچھ دیر بعد شیطان نے غلبہ کیا اور بُری نیّت سے اُس نے لڑکی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا ۔ جیسے ہی اس نے یہ حرکت کی غیب سے ایک تھپڑ اس کے مُنہ پر لگا۔ اور آواز آئی : "بدمعاش کیا کرتا ہے ؟"

اَب اسے ہوش آیا اور فوراً لڑکی کو رُخصت کر دیا۔ جب وہ واپس دہلی پہنچا تو سارا ماجرا حضرت نظام الدّین اولیاءؓ سے بیان کیا ۔ آپ نے فرمایا :

"پیر ایسا ہونا چاہیئے اور مرید اس جیسا ہونا چاہیئے ۔"

اللہ کا بندہ کو یاد کرنا

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگ رہا تھا کہ یا اللہ مجھے اس وقت سے آگاہ فرما جب

تو مجھ ناچیز بندہ کو یاد فرماتا ہے۔ اس کی لونڈی سُن رہی تھی۔ کہنے لگی:

"آقا مجھے تو معلوم ہو جاتا ہے۔"

کہنے لگا:

"وہ کِس طرح؟"

لونڈی نے جواب دیا،

"یہ کیسے ممکن ہے کہ میں آرام دہ بستر چھوڑ کر پچھلے پہر شب میں اُٹھوں اور کپکپاتی سردی میں برف جیسے ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے جا نماز پر جا بیٹھوں۔ یہ اسی کا تو کرم ہے کہ اُس نے یاد فرمایا ہے اور میں اس کے حضور میں حاضر ہو گئی۔ ایک بات آپ کے سمجھنے کے لئے اور بھی ہے۔ وہ فرماتا ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ	تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔

تو بندہ جب ماسوی اللہ سے اپنا قلب پاک کر کے سچائی اور خلوص کے ساتھ اس کی یاد کرے تو کیا مولائے کریم ایسے بندہ کو یاد نہیں کرے گا؟ یقیناً یاد کرے گا۔ اور اِس یاد کا پَرتو بندہ کے قلب پر پڑے گا کہ یاد آوری کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔"

یہ سُنکر اس کا آقا اِتنا متاثر ہُوا کہ فوراً اُسے آزاد کر دیا۔

صاحبِ مزار کی دعوت

اِرشاد فرمایا: جے پور میں حضرت مولانا ضیاء الدینؒ کا مزار ہے۔ ایک دفعہ ہم اور ہمارے ایک دوست وہاں عُرس پر گئے۔ ایک روز صبح کی نماز کے بعد ہم بیٹھے ہُوئے تھے کہ ہمارے دوست نے کہا:

"جے پور کی دو چیزیں بہت مشہُور ہیں۔ ماش کی دال اور قلاقند۔ یہاں

کے پانی میں کچھ ایسی تاثیر ہے کہ ماش کی دال نہایت اچھی پکتی ہے۔ مگر بازاروں میں ملنا ذرا دشوار ہے۔ کیونکہ یہاں کے دوکاندار عموماً ماش کی دال نہیں پکاتے۔ ہاں قلاقند جتنا چاہیں مل جائے گا۔"

ھم نے کہا:

"بھائی ہم لوگ عرس میں شرکت کی نیت سے آئے ہیں۔ اور صاحبِ مزار کے مہمان ہیں۔ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ ہم بازاروں میں لذیذ کھانے تلاش کرتے پھریں۔ یہ خلافِ ادب ہے۔"

ہماری یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک ضعیف العمر شخص ہمارے پاس آئے اور علیک سلیک کے بعد کہنے لگے:

"جناب مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر آپ لوگ کھانا ہمارے گھر کھائیں۔"

ھم نے کہا:

"صاحب یہ تو ٹھیک ہے مگر ہم تو عرس پر آئے ہوئے ہیں اور حضرت کے مہمان ہیں۔ اور جگہ جا کر کیسے کھانا کھا سکتے ہیں؟"

بڑے میاں فرمانے لگے:

"ہم بھی تو انھیں کے غلام ہیں۔ یہ دعوت آپ انھیں کی جانب سے سمجھئے۔"

چنانچہ بڑے اصرار سے ہمیں وہ اپنے گھر لے گئے۔ جب کھانا چُنا گیا تو ھم نے دیکھا کہ اور چیزوں کے علاوہ ماش کی دال بھی ہے۔ دال دیکھ کر ہم دونوں مسکرا دیئے۔ خیر کھانا کھالیا۔ واقعی دال بہت لذیذ تھی۔ اَب ہاتھ دُھلانے کے لئے تسلہ اور پانی لایا گیا تو صاحبِ خانہ نے کہا:

"ارے بھائی قلاقند تو لائے نہیں، طاق میں رکھے ہوئے ہیں۔ جلدی لاؤ۔"

اَب تو ہم لوگ ضبط نہ کر سکے ۔ بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔ صاحبِ خانہ کو کچھ حیرت سی

ہوئی۔ کہنے لگے:

"بات کیا ہے میں نے پہلے بھی آپ لوگوں کو مُسکراتے ہوئے دیکھا تھا؟"

ہم نے کہا:

"صاحب چھوڑیئے اِس قصّہ کو۔ کچھ آپس کی بات ہے۔"

مگر وہ نہ مانے اور سِر ہوگئے۔

"نہیں صاحب آپ کو بتانا ہوگا۔"

ہم نے سارا ماجرہ سُنا دیا۔ بڑے میاں کہنے لگے:

"اچھا اب میں سمجھا۔ یہ بات تھی۔"

انھوں نے کہا:

"اس وقت میرا کوئی ارادہ درگاہ جانے کا نہیں تھا۔ بس بلا ارادہ دِل میں ایک ہُوک سی اُٹھی۔ کہ چلو درگاہ شریف۔ بڑی ہی سخت قسم کی کشش محسوس کرنے لگا۔ اور کچھ ایسی اضطرابی کیفیت ہُوئی کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ درگاہ شریف پہنچنے کے بعد جب آپ لوگوں کو دیکھا تو میرے دِل نے شدید تقاضا کیا کہ ان دونوں صاحبان کو گھر لے چلو۔ اور ان کے ساتھ کھانا کھاؤ۔"

بنگالی بابُو

اِرشاد فرمایا کہ وہ جو بنگالی بابُو تھا۔ ایک دفعہ اپنے ساتھ ایک ہندو کو لے آیا۔ وہ ہندو" اوم" کا شغل کیا کرتا تھا۔ ہم نے اس میں تھوڑی سی تبدیلی کرکے اس سے کہا: "اب یہ شغل اس طرح کرلیا کرو۔"

کچھ عرصہ کے بعد ہم نے اُس کو اِسم سے مسمّٰی کی طرف لگا دیا۔ بس اس کا کام بن گیا۔ خود بنگالی بابُو بھی تو ہماری خبر لینے آیا تھا۔ لیکن اس کی قسمت میں بھی اللہ کی طرف سے ہدایت تھی۔ اِسلام قبول کیا اور بڑا اچھا مُسلمان ثابت ہوا۔ یہاں تک کہ خُدا کے فضل وکرم سے سجدہ میں جان دی۔

ہندو اور یہودی

ارشاد فرمایا۔ ہم نے "نیو سرچ لائٹ آن دی ویدک آرینز"[1] میں واضح کر دیا ہے کہ ہندوؤں اور یہودیوں کی اصل ایک ہے۔ دونوں کی عادات و خصائل یکساں ہیں۔ دیکھو یہودیوں نے یورپ اور امریکہ میں اپنی چالبازیوں سے لوگوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے اور ہندوؤں نے ہندوستان میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ جنگِ عظیم اوّل و دوم دونوں کے موجب یہودی تھے۔ خاص وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ بڑے سرمایہ دار ہیں۔ بڑے بڑے اسلحہ ساز اور دوسرے کارخانوں کے مالک ہیں۔ جنگ اس لئے چاہتے ہیں کہ ان کے ہتھیاروں کی مانگ بڑھے۔ اور ان کا کاروبار ترقی کرے۔ کس قدر وحشیانہ اور ذلیل ذہنیت ہے۔ دیکھ لینا تیسری جنگِ عظیم بھی یہی لوگ کرائیں گے۔

گرونانک

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ "تذکرۃ الرشید" میں ذکر ہے کہ گرونانک حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں سے ایک صاحب کے مرید تھے۔ مجذوب ہو گئے تھے۔ چونکہ اکثر مجاذیب سے کشف و کرامات کا ظہور بکثرت ہوا کرتا ہے اس لئے ہندو لوگ جو عام طور پر عجائب پرست واقع ہوئے ہیں۔ ان کے گرویدہ ہو گئے۔ اسی طرح بڑھتے بڑھتے ان کے معتقدین کی جماعت نے ایک علیحدہ فرقہ کی صورت اختیار کر لی اور ایک جدا مذہب کی بنیاد پڑ گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ گرونانک مسلمان تھے۔ ان کی کتاب گرنتھ صاحب کے پہلے شعر میں خدا و رسول کی حمد و ثنا موجود ہے۔ سکھوں کے پاس گرونانک کے وقت کا ایک پردہ ہے جس پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ انھوں نے حج بھی کیا تھا۔ چونکہ استغراق کی حالت رہتی تھی، ایک دفعہ کعبہ کی طرف پیر پھیلا کر سو گئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا:

"اچھا جس سمت خدا نہ ہو میرے پیر اسی طرف کر دو۔"

---

[1] NEW SEARCHLIGHT ON THE VEDIC ARYANS

سِکھوں کو چاہیئے تھا کہ اپنے آپ کو اِسلام کا ایک فرقہ سمجھتے کیونکہ گُرونانک درحقیقت مُسلمان تھے ۔لیکن اس فرقہ نے تو مُسلمانوں سے دشمنی اور ہندوؤں سے ساز باز کرلی ہے ۔حالانکہ دیکھو گُرونانک کی تعلیمات اور HINDUISM (ہندو مت کی تعلیمات) میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ہندو بُت پرست ہیں، گُرونانک موحّد تھے ۔غلبہ استغراق کی وجہ سے وہ بال نہیں کٹواتے تھے اس لئے ان کے معتقدین بھی بال نہیں کٹواتے ۔

بھگوت گیتا ایک موقعہ پر اِرشاد فرمایا کہ بھگوت گیتا کو ایک مُسلمان ہی سمجھ سکتا ہے ۔یہ ہندوؤں کی سمجھ میں آنے والی چیز نہیں ہے ۔

عبداللہ بن سلامؓ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے اِسلام لانے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ عبداللہ بن سلامؓ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے ۔یہودیوں میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی ۔جب وہ رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پہنچ کر مُسلمان ہوگئے، تو آپؐ نے انھیں ایک ایک طرف آڑ میں بٹھا دیا اور یہودیوں کو بُلا کر دریافت فرمایا :

"عبداللہ بن سلام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے ؟ "

انھوں نے جواب دیا :

"وہ بہت بڑے عالم ہیں ۔نیک ہیں ۔صائب الرّائے ہیں ۔"

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :

"جو شخص تمہارے نزدیک اِتنی خوبیوں کا مالک ہے وہ تو اِسلام قبول کرچکا ہے ۔لہٰذا اَب تمھیں بھی اِسلام کے دائرہ میں آجانا چاہیئے ۔"

اِتنا فرما کر آپؐ نے عبداللہ بن سلامؓ کو اُن کے رُوبرو کردیا ۔جب یہودیوں نے دیکھا کہ واقعی وہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لاچکے ہیں تو اَب اُن کی تعریف ہجو میں

تبدیل ہوگئی۔ کہنے لگے :

"یہ تو بڑا ہی بے وقوف اور جاہل آدمی ہے ہم کیوں اس کی پیروی کریں۔"

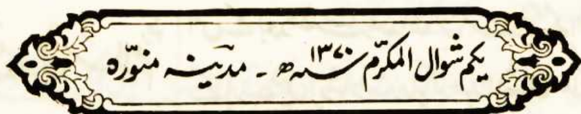
عدلِ نبویؐ

ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک معزز گھرانے کی لڑکی جس کا نام فاطمہ تھا، چوری کے جرم میں ماخوذ ہوئی۔ جسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اب بعض لوگوں نے سفارش کرنی شروع کی کہ :

"حضورؐ یہ ایک اعلیٰ خاندان کی لڑکی ہے، اسے معاف فرمادیں۔"

لیکن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"محمد کی بیٹی فاطمہؓ بھی ہوتی تو اُسے معاف نہ کیا جاتا۔"



ایک حدیث کا صحیح مفہوم

عید کے دن حضرت اقدسؒ بمبئی والے محمد حسین رجو میاں کے گھر تشریف لے گئے۔ دورانِ گفتگو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ شروع شروع میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں دونوں کو زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب وجہِ امتناع جاتی رہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو قبرستان جانے کی اجازت دی اور اس حکم میں عورتیں بھی شامل ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا :

"ہم قبرستان جاکر کیا پڑھیں ؟"

تو آپؐ نے انھیں ایک دُعا تعلیم فرمائی۔ اگر عورتوں کا قبرستان میں جانا منع ہوتا تو آپؐ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی منع فرماتے۔

اِس کے بعد فرمایا کہ تعجب تو یہ ہے کہ ایک فرقہ کے لوگ مردوں کو بھی مزاراتِ انبیاءؑ و

اولیاء پر جانے سے روکتے ہیں اور اپنے دعوے کو ثابت کرنے کیلئے یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی ھٰذا۔	اُونٹوں پر کجاوے نہ کسے جائیں سوائے تین مساجد کے لئے۔ مسجد بیت اللہ، مسجد اقصیٰ اور یہ میری مسجد یعنی مسجدِ نبویؐ۔

حالانکہ اس حدیث کا مطلب بالکل صاف ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کے لئے سفر نہ کیا جائے۔ کیونکہ ثواب کے لحاظ سے صرف ان تین مساجد میں نماز ادا کرنے کی زیادہ فضیلت آئی ہے۔ ان تین مسجدوں کے علاوہ دُنیا کی کسی مسجد میں بھی یہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مسجد الحرام میں ایک رکعت کا ثواب ایک لاکھ رکعتوں کے برابر ہے۔ مسجد نبویؐ میں پچاس ہزار رکعتوں کے برابر اور مسجد اقصیٰ میں پچیس ہزار رکعتوں کے برابر ہے۔ یہ حُکم صرف مساجد کی حد تک ہے۔ مگر ان لوگوں نے تو تمام مقامات کا سفر ممنوع قرار دے دیا۔ یہ بالکل جہالت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس کمرہ میں صرف تین آدمی ہیں تو کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اس میں تین آدمیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ کوئی سامان ہے، نہ میزیں ہیں، نہ کرسیاں ہیں۔ اگر اس حدیث کے معنی یہی ہیں جو یہ لوگ سمجھ رہے ہیں تو پھر طلبِ علم کے لئے بھی سفر حرام ہُوا۔ اور بیٹا اپنے والدین سے ملنے کے لئے سفر کرے تو وہ بھی حرام فعل کا مرتکب ہُوا۔ یہ لوگ مسجدِ نبویؐ کی فضیلت تو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی زیارت کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن جس ہستی کی وجہ سے اِس مسجد کو یہ شرف حاصل ہوا ہے اس کو ELIMINATE (خارج از بحث) کر دیتے ہیں۔ کس قدر جہالت ہے۔

بانسری کی آواز

مزامیر کے متعلق گفتگو تھی۔ ارشاد فرمایا: ایک حدیث ہے کہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آپ کے ساتھ تھے۔ راستے میں کہیں بانسری کی آواز سُنائی دی۔ آپؐ نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا:

"جب یہ آواز آنی بند ہو جائے تو اُس وقت مجھے بتا دینا۔"

اَب تعجّب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ بانسری اور دیگر مزامیر کی حُرمت میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ اور صُوفیائے کرام اسی حدیث کی رُو سے سرود کی حلّت ثابت کرتے ہیں صوفیاً کا استدلال یہ ہے کہ اگر بانسری کا سُننا حرام ہوتا تو رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے صحابی کو حُکم نہ دیتے کہ تم سُنتے رہو۔ بلکہ نہ سُننے کا حکم دیتے۔ اور یہ فرماتے کہ اس کا سُننا حرام ہے۔ اَب اس کا جواب منکرینِ سماع کی جانب سے یہ ملتا ہے کہ اُس وقت عبداللہ بن عمرؓ بہت کم سِن تھے۔ اِس لئے انھیں اس وقت اجازتِ سماع دی گئی۔ اوّل تو یہ بات ثابت نہیں ہے کہ وہ کم سِن تھے۔ دوم یہ کہ جو چیز بڑوں کے لئے حرام ہے وہ چھوٹوں کے لئے کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی اپنے لڑکے کو خنزیر کا گوشت کھلائیگا۔ یا اس کو شراب پلائیگا؟ بات دراصل یہ ہے کہ اُس وقت رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم پر کوئی خاص کیفیت طاری تھی۔ اس لئے آپ نے کانوں میں اُنگلیاں دے لیں۔ تاکہ بانسری کی دِل کش آواز سے وہ کیفیت زائل نہ ہو۔ اس حدیث سے یہ بھی مترشح ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بانسری کی آواز بہت مرغوب تھی ورنہ ایسی ویسی آواز خلل نہیں ڈال سکتی۔

حسین چہرہ پر سیاہ تل

ارشاد فرمایا:

چیست دُنیا از خُدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دُنیا جسے بُرا کہا جاتا ہے۔ کیا ہے؟ خُدا سے غافل ہونا۔ نہ کہ سونا چاندی اور بیوی بچّے۔ جو شخص کثرتِ مال و اہل و عیال کے باوجود اپنے اللہ سے غافل نہیں ہے وہ دُنیا سے بچا ہُوا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: حضرت بہاؤ الدّین ذکریا ملتانیؒ کے پاس بے شُمار دولت تھی مشہور بات ہے کہ آپ کے اصطبل میں گھوڑوں کے کھونٹے بھی سونے کے تھے۔ یہ دیکھ کر

ایک بزرگ نے آپ سے کہا:

"دَرویش کے لئے اس قدر سونا چاندی رکھنا مناسب نہیں ہے۔"

آپؒ نے فرمایا: "الحمد للہ کہ در گِل اندا ختم نہ در دل"

یعنی شُکر ہے اللہ کا کہ میں نے اسے گِل (مٹی) میں ڈال دیا ہے دِل میں نہیں۔ دُوسرا جواب یہ بھی دیا کہ معلوم ہوتا ہے تمہارے دل میں دُنیا کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

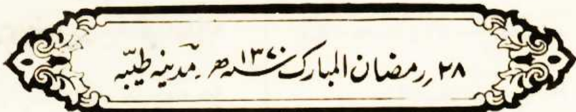
قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ	فرما دیجئے (کہ) دُنیا کی پُونجی تھوڑی ہے۔

اور آپ اسے اتنی اہمیّت دے رہے ہیں۔ تیسرا جواب آپؒ نے یہ دیا۔ دَرویش کے لئے سونا چاندی رکھنا ایسا ہی ہے جیسے "ایک حسین چہرہ پر سیاہ تِل"۔ لیکن جب آپ کا وصال ہُوا تو آپؒ کے صاحبزادہ صاحب نے پہلا کام یہ کیا کہ ساری دَولت خیرات کر دی۔ لوگوں نے عرض کیا:

"حضرت آپ کے والد صاحب کا تو یہ نظریہ تھا کہ مال و دَولت فقر کے منافی نہیں ہے۔"

انھوں نے فرمایا:

"والدِ بزرگوار میں اِتنی قوّت تھی کہ وہ دِین اور دُنیا دونوں کا حق اَدا کر سکتے تھے میں اَپنے اندر یہ صلاحیت نہیں پاتا۔ خوف تھا کہ کہیں دُنیا کے فریب میں مُبتلا نہ ہو جاؤں۔ اس لئے اس سے پیچھا چھڑا لیا۔"



دوئی ہے ہی نہیں

حضرتِ اقدسؒ نے دریافت فرمایا۔ "اُن بخاری صاحب کا کیا نام ہے، جو ہم سے ملے تھے؟"

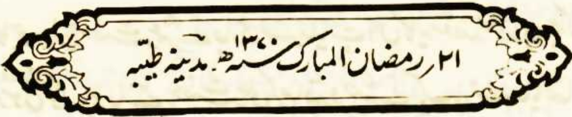
عرض کیا گیا :

"ان کا نام ملا حامد ہے۔"

فرمایا: ان کے شیخ کو مدینہ شریف میں قبض اور مکہ معظمہ میں بسط رہا کرتا تھا۔ اور ملا حامد نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک مدینہ شریف میں قبض ہوئی تھی۔ اس لئے ان کو یہاں قبض ہو جاتا تھا اور جائے پیدائش آپؐ کی مکہ معظمہ ہے اس لئے وہاں آپ پر حالتِ بسط طاری رہتی تھی۔

حضرت اقدسؒ نے فرمایا یہ الجھنیں کئی وجوہات کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں مثلاً یہ کہ خدا ورسولؐ میں کھینچ تان کرنا۔ اور دو الگ الگ POWERS (طاقتیں) قرار دینا۔ حالانکہ وہی ایک نور ہے جو دو صورتوں میں جلوہ گر ہے۔ بس وہی عروج ونزول کا معاملہ ہے۔ یہ سوچنا کہ رسولؐ کو راضی کیا جائے یا خدا کو۔ کن باتوں سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوتے ہیں اور کن باتوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے۔ گویا اللہ اور رسول کو دو طاقتیں تصور کرنا ہے۔ اس قِسم کی باتوں سے یہ الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ نبوّت کا کیا کام ہے! بندوں کو اللہ سے ملانا۔ رسولؐ بندہ اور خدا کے درمیان واسطہ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اللہ سے ملنے کا خواہش مند ہے تو اس سے بڑھ کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ اور اللہ کی رضا بھی تو اسی میں ہے کہ میرے رسولؐ کے وسیلہ سے مجھ تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ لوگوں نے خواہ مخواہ دوئی پیدا کر دی ہے۔ یہاں تو دوئی ہے ہی نہیں۔

مَن يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔	جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔



نمازِ تراویح

احقر نے عرض کیا کہ آج رات میں تراویح کی جماعت میں شریک نہ ہو سکا۔ کیا میں الگ پڑھ سکتا ہوں؟ ارشاد فرمایا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نمازِ تراویح کے لئے جماعت کا دستور نہ تھا۔ صرف تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھی ہے۔ تیئیسویں[۲۳]۔ پچیسویں[۲۵] اور ستائیسویں[۲۷] یعنی ان تین طاق راتوں میں آپؐ نے مسجدِ نبویؐ میں صحابہؓ کی امامت کی۔ جیسے جیسے لوگوں کو اس کا علم ہوتا گیا تعداد بڑھنی شروع ہو گئی۔ اور آپؐ نے تراویح پڑھانا موقوف کر دیا۔ چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد فرمایا:

"مجھے خوف تھا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے اور تم اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکو۔"

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں دوبارہ اس سنت کا احیاء کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"اب تو وحی کا دروازہ بند ہے۔ تراویح فرض نہیں ہو سکتی۔"

لہٰذا آپؓ نے جماعت کے ساتھ بیس[۲۰] رکعتیں پڑھنے کی تجویز پیش کی۔ سب نے بدل و جان اسے قبول کر لیا اور اس طرح یہ تراویح کی نماز با جماعت پڑھنے کا رواج شروع ہو گیا۔ اور الحمد للہ آج تک قائم ہے۔ حدیثِ رسول ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ بَعْدِيْ۔	تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت پر اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔

اس حدیث کی رو سے تراویح با جماعت پڑھنا ضروری ہو گیا۔ ہاں ایسے موقعہ پر جیسے آج تم کسی وجہ سے جماعت میں شامل نہ ہو سکے تو تمہیں علیحدہ پڑھ لینی چاہیئے۔ جماعت سے تراویح

پڑھنے کا جو رواج حضرت عمرؓ نے جاری فرمایا ہے اس کا یہ مقصد تھوڑا ہی ہے کہ نعوذ باللہ سُنّتِ رسُولؐ ترک ہو جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ایک بار فرمایا تھا:

"اللہ تعالیٰ عُمرؓ کی قبر کو نُور سے بھر دے جیسا کہ انھوں نے ہماری مسجدوں کو منوّر کیا ہے۔"

شیخ بھی خلیفۂ راشد ہے

اس کے بعد فرمایا کہ خلفائے راشدین کون ہیں؟ ہمارے مولانا صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ہمارے نزدیک تو حضرت غوث الاعظمؓ اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ بھی خلفائے راشدین میں شامل ہیں۔ ایک دوسرے موقعہ پر حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ سالک کے لئے اس کا شیخ خلیفۂ راشد ہے۔

۲۵ مارچ ۱۹۴۸ء۔ ڈیرہ نواب صاحب

مشیت ایزدی

آئندہ پروگرام کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا اُچ شریف بھی ضرور جانا ہے۔ ویسے تو پلیٹ فارم پر اُترتے ہی ان کا فیضان شروع ہو گیا۔ ہم رُوحانی طور پر محسوس کر رہے ہیں۔ لیکن انسان چونکہ مجموعہ ہے رُوح و جسم کا اِس لئے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس جسم کے ساتھ بھی ان کے دربار میں حاضری دی جائے۔ چنانچہ طے پایا کہ پہلے اُچ شریف جائیں اس کے بعد پنجند ہوتے ہوتے بہاولپور جائیں اور وہاں سے لاہور روانہ ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حضرتؒ نے یہ فرمایا کہ ہمارا پروگرام قطعی نہیں ہے۔ کیونکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہو۔ قرآن شریف میں ہے:

مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔	تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو جو اللہ تعالیٰ چاہے۔

ہمارا ارادہ اور ہماری خواہش سب اسی کے بس میں ہے۔

شرک کی ۲ دو قسمیں

ارشاد فرمایا، شرک کی ۲ دو قسمیں ہیں۔ شرکِ اعتقادی، اور شرکِ عملی۔ شرکِ اعتقادی سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج۔ لیکن شرکِ عملی سے مشرک نہیں ہوتا البتہ گنہگار ضرور ہو جاتا ہے۔ مثلاً حکم ہے کہ اپنی بیوی بچوں اور دُنیا کی ہر شَے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھنی چاہیئے۔ لیکن اگر کسی شخص کے دل میں باری تعالیٰ سے زیادہ اہل و عیال سے محبت ہے۔ تو یہ شرکِ عملی ہے۔ اس کا مرتکب گنہگار تو جاتا ہے۔ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ شرکِ اعتقادی یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کا کوئی شریک ہے یا اس کے برابر کا کوئی ہے۔

سیری نہیں ہونی چاہیئے

ارشاد فرمایا، ہمارے مولانا صاحبؒ کے ہاں چند مرید آئے ہوئے تھے۔ کچھ دِنوں کے بعد مولانا صاحبؒ نے ان لوگوں سے فرمایا:

"اَب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔"

ان لوگوں نے عرض کیا:

"حضور دو چار دن کی اور اجازت دیجئے۔ ابھی ہماری سیری نہیں ہوئی۔"

مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"دو چار روز میں سیری ہو سکتی ہے تو ٹھہر جاؤ۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ سیری ہوئی اور قصّہ ختم۔ سیری ہی نہیں ہونی چاہیئے۔ جس طرح ذات کی اِنتہا نہیں ہے اسی طرح طلب کی بھی اِنتہا نہیں ہونی چاہیئے۔

احقر نے عرض کیا:

"ذوق و شوق طرح طرح کی صُورتیں تراشتا رہتا ہے۔ کیا کیا جائے۔
نگاہیں ترس رہی ہیں۔"

حضرتؒ نے فرمایا: یہ فتح باب ہے۔ دَر سے جو باہر ہے وہ باہر ہی ہے۔ اُس سے کوئی معاملہ نہیں۔ لیکن جو اندر آگیا اُس سے چھیڑ چھاڑ جاری رہے گی ؎

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسدؔ ÷ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

اِس کوچہ میں سیری نہیں ہونی چاہیئے۔

آجکل کا ماحول

اِرشاد فرمایا: اگلے زمانہ میں اِسلامی ماحول تھا۔ لوگ اکثر صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ اس لیے مشائخ کو بہت زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ لیکن آجکل کا ماحول ANTI GOD (ملحدانہ) ہے۔ اِس ملحدانہ فضا میں رہ کر کام کرنا بہت مشکل ہے۔ مذہب اور خُدا کا نام لینا سوسائٹی میں معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی شاہ صاحب کے ہاں لوگ جمع ہونے لگتے ہیں تو حکُومت کو ان کے متعلق شبہ ہونے لگتا ہے کہ کہیں کوئی سیاسی تحریک نہ چلا رہے ہوں۔ ہمارے مولانا صاحبؒ کے تعاقب میں ہمیشہ جاسُوس رہا کرتے تھے لیکن تصرّفات سے انھوں نے حکُومت سے بھی اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ مریدین کی ہدایت وتعلیم میں بھی کامیاب رہے۔ اور دُوسرے اہم امور بھی انجام دیتے رہے۔ حقیقتاً یہ بہت غیر معمولی باتیں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ایک طرف تو انگریزی تعلیم کی وجہ سے لوگوں کے دماغ الحاد کی طرف مائل ہو گئے ہیں تو دُوسری جانب ایسے لوگ بھی ملیں گے جو بدترین جہالت کا شکار ہیں۔ کسی پیر کے مُرید ہو گئے اور سمجھ لیا کہ بس اپنا کام بن گیا۔ اَب نہ انھیں نیک عمل کی پروا رہی نہ اپنی نفسانی خواہشات سے بچنے کی کوشش ہو گی، نہ پیر کی تلقین و ہدایت سے انھیں سروکار۔ یہ حالت ہے آجکل کے مریدوں کی۔ اَب دیکھو نا، جتنے بھی لوگ آتے ہیں دنیوی اغراض لے کر آتے ہیں۔ کوئی ملازمت کے لئے آتا ہے۔ کوئی بیوی سے تنگ ہو کر آتا ہے۔ کوئی اولاد کا خواہشمند ہے۔ اگر کوئی وظیفہ انھیں بتا دو تو کہتے ہیں کہ مہربانی

فرما کر آپ خود ہی ہمارے لئے وظیفہ پڑھ دیجئے۔ ہم پریشان ہیں۔ یکسوئی نصیب نہیں۔ یکسوئی کے بغیر ہم کس طرح وظیفہ کر سکتے ہیں۔ توجہ اللہ آنے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسمِ ذات کا ورد ہم دو ہزار بتاتے ہیں۔ ہمارے مولانا صاحبؒ کم از کم پانچ ہزار سے شروع کرا کے پچیس ہزار تک لے جاتے تھے۔

ولایتِ یوسفی

ایک مرتبہ حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ جب ہم آگرہ میں مقیم تھے تو بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ گھر میں سات سات دن فاقہ رہتا۔ آگرہ میں قیام کے دوران ہمیشہ تنگ دستی رہی۔ جب آگرہ سے بمبئی بھیج دیئے گئے تو وہاں بھی ایسی ہی حالت رہی۔ اس کے علاوہ مخالفین نے بھی تنگ کر رکھا تھا۔ ایک دفعہ سات دن متواتر فاقہ رہا۔ ایسے موقعہ پر چھوٹی بچی کے لئے ایک ہوٹل والے سے صرف چائے اور بسکٹ اُدھار پر لئے جاتے تھے۔ ساتویں شب کو ہم سخت بیمار ہوئے۔ تیز بخار۔ سر میں شدید درد۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ بس اب آخری وقت ہے۔ اس وقت ہم نے اہلیہ اور بچوں کو کچھ وصیّت بھی کی۔ رات کے تقریباً دو بجے ہماری آنکھ لگ گئی اور ہم نے ایک خواب دیکھا۔ اگرچہ ہم سوئے صرف چند گھنٹے مگر خواب جو دیکھا اس کی مدّت تین دن کی تھی۔

ہم نے خواب میں دیکھا کہ ہم ایک مسجد میں ہیں۔ اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکّیؒ تشریف لا رہے ہیں۔ انھیں دیکھتے ہی ہم کھڑے ہو گئے۔ آپؒ نے فرمایا:

"آنکھیں موند لو۔"

ہم نے آنکھیں بند کر لیں تو آپؒ نے ہمارے قلب پر نظر ڈالی اور فرمایا:

"تمہاری حالت بالکل ٹھیک ہے۔"

اور فرمایا:

"کچھ اور حبس دم کرو۔"

ہم نے اُسی وقت حبسِ دَم کرنے کی کوشش کی مگر کر نہ سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جسمِ لطیف (صُورتِ مثالی) کے لئے سانس روکنا ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ خود مثل سانس کے ہے۔ ہم نے حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کیا:

"حضور اس وقت میں نے بہت کوشش کی، مگر کامیاب نہیں ہو رہا ہُوں۔"

آپؒ نے فرمایا:

"پھر کرو۔"

آپؒ کے یہ فرماتے ہی کہ پھر کرو۔ دفعتہً ساری کائنات گُم ہوگئی اور ہم ذات میں فنا ہوگئے۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ حبسِ دَم سے حاجی صاحبؒ کی مراد حبسِ نفسِ رحمانی تھی۔ یعنی اُس سانس کا رُک جانا جس سے موجودات ظہور میں آتے ہیں۔ اتنی توجہ دینے کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا:

"اَب کل پھر آئیں گے۔"

اسی خواب کی حالت میں ہمیں پُورا دن گزرتا ہُوا معلوم ہوا۔ غرض دُوسرے دن شب میں حضرت حاجی صاحبؒ دوبارہ تشریف لائے اور ایک خاص قِسم کی توجّہ سے ہمیں سرفراز فرمایا۔ اسی طرح تیسری شب میں بھی توجّہ سے نوازا اور ہمیں حضرت یُوسف علیہ السلام کے مزارِ اقدس پر لے گئے۔ جب ہم وہاں بیٹھ گئے تو ہمارے شیخ علیہ الرحمۃ ہمارے پاس بیٹھے ہُوئے نظر آئے۔ مزارِ مُبارک کی طرف سے توجّہ اس قدر تیز تھی کہ ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہوگئی۔ اِتنے میں ہمارے شیخؒ نے ہماری پُشت پر ہاتھ رکھا جس سے برداشت کی قوّت پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے۔ چلتے وقت حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا:

"یہاں بیٹھو اور سورۂ یٰسین پڑھو۔"

ہم نے یٰسین شریف پڑھنی شروع کی اور جب اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی پر پہنچے تو ہماری

آنکھ کھل گئی۔ اٹھ کر دیکھا تو صبح کے پانچ بجنے والے تھے۔ بیماری غائب تھی اور ہم بالکل تندرست تھے۔ ہم نے وضو کیا۔ صبح کی نماز ادا کی۔ اور اپنے معمولات میں مشغول ہو گئے تھوڑی دیر بعد ہمارے ایک پیر بھائی نے جو ایک عرصہ سے سخت بیمار تھے، بذریعہ موٹر کار ہمیں بلوایا۔ وہاں پہنچ کر جب انھیں دیکھا تو بے چارے زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ گھر والوں نے ہمیں چپکے سے بتایا:

"ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔"

ہم نے اللہ کے بھروسے انھیں تسلی دی۔ اور اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى پڑھ پڑھ کر دَم کرنا شروع کر دیا۔ متعدد بار پڑھ کر ہم نے دَم کیا۔ خُدا کے فضل سے صحت کے آثار دکھائی دینے لگے۔ اور شام تک وہ بالکل اچھے ہو گئے۔ ان کے گھر والوں نے چائے اور بسکٹ پیش کئے۔ لیکن ہم نے انکار کر دیا۔ کیونکہ ہمارے گھر والے بھی تو ہمارے ساتھ فاقہ کی نعمت میں شریک تھے۔ اس وقت کسی نے ہماری جیب میں کچھ ڈال دیا۔ جس کی ہمیں اُس وقت مطلق خبر نہ ہوئی۔ گھر پہنچ کر ہمیں معلوم ہوا کہ کسی نے ہماری جیب میں سَو روپے کا نوٹ ڈال دیا ہے۔ اس کے بعد تنگ دستی ختم ہو گئی اور فتوحات کا دَور شروع ہو گیا۔ مخالفین کی شرارتیں بھی ختم ہو گئیں۔ جب مولانا صاحبؒ بمبئی تشریف لائے تو ہم نے اپنا یہ خواب بیان کیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مزارِ مبارک پر حاضری کا مطلب سمجھے؟

فرمایا "تمھیں ولایتِ یوسفی عطا ہوئی۔"

شانِ بے نیازی

ایک موقعہ پر اِرشاد فرمایا کہ حضرت بندہ نواز سیّد محمّد گیسو درازؒ نے اپنی کتاب 'جوامع الکلم' میں یہ واقعہ قلمبند کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک سیّاح حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ دورانِ گفتگو اس نے کوئی ایسی بات کہی کہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ پر گریہ طاری ہوا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا:

"بھائی، تم نے ایسی کیا بات شیخ کی خدمت میں بیان کی ہے جسے سُنکر حضرت شیخ پر اس قدر شدید گریہ طاری ہوا ہے ؟"

اس نے کہا حضرت شیخ نے مجھ سے دریافت فرمایا :

"کن کن لوگوں کو تم نے دیکھا ؟"

میں نے عرض کیا :

"کئی مشائخِ عظام سے مِلنے کا اتفاق ہوا۔ خواجہ محمد بُکاؒ سے بھی مُلاقات ہوئی۔"

تو حضرت شیخ نے مجھ سے دریافت فرمایا :

"بُکا کس وجہ سے کہلاتے تھے ؟"

تو میں نے ان کا پورا واقعہ سُنا دیا کہ حضرت خواجہ محمدؒ ایک سوداگر زادہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم فرمایا۔ وہ دُنیا سے بالکل متنفّر ہو گئے اور ایک ایسے شیخ کی تلاش شروع کر دی جو صحیح معنوں میں تارک الدُنیا ہوں۔ آخرکار انھیں پتہ چلا کہ اُسی شہر میں ایک ایسے بزرگ نے قیام فرمایا ہے جو اسباب دُنیا سے بالکل بے نیاز ہیں۔ حتّٰی کہ جا نماز تک ان کے پاس نہیں ہے۔ بغیر جا نماز کے زمین پر نماز پڑھ لیتے ہیں۔ خواجہ محمدؒ اُن کی صحبت میں رہنے لگے۔ کافی عرصہ ان کی خدمت میں رہے۔ ایک روز اُن بزرگ نے کہا :

"اَب ہم اپنے وطن جانا چاہتے ہیں۔"

خواجہ محمدؒ نے کہا :

"مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔"

لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ آخر بڑی خوشامد کے بعد کئی مرتبہ عرض معروض کرنے پر وہ راضی ہو گئے۔ اور جب شہر سے روانہ ہوئے تو کچھ دُور پہنچ کر فرمایا :

"آؤ مجھ سے معانقہ کرو۔"

خواجہ محمدؒ یہ سمجھے کہ وہ بزرگ اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے۔ اور معانقہ کرکے مجھے رُخصت کردیں گے۔ وہ آہ وزاری کرنے لگے۔ لیکن یہ بات نہیں تھی۔ اُن بزرگ نے کہا:

"اپنا سَر میرے سینے پر رکھو اور آنکھیں بند کرلو۔"

خواجہ محمدؒ نے حُکم کی تعمیل کی۔ پھر فرمایا:

"اب آنکھیں کھول دو۔"

اور جب آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اُن کے شہر میں پایا۔ ان بزرگ کی بہت بڑی خانقاہ تھی۔ یہ اپنی خانقاہ پہنچے اور شہر میں ان کی آمد کا چرچا ہُوا تو بہت سے اکابر اور معروف شخصیتوں نے آپ سے آکر مُلاقات کی۔ خانقاہ میں بہت سے صُوفی یادِ حق میں مشغول تھے۔ ان کی ہمشیرہ صاحبہ کا بھی ایک حجرہ تھا جس میں وہ شب و روز ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ غرضیکہ اس خانقاہ کی عجیب شان تھی۔ کہیں اسمِ ذات کی ضربیں ہیں، کہیں ھُوحق کے نعرے، تو کچھ صُوفی مراقبہ میں بیٹھے ہُوئے۔ گویا مختلف اذکار و مشاغل میں مشغول ہیں۔ ان صوفیا میں ایسے بھی تھے جو ہوا میں اُڑتے تھے اور پانی پر چلتے تھے۔ ان کے مجاہدوں کی یہ شان تھی کہ کئی کئی وقت گزر جاتے تھے اور انھیں کھانے پینے کا ہوش تک نہ ہوتا تھا۔ بس رات قیام میں اور دن صیام میں کٹ جاتا تھا۔ ان بزرگ کے حجرہ سے متصل ہی خواجہ محمدؒ کو حجرہ مل گیا جس میں وہ مشغول رہا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ بزرگ بیمار ہوگئے۔ اور ایسے بیمار ہُوئے کہ بچنے کی اُمید نہ رہی۔ ایک روز جب ان کی حالت زیادہ خراب ہُوئی تو ان کی ہمشیرہ ان کے کمرہ میں گئیں اور دروازہ بھیڑ لیا۔ خواجہ محمدؒ فرماتے ہیں کہ کمرہ کے اندر بڑے زور کا مکالمہ ہونے لگا۔ گھبرا کر میں نے دروازہ سے کان لگادیئے تو ان کی بہن یہ کہہ رہی تھیں:

"ایسی بات مت کرو۔ میں کہتی ہُوں یہ کیا بک رہے ہو! ایسی بات مت کہو۔"

اس کے بعد کئی بار ان کی بہن کو یہ کہتے سُنا :

"یہ نہ کہو۔ ایسا نہ کہو۔ میں کہتی ہُوں توبہ کر لے۔ ارے کم بخت کافر ہو کر مرے گا۔"

پھر یک لخت ڈانٹنے لگیں :

"اے بد بخت چُپ ہو جا۔ اے مجوسی خاموش۔ اے نصرانی اے یہودی تُو برباد ہو گیا۔"

خواجہ محمدؒ نے دروازہ پر سر دے مارا اور پکارا :

"اے عورت یہ اندر کیسا شور ہے!"

اُس نے دروازہ کھولا اور بال بکھیرے ہُوئے سر پیٹتی ہُوئی باہر آئی۔ مجوسیوں، عیسائیوں اور یہودیوں کو بلوا بھیجا :

"آؤ اور اس آدمی پر اپنی رسوم ادا کرو۔ کیونکہ یہ بے ایمان ہو کر مرا ہے۔ کتاب اللہ، وحدانیت و رسالت اور تمام عقائدِ اسلام کا منکر ہو کر مرا ہے۔ میں بہت سمجھاتی رہی لیکن یہ بد قسمت کلماتِ کُفر بکتے بکتے مر گیا۔"

اس وقت سے حضرت خواجہ محمدؒ پر گریہ طاری ہُوا اور اس شدّت کا گریہ کہ آپ کا چہرہ مُبارک زخمی ہو گیا۔ اور کبھی آپ کا گریہ نہیں تھما۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے آپ کے نام کے آگے بُکا کا لفظ بڑھا دیا۔ اور آپ خواجہ محمد بُکاؒ مشہور ہُوئے۔ سُنا تم لوگوں نے۔ کس قدر عبرت انگیز حکایت ہے۔ اور حکایت بھی مستند۔ اس لئے کہ یہ حکایت حضرت بندہ نواز خواجہ سید محمد گیسو درازؒ نے خواجہ سالارؒ کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے۔ اللہ بڑا بے نیاز ہے۔ بندہ کو چاہیئے کہ ہر وقت اس سے ڈرتا رہے۔ وہ نکتہ نواز بھی ہے اور نکتہ گیر بھی۔ ذرا سی نیکی پر نواز دیتا ہے۔ اور معمولی قصور پر گرفت بھی کر لیتا ہے۔ اِس لئے اپنے نیک

عمل اور زہد و تقویٰ پر ناز نہیں کرنا چاہیئے ؎

بے نیازی کی وہ درگاہ ہے طاعت کیسی
شانِ بندہ کی یہی ہے کہ پشیمان رہیے

اپنے آپ کو حقیر سمجھے۔ اپنے عمل کو کم سمجھے۔

اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ	ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہے۔

لہٰذا گھڑی کے پنڈولم کی طرح کبھی خوف کی طرف جُھک جائے اور کبھی رَجا کی جانب۔

ایک نوجوان قہقہہ لگا کر ہنس رہا تھا۔ ایک بزرگ نے اُس سے فرمایا:

"اَے نوجوان کیا تو پُلِ صراط سے گذر چکا ہے۔ جو اس قدر بے خوف ہو کر ہنس رہا ہے!"

نکتہ نوازی

اس کے بعد فرمایا کہ ایسے واقعات بھی ہیں کہ تمام عمر گناہوں میں غرق رہنے والوں کو ایک معمولی نیکی پر اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جِس نے ننانوے قتل کئے تھے۔ ایک دفعہ وہ ایک عالم کے پاس پہنچا اور اس عالم کو بتایا:

"میں نے اپنی زندگی میں ننانوے قتل کئے ہیں۔ اب کوئی ایسا راستہ بتاؤ کہ میں بخشا جاؤں اور مجھے نجات حاصل ہو۔"

اُس عالم نے کہا:

"نہیں تیرے نجات کی کوئی صُورت نہیں ہو سکتی۔"

اس نے سوچا کہ جب میری نجات ہی نہیں ہو سکتی تو پھر اس کو کس لئے باقی رہنے دُوں جھٹ میان سے تلوار نکال کر اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ اب وہ ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان بزرگ نے اس کا حال سُنکر فرمایا:

"میاں! وہ غفور و رحیم ہے۔ سب کی سُنتا ہے۔ مگر تم ایسا کرو۔ اس گاؤں

کو چھوڑ دو۔ اور فلاں گاؤں چلے جاؤ۔ اس میں نیک لوگ رہتے ہیں وہاں جا کر توبہ کر لو۔ اللہ نے چاہا تو ان نیک لوگوں کے طفیل میں تم بخش دیئے جاؤ گے۔"

یہ سنتے ہی فوراً اس نے اس گاؤں کا رخ کیا۔ تقریباً آدھی مسافت طے کر چکا تھا کہ راستے ہی میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ اب رحمت وعذاب کے فرشتے پہنچ گئے۔ رحمت کے فرشتے اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے رب کی پناہ میں جانا چاہتا تھا اور عذاب کے فرشتے کہتے تھے کہ وہ ابھی تائب نہیں ہوا تھا صرف اس نے توبہ کی نیت کی تھی۔ یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

"زمین کی پیمائش کر کے دیکھ لو۔ اگر اس کے گھر سے جائے وفات تک نسبتاً فاصلہ کم ہے تو عذاب کے فرشتے لے جائیں۔ اور اگر نیکوں کی بستی زیادہ قریب ہے تو ہم نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے۔ ملائکہ رحمت اسے اپنی تحویل میں لے لیں۔"

جب فاصلہ ناپا گیا تو اللہ کے حکم سے زمین سکڑ گئی۔ اور اس جگہ سے نیکوں کی بستی قریب تر پائی گئی۔ یہ ہے ان کی نکتہ نوازی۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ ایک قحبہ عورت کہیں جا رہی تھی راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک کتا پڑا ہوا ہے۔ پیاس کے مارے اس کا برا حال ہے۔ زبان نکلی ہوئی ہے۔ چلنے کی سکت نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قریب المرگ ہے۔ اس کتے کو اس حال میں دیکھ کر اس قحبہ عورت کو ترس آیا۔ پاس ہی ایک کنواں تھا۔ مگر ڈول اور رسی نہیں تھی۔ اس نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر رسی بنائی، موزے اتار کر اس رسی سے باندھے اور کنویں میں ڈال کر ان کو تر کیا پھر ان موزوں کو نچوڑ نچوڑ کر اس کتے کے منہ میں ڈالا۔ صرف اس نیکی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس کے عمر بھر کے گناہ بخش دیئے۔

کارسازِ مابفکرِ کارِ ما

ارشاد فرمایا: ایک دفعہ کسی نے اس شعر پر اعتراض کیا ہے

کارسازِ ما بہ فکرِ کارِ ما ❊ فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

کہنے لگے:

"اللہ تعالیٰ تو ہر قسم کی فکروں سے پاک ہے۔ پھر یہ فکر کیسی؟"

ہم نے کہا قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"قیامت کے دن ہم بھی ان کو بھول جائیں گے، جس طرح وہ ہم کو دنیا میں بھول گئے تھے۔"

اب اللہ تعالیٰ تو نسیان سے پاک ہے پھر کیوں اپنے حق میں نسیان کا لفظ استعمال کیا؟

دوسری جگہ فرماتا ہے:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ	انھوں نے مکر کیا اور اللہ نے مکر کیا اور اللہ خیر الماکرین ہے۔

مکر کو اگر انسان سے منسوب کیا جائے تو یہ برا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی تعریف میں فرماتا ہے کہ اللہ خیر الماکرین ہے۔ خالق کا مکر کرنا ایک کمال ہے یعنی اس کا کمالِ حکمت۔ بات یہ ہے کہ بعض افعال اس وقت تک مذموم ہیں جب تک وہ مخلوق سے منسوب رہتے ہیں۔ کیونکہ مخلوق کے لئے ان میں نقص پایا جاتا ہے لیکن جب وہ خالق سے منسوب ہوتے ہیں تو پھر وہ مذموم نہیں رہتے۔ ان کا ذم خیر محض میں بدل جاتا ہے۔ اور انکی بدنمائی حسن میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہاں وہ نقص کی طرف اشارہ نہیں کرتے۔ بلکہ کمال کو ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ کی نسبت سے فکر کے معنی حفاظت کے ہیں۔ یعنی وہ نعم الوکیل ہے اور ہمارے معاملات کی حفاظت فرماتا ہے اور کافروں کو بھول جانے کے معنی ان کی طرف نظرِ رحمت سے نہ دیکھنے کے ہیں۔

بلاتحقیق بیان دروغ گوئی ہے

ایک دفعہ پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی کی خبریں مدینہ طیبہ میں پھیل گئیں۔ اور لوگوں نے ایسی افواہیں اڑائیں کہ سننے والوں کو جنگ چھڑ جانے کا اندیشہ ہوا۔ حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا: بلاتحقیق کسی خبر کا مشہور کرنا سخت گناہ ہے۔ جب تک تصدیق نہ ہو جائے بیان نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ دروغ گوئی میں وہ بھی شریک ہوگا۔

شفقتِ محمدیؐ

ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ ایک شخص آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا:

"حضورؐ میرا روزہ ٹوٹ گیا۔ میں نے اپنی زوجہ سے ہم بستری کی۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"تم دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟"

اُس نے عرض کیا:

"جی نہیں۔ مجھ میں اتنی سکت نہیں۔"

آپؐ نے دریافت فرمایا:

"غلام آزاد کر سکتے ہو؟"

عرض کیا:

"غریب آدمی ہوں۔ میرے پاس غلام نہیں ہے۔"

آپؐ نے دریافت فرمایا:

"ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟"

اُس نے عرض کیا:

"گھر میں کچھ نہیں ہے۔ ساٹھ آدمیوں کو کہاں سے کھلاؤں؟"

آپؐ نے فرمایا:

"اچھا بیٹھ جاؤ!"

تھوڑی دیر بعد ایک شخص آیا اور کچھ کھجوریں حضورؐ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپؐ نے وہ تمام کھجوریں اُس شخص کو دے کر فرمایا:

"جاؤ ان کو غریبوں میں تقسیم کر دو۔"

اُس نے عرض کیا:

"حضورؐ اِس شہر میں مجھ سے زیادہ غریب کون ہے۔"

یہ سُنکر آپؐ مُسکرائے اور فرمایا:

"اچھا جاؤ لے جاؤ اور اپنے اہل و عیال کو کھلاؤ۔"

صحّتِ حدیث کے دو معیار

اِرشاد فرمایا: ان لوگوں (غیر مقلدین) کے سامنے اگر کوئی حدیث بیان کی جائے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ یہ موضوع ہے۔ اَب وہ اصُول جن کی بنا پر یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا غیر صحیح۔ محدثین نے خود بنائے ہیں اور وہ عقل پر مبنی ہیں۔ الہامی اور کشفی نہیں ہیں۔ صالحین و صدیقین کے کشف و الہام پر ان لوگوں کو یقین نہیں آتا۔ اور ان کی عقل اِتنی سی بات سمجھنے سے بھی قاصر ہے کہ انسانی عقل سے غلطی کا صدور ممکن ہے۔ مثلاً محدثین کے وضع کردہ اصُول کی رُو سے جھُوٹے راوی کی حدیث تسلیم نہیں کی جاتی۔ اَب بات یہ ہے کہ ایک شخص جھُوٹ کا عادی ہے تو کیا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی ہر بات جھُوٹی ہے؟ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اس کی باتوں میں کچھ باتیں سچی بھی ہوں۔ اب کسی راوی کا جھُوٹ ثابت ہونے پر جتنی احادیث اُس نے روایت کی ہیں کیا سبھی غلط سمجھی جائیں گی؟ اس کی بیان کردہ احادیث میں صحیح حدیثوں کو بھی غلط سمجھا جائیگا؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں قیاس کو بھی دخل ہے۔ اور صوفیائے کرام تو مختلف ذرائع

سے اس کی تصدیق کر لیتے ہیں۔

حضرت البوالحسن خرقانیؒ کا درسِ حدیث

اس کے بعد فرمایا کہ حضرت البوالحسن خرقانیؒ پڑھے لکھے نہ تھے۔ لیکن جو شخص فارغ التحصیل نہ ہوتا آپ اُسے مرید نہیں بناتے تھے۔ ایک دفعہ ایک نوجوان آپ کی خدمت میں آیا اور بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے حسبِ عادت فرمایا :

"جاؤ پہلے علم حاصل کر لو، اس کے بعد آنا۔"

اس نے کہا :

"حضور! دو باتیں ہیں اگر آپ کو اس کا یقین ہے کہ میں اور آپ اتنی مدت زندہ رہیں گے۔ تو مجھے کوئی عذر نہیں میں تعمیلِ حکم کے لئے تیار ہوں۔ اور اگر یہ بات یقینی نہیں ہے تو پھر تو میں محروم رہ جاؤں گا۔ کیونکہ مجھے صرف آپ ہی سے عقیدت رہے۔ میں آپ کے علاوہ کسی اور کا مرید بننا نہیں چاہتا۔"

آپ نے اس کی اس والہانہ عقیدت کا لحاظ کرتے ہوئے اُسے داخلِ سلسلہ کر لیا اور فرمایا :

"اچھا، اَب ہم خود ہی تمہیں دَرس دیا کریں گے۔"

چنانچہ آپ نے حدیث کا درس شروع کر دیا۔ اَب شہر میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں علماء حیران تھے کہ ایک بے علم شخص نے یہ جرأت کیسے کی۔ ایک روز چند علماء آپ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوئے جب آپ دَرس دے رہے تھے۔ حضرت خواجہ البوالحسن خرقانیؒ نے دورانِ دَرس ایسے حقائق و معارف بیان فرمائے کہ علماء دنگ رہ گئے۔ یہاں تک متاثر ہوئے کہ انھوں نے اپنے اوقاتِ دَرس بدل ڈالے، اور حضرت البوالحسنؒ کے دَرس میں شریک ہونے لگے۔ روزانہ دَرس میں عجیب و غریب نکات بیان ہوا کرتے تھے اور علماء حضرات سُن سُنکر محظوظ ہوتے تھے۔ ایک دِن ان علماء نے آپ سے عرض کیا :

"آپ جو حقائق نادرہ بیان فرماتے ہیں ان سے ہم مستفیض تو ہوتے

ہیں لیکن دِل میں ایک کھٹک ضرور پیدا ہوتی ہے کہ بعض احادیث کو ہمارا عِلم ضعیف بتاتا ہے لیکن آپ انھیں صحیح قرار دیتے ہیں اور بعض احادیث جو ہمارے نزدیک صحیح کا درجہ رکھتی ہیں، انھیں آپ قبول نہیں کرتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"جَب مجھے شبہ ہو جاتا ہے تو میں براہِ راست رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کر لیتا ہُوں۔"

امیر خسروؒ اور بو علی شاہ قلندرؒ

ارشاد فرمایا: ایک دفعہ حضرت امیر خسروؒ نے اپنے شیخ حضرت نظام الدین اولیاؒ سے عرض کیا:

"حضور ایک کام کے سلسلے میں پانی پت جا رہا ہُوں۔ اگر حضور کی اجازت ہو تو وہاں حضرت بو علی شاہ قلندرؒ سے بھی مُلاقات کا شرف حاصل کر لوں۔"

آپ نے اجازت دے دی۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت بو علی شاہ قلندرؒ نے کچھ گفتگو کے بعد فرمایا:

"اپنا کلام سُناؤ۔"

حضرت امیر خسروؒ نے اپنی ایک غزل سُنائی جس کا مطلع ہے: ؎

ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیالِ ماہے
چہ کنم کہ چشمِ بدخو نہ کند بکس نگاہے

غزل سُنکر بہت محظوظ ہوئے اور اپنا کلام بھی سُنایا۔ اس کے بعد توجّہ دینی شروع کی، اور توجّہ اتنی زور کی تھی کہ حضرت امیر خسروؒ برداشت نہ کر سکے۔ قریب تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے۔ عین اُس وقت کسی نے ان کی پُشت پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور وہ سنبھل گئے۔ جب دہلی واپس پہنچے تو حضرت محبُوبِ الٰہیؒ سے آپ نے ساری سرگذشت بیان کر دی۔ محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا:

"وہ ہمارا ہاتھ تھا۔ جو کچھ تمہیں وہاں سے مِلا ہے۔ اسے ہم نے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ کسی موزوں وقت پر تمہاری یہ امانت تمہیں دی جائے گی۔"

اِس کے بعد فرمایا کہ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کے ایک مرید تھے۔ جن کا نام مبارز خان تھا۔ ایک مرتبہ ان کو بھی کچھ اسی نوع کی توجہ دی گئی تھی تو وہ برداشت نہ کر سکے۔ اور ان کا انتقال[1] ہو گیا۔ ان کا مزار بھی وہیں ہے۔ حکم ہے کہ پہلے مبارز خانؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھی جائے۔ اس کے بعد قلندر صاحبؒ کے مزار پر۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کے ہاں بھی یہی دستور ہے۔ پہلے حضرت امیر خسروؒ کے مزار پر حاضری دی جاتی ہے اس کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ کے مزار پر۔ اس میں بھی ایک راز ہے۔ محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے تھے:

"قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے دریافت فرماتے گا کہ میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو تو عرض کروں گا خسرو کے دِل کا سوز۔"

تو حضرت امیر خسروؒ کے مزار پر پہلے حاضری دینے میں یہ راز ہے کہ پہلے ان کے ہاں حاضری دے کر سوز و گداز کا فیضان حاصل کرے اور اس قابل ہو جائے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے فیضان سے صحیح معنٰی میں مستفیض ہو سکے۔

کرامتِ امیر خسروؒ

حضرت امیر خسروؒ کا تذکرہ تھا۔ آپ نے فرمایا: حضرت امیر خسروؒ کی بھی عجیب و غریب شان تھی۔ آپ نے سات بادشاہ دیکھے تھے۔ نہ صرف دیکھے تھے بلکہ ان کے وزیر و مصاحب رہے۔ صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ آپ کی کئی کتابیں مشہور و معروف ہیں۔ شاعر بھی تھے۔ بزم ہائے شعر و سخن میں بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ فنِ موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا، اور اپنے شیخ کی خدمت میں بھی روزانہ حاضری دیا کرتے تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ سارے کام کس طرح انجام دیتے تھے۔ یہ ان کی کرامت ہے ورنہ

---

[1] جو درویش مغلوب الحال ہو اس کو اپنی توجہ کی تیزی اور طالب کی قوّتِ برداشت کا اکثر احساس نہیں رہتا۔ اس وجہ سے ایسے واقعات رونما ہو جایا کرتے ہیں۔

ایک بشر کے لئے یہ ناممکن ہے کہ ان سب امور میں پُورا اُتر سکے۔

رسُولؐ کے آئینہ میں اللہ

اس کے بعد ارشاد فرمایا: حضرت علی کرم اللہ وجہہ گھوڑے پر سوار ہوتے وقت جب ایک پاؤں رکاب میں ڈالتے تھے تو قرآن شریف شروع کرتے تھے اور دُوسرا پاؤں رکاب میں ڈالتے وقت آپ کا قرآن ختم ہو جاتا تھا۔ یہ آپ کی کرامت ہے۔ اسے کرامتِ طے الوقت کہتے ہیں۔ ان لوگوں سے (نجدیوں سے) کہو کہ تم بھی ایسے کام کر کے دکھاؤ۔ اپنے آپ کو ان ہستیوں پر تو قیاس کر نہیں سکتے۔ اور خُدا کو اپنے پر قیاس کرنے لگ جاتے ہیں۔ کس قدر جہالت ہے ان کا یہی عقیدہ ہے نا کہ خُدا انسان کی طرح عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ لوگ نعوذ باللہ خُدا کو ایک بُت بنا کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔ اگر ہم بھی اس ڈبیہ کو نعوذ باللہ خُدا مان کر اس کی پرستش شرُوع کر دیں تو کیا ہم موحّد بن جائیں گے؟ خود ساختہ خُدا کی پرستش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو موحّد سمجھتے ہیں۔ تُف ہے ایسی توحید پر۔ لیکن الحمدللہ ہمارا خُدا ہمارے دماغ کی اختراع نہیں ہے۔ ہم اُس خُدا کی پرستش کرتے ہیں، جس کا پتہ رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بتایا ہے۔ جو ہر جگہ موجود ہے۔ زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہے۔ گمان و وہم سے ماورٰی ہے۔ مکّہ میں معلّم کی بیوی نے ہم سے دریافت کیا:

"آپ مکّہ کو چھوڑ کر مدینہ کیوں جا رہے ہیں؟ بیت اللہ تو مکّہ میں ہے۔"

ہم نے کہا:

"بَیتُ اللہ سے اپنا تعلق زیادہ استوار کرنے کے لئے مدینہ جا رہے ہیں۔ ہم نے تو اللہ کو رسُولؐ سے پایا ہے۔ سائنس کی زبان میں اللہ کو دیکھنے کے لئے ایک MAGNIFYING GLASS (خوردبین) کی ضرورت ہے۔ ہمارے لئے تو رسُول اللہؐ MAGNIFYING GLASS ہیں۔

اللہ کو دیکھنا ہے تو رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دل کی آنکھوں سے دیکھو، اللہ نظر آجائے گا۔"

حقیقتِ خیال ایک دفعہ اِرشاد فرمایا کہ لفظ خیال دو معنوں میں اِستعمال ہوتا ہے۔ عام لوگ "خیال" کو وہم وگمان کے معنی میں اِستعمال کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ فلاں بات محض خیال ہے۔ یعنی اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لیکن صوفیائے کرام کی اصطلاح میں "خیال" ایک حقیقت ہے۔ جب وہ کہتے ہیں کہ یہ خیال کرو کہ اللہ کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں تو یہ ایک حقیقت ہے اور اس خیال کی مداومت سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رفتہ رفتہ یہ خیال عرفان بن جاتا ہے۔

حقیقتِ کلام اِرشاد فرمایا: ہمارے مولانا صاحبؒ کسی آیتِ قرآنی کی تفسیر بیان فرماتے تھے تو پورا قرآن ان کے سامنے ہوتا تھا۔ جب تک کِسی مضمون کی تمام آیات پر غور نہ کرلیا جائے تفسیر تفسیر نہیں ہوتی۔ صِرف یہی نہیں بلکہ توراۃ، زبور اور انجیل پر بھی ان کی نظر ہوتی تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور حقیقتِ کلام ایک ہے۔ جب موسیٰ علیہ السّلام کی کھڑکی سے اس کا ظہور ہُوا تو اس کا نام توراۃ ہوگیا۔ عیسیٰ علیہ السّلام کی وساطت سے ظاہر ہُوا تو انجیل کہلایا۔ داؤد علیہ السّلام کی معرفت اس کا ظہور ہُوا تو اسے زبور کہا گیا۔ اور جب نطقِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس کا اظہار ہُوا تو قرآنِ مجید کے نام سے موسوم کیا گیا۔ حقیقتِ کلام ایک ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ کسی آیت کی تفسیر جب ہی مکمّل ہوسکتی ہے جب پورے کلام الٰہی پر مفسّر کی نظر ہو۔ آپ انگریزی نہیں جانتے تھے لیکن بعض اوقات تفسیر بیان کرتے وقت انگریزی کتاب کا بھی حوالہ دیا کرتے تھے۔

موسیقی کیا ہے؟ اس کے بعد موسیقی کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ ارشاد فرمایا: موسیقی کیا ہے؟ ذات کا تنزلات میں پھیلاؤ ہے۔

یہ جتنے بھی راگ ہیں اسی دلکش آواز کا عکس ہیں۔ کلیر شریف میں عرس کے بعد سب گوّیے ایک مقام پر جمع ہوتے ہیں اور اپنا اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ کسی نے بتایا کہ آج ان کا اجتماع ہے۔ چنانچہ ہم غلام گردش میں بیٹھ گئے۔ وہ لوگ مسجد اور مزار کے درمیان بیٹھے تھے۔ جب انھوں نے گانا شروع کر دیا تو حضرت صابر پاکؒ نے میرے قلب میں موسیقی کی حقیقت القاء کرنی شروع کر دی۔ فرمایا: دیکھو یہ راگ کیا ہیں؟ جب ذاتِ مطلق کا نزول تعیّنِ اوّل اور امہاتِ اسماء یعنی حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، کلام میں ہوتا ہے تو اس سے سات سُر نکلتے ہیں۔ ان سات سُروں کو یہ لوگ بلمپت کہتے ہیں۔ دراصل یہ لفظ برہم متی یا برہم پتی ہے جس کے معنی سنسکرت زبان میں تعیّنِ اوّل کے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا:

اَللّٰہُ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَال	اللہ جمیل ہے جمال سے محبت کرتا ہے۔

حُسن اور جمال میں بھی فرق ہے۔ حُسن کسی ایک پہلو کے حَسین ہونے کو کہتے ہیں۔ اور جمیل وہ ہے جو ہر لحاظ سے حَسین ہو۔ اللہ جمیل ہے اور اس کی ہر صفت میں جمال ہے۔ کلام بھی ایک صفت ہے اور اس میں بھی جمال ہے۔ صفتِ کلام کیا ہے؟ بس یہی آواز ہے۔ حُسنِ کلام کو جو دراصل پرتوِ کلامِ الٰہی ہے۔ موسیقی کہتے ہیں۔ کلام کا تقاضہ یہ ہے کہ کلام کرتے وقت جب مخاطب کی بات سُنی جاتی ہے تو مخاطب کی طرف دیکھنا بھی پڑتا ہے۔ گویا کلام میں سمع کے ساتھ بصر بھی شامل ہے۔ اب جو حضرات ہمیشہ عروج و نزول کی سیر میں رہتے ہیں۔ ان کے لئے موسیقی کا سمجھنا بالکل آسان ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ایک دفعہ ایک گوّیا دِلّی آیا۔ اُسے بادشاہ کے دربار میں حاضری دینی تھی۔ ستار بجانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ اس کا یہ دستور تھا کہ جب کسی رئیس یا بادشاہ کے ہاں اس کی طلبی ہوتی تھی تو وہاں جانے سے پہلے وہ اس شہر کے کسی درویش کی خدمت میں پہنچ کر اپنے فن کا مظاہرہ کرتا تھا۔ چنانچہ وہ کسی صاحبدل درویش کی تلاش

میں نکلا۔ لوگوں نے اسے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا پتہ بتایا۔ وہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا اور ستار سنانے کی اجازت طلب کی۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"بھائی ہم تو نقشبندی ہیں، ہم ستار وغیرہ نہیں سنا کرتے۔"

گوتیے نے کہا:

"بہتر ہے، تو پھر میں واپس جاتا ہوں۔ میرا تو یہ اصول ہے کہ پہلے میں کسی بزرگ کی خدمت میں اپنے فن کا نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد ہی روسا کے گھر میں قدم رکھتا ہوں۔ اب جبکہ وقت کے درویش میرا نذرانہ قبول نہیں فرماتے تو پھر دنیوی بادشاہ کے پاس کیوں جاؤں؟"

آپ نے اس کی دل شکنی گوارا نہ کی۔ فرمایا:

"اچھا سناؤ، ہم سنیں گے۔"

اب اس نے ساز چھیڑا اور خوب جی بھر کے اپنا کمال دکھایا۔ لیکن اتفاقاً ایک موقعہ پر کچھ خفیف سی غلطی ہو گئی۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے انگلی اٹھا کر فرمایا:

"یہاں تم نے کوئی غلطی کی ہے۔"

اسے بڑی حیرت ہوئی۔ ستار کو توڑ دیا۔ کہنے لگا:

"اب میں شاہی دربار نہ جاؤں گا۔ جس شہر کے وہ درویش جنھوں نے عمر بھر گانا نہیں سنا اس قدر باریک غلطی پکڑ لیتے ہیں تو یہاں کے روسا اور بادشاہ کا کیا رنگ ہوگا۔"

شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"ستار ٹھیک کر لو، اور بادشاہ کے ہاں ضرور جاؤ۔ مجھے اس فن کی کوئی واقفیت نہیں لیکن ہم ہمیشہ اسی قسم کی سیر میں رہتے ہیں۔ کانوں میں ایک مناسبت پیدا ہو گئی ہے۔ جہاں کہیں کوئی JARRING NOTE (غیر

موزوں آواز) پیدا ہوتا ہے۔ فوراً معلوم ہو جاتا ہے۔"

مسجد میں قوالی

ارشاد فرمایا: ایک دفعہ ہمارے مولانا صاحبؒ نے گلبرگہ شریف میں حضرت بندہ نواز سیّد محمد گیسو درازؒ کی درگاہ والی مسجد میں اعتکاف کیا۔ اعتکاف پورا کرنے کے بعد آپ نے حکم دیا:

"قوالوں کو بلاؤ!"

جب قوال آ گئے تو لوگوں نے دریافت کیا:

"قوالی کا انتظام کہاں کیا جائے؟"

آپ نے فرمایا:

"یہیں مسجد میں۔ مسجد سے بہتر کون سی جگہ ہے۔"

درگاہ کے قریب ہی ایک نابینا عالم رہتے تھے۔ انھوں نے جب یہ سُنا کہ کوئی دَرویش مسجد کے اندر قوالی کرا رہے ہیں تو بہت برہم ہوئے۔ اور جوش میں آ کر فرمانے لگے:

"آج میں ان کو مسلمان بنا کے چھوڑوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے اُٹھے اور مسجد میں آ کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ ابھی قوالی شروع نہیں ہوئی تھی،

مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"آئیے مولوی صاحب! اس طرف تشریف لے آئیے اور مجھے کلمہ پڑھا دیجیے۔"

وہ آگے آئے اور کہنے لگے:

"پڑھیے لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ۔"

مولانا صاحبؒ نے کلمہ پڑھ کر فرمایا:

"مولوی صاحب! اس کے معنی کیا ہیں؟"

مولوی صاحب نے بتایا:

"نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ اور محمّدؐ اللہ کے رسول ہیں۔"

مولانا صاحبؒ نے دریافت فرمایا :

"معبود سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

مولوی صاحب نے کہا :

"معبود وہ ہے جو قابلِ عبادت ہو اور جس کا کوئی شریک نہ ہو۔"

آپؒ نے فرمایا :

"لاشریک صرف ذات ہیں ہے یا صفات میں بھی؟"

مولوی صاحب نے کہا :

"ذات و صفات دونوں میں لاشریک ہے۔"

آپ نے فرمایا :

"مولوی صاحب! تو پھر صفتِ وجود میں اس کا شریک کیوں ہو؟"

اور قوالوں سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"ہاں میاں شروع کرو۔"

اَب قوالی شروع ہوتے ہی مولوی صاحب کو وجد آگیا۔ کپڑے پھاڑ دیئے اور عجیب اضطراری کیفیت طاری ہوئی۔ قوالی ختم ہونے کے بعد عرض کیا :

"مجھے اپنی غلامی میں لے لیجئے۔"

چنانچہ مولوی صاحب مُرید ہو کر اُٹھے۔

سِلسلے سے اخراج

ارشاد فرمایا : ایک شاہ صاحب اپنے ایک مُرید سے کسی قصور پر سخت ناراض ہوئے۔ اور خفا ہو کر اس سے کہا :

"جاؤ میں نے تمہیں سِلسلے سے خارج کر دیا۔"

یہ واقعہ کلیر شریف کا ہے۔ اُن دِنوں حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ بھی کلیر شریف آئے ہوئے تھے۔ وہ روتا ہُوا حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا اور سارا حال سُنا دیا۔ حضرت

غوث علی شاہ صاحبؒ نے فرمایا :

"وہ ہوتا کون ہے سلسلہ سے خارج کرنے والا ؟ جاؤ میں نے تم کو سلسلہ میں داخل کر دیا۔"

جب اس واقعہ کی اطلاع اُن شاہ صاحب تک پہنچی تو وہ حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کرنے لگے :

"آپ کیوں ہمارے مُریدوں کو بگاڑ رہے ہیں ؟ آپ کو کیا حق پہنچتا ہے ؟"

غوث علی شاہ صاحبؒ نے فرمایا :

"تم ہوتے کون ہو جی سلسلہ سے خارج کرنے والے ؟ تمھیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ جب کسی کو سلسلہ سے خارج کرنا ہوتا ہے تو اس کی منظوری سلسلہ کے تمام مشائخِ عظام سے لینی پڑتی ہے۔ کیونکہ وہ صرف تمہارا ہی نہیں تمام مشائخ سلسلہ کا مُرید ہوتا ہے۔ ان کی منظوری لئے بغیر کسی کو سلسلہ سے خارج نہیں کر سکتے۔"

اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ہم نے تو اجازت حاصل کر لی۔ جب رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہم سے فرمایا تھا :

"تم اپنے مُریدوں پر بہت نرمی کرتے ہو۔"

اُس موقعہ پر ہم نے عرض کیا تھا :

"کیا میں اپنے کسی مُرید کو سلسلہ سے خارج کر سکتا ہوں ؟"

حضورؐ نے فرمایا :

"ہاں خارج کر سکتے ہو تمھیں اجازت ہے۔"

اَب ہمیں براہِ راست اجازت مل گئی ہے۔ مشائخِ سلسلہ سے منظوری کی ضرورت نہیں رہی۔ جسے چاہیں سلسلہ سے خارج کر سکتے ہیں۔ لیکن اس اختیار کو ہم استعمال نہیں کرینگے

شغلِ شمسی و قمری

ایک دفعہ اذکار و مشاغل سے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ احقر نے عرض کیا: "کوئی ٹھنڈک پہنچانے والا شغل ہوتا ہے؟"

فرمایا ہاں ایک شغل ہے جسے شغلِ قمری کہتے ہیں۔ جس میں چاند کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا جاتا ہے۔ اگر جسم کو گرمی پہنچانا مقصود ہو تو شغلِ شمسی کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ تو یہ کمال حاصل کر لیتے ہیں کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے، اُس وقت سے لے کر شام تک برابر آفتاب پر نظر جمائے رکھتے ہیں۔ اس میں اندیشہ یہ ہے کہ اگر گرم وقت میں یعنی نہایت تیز دھوپ کے وقت نظر ہٹائی جائے تو بصارت چلی جاتی ہے۔ اجمیر شریف میں جھالرہ کے قریب ایک پٹھان عورت رہتی تھی جسے ہمارے مولانا صاحبؒ نے شغلِ شمسی کا طریقہ سکھایا تھا۔ اس کو ہم نے دیکھا ہے وہ دِن بھر کھڑے کھڑے سورج کو دیکھتی رہتی تھی۔ شغلِ قمری کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لیٹ کر چاند کو دیکھتا رہے۔ اس سے جسم میں ٹھنڈک داخل ہوتی رہتی ہے۔

کافر نہ شُدی لذّتِ ایماں چہ شناسی

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوالحسن نوریؒ کے ایک مرید کا جو چالیس برس سے مجاہدہ کر رہا تھا، اب تک فتح باب نہیں ہوا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کیا تو شیخ نے فرمایا:

"اچھا۔ آج رات عشاء کی نماز نہ پڑھنا۔"

اَب چالیس سال کی عادت۔ دِل نہ مانا۔ ایک طرف شیخ کا حکم تو دوسری جانب تارکِ صلوٰۃ ہونے کا خوف۔ اُس مرید نے یہ کیا کہ صرف فرض نماز ادا کی۔ سُنّتیں وغیرہ چھوڑ دیں۔ رات کو خواب میں رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا:

"کیا بات ہے ہم نے تمہارا کیا قصور کیا جو آج تم نے ہماری سُنّتیں ترک کر دیں؟"

صبح وہ شخص خوش خوش دوڑتا ہُوا شیخ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور رات کا خواب

بیان کیا۔ شیخ نے فرمایا :

"نادان ! سُنتیں نہ پڑھنے سے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے نوازا گیا، اگر فرض بھی نہ پڑھتا تو اللہ تعالیٰ سے بھی ہم کلامی کا شرف حاصل کرلیتا۔"

ان ہی دنوں ایک دُوسرے بزرگ کو بشارت ہُوئی کہ ابوالحسن نوریؒ سے جا کر کہہ دو کہ تم میرے بندوں کو مکّاری کی تعلیم دے رہے ہو۔ چنانچہ اُن بزرگ نے یہ پیغام خواجہ ابوالحسن نوریؒ تک پہنچا دیا۔ انھوں نے جواب دیا :

"وہ کیوں اپنے بندوں کو ہجر کی وادی میں پریشان رکھتے ہیں ؟"

ان بزرگ نے جب حضرت ابوالحسن نُوریؒ سے ماجرا دریافت کیا تو انھوں نے اپنے اس مرید کا پُورا واقعہ بیان کیا اور فرمایا :

"مجھے کشف کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا کہ میرے اس مُرید کا نام اللہ تعالیٰ کے محبُوبوں کی فہرست میں درج ہے۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ محبوب دُھتکارا نہیں جاتا۔ بلکہ نعمتِ قرُب سے نوازا جاتا ہے۔ اس لئے میں نے اُسے ایک ترکیب بتا دی تاکہ اُس کا کام بن جائے۔"

نفس کُشی کا بہترین طریقہ

ارشاد فرمایا : ان ہی حضرت ابوالحسن نُوریؒ کے ایک اور مُرید نے آپ سے دریافت کیا تھا :

"حضور ! نفس کُشی کا بہترین طریقہ کیا ہے ؟"

آپ نے فرمایا :

"مُنہ کالا کر کے سڑک پر بیٹھ جا اور جھولی میں اخروٹ بھر لے۔ اَب جو بھی لڑکا چھیڑ خوانی کرے۔ تجھے گالی دے یا تیرے سر پر دھول جمائے تو تُو اس کے عوض اپنی جھولی میں سے ایک ایک اخروٹ نکال کر بطورِ

اِنعام دے دیا کر ۔"

اس مُرید نے کہا :

"سُبحان اللہ اچھا طریقہ بتایا آپ نے ۔یہ تو میں کسی حالت میں نہیں کر سکتا۔"

آپ نے فرمایا :

"ایک کافر تو سُبحان اللہ کہہ کر مُسلمان ہو جاتا ہے لیکن افسوس کہ تو سُبحان اللہ کہہ کر کافر ہو گیا۔ کافر تو عظمتِ خداوندی پر سُبحان اللہ کہتا ہے اور تو عظمتِ نفس پر سُبحان اللہ کہہ رہا ہے ۔تیرے ذہن میں تو یہ بات ہے کہ اِتنا بڑا آدمی اِتنا معزز انسان اور ایسی ذلّت اختیار کرے ۔"

نفس کی یاقوتی

اِرشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے اپنے نفس پر نظر ڈالی تو اسے موٹا پایا ۔ آپ نے نفس سے دریافت کیا :

"میں تو تمھیں بہت کم کھانا کھلاتا ہُوں ،کم سُلاتا ہوں ۔تمہاری کوئی خواہش پُوری نہیں کرتا ، پھر تم اتنے موٹے کیسے ہو گئے ؟ "

نفس نے جواب دیا :

"وہ جو مجھے یاقوتی مل جاتی ہے ۔یہ اسی یاقوتی کی بدولت ہے ۔"

آپ نے دریافت فرمایا :

"کیسی یاقوتی ؟ کون سی یاقوتی ؟ "

نفس نے جواب دیا :

"وہی جب آپ بازار جاتے ہیں تو سب لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں ۔عزّت کرتے ہیں ۔ ہاتھ چُومتے ہیں ۔ بس اپنا کام بن جاتا ہے ۔"

آپ نے فرمایا :

"اچھا ۔یہ بات ہے ۔"

رمضان شریف کا مہینہ تھا، آپ نان بائی کی دُکان پر چلے گئے اور روٹی لے کر کھانا شروع کر دیا۔ اب لوگوں میں بدظنی پھیل گئی۔ چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ لوگ نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ آپ نے پھر اپنے نفس پر نظر ڈالی۔ دیکھا تو بہت ہی نحیف ہو گیا تھا۔

ارشاد فرمایا کہ نفس کی ہر خواہش کے خلاف عمل کرنا چاہیئے۔ حضرت یعقوب چرخیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک روز میں نے نفل روزہ رکھا اور اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے میرے سامنے کھانے کا طباق رکھوا دیا اور فرمایا:

"کھاؤ!"

میں نے کھا لیا۔ شیخ نے فرمایا:

"یہ روزہ تمہارے نفس کو بڑا پیارا معلوم ہوتا تھا۔ اِس لئے اس کا توڑنا ہی مناسب تھا۔"

اس کے بعد فرمایا: یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ہر کام کے لئے اپنے قلب سے مشورہ لیا کرو۔ تو یہ اس وقت صحیح ہے جب اِنسان نفس کی شرارتوں سے محفوظ ہو جائے اور قلب میں نورانیت پیدا ہو۔ ورنہ وہ قلب کا مشورہ نہیں ہوگا۔ بلکہ نفس کا مشورہ ہوگا۔

خودداری اور تکبّر

یہ جو تم لوگ ہر بات پر خودداری خودداری کا راگ الاپتے رہتے ہو، یہ دراصل خودداری نہیں ہے بلکہ تکبّر ہے۔ خودداری اور تکبّر میں بڑا فرق ہے۔ تم کسی کے گھر جاؤ اور وہ تم سے اچھی طرح نہ ملے۔ کُرسی پیش نہ کرے تو تمھیں غصّہ آ جاتا ہے۔ سمجھتے ہو کہ تم بڑے خوددار ہو۔ خودداری کی وجہ سے تمھیں غصّہ آ گیا۔ حالانکہ یہ تکبّر ہے، خودداری نہیں ہے۔ خودداری یہ ہے کہ تم کہو "ہم اور جھُوٹ بولیں! ہم خوددار انسان ہیں۔ ہم جھُوٹ نہیں بول سکتے۔ ہم اور چوری کریں! یہ فعل ہم ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی خودداری کو ٹھیس نہیں لگنے دینگے"۔

احقر نے عرض کیا :

"اگر کوئی شخص مجھے گالی دے اور اس پر مجھے غصّہ آجائے تو یہ میری خودداری کی وجہ سے ہے یا تکبّر کی وجہ سے ؟ "

اِرشاد فرمایا کہ یہ تمہاری کمزوری ہے۔ غصّہ آئے کیوں؟ غلطی تو کسی اور نے کی ہے اور غصّہ تمھیں آئے۔ یہ کیا بات ہُوئی اور یہ جو قرآن شریف میں ہے کہ قصاص جائز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمھیں کوئی ایک تھپّڑ مارے تو تم بھی اسے اسی انداز کا صرف ایک ہی تھپّڑ مار سکتے ہو، اس سے زیادہ نہیں۔ لیکن لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ کچھ اور بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر تم معاف کردو تو یہ تمہارے لئے کفّارۂ گناہ ہوگا۔ ایسے احسان کرنے والے تو وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ کے زمرہ میں داخل کرلئے جاتے ہیں۔

دُو نبیوں کا مباحثہ

اِرشاد ہُوا : رسولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ عالمِ ارواح میں حضرت مُوسیٰ اور حضرت آدم علیہما السّلام کے درمیان بحث چھڑ گئی۔ مُوسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا :

"آپ کی ایک خطا کی بدولت سب لوگ اس زِندگی میں بہشت سے محروم ہوگئے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ سے یہ خطا سرزد نہ ہوتی۔ "

آدم علیہ السّلام :

"آپ کو اس کا عِلم کیسے ہُوا کہ مجھ سے خطا سرزد ہُوئی ؟ "

مُوسیٰ علیہ السّلام :

"توریت کے ذریعہ۔ "

آدم علیہ السّلام :

"توریت کب لکھی گئی ؟ "

مُوسیٰ علیہ السّلام :

"آسمان و زمین پیدا ہونے سے پہلے۔"

آدم علیہ السّلام :

"جو بات زمین و آسمان کے وجود میں آنے سے پہلے کی ہو۔ اس کے متعلق مجھ سے کیا کہہ رہے ہو؟"

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اِس بحث میں حضرت آدم علیہ السلام حضرت مُوسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

شیطان سے فائدہ اُٹھاؤ

ایک موقع پر ارشاد فرمایا : شیطان ہمیشہ انسان کو ورغلاتا رہتا ہے۔ کبھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔ حتّٰی کہ انبیاء علیہم السلام تک کو نہیں چھوڑتا۔ سالک کو چاہیئے کہ ہمیشہ چوکنا رہے۔ جب وہ اپنے کام میں مشغول ہے تو تم بھی اپنے کام میں غفلت نہ برتو۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پہلوان چھوڑ رکھا ہے تاکہ تم اس سے مقابلہ کر کے اپنی طاقت بڑھا سکو۔ لذاتِ بہشت کا اگر پُوری طرح فائدہ اُٹھانا ہو تو انسان اس دُنیا میں اپنی رُوحانی قوت بڑھا لے۔ دیکھو اگر دو آدمی یکساں مالدار ہیں لیکن ان میں سے ایک تو خوب تندرست ہے اور دُوسرا دائم المریض۔ تو اَب دونوں میں اپنی دولت سے کون زیادہ فائدہ حاصِل کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جو توانا و تندرست ہے، وہ ہی اپنی دَولت سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہو سکے گا۔ اسی طرح آخرت کی نعمتوں کا پُوری طرح لطف اُٹھانے کے لئے رُوحانی قوّت کی ضرورت ہے۔ یہ قوّت شیطان کے ساتھ مقابلہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ مجاہدات کے داؤ پیچ شیطان کو زیر کر دیتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے شیطان سے کہا :

"اَب بھی وقت ہے توبہ کر لے، کیوں خواہ مخواہ اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے؟"

شیطان نے کہا :

"بہتر ہے۔ آپ توبہ منظور کروا دیجئے۔"

موسیٰ علیہ السّلام بہت خوش ہوئے۔ بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اچھی بات ہے۔ اَب بھی اگر وہ آدمؑ کی قبر کو سجدہ کرلے تو اس کی بخشش ہوسکتی ہے۔"

موسیٰ علیہ السّلام نے جب یہ بات شیطان سے کہی تو اُس نے کہا:

"بہت خوب! جب آدم زندہ تھے اس وقت تو میں نے ان کے سامنے جُھکنا گوارا نہ کیا۔ اور اَب میں ان کی خاک کو سجدہ کروں۔ یہ مجھ سے ھرگز نہ ہوسکے گا۔"

مدینہ طیبہ

(اسلام پر شیطانی حملے)

پہلا حملہ ڈاکٹر عبدالرحمان (بانی مہمان خانہ "نسیم منزل" مدینہ طیبہ) نے کہا کہ گذشتہ سال ایامِ حج میں بعض پاکستانیوں سے جہاد کے متعلق میری گفتگو ہوئی، تو ان لوگوں نے کہا:

"جہاد پر تبلیغ مقدّم ہے۔"

میں نے اُن سے کہا:

"اگر آج پاکستان پر حملہ ہوجائے تو آپ کیا کریں گے؟ آپ دشمن سے یہ کہیں گے کہ ذرا رُک جاؤ ابھی ہمارا تبلیغی کام باقی ہے۔"

حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا: جہاد کے خلاف پروپیگنڈا اور اسلامی عقائد کی مخالفت، یہ سب شیطانی حملے ہیں جو مختلف DIRECTIONS (سمتوں) سے اسلام پر ہورہے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان حملوں کا سدّباب کریں۔ ورنہ بعد میں

ان سے بچنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

دُوسرا حملہ

یہ جو آجکل لوگ کہتے ہیں کہ جب تک ہم کسی چیز کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھیں۔ کیسے یقین کر سکتے ہیں۔ یہ بھی ایک شیطانی حملہ ہے۔

شیطان نے مختلف ہتھیاروں سے اسلام کے خلاف محاذ قائم کر رکھا ہے۔ ایک دفعہ ہم کلکتہ گئے۔ وہاں ڈاکٹر بوس کی LABORATORY (تجربہ گاہ) دیکھنے کے لئے چند امریکی سائنس دان آئے ہوئے تھے ہم نے بھی وقت لے لیا تھا۔ وقتِ معینہ سے پانچ منٹ پہلے ہم وہاں پہنچے۔ امریکی سائنس دانوں کی جماعت ہم سے پہلے وہاں موجود تھی۔ غرض ٹھیک دس بجے ڈاکٹر بوس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے ایک آلہ کے ذریعے یہ دکھایا گیا کہ درختوں میں بھی جان ہوتی ہے۔ اس کے بعد زہر دے کر یہ ثابت کیا کہ جانداروں کی طرح درخت کی بھی زہر سے موت واقع ہوتی ہے۔ پھر یہ دکھایا کہ خوشی اور غمی درخت بھی محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور آلہ کے ذریعہ دکھایا کہ دو پودے جو پاس پاس تھے، ان میں خوشی کے تاثرات پائے جاتے تھے۔ اور جب انھیں جدا کر کے دُور دُور رکھا گیا تو ان پر حزن و غم کے اثرات مرتّب ہوئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر بوس ہم سب کو ایک تاریک کمرہ میں لے گئے۔ اور INVISIBLE LIGHT (نظر نہ آنے والی روشنی) کا مشاہدہ کرایا۔ روشنی نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن اس کے اثرات پائے جاتے تھے۔ کبھی وہ اینٹ کے پار ہو جاتی تھی اور کبھی کتاب کے بھی آر پار نہیں ہو سکتی تھی۔ ہم نے مسٹر بوس سے دریافت کیا:

"آپ کو اس روشنی کا علم کب ہوا؟"

انھوں نے کہا:

"کوئی سات سال ہوئے ہیں۔"

ہم نے کہا:

"کیا اِس کا وجود اس سے پہلے بھی تھا؟"

انھوں نے کہا :

"ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔"

اس کے بعد ہم نے دریافت کیا :

"کیا آپ کے خیال میں یہ ممکن ہے کہ اگر اس روشنی کے ذریعہ دُنیا کی چیزوں کو دیکھا جائے تو بعض وہ چیزیں جو ہمیں نظر آتی ہیں وہ اِس روشنی کی وجہ سے نظر نہ آسکیں اور بعض وہ چیزیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں اس روشنی کی بدولت نظر آنے لگیں؟"

انھوں نے کہا :

"ہاں یہی بات ہے۔"

پھر وہ ہم لوگوں کو ایک اور مشین کے سامنے لے گئے۔ اس مشین میں ایک شیشہ تھا۔ جس کے سامنے آدمی کو کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ یہ معلوم کرنے کیلئے کہ اس کی رُوح کتنی قوی ہے۔ نتیجہ اس طرح اخذ کیا جاتا تھا کہ جتنی جس کی رُوح قوی ہو گی۔ اسی مناسبت سے اس شیشہ میں اس کا عکس زیادہ صاف نظر آئے گا۔ اور جتنی جس کی رُوح کمزور ہو گی اسی قدر اس کے عکس میں دُھندلاپن ہو گا۔ سب لوگ باری باری اس مشین کے سامنے سے گذر رہے تھے اور اپنی رُوح کی طاقت کا اندازہ لگا رہے تھے۔ ہم حیران تھے کہ رُوح تو ایک عالمِ بالا کی چیز ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک مادّی چیز کے ذریعہ اس کی قوّت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ایک امریکی خاتون جو پارٹی میں شامل تھی مشین کے سامنے آئی۔ اس کا عکس سب سے زیادہ صاف اور چمک دار نظر آیا۔ یہ دیکھ کر سب نے کہنا شروع کیا :

"GOOD! GOOD! VERY STRONG SOUL"

(خوب ۔خوب ! آپ کی رُوح بہت قوی ہے)

اَب ہمیں معلوم ہُوا کہ معاملہ کیا ہے ۔جب ہم تجربہ گاہ پہنچے تھے تو رسمی طور پر سب کا تعارف کرایا گیا تھا ۔سب سے مصافحہ بھی ہُوا تھا ۔ اُس خاتون کے ساتھ جب مصافحہ ہُوا تو ہم نے محسوس کیا کہ اسے بُخار ہے ۔ اَب ہمیں ڈاکٹر بوس کی غلطی معلوم ہو گئی ۔ دراصل اس مشین پر جسمانی حرارت کا اثر پڑتا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ رُوح کی قوت ہے ۔ ہم نے ڈاکٹر بوس سے کہا :

"کبھی آپ نے کسی بُخار والے آدمی کو بھی اس کے سامنے کھڑا کیا ہے ؟"

انھوں نے کہا :

"نہیں ایک بیمار کو کس طرح یہ تکلیف دی جائے ۔"

ہم نے کہا :

"سائنس کی خاطر آپ کو یہ کرنا چاہئیے ۔ آپ نے اپنے تجربہ کے لئے جوگیوں کو لاکر سامنے کھڑا کیا ہوگا ۔ اور جوگی لوگ حبس دَم کیا کرتے ہیں ۔ ان کے جسم میں حرارت بڑھ جاتی ہے ۔"

خیر اس کے بعد ہم سب لوگ ایک جگہ بیٹھ گئے ۔ باتیں ہوتی رہیں ۔ دَورانِ گفتگو ڈاکٹر بوس نے کہا :

"اَب سب کچھ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اس لئے اس کا یقین کرتے ہیں ۔جب تک آنکھوں سے نہ دیکھ لیں کیسے یقین آئے ۔ اور مذہبی دیوانے دیکھتے کچھ نہیں لیکن چیزوں کی ہستی کا یقین کر لیتے ہیں ۔"

ہم نے کہا :

"ہم سائنس دان تو نہیں ہیں ۔لیکن تھوڑی سی سائنس پڑھی ضرور ہے ۔ اِس لئے ہم اس سے بالکل بے خبر بھی نہیں ہیں ۔ ہمارے سائنس کے اُستاد

کہتے تھے کہ سائنس کی بنیاد THEORIES (نظریات) پر ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟"

ڈاکٹر بوس نے کہا:

"جی ہاں یہ صحیح ہے۔"

ہم نے کہا:

"پھر ہم میں اور آپ میں کیا فرق ہے؟"

وہ امریکن بہت سمجھ دار لوگ تھے۔ ہمارے اعتراضات اور گفتگو سے بہت محظوظ ہوئے۔ ہم سے کہنے لگے:

"کیا ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ کون ہیں؟"

ہم نے کہا:

"A MERE BEGINNER IN SPIRITUALITY"

(علمِ رُوحانیت میں ایک نوآموز)

کہنے لگے:

"آپ کا بہت بہت شکریہ! آپ نے ایسے نکات ہمارے کانوں میں ڈالے ہیں جن پر ہم بڑی دلچسپی سے غور کریں گے۔ آج سے پہلے ہم نے کبھی ایسی باتیں نہیں سُنی تھیں۔"

واقعی یہ لوگ تشنہ ہیں۔ انھیں ان کی تشنگی بُجھانے والے لوگ نہیں ملتے۔ خیر ہم نے ڈاکٹر بوس سے یہ بھی دریافت کیا کہ آپ زندہ اور مُردہ کے درمیان طبی فرق بتا سکتے ہیں؟ وہ کیسی چیز ہے جس کے جُدا ہونے سے آدمی مُردہ بن جاتا ہے؟ لیکن اس سوال کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔

اس کے بعد فرمایا: غیب پر شک کرنا اور عینی مشاہدہ کے بغیر یقین نہ کرنا ایک شیطانی حملہ ہے۔ جس سے مُسلمانوں کو بچنا چاہیئے۔

تیسرا حملہ اس کے بعد فرمایا: تیسرا حملہ جو شیطان نے مسلمانوں پر کر رکھا ہے وہ ہے NATIONALISM (وطنیت)۔ ہانگ کانگ میں حاجی فاضل کا ایک کارخانہ ہے۔ جس میں ایک صاحب کام کرتے تھے۔ انھوں نے بیان کیا کہ ایک دفعہ چینیوں نے انگریزوں کا بائیکاٹ کر دیا۔ اور تمام ملازمین نے انگریزوں کا کام بند کر دیا۔ ہمارا ایک ملازم تھا جو چینی مسلمان تھا۔ اُس نے بھی ہمارا کام کرنا چھوڑ دیا۔ ہم نے اس سے کہا:

"بھائی تم انگریزوں کا کام مت کرو مگر ہم تو تمہارے بھائی ہیں۔ تم مسلمان ہم مسلمان پھر ہمارا کام کیوں نہیں کرتے؟"

اُس نے کہا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں چینی آپ ہندوستانی اور پھر انگریز کی رعایا۔ میں اپنے نیشن کے خلاف کیسے جا سکتا ہوں؟ آپ کا وطن الگ ہے، میرا وطن الگ۔"

یعنی وہ NATIONALISM (وطنیت) کو اسلامی اخوت سے بالاتر سمجھ رہا تھا۔ لیکن یہ اس کا قصور نہیں۔ یہ ایک مستقل محاذ ہے جو شیطان نے اسلام کے خلاف قائم کر رکھا ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ متفق ہو کر اس کا مقابلہ کریں۔ یہ ہماری حیات و بقا کا مسئلہ ہے اس میں تساہل کی گنجائش نہیں۔

ایمان بالغیب ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ	الف لام میم۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ہدایت ہے متقیوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں غیب پر۔

قرآن کی رُو سے اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ غیب پر ایمان رکھنے والے ہی ہدایت پا سکتے ہیں۔ ایمان بالغیب پہلی شرط ہے۔ لیکن یہ مغرب زدہ لوگ کہتے ہیں کہ جب تک ہم آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ کسی بات کو نہیں مانیں گے۔ ان کا یہ کہنا بالکل لغو ہے۔ اس لئے کہ ایمان بالغیب کے بغیر تو کوئی ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ لوگ ڈاکٹر پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔ اگر یہ نہ کریں تو علاج نہیں کرا سکتے۔ جو کچھ ڈاکٹر کہتا ہے، آنکھیں بند کر کے اس پر عمل کرتے ہیں۔ خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ایمان بالغیب نہیں تو اور کیا ہے؟ علاج شروع کرانے سے پہلے زیادہ سے زیادہ صرف دو باتوں کا اطمینان کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ڈاکٹر QUALIFIED (سند یافتہ) ہو۔ دوسرے یہ کہ ڈاکٹر کی مریض سے عداوت نہ ہو۔ اتنا اطمینان کر لینے کے بعد جب یہ ایمان بالغیب کے منکر کسی ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں تو پھر بلا تامّل آنکھیں بند کر کے اس کا ہر حکم مان لیتے ہیں۔ راہِ تصوّف میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔ جب یہ حضرات یعنی اہل اللہ QUALIFIED (سند یافتہ) ہیں اور مزید یہ کہ ان کو امتِ محمدیہؐ سے محبّت ہے۔ تو بس اتنا کافی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان کے کہے پر عمل نہ کیا جائے۔

ذہنی مجاہدہ ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ بعض مرتبہ ہمارے مولانا صاحبؒ جو مجاہدہ ہم سے لیا کرتے تھے وہ اس وقت بظاہر تو بڑا سخت معلوم ہوتا تھا لیکن حقیقتاً آسان ہوتا تھا۔ مثلاً ایک دفعہ رمضان شریف میں شام کے وقت ہمیں شدّت کی پیاس لگ رہی تھی۔ ہماری حالت یہ تھی کہ پیاس کے مارے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ اس دن ہم نے ایک خاص شغل بھی کیا تھا جس کی وجہ سے جسم کے اندر بہت گرمی تھی۔ اب مولانا صاحبؒ نے ہم سے فرمایا:

"ذوقی! آج طے کا روزہ رکھ لو۔"

ہم بہت گھبرائے لیکن ارشادِ شیخ کی تعمیل ضروری تھی۔ ہم نے پختہ ارادہ کر لیا کہ

خواہ کچھ ہی ہوجائے ، آج کا اپنا روزہ طے کا روزہ ہوگا۔ جب افطار کا وقت آیا تو مولانا صاحبؒ نے فرمایا :

"آؤ صوفی افطار کرلو۔"

اِس طرح ہم سے ذہنی مجاہدہ لیا گیا جو بظاہر بڑا سخت معلوم ہوتا تھا۔ بس تھوڑی ہی دیر نفس کے ساتھ لڑائی لڑنی پڑی اور انعام سے نوازے گئے۔

خواجہ نصیرالدین چراغؒ کا عُرس

ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت مولانا صاحبؒ دہلی میں تشریف فرما تھے رمضان کا مہینہ تھا۔ اور حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ کے عُرس کا موقعہ تھا مولانا صاحبؒ نے عُرس میں شریک ہونے کا حکم دیا۔ فرمایا :

"تم لوگ آگے چلے جاؤ اور رہائش وغیرہ کا انتظام کرلو ہم بعد میں پہنچیں گے۔ اور روزہ وہیں پر سب اکٹھے افطار کرلیں گے۔"

اَب ہمارے لئے وہاں بنی قریظہ کا سا واقعہ پیش آیا۔ ہم لوگوں نے وہاں پہنچ کر سارے انتظامات کرلئے۔ افطاری کا وقت بھی ہوگیا لیکن مولانا صاحبؒ تشریف نہ لائے۔ سب لوگوں نے افطار کرلیا لیکن ہم نے نہیں کیا۔ ساتھیوں نے بہت کہا کہ وقت ہوگیا آپ افطار کرلیں۔ لیکن ہم نے کہا :

"مولانا صاحبؒ نے تو یہ فرمایا تھا کہ افطاری اکٹھے کریں گے۔ اب جب تک مولانا صاحبؒ نہیں آجاتے، ہم روزہ نہیں کھولیں گے۔ خواہ رات کے بارہ بج جائیں۔"

کوئی نو بجے کے قریب مولانا صاحبؒ تشریف لے آئے۔ اور آتے ہی دریافت فرمایا :

"کیا افطار کرچکے ؟"

ہم نے عرض کیا :

"جی نہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"ہم نے بھی اب تک افطار نہیں کیا ہے۔ آؤ روزہ کھول لیں۔"

غرض یہ شرف ہمیں حاصل ہُوا کہ ہم نے مولانا صاحبؒ کے ساتھ افطاری کی۔ ارشاد فرمایا وہاں کا عُرس بہت پُرکیف تھا۔ خوب قوالی ہُوئی اور اس قدر انوار کی بارش ہُوئی کہ سینہ پھٹا جاتا تھا۔ بات یہ ہے کہ حضرت محبُوب الٰہیؒ کے تقریباً جملہ تبرّکات آپ کے پاس تھے۔ مثلاً آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا عصا، پیراہن مُبارک اور جُوتے وغیرہ تبرّکات کے متعلق آپ نے وصیت فرمائی تھی:

"تمام چیزیں میرے ساتھ قبر میں رکھ دی جائیں۔"

چنانچہ ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ ان تبرّکات کے طفیل وہاں بے حد انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے۔ دُوسرے دن مولانا صاحبؒ کو بُخار ہوگیا۔ آپ نے فرمایا:

"ہمارے لئے تو بیل گاڑی کا انتظام کردو اور تم گھوڑا لے جاؤ۔"

ہم نے ان کے لئے بیل گاڑی کا انتظام کردیا اور ہم ان کے گھوڑے پر سوار ہوکر قیام گاہ پہنچے۔ راستے میں ایک پنجابی مجذوب ملے۔ جاتے وقت بھی ان سے مُلاقات ہوئی تھی۔ اس وقت انھوں نے تین پیسے طلب کئے تھے۔ اَب کی دفعہ ہم نے انھیں دُو آنے پیش کئے۔ لیکن انھوں نے انکار کردیا۔ کہنے لگے:

"نا بھائی۔ ہم تو وہی تین پیسے لیں گے۔"

چنانچہ ہم نے انھیں تین پیسے دیئے اور آگے بڑھ گئے۔ اُن مجذوب صاحب نے بڑی زور کی آواز لگائی:

"صرف تم ہی پیرے ہو، باقی سب بے پیرے ہیں۔"

اس کا تذکرہ ہم نے مولانا صاحبؒ سے کیا۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"وہ دہلی کے صاحبِ خدمت تھے۔"

اَب جو ہم نے انھیں تلاش کیا تو وہ کہیں نہ ملے. مولانا صاحبؒ سے ہم نے عرض کیا:

"وہ مجذوب تو ہر روز اُس جگہ بیٹھا کرتے تھے، اَب نہ معلوم کہاں چلے گئے ہیں؟"

مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"وہ تو گئے. یہاں سے ان کا تبادلہ ہوگیا ہے. تمہارا کیا خیال تھا ان کے چلے جانے سے پیشتر ہی بتا دیتے کہ وہ یہاں کے صاحبِ خدمت ہیں؟"

اِس کے بعد حضرتِ اقدسؒ نے فرمایا کہ اہل اللہ کے بڑے ظرف ہوتے ہیں. بڑی ہوشیاری سے اپنے آپ کو چھپاتے ہیں. ایک دفعہ ہمارے ایک پیر بھائی کی بیوی سخت بیمار تھی. رات کے وقت مولانا صاحبؒ نے ہم سے کہا:

"اس بیچارے کی اہلیہ کا اِنتقال ہوگیا ہے."

دوسرے دِن جب وہ حسبِ معمول مولانا صاحبؒ کی خِدمت میں حاضر ہُوا تو آپ نے دریافت فرمایا:

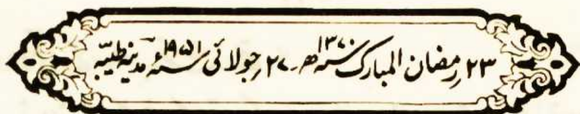
"تمہاری بیوی کا اَب کیا حال ہے؟"

اُس نے کہا:

"حضورؒ ان کا تو اِنتقال ہوگیا."

آپ نے تعزیت کی اور صبر کی تلقین کی. ہم دِل ہی دِل میں ہنس رہے تھے کہ رات اپنے حجرہ میں بیٹھے بیٹھے واقعہ کی ہمیں اِطلاع دی اور اب اس کے سامنے انجان بنے ہوئے ہیں جیسے کچھ جانتے ہی نہیں. اس کے بعد علیحدگی میں ہم سے فرمایا:

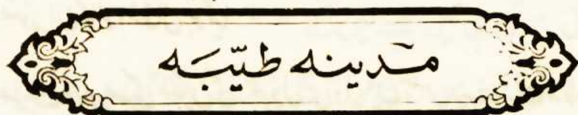
"یہ سب کچھ تمہاری تعلیم کے لئے تھا."



مشرکینِ مکہ اور غیر مقلدین

آج متعصب غیر مقلدین کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ حضرتِ اقدسؒ نے ارشاد فرمایا؛

مشرکینِ مکہ اور ان لوگوں کے عقائد میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ مشرکینِ مکہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل تھے۔ لیکن ان کا نظریہ یہ تھا کہ جس طرح دنیوی بادشاہ جاسوسوں کے ذریعہ کام لیا کرتے ہیں۔ اسی طرح فرشتے بھی اللہ کے جاسوس ہیں۔ اللہ کو فرشتوں کے ذریعہ دُنیا کے حالات کا علم ہوتا رہتا ہے۔ اس عقیدہ کی وجہ سے ان لوگوں نے فرشتوں کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر فرشتوں کو خوش رکھا جائے تو اللہ میاں بھی خوش ہوں گے اور اپنا کام بن جائے گا۔ ان لوگوں کا بھی یہی حال ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اللہ عرش پر بیٹھا ہُوا ہے اور فرشتے دُنیا کے حالات سے اسے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ گویا اللہ میاں کو نعوذ باللہ جکڑ کر بٹھا رکھا ہے۔ ان لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ خدا ایک بہت بڑا آدمی ہے جو اُوپر رہتا ہے اس کی بڑی بڑی آنکھیں ہیں۔ بڑے بڑے کان ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی برتر ہستی کو اپنے اُوپر قیاس کرتے ہیں۔ کس قدر مضحکہ خیز تخیل ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے قیاس، خیال، گمان اور وہم سے بہت بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اگر حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنے نفس کی نفی کرو۔ خود بخود ذات کا ادراک ہو جائے گا۔[۱]



سعیِ لاحاصل

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرتِ اقدسؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں آدمی یہاں کا صاحبِ خدمت تھا اب اس کا

---

[۱] نفس کی نفی کا طریقہ صفحہ نمبر ۲۴۲، ۷۰۵ وغیرہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تبادلہ ہوگیا ہے۔ ایک اور صاحب نے کہا کہ مجھے ایک دوست نے بمبئی کے صاحبِ خدمت کا پتہ بتایا تھا۔ میں ان کی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے مجھے حاجی ملنگ باباؒ کے دربار میں حاضری کا حکم دیا۔ یہ سُنکر حضرتِ اقدسؒ بہت خفا ہوئے۔ فرمایا کہ یہ سب سعیِ لاحاصل ہے۔ ان لوگوں کے پیچھے دوڑنا اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی مرضی کے خلاف ایک قدم نہیں اُٹھا سکتے۔ جو حُکم ان کو اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے اُسی پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں کمی بیشی نہیں کر سکتے۔ نہ معلوم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے۔ جو کچھ مانگنا ہو اپنے اللہ سے مانگو۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ وہ تو تم سے تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہر وقت تمہارا محافظ و مددگار ہے۔ اس سے کیوں نہیں مانگتے؟ کیوں ان لوگوں کے پیچھے دوڑ دوڑ کر اپنا وقت بھی برباد کرتے ہو اور ان کو بھی پریشان کرتے ہو؟ مکھّی بھی صاحبِ خدمت ہے وہ بھی تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت ہی کے لئے پیدا کی ہے۔ ایک دفعہ کسی شہر میں مکھیاں زیادہ ہوگئیں۔ لوگوں نے ایک بزرگ سے ان کے دفعیہ کے لئے دُعا کی درخواست کی۔ ان بزرگ نے فرمایا:

"دیکھو اگر یہ مکھیاں چلی گئیں تو تمہیں اس سے زیادہ تکلیف پہنچے گی۔"

مگر لوگ نہ مانے اور دُعا کے لئے اِصرار کرنے لگے۔ آپ نے دُعا فرمائی، جس کے نتیجہ میں مکھیاں تو غائب ہوگئیں لیکن چند دِنوں کے بعد شہر میں ایک ایسی وَبا پھیلی کہ بہت سے لوگ ہلاک ہوگئے۔ سُورج بھی صاحبِ خدمت ہے وہ بھی تمہاری خِدمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ تمہاری خدمت پر مامور ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ایک گنوار مُرید نے حضرت خضر علیہ السّلام سے عرض کیا تھا:

"مجھے ایسی چیز عطا کیجئے جو میری قسمت میں نہ ہو۔"

مگر وہ بیچارے کیا کر سکتے تھے۔ جب خضر علیہ السلام جیسی ہستی کسی کا مقدّر بدل نہیں سکتی تو یہ صاحبانِ خدمت جن کے ذمّہ کچھ مخصوص خدمات ہُوا کرتی ہیں۔ جن کا کام تعمیلِ احکامات کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔ یہ غریب کسی کے معاملہ میں کیا کر سکتے ہیں۔ ارے بھائی جو چیز قسمت میں ہوتی ہے خود بخود مِل جاتی ہے اور جو چیز تمہاری قسمت میں نہ ہو تم لاکھ جتن کرو ہرگز نہیں مِل سکتی۔ بس اس کا ایک ہی راستہ ہے۔ وہ جو قِسمتوں کا مالک ہے اسی کی بارگاہِ عالی میں گڑگڑا کر عرض کرو کہ مولی میری قسمت کی بَدی بھلائی میں تبدیل فرما دے۔

مُڑ کر نہ دیکھنا

ایک دفعہ مولانا صاحبؒ نے ہمیں حُکم دیا کہ کلیر شریف جا کر ایک چِلّہ کرو۔ دو شغل بتائے۔ فرمایا:

"بیس دن عُرس سے پہلے یہ شغل اس طرح سے کرنا، اور عُرس کے بعد فلاں شغل کا طریقہ یہ ہوگا۔"

میں نے عرض کیا:

"حضورؒ ہمیں اندیشہ ہے کہیں ہم دوسرے شغل کا طریقہ بھول نہ جائیں۔"

مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"اچھا ہم خود آجائیں گے۔ فلاں تاریخ کو گیارہ اور بارہ کے درمیان سماع خانہ کے پاس فلاں چبوترہ پر ہمیں دیکھ لینا۔"

غرض ہم کلیر شریف پہنچے۔ بیس روز ارشادِ شیخ کی تعمیل میں گزار دیئے۔ حسبِ معمول لنگر خانہ میں روٹی لینے کے لئے پہنچے۔ روزانہ ایک روٹی مِلا کرتی تھی، اس دن دو روٹیاں

ملیں۔ چونکہ اس دن مولانا صاحبؒ سے مُلاقات کی معیّنہ تاریخ تھی۔ ہم سمجھ گئے کہ زائد روٹی جو ملی ہے وہ مولانا صاحبؒ کا حصّہ ہے۔ روٹیاں ہم نے رومال میں لپیٹ لیں اور فوراً مقرّر کردہ مقام پر پہنچے۔ لیکن مولانا صاحبؒ کہیں نظر نہ آئے۔ ہمیں اپنی گھڑی پر شبہ ہُوا کہ کہیں آگے پیچھے نہ ہوگئی ہو۔ کچھ فاصلہ پر ایک صاحب بیٹھے ہُوئے نظر آئے۔ ہم نے سوچا چلو ان سے دریافت کرتے ہیں کہ اِس حُلیہ کے کوئی بزرگ یہاں آکر چلے تو نہیں گئے۔ قریب جو پہنچے تو معلوم ہُوا کہ خود مولانا صاحبؒ ہی ہیں۔ دیکھ کر مُسکرا دیئے۔ فرمایا:

"اِس رومال میں کیا ہے؟"

ہم نے عرض کیا:

"روٹی"

یہ کہتے ہُوئے وہ دونوں روٹیاں آپ کی خدمت میں پیش کردیں۔ اِرشاد فرمایا:

"تم نہ کھاؤ گے؟"

ہم خاموش رہے۔ اس کے بعد مولانا صاحبؒ نے وہ شغل ہمیں تعلیم فرمایا اور فرمایا:

"اچھا اَب جاؤ۔ سیدھے چلے جانا۔ مُڑ کر نہ دیکھنا۔"

ہم کچھ ہی دُور چلے تھے کہ مُڑ کر دیکھنے کی خواہش ہُوئی۔ لیکن چونکہ شیخ کا حکم نہیں تھا اِس لئے ہم نے ایک ترکیب نکالی کہ حُکم عدولی بھی نہ ہو اور کام بھی بن جائے۔ ہم جان بوجھ کر اس طرح گرے کہ مُنہ پیچھے کی طرف ہوگیا اور ہم نے انھیں دیکھ لیا۔ لیکن اس دفعہ اسی شکل میں نظر آئے جیسے ملاقات سے پیشتر نظر آئے تھے۔ ہمیں اس چالاکی سے گرتا دیکھ کر مولانا صاحبؒ خوب ہنسے۔

شیخ کا پَرتو

اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا صاحبؒ نے ہمیں حضرت محبُوبِ الٰہیؒ کے مزارِ مُبارک پر چلّہ کے لئے بھیجا۔ وہاں روزانہ

قوالی سُننے کا موقعہ ملتا تھا۔ ان ہی دِنوں کچھ ایسے حالات پیدا ہوگئے جن کی وجہ سے قوال آستانہ شریف نہیں پہنچتے تھے۔ طوائفوں کے خلاف ایک تحریک اُٹھی تھی لوگ شادی بیاہ کی تقریبوں میں بجائے طوائفوں کے قوالوں کو بُلانے لگے تھے۔ ان دنوں شادیاں بھی بہت ہو رہی تھیں اور سارے قوّال ان تقاریب میں مدعو رہتے تھے۔ لہذا مسلسل کئی روز تک جم کر قوالی سُننے کا موقع ہی نہ مِلا۔ اب ہم پر سخت انقباض طاری ہُوا۔ تنگ آکر ہم نے مولانا صاحبؒ کی خِدمت میں خط بھیجا۔ انھوں نے ڈیڑھ سطر کا جواب بھیجا جس میں تحریر تھا کہ فوراً یہاں چلے آؤ۔ اب ہم لکھنؤ پہنچے۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا:

"ہماری بھی یہی حالت ہے۔ انقباض تو ہمیں بھی ہوگیا ہے۔ ہمارا پرتو تم پر پڑ رہا ہے۔"

حکم دیا:

"آج رات کھانا نہ کھانا۔"

عشاء کے وقت ہم سے فرمایا:

"آج کی شب شاہ میناؒ کے مزار پر گزارو۔ رات بھر وہیں مراقب رہنا اور صبح کی نماز پڑھ کر آجانا۔ کوئی تبرک ملے تو کھانا نہیں۔ ساتھ لے آنا۔"

خیر ہم چلے گئے۔ فاتحہ پڑھ کر مراقب ہُوئے ہی تھے کہ قوالی شروع ہوگئی اور تمام رات رہی۔ اِس قدر لُطف آیا کہ پُوری رات گذر گئی اور ہمیں احساس تک نہ ہُوا۔ اذان کی آواز پر ہم نے آنکھیں کھولیں۔ دیکھا تو صبح صادق ہے۔ شب کو کسی نے ہمارے سامنے تبرّک رکھ دیا تھا۔ ہم نے رُومال میں باندھ لیا۔ صبح کی نماز پڑھی اور تبرّک لے کر مولانا صاحبؒ کی خِدمت میں حاضر ہوگئے۔ آپ نے فرمایا:

"بہت اچھی قوالی تھی۔ ہم بھی گئے تھے۔ پہلے قوالوں نے یہ چیز گائی۔ اس

کے بعد فلاں چیز گائی۔ قوال جب فلاں شعر کی تکرار کرنے لگے تو ہم نے انھیں منع کر دیا۔"

ہم نے عرض کیا:

"بے شک اسی طرح ہوا ہے۔"

ہم نے خادم سے دریافت کیا:

"رات مولانا صاحبؒ کہیں تشریف لے گئے تھے؟"

خادم نے کہا:

"جی نہیں تو۔"

ہم نے کہا:

"یاد کیجیے۔"

خادم کہنے لگا:

"کیا یاد کروں؟ حجرہ کا دروازہ تو میں نے خود باہر سے بند کر دیا تھا۔"

خواجہ صاحبؒ کے ساتھ حضرتؒ کی سیر

ارشاد فرمایا: افغانستان کی جو موجودہ حالت ہے یہ جاتی رہے گی، اور وہاں انشاء اللہ عجیب و غریب طور پر ترقی کا دور شروع ہو جائے گا۔ میں نے ایک دفعہ عالمِ معاملہ میں دیکھا کہ اجمیر شریف میں روضۂ اقدس کے اندر کھڑا ہوں۔ مغرب کی سمت جہاں قرآن شریف رکھا ہوا ہے ذرا دیوار کی طرف جھکی ہوئی لیکن دیوار سے الگ ایک مسہری ہوا میں معلّق نظر آئی۔ میں سرہانے کی جانب کھڑا ہوا ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب اس مسہری پر چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں۔ پھر یہ دیکھا کہ انھوں نے اپنی چادر ہٹائی اور اٹھ بیٹھے۔ میں نے دل میں کہا یہ تو حضرت خواجہ غریب نوازؒ ہیں۔ ایک جست میں خواجہ صاحبؒ نیچے آ گئے۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

"اچھا ہُوا ذوقی تم آ گئے۔ آؤ تمہیں سیر کرائیں۔"

ایک کونہ میں سُرخ رنگ کا صندوق رکھا ہُوا تھا۔ کسی خادم نے عرض کیا:

"حضور! درخواستیں بہت جمع ہو گئی ہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"اِس وقت فرصت نہیں۔ بعد میں دیکھیں گے۔"

اس وقت آپ ایک سترہ سال کے نہایت حسین و جمیل نوجوان کی صُورت میں تھے۔ سر پر مارواڑی انداز کا تاج تھا اور تاج میں نہایت آبدار موتی جڑے ہوئے تھے۔ چہرہ کے دونوں جانب بھی موتی کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ ہر موتی سے روشن شعاعیں نکل رہی تھیں۔ ہر موتی بذاتِ خود ایک جہان معلوم ہوتا تھا۔ اس سج دھج میں آپ اس وقت ایک باوقار و پُرجلال شہزادہ معلوم ہوتے تھے۔ ہم نے جب مولانا صاحبؒ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا:

"تم نے خواجہ صاحبؒ کو ان کی اصلی صُورت میں دیکھا ہے۔"

خیر آپ درگاہ شریف سے باہر آئے اور چشم زدن میں وہاں سے ایک ایسے چبوترے پر پہنچے جہاں اجمیر کے بہت سے لوگ جمع تھے۔ لیکن ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالعزیز موجود نہیں تھے۔ میں نے حضرت غریب نوازؒ سے دریافت کیا:

"ڈاکٹر عبدالعزیز نظر نہیں آ رہے ہیں۔"

آپ نے ہنستے ہُوئے فرمایا:

"وہ ایک بیمار کو زندہ کرنے گئے ہیں۔"

یہ کہہ کر آگے بڑھے اور فرمایا:

"وہ تمہارا دہلی والا دوست ملتان گیا ہُوا ہے اور وہاں پہنچ کر بیمار ہو گیا ہے۔ چلو اس کی کچھ مدد کریں۔"

پلک جھپکتے ہی ہم ملتان پہنچ گئے۔ دیکھا تو وہ صاحب پلنگ پر پڑے ہوئے ہیں۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا:

"کیا حال ہے؟"

انھوں نے کہا:

"میں کسی کام سے یہاں آیا تھا۔ یکایک بیمار ہوگیا۔ روپیہ پیسہ بھی ختم ہوگیا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں؟"

آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کچھ روپے اس کے سرہانے رکھ دیئے۔ اس کے بعد فرمایا:

"آؤ کابل چلیں۔"

ایک آن میں ہم کابل پہنچ گئے وہاں ایک بہت بڑا شامیانہ نصب تھا اور اس کے اردگرد مہمانوں کے خیمے تھے۔ اس شامیانہ میں بہت بڑا جلسہ ہو رہا تھا جس میں دُنیا بھر کے بڑے بڑے لوگ موجود تھے، اور بہت اہم امور زیرِ بحث تھے۔ کوئی مِسلیں لئے کھڑا تھا۔ کوئی لکھ رہا تھا۔ کوئی بلند آواز سے بول رہا تھا۔ کوئی مایوسی کے عالم میں خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ غرض کچھ عجیب سماں تھا۔ خواجہ صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا:

"جب مجھ میں غضب کے آثار معلوم ہوں تو تم یہاں سے کھسک جانا۔"

اس کے بعد فرمایا:

"دیکھو اس بیچارے کے ساتھ یہ بدمعاش کیا سلوک کر رہے ہیں۔"

وہ بیچارہ امان اللہ خان تھا۔ اور بدمعاش انگریز تھے۔ میں نے عرض کیا:

"حضور میں اسے اطلاع کردوں کہ آپ تشریف لائے ہیں؟"

آپ نے فرمایا:

"نہیں وہ جانے یا نہ جانے ہم ہیں تو اس کے باپ۔"

یہ آپ نے مزاحاً فرمایا۔ بات یہ ہے کہ امان اللہ کے باپ کا نام حبیب اللہ تھا اور عالمِ بالا میں خواجہ غریب نوازؒ کا نام بھی حبیب اللہ ہے۔ جس وقت آپ کا وصال ہوا تو بہ خطِ نور آپ کی جبینِ اقدس پر یہ تحریر تھا "ھٰذا حَبِیْبُ اللّٰہِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰہِ" خواجہ صاحبؒ کا یہ فرمانا کہ "ہم ہیں تو اس کے باپ" اسی بات کی طرف اشارہ تھا۔ میں نے عرض کیا:

"حضورؒ اس کی اِمداد فرمادیں۔"

آپ نے فرمایا:

"اِمداد ہوجائے گی۔"

اس کے بعد آپ اس اجلاس میں ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور میں ان کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ وہاں معاملات طے ہوتے رہے۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ آپ کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ اور آنکھوں سے جلال ٹپکنے لگا۔ خواجہ صاحبؒ کی یہ صُورت پہلی صُورت سے بالکل مختلف تھی۔ میری طرف دیکھ کر اشارہ فرمایا کہ اب چلے جاؤ۔ چنانچہ میں وہاں سے فوراً ہٹ گیا۔

صبح ڈاکٹر عبدالعزیز کے ہاں گئے۔ ان سے دریافت کیا:

"بھائی رات آپ کہاں تھے؟"

انھوں نے کہا:

"فلاں صاحب کی بہو بیمار تھی اسے دیکھنے چلے گئے تھے۔ رات ان کا آدمی لینے کے لئے آیا تھا۔ جاکر جو دیکھا تو مریضہ کی حالت بہت تشویشناک معلوم ہوئی۔ فوراً ایک دَوا تجویز کی۔ مولیٰ کے کرم سے اَب اس کی حالت خطرہ سے باہر ہے۔"

تین روز بعد ہم دہلی گئے۔ مولانا صاحبؒ اُن دِنوں وہاں موجود تھے۔ منصف نثار احمد

صاحب کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہم یہ واقعہ ان کے سامنے بیان کرنے لگے۔ ابھی خواب کا کچھ حصّہ ہی بیان کر پائے تھے کہ کچھ لوگ آگئے۔ انھیں دیکھ کر ہم رُک گئے۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا :

"ہاں پھر کیا ہُوا ؟"

مولانا صاحبؒ کی ایماء پر باقی ماندہ حصّہ ہم نے بیان کر دیا۔ لیکن آنے والے لوگوں نے مولانا صاحبؒ سے درخواست کی :

"حضور! ان سے فرمائیے کہ یہ شروع سے سُنائیں۔ ہم نے اس خواب کا ابتدائی حصّہ نہیں سُنا۔"

مولانا صاحبؒ نے ہم سے فرمایا :

"اچھا پھر دُہرا دو۔"

اس کے بعد کئی مرتبہ ہم سے سُنا۔ اسے سُن کر مولانا صاحبؒ بہت ہی محظوظ ہوتے تھے۔ دلّی میں ہم اپنے دوست سے بھی ملے جو ملتان پہنچ کر بیمار ہو گئے تھے۔ ہم نے ان سے دریافت کیا :

"آپ کہیں باہر گئے ہُوئے تھے ؟"

انھوں نے کہا :

"جی ہاں۔ میں ملتان گیا تھا اور وہاں پہنچ کر سخت بیمار ہو گیا۔ رُوپیہ پیسہ بھی ختم ہو گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ سخت پریشان تھا لیکن میرے ساتھ عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ایک دِن صبح جو میں اُٹھا تو بیماری غائب تھی اور بندہ بالکل تندرُست و توانا۔ اور مزید برآں تکیہ کے نیچے اپنی ضرورت کے مُطابق کچھ رُوپے بھی رکھے ہُوئے ملے۔ میں تو بھیّا فوراً وہاں سے روانہ ہُوا اور اپنے گھر پہنچ گیا۔"

خوابُ اللہ کی زبان ہے

اس کے بعد فرمایا کہ یہاں پر ہر شخص کی استعداد کے مُطابق انکشافات ہوتے ہیں۔ وہی "چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم" کے مصداق ہر مقام پر نئی محفل ہوتی ہے۔ حقیقت تو ایک ہے لیکن چونکہ استعدادیں مختلف ہوتی ہیں، اس لئے انکشافات میں بھی فرق ہوتا ہے۔ جیسے خواب میں ایک حقیقت بیان کی جاتی ہے۔ لیکن وہ مختلف اشخاص پر مختلف زبانوں میں مختلف انداز سے ظاہر ہُوا کرتی ہیں۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ خواب اللہ کی زبان ہے اس لئے جُھوٹا خواب بیان کرنا گویا اللہ پر تہمت لگانا ہے۔

دَربارِ رسُولؐ

ارشاد فرمایا: ہر جمعرات کی صُبح سے جمعہ کی عصر تک رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دربار ہوتا ہے جس میں تمام اولیاء کرام شریک ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جو جمعرات کے دن پھُول چڑھاتے ہیں ان کو اِس بات کا علم نہیں ہے۔ ہاں جمعرات کی عصر سے مغرب تک اور بعض جگہ مغرب سے عشاء تک اولیاء کرام اپنے اپنے مزارات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فرمایا: اِس مجلس میں نصف وقت مُسلمانوں کے معاملات پر صَرف ہوتا ہے اور نصف وقت میں باقی دُنیا کے معاملات طے ہوتے ہیں۔ آپ رحمۃ للعالمین ہیں صِرف رحمۃ للمؤمنین نہیں ہیں۔ سبھوں کی جانب توجّہ فرماتے ہیں۔ یہ رحمۃ للعالمین ہی کا صدقہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد دُنیا سے شرکِ جلی اُٹھ گیا۔ اور مذاہبِ غیر میں توحید کا اثر نمایاں ہونے لگا۔ ان کے قوانین میں بھی کافی تغیّر و تبدل ہُوا ہے۔ اِسلامی قواعد کے مُطابق طلاق و عقدِ بیوگان وغیرہ کے قاعدے بھی ان کے ہاں رائج ہو چکے ہیں۔ وہ مانیں یا نہ مانیں غیر محسوس طور پر مُسلمان ہو رہے ہیں۔ اَب سُود کی مخالفت بھی ہو رہی ہے۔ ان میں بہت سے گروہ پیدا ہو گئے ہیں جو سُود بند کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سب کیا ہے! یہ سب فیضانِ نبویؐ ہے۔

کرامتِ شیخ ایک مرتبہ حضرت اقدسؒ نے اپنے پیرو مرشد حضرت مولانا شاہ وارث حسنؒ کی ایک کرامت بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ہمارے مولانا صاحبؒ پر جذب کا غلبہ رہا کرتا تھا۔ اُس دَور کی بات ہے کہ ضلع اعظم گڈھ میں ایک مُرید کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ ایک دفعہ شب کے وقت اپنے میزبان سے فرمایا :

" اچھی میزبانی ہے تمہاری۔ تم نے تو ہمیں بھوکا مار ڈالا۔ "

اس نے عرض کیا :

" حضور جو فرمائیں وہ پکوا دُوں۔ بریانی، پلاؤ جو ارشاد ہو۔ "

مولانا صاحبؒ نے فرمایا :

" .... پلاؤ اور .... بریانی ہماری غذا نہیں۔ "

وہ سمجھ گیا۔ گاؤں میں ایک اچھی چوکی قوالوں کی آئی ہوئی تھی۔ فوراً اُس نے ان قوالوں کو بُلوالیا۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا :

" ہم تنہا سُنیں گے۔ تم باہر سے دروازہ بند کردو۔ "

اُس نے باہر آکر دروازہ بھیڑ دیا۔ کنڈی نہیں لگائی۔ قوالوں نے جس وقت حافظؒ کی یہ چیز شروع کی ؎

دِل سراپردۂ محبّت اوست ؎ دیدہ آئینہ دارِ طلعتِ اوست

تو آپ پر کیفیت طاری ہوئی۔ پہلے تو صرف نعروں کی آواز آتی رہی لیکن جب قوال مقطع پر پہنچے تو اس وقت آپ دروازہ کھول کر بڑی تیزی کے ساتھ جنگل کی جانب تشریف لے گئے۔ صاحبِ خانہ کو جیسے ہی اس کا علم ہوا فوراً لوگوں کو دوڑایا خود بھی تلاش میں نکلے مگر سُراغ نہ مِلا۔ دو دِن تک لوگ تلاش کرتے رہے جن میں ہندو کسان بھی شامل تھے۔ مگر پتہ نہ چل سکا۔ تیسرے دن بڑی تگ و دو کے بعد درختوں کے ایک جھنڈ کے اندر

جہاں ایک اندھا کنواں بھی تھا اس کی منڈیر پر کھڑے ہُوئے رقص فرماتے ہوئے ملے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کنوئیں کی جانب اوپر کی طرف اشارہ کرتے تو پانی اس میں سے اوپر اُچھلتا اور آپ آہا ہا فرماتے اور پھر رقص میں مشغول ہو جاتے۔ ہندو کسانوں نے جو یہ دیکھا تو پکار اُٹھے:

"یہ تو دیوتا ہیں۔ انھوں نے اندھے کنوئیں میں سے ایک اِشارہ میں پانی نکال دیا۔"

اَب وہ سارے ہندو کسان مِل کر دیوتا دیوتا کا شور مچانے لگے۔ غرض تیسرے دِن آپ کو ہوش آیا۔ جب گھر پہنچے اور میزبان نے کھانا پیش کرنا چاہا تو آپ نے دَریافت فرمایا:

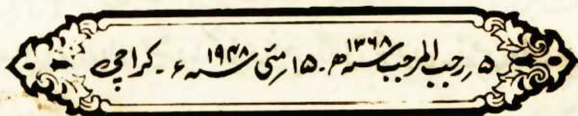
"کتنے دِن ہُوئے ہمیں اس حالت میں؟"

عرض کیا گیا:

"تین دِن۔"

آپ نے فرمایا:

"جاؤ تم لوگ کھانا کھالو۔ ہم اپنی قضا نمازیں ادا کریں گے۔"



سماعِ چشتیاں اور قوال کی بصیرت

ایک موقعہ پر سماع سے متعلق گفتگو تھی۔ اجمیر شریف کے غلام نجف قوال بھی موجود تھے حضرت اقدسؒ نے فرمایا۔ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ چشتیوں کے مسلک میں گانا سُننا ضروری ہے۔ حضرات چشتیہ کے ہاں بلا اجازتِ شیخ گانا نہیں سُن سکتے۔ اور وہ بھی چند شرائط کے ساتھ۔ یہی قید قادری بزرگوں کے ہاں بھی ہے۔ اور وہ شرائط کیا ہیں؟ زمان۔ مکان اور اخوان۔ زمان سے مراد یہ ہے کہ نہ نماز کا وقت ہو نہ کوئی اور

ضرورت دَرپیش ہو۔ سارے مشاغل سے فارغ ہوکر یکسوئی کے ساتھ سماع کی محفل میں بیٹھ سکے۔ مکان سے مُراد یہ ہے کہ پاک صاف خلوت کی جگہ ہو۔ عام گزرگاہ نہ ہو۔ اخوان کا مطلب یہ ہے کہ اس محفل میں صِرف صاحبِ ذوق اور آدابِ سماع سے واقفیت رکھنے والے حضرات ہوں۔ بدعقیدہ اور غیر مشرب لوگ نہ ہوں۔ اخوان کی شرط میں قوال بھی شامل ہیں۔ کیونکہ سارا دارومدار تو قوالوں پر ہے۔ اگلے زمانہ میں قوال بھی اہلِ بصیرت ہُوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ عبدالقدّوس گنگوہیؒ کی غیر موجودگی میں آپ کے صاحبزادہ صاحب نے کسی غزل کی فرمائش کی تو قوال نے دست بستہ عرض کیا:

"حضور یہ آپ کے مقام کی چیز نہیں ہے۔ آپ اسے نہیں سُن سکتے۔ لیجئے میں آپ کو آپ کے مقام کی چیز سُناتا ہُوں۔"

اس کے بعد حیدرآباد دکن کے ایک مشہور و معروف قوال کا تذکرہ آیا۔ آپ نے فرمایا اسے بڑا اچھا کلام یاد ہے لیکن اس میں ایک بُری عادت یہ ہے کہ وہ بند بہت لگاتا ہے۔ اس کو یہ معلوم نہیں کہ بزرگوں کے کلام میں ایک خاص رنگ ہوتا ہے۔ ان کا کلام کسی خاص کیفیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اَب اس کلام کے ساتھ دُوسرے شعراء کا یا اپنا کلام شامل کرنا بہت بُری بات ہے۔ اور اُس کی یہ عادت ہے کہ طرح طرح کے اشعار جمع کرکے اس غزل کے کسی مصرعہ پر چسپاں کرتا رہتا ہے۔ عجیب چُوں چُوں کا مُربّہ ہو جاتا ہے۔ طاری شدہ کیفیت بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ ایک مرتبہ اس نے خواجہ حافظؒ کی یہ غزل شروع کی ؎

منم کہ گوشۂ میخانہ خانقاہِ من است
دُعائے پیرِ مغاں وردِ صبح گاہِ من است

موقعہ کے مناسب چیز تھی۔ صاحبِ ذوق حضرات بہت محظوظ ہو رہے تھے لیکن جب وہ اس شعر پر پہنچا: ؎

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصالِ شما است

جز ایں خیال ندارم خدا گواہِ من است

تو اس نے اپنی ناشائستہ حرکتیں شروع کردیں اور سارا مزہ کرکرا کردیا۔ اس نے کیا یہ کہ کچھ اشعار حمد کے پڑھے اور اس مصرعہ کی تکرار شروع کردی۔ "جز ایں خیال ندارم خدا گواہِ من است" پھر کچھ اشعار نعت کے پڑھ دیئے اور "جز ایں خیال نہ دارم خدا گواہِ من است" پھر چند منقبت کے اشعار پڑھ کر "جز ایں خیال ندارم ......" پھر اِدھر اُدھر کے کچھ اشعار پڑھ کر "جز ایں خیال ندارم ...." کی رٹ لگاتا رہا حتیٰ کہ قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَد پڑھ کر "جز ایں خیال ندارم خدا گواہِ من است" ہمیں غصّہ آگیا۔ ہم نے کہا:

"یہ کیا بدتمیزی کر رہے ہو؟ اور آئندہ اگر تم نے کلام پاک کو طبلہ سارنگی پر گایا تو یاد رکھو تمہارا یہ ساز تمہارے سر پر ٹوٹے گا۔"

ہمارے ڈانٹنے سے اُس نے بند لگانا موقوف کردیا اور دو ایک شعر پڑھ کر اُٹھ گیا۔

شاہ حیات احمد کا اصلی رُوپ

اس کے بعد فرمایا کہ اب ہندوستان بھر میں صرف دو جگہ اچھی قوالی ہوتی ہے۔ ردولی شریف اور کلیر شریف۔ ردولی شریف کے صاحب سجادہ شاہ حیات احمد صاحب کی شخصیت بھی عجیب و غریب ہے۔ بظاہر انھوں نے رئیسانہ رُوپ دھار رکھا ہے۔ دوپلّی ٹوپی، آڑا پاجامہ اور چُست شیروانی، بڑے ہی بانکپن سے رہتے ہیں لیکن ان کا اصلی رُوپ اس کے بالکل برعکس ہے۔ شب بیدار، تہجّد گزار، پوشیدہ طور پر ذاکر و مشاغل۔ غرض فی الحقیقت صحیح معنوں میں درویش ہیں۔

ایک مرتبہ غریب نوازؒ کے عُرس کا زمانہ تھا۔ اور اس سال ہمارا قیام مولوی عابد حسین صاحب کے ہاں تھا۔ روزانہ صبح شام مولوی عبدالسلام صاحب بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک روز مولوی عبدالسلام نے ہم سے کہا:

"چلئے آج ایک منافق سے آپ کی مُلاقات کرا دوں ۔"

ہم نے کہا :

"وہ کون صاحب ہیں ؟"

کہنے لگے :

"چل کر دیکھ لو ۔"

ہم سمجھ تو گئے کہ وہ کون صاحب ہو سکتے ہیں ۔ ہم نے کہا :

"اچھا چلئے ہم چلتے ہیں ۔"

ہم نے حکیم مقبول احمد گنگوہی اور (خطیب صاحب) محمد حُسین کو بھی ساتھ لے لیا ۔ اَب ہم لوگوں کو وہ شاہ حیات احمد صاحب کی قیام گاہ پر لے گئے ۔ ویسے تو ہماری سجادہ صاحب سے دیرینہ واقفیت تھی ۔ مگر مولوی عبدالسلام بھلا کب چوکنے والے تھے ۔ سجادہ صاحب کے سامنے آتے ہی ہم سے کہنے لگے :

"بھائی ذوقی ! یہی ہیں وہ منافق جن سے نیاز حاصل کرنے ہم اِس دَربار میں حاضر ہوئے ہیں ۔"

سجادہ صاحب نے ان کی طرف دیکھا اور مُسکرا دیئے ۔ خیر تھوڑی دیر بڑی شگفتہ مجلس رہی ۔ پھر ہم لوگ اُن سے رُخصت ہوئے ۔ جب گھر پہنچے تو محمد حُسین نے کہا :

"مجھے آپ کے مولوی عبدالسلام صاحب کی حرکت پسند نہیں آئی ۔ سجادہ صاحب سے ان کا مذاق تھا یا بے تکلفی تھی تو خیر بے تکلف دوستوں کی حد تک تو ٹھیک ہے مگر ہم لوگوں کی موجودگی میں انھیں اِتنا سخت لفظ نہیں کہنا چاہیئے تھا ۔"

ہمیں ہنسی آگئی ۔ ہم نے محمد حُسین سے پُوچھا :

"منافق کسے کہتے ہیں ؟"

انھوں نے کہا :

"جس کے ظاہر و باطن میں فرق ہو۔"

ہم نے کہا یہی راز تو افشا کیا انھوں نے۔ اچھا اب تک ردولی شریف میں یہ دستور ہے کہ عُرس شریف میں شرکت کے لئے جو درویش وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کی آمدو رفت کا کرایہ سجادہ صاحب اُدا کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :

"یہ جو خانقاہ کے لئے جاگیریں وقف ہیں۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ دَرویشوں کو آرام پہنچے۔ ہم لوگ تو صِرف دال روٹی کے مستحق ہیں۔ باقی دَرویشوں کا حق ہے۔"

سماع میں سلوک

یہ لبِ لباب ہے ان ملفوظات اور ہدایات کا جو حضرت اقدسؒ قوالی کے متعلق اکثر بیان فرمایا کرتے تھے۔

یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ حضرت اقدسؒ جو مجالسِ سماع منعقد کراتے تھے۔ وہ فی زمانہ بہترین مجالس ہوتی تھیں۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ سماع کے لئے تین شرائط ہیں :

- اوّل مکان
- دوم زمان
- سوم اخوان

مکان یعنی جہاں قوالی ہو رہی ہو، ایسا نہ ہونا چاہیئے جہاں ہر خاص وعام کا گزر ہو۔ بلکہ خلوت کا مقام ہو۔ زماں یعنی قوال کے لئے وقت ایسا مقرر کرنا چاہیئے جب کوئی اور مشغلہ درپیش نہ ہو۔ مثلاً نماز کا وقت نہ ہو یا اور کوئی مصروفیت حائل نہ ہو۔ اخوان یعنی قوالی کی محفل میں صِرف وہی لوگ بیٹھیں جو اہلِ ذوق ہوں۔ اور طلبِ حق کے لئے سماع سُنتے ہوں۔ اخوان کی شرط میں قوّال حضرات بھی شامل ہیں۔

ظاہری آداب

قوالوں اور سامعین کو چاہیئے کہ صاف ستھرے ہو کر آئیں۔ اور باوضو مجلسِ سماع میں شریک ہوں۔ جب تک مجلس میں بیٹھیں باادب دوزانو یا مربعہ نشست رکھیں۔ ٹانگیں پھیلا کر یا گھٹنہ اٹھا کر بیٹھنا بے ادبی ہے۔ قوالی میں پورے انہماک کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہو کر بیٹھنا چاہیئے۔ یا بتقاضائے کیفیتِ باطنی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف یا اپنے شیخ کی طرف یا سلسلے کے اُن بزرگ کی طرف جن کے مناقب بیان ہو رہے ہوں یکسوئی کے ساتھ متوجہ رہنا چاہیئے۔ اِدھر اُدھر نہ دیکھیں۔ اس سے اپنے خیالات میں انتشار پیدا ہوتا ہے اور اہلِ مجلس کی یکسوئی میں خلل پڑتا ہے۔ جو کچھ نذر دینی ہو میرِ مجلس کے سامنے پیش کریں۔ قوالوں کو براہِ راست دینا ادب کے خلاف ہے۔ آج کل ایک نیا طریقہ دُنیاداروں نے رائج کر رکھا ہے۔ وہ کرتے یہ ہیں کہ کسی رئیس یا حاکم کو خوش کرنے کے لئے نذریں ان کے سامنے پیش کرتے ہیں یا پھر دوست احباب ایک دوسرے کی عزت افزائی کی خاطر آپس میں نذریں پیش کرتے ہیں۔ اور تین تین چار چار افراد مِل کر گویا رُوپے کا جنازہ اٹھاتے ہوئے صاحبِ محفل کے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ ان کا یہ طریقہ صریحاً نامناسب اور ادب کے منافی ہے۔ اور سالکین کے لئے باعثِ تکلیف ہے۔ تجدیدِ وضو کی ضرورت ہو تو فوراً مجلس سے اُٹھ جائیں اور دوبارہ وضو کر کے شریک ہوں۔ مجلسِ سماع میں باتیں کرنا۔ تسبیح پڑھنا۔ یا کوئی اور عبادت کرنا آدابِ سماع کے خلاف ہے۔ (کاملین اس سے مستثنیٰ ہیں) جب حال کا غلبہ ہو تو ضبط کے ساتھ بیٹھے رہنا چاہیئے۔ ایسی حرکات سے باز رہنا چاہیئے جس سے اہلِ مجلس کا ہرج ہو۔ اگر کوئی صاحب مجبور ہو کر کھڑے ہو جائیں تو ان کی تقلید میں سب کو کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ اور جب تک صاحبِ حال نہ بیٹھیں وہ بھی نہ بیٹھیں۔ لوگوں کو روند کر آگے بیٹھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ البتہ جو صاحبِ محفل ہے اُسے چاہیئے کہ اربابِ ذوق کو آگے بٹھانے کا اہتمام کرے۔ مبتدی طالبوں پر کیفیت کا جو غلبہ ہوتا ہے وہ اگر اسے ضبط کر لیں تو مراتب میں بھی ترقی ہو گی اور فیضان میں بھی اضافہ ہو گا۔ لیکن

اگر ضبط کی کوشش نہ کریں اور مغلوب الحال ہوکر اُچھل کود شروع کردیں تو ترقی رُک جائیگی۔ کیونکہ جب آدمی ایک ہی پیالہ پی کر مست ہو جائے تو اسے مزید کیوں ملے۔ البتہ کاملین کا معاملہ اور ہے۔ ان کے وجد و حال کی نوعیت بالکل جُدا ہے۔

"کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر"

ترتیبِ کلام سماع سلوک کا جُزو بلکہ خلاصہ ہے۔ قوالوں کو چاہیئے کہ کلام کی ترتیب اس طرح رکھیں جس طرح منازلِ سلوک ہیں۔ آج کل چونکہ اکثر قوّال ان باتوں سے بے خبر ہیں اس لئے صوفیاء کا فرض ہے کہ قوّالوں کو یہ نکات سمجھائیں۔ سلوک کا نچوڑ یہ ہے کہ پہلے آدمی مقام دوئی میں ہوتا ہے اور طلبِ حق کی خاطر جدوجہد کرتا ہے۔ مجاہدہ کی برکت سے توحید کے رموز و اسرار اس پر منکشف ہونے شروع ہوتے ہیں اور سالک عشقِ حقیقی کے منازل طے کرلیتا ہے۔ اور نتیجۃً واصل باللہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ مقامِ عبدیت پر واپس آجاتا ہے جو بقا باللہ کا ثمرہ ہے۔ قوّالی میں بھی اسی نہج پر کلام کی ترتیب رکھنی چاہیئے۔ ادباً پہلے نعت شریف سے قوّالی کا آغاز کیا جائے۔ پھر بزرگانِ سلسلہ کی کچھ منقبتیں۔ اس کے بعد عشقیہ کلام تاکہ ہجر و فراق کی آگ سالک کے قلب کو گرما دے اور ذوق و شوق کی لذّت میں اضافہ ہو۔ اس قسم کے کلام کے چند نمونے یہ ہیں: ؎

چمنے کہ تا قیامت گل او بہار بادا
صنمے کہ بر جمالش دو جہاں نثار بادا (شمس تبریزؒ)

خبرم رسیدہ امشب کہ نگار خواہی آمد
سرِ من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد (خسروؒ)

اے خسروِ خوباں نظرے سوئے گدا کن
رحمے بمنِ سوختۂ بے سر و پا کن (حافظؒ)

غلام نرگسِ مستِ تو تاجدارانند
خرابِ بادۂ لعلِ تو ہوشیارانند (حافظؒ)

لالہ رُخا سمن برا سروِ روانِ کیستی
سنگ دلا ستمگرا آفتِ جانِ کیستی (خاقانیؒ)

بِرہا کی کیسی لگی اگنی، مورو چَین گیو موری نیند گئی
موہے تن کی من کی سُدھ بسری، مورو چَین گیو موری نیند گئی

(حضرتِ اقدس ذوقی شاہؒ)

ہر جفا ہر ستم گوارا ہے ؛ اِتنا کہدو کہ تو ہمارا ہے (عزیز میاںؒ)

اس کے بعد وصل، توحید اور فنائیت سے متعلق کلام شروع کرنا چاہیے۔ مثلاً

آستیں بر رخ کشیدہ ہمچو مکار آمدی
با خودی خود دَر تماشہ سوئے بازار آمدی

———— (حضرت شاہ عبدالقدوسؒ)

ہر لحظہ بشکل آں بتِ عیار بر آمد۔ دِل بردو نہاں شد
ہر دم بلباسِ دگر آں یار بر آمد۔ گہ پیرو جواں شد

———— (مولانا رومیؒ)

بیا در بحر باما شو رہا کن ایں من و مارا
کہ تا دریا نہ گردی تو ندانی عین دریا را

———— (مغربیؒ)

ہر سو کہ دویدیم ہمہ روئے تو دیدیم
ہر جا کہ رسیدیم سرِ کوئے تو دیدیم

———— (مغربیؒ)

ماجامِ جہاں نمائے ذاتیم ٭ مامظہرِ جملۂ صفاتیم
مانسخۂ نامۂ الٰہیم ٭ ما گنجِ طلسمِ کائناتیم
ہم صورتِ واجب الوجودیم ٭ ہم معنی و جانِ ممکناتیم
ہرچند کہ مجملِ دو کونیم ٭ تفصیلِ جمیع مجملاتیم
ہم مغربیّم و مشرق و شمس ٭ ہم ظلمت و چشمۂ حیاتیم

______ (مغربیؒ)

اِس قسم کا کلام سُنکر سالکین مراقبۂ فنا میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ ایسے کلام سے محویتِ ذات میں خوب مدد ملتی ہے۔ اور وصال کی کیفیات طاری ہوجاتی ہیں۔ فنائیت کے بعد بقائیت اور عبدیت ہے۔ اور یہ آخری مقام ہے۔ اس لئے فنائیت اور وصل سے متعلق کلام کے بعد ایسا کلام ہونا چاہیئے جو عبدیت یعنی نزول بعد العروج اور فرق بعد الجمع کی غمّازی کرے۔ مثلاً

توبمن نوازشے کن دِل زار و ناتوانم
نظرے بکن بسویم کہ رود ز دست جانم

______ (خواجہ قطب صاحبؒ)

رفتم اندر تہ خاکِ اُنسِ بتانم باقیست
عِشقِ جانم بربود آفتِ جانم باقیست

______ (شاہ نیاز احمدؒ)

روشن از عکسِ جمالش عالمِ امکانِ ما
یک نگاہِ نازِ جاناں قیمتِ ایمانِ ما

______ (شاہ بہلولؒ)

قوال کو چاہیئے کہ اس ترتیب کو مدِّ نظر رکھے۔ اور ایک منزل پر جاکر پھر واپس نہ لَوٹے۔

ایسا کرنے سے سالکین کے قلوب پاش پاش ہوجاتے ہیں۔ مثلاً فنائیت میں پہنچ کر پھر کوئی عشقیہ چیز شروع نہ کرے اور بقائیت میں داخل ہو کر پھر فنائیت یا حمد و نعت اور منقبت کی طرف رجوع نہ کرے۔ اگر کسی سالک کو کسی خاص شعر پر وجد آئے تو اس شعر کی تکرار کرے۔ حتّٰی کہ وہ اس حالت سے گزر جائے۔ بعض اوقات اس بات کا خیال نہ رکھنے سے اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔

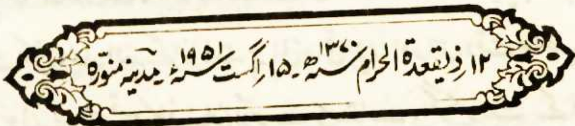
ایک اور بات جس کا خاص طور پر قوالوں کو خیال رکھنا چاہیے یہ ہے کہ طبلہ یا ڈھولک کی آواز کو تال کے ساتھ مسلسل جاری رکھیں۔ کیونکہ سالک کے قلب کی حرکت اسی تال کے مُطابق ہوتی ہے۔ درمیان میں ڈھولک بند کر دینے سے قلب کی حرکت میں فرق آجاتا ہے جس کی وجہ سے انقباض طاری ہوتا ہے۔ سوقیانہ ٹھیکوں سے اجتناب برتیں۔ فلمی دُھنیں قوّالی میں رائج کرنے کی کوشش نہ کریں۔ فن کا وقار قائم رکھیں۔

آخر میں ایک خاص بات درج کی جاتی ہے۔ جس کا خیال رکھنا اربابِ ذوق کیلئے ضروری ہے۔ وہ یہ کہ سالکین کو وقت اور فیضان کی نوعیت کا ادراک کر لینا چاہیئے کیونکہ کبھی تو محفل پر عاشقانہ رنگ کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور کبھی معشوقانہ انداز کا اثر پایا جاتا ہے۔ اس قسم کی کیفیات اکثر اولیاء اللہ کے مزارات پر پائی جاتی ہیں۔ اور اس وقت صاحبِ مزار کی جو نسبت ہوتی ہے اسی قسم کا فیضان اُوپر سے برستا ہے۔ اگر محبوبیت کے انوار ضیا پاش ہیں تو ایسے میں، ہجر و فراق کے مضامین کیونکر مفید ہو سکتے ہیں۔ یقیناً اس وقت بے ذوقی پیدا ہوگی اور رنگ محفل اُڑ جائے گی۔ اسی طرح اگر عاشقانہ رنگ غالب ہے تو اس محفل میں سرفروشی، جاں بازی، اور جذبۂ فدائیت کا تذکرہ ہی سُود مند ہو سکتا ہے۔ ایسے موقعہ پر اگر معشوقانہ اور محبوبیت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے اشعار گائے جائیں تو انقباض ہو جائے گا۔ ہمارے حضرت اقدسؒ نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت محبوبِ الٰہیؒ کی درگاہ میں قوّالی ہو رہی تھی جس میں

حضرتِ اقدسؒ کے ہمراہ آپ کے دوست مولوی عبد السلام صاحبؒ بھی شریک تھے لیکن قوالی کا رنگ نہیں جمتا تھا۔ اور کچھ عجیب سا بے لطف ماحول بن گیا تھا۔ مولوی عبد السلام صاحبؒ بھانپ گئے اور قوالوں سے اس چیز کی فرمائش کی سے

نجرلوں سے جیا بھر دونگی، چھونے نہ دونگی سر پر
بہت کروگے آنے نہ دوگے، آپ ہی رہو گے دلگیر

اِس چیز کے شروع ہوتے ہی فوراً محفل کا رنگ بدل گیا۔ اور انقباضی حالت انبساطی کیفیت میں تبدیل ہوگئی۔ وجہ کیا تھی؟ وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت محبوب الٰہیؒ پورے آن بان کے ساتھ اپنے محبوبی شان میں تھے اور وہاں محبوبیت کا فیضان ہو رہا تھا۔ یہ وقت تو اٹھکیلیوں کا ہوتا ہے۔ غمِ فرقت و داستانِ الم کا یہ کون سا موقعہ تھا۔ تو جیسے ہی شانِ محبوبیت کی مناسبت سے اشعار کا نذرانہ پیش کیا گیا حاضرین حسبِ استعداد فیضانِ محبوبی سے سیراب ہونے لگے۔ لیکن اس نوع کی کیفیت بہت لطیف ہوتی ہے۔ اور اس کا ادراک صاحبِ نسبت و صاحبِ ذوق حضرات ہی کر سکتے ہیں۔ بہرحال اگر اس کی نوبت آئے تو سالکین کو اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔



تدریجی عمل کی ضرورت

ایک صاحب نے حضرتِ اقدسؒ سے کچھ دریافت کیا۔ جسے احقر سن نہ سکا۔ لیکن اس کے جواب میں حضرتِ اقدسؒ یہ فرما رہے تھے کہ ایک دفعہ ایک بزرگ کی خدمت میں اُن کے ایک مرید نے عرض کیا:

"مجھے اپنے جیسا بنا لیجئے!"

پیر و مرید ایک کمرہ میں تین دن کے لئے بند ہو گئے۔ تین دن کے بعد جب کمرہ کا دروازہ

کھلا تو لوگوں نے دیکھا کہ پیر و مرید دونوں ہم شکل تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پیر تندرست توانا تھے اور مرید چت لیٹا ہوا تھا۔ تین روز تک وہ اسی طرح پڑا رہا اور بالآخر فوت ہو گیا۔ ہر کام میں تدریجی عمل کی ضرورت ہے۔ خود رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم پر چالیس برس کے بعد نبوّت کا اظہار ہوا۔ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ایک نظر میں فلاں کا کام ہوگیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی نظر میں وہ سیدھی راہ پر لگ گیا۔ یہ دُنیا تو دار الحکمت ہے۔ دار الحکمت میں حکمت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ہر چیز بتدریج اپنے وقت پر ظاہر ہوتی ہے۔ بر عکس اس کے عالمِ آخرت دار القدرۃ ہے۔ وہاں قدرت کا اظہار ہوگا۔ اسباب کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بس خیال کیا کہ یہاں محل ہو۔ فوراً محل بن گیا۔ لیکن اِس دُنیا میں اسباب و عِلل کی ضرورت ہے۔ اور یہاں ہر کام تدریجی عمل کے ذریعہ صحیح ہوگا۔ فوری عمل سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ ورنہ خطرناک نتائج کا اندیشہ ہے۔ اور یہ بھی شیطان کا ایک فریب ہی ہے۔ انسان کے دِل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ فلاں کا کام ایک ہی نظر میں ہوگیا، تو کاہے کو مجاہدات کرتا ہے۔ شیطان کے دھوکے سے بچنا چاہیئے اور اپنے کام کو انجام تک پہنچانے کے لئے مستقل مزاج رہنا چاہیئے۔

سلبِ مرض

اس کے بعد ان صاحب نے عرض کیا: یہ جو ایک شخص کی بیماری سلب کر کے کسی جانور پر ڈالی جاتی ہے، اس کا کیا طریقہ ہے؟

آپ نے فرمایا۔ اس کو سلب کرنا نہیں کہتے۔ اسے منتقل کرنا کہتے ہیں۔ اور یہ بچّوں کا کھیل ہے۔ بیماری سلب اور طریقوں سے کی جاتی ہے۔ تنزّلات میں پہلے امّہاتِ اسماء ظاہر ہوئے۔ اسماء متقابلہ کا ظہور بعد میں ہوا۔ اور اسماء متقابلہ کے ظہور سے بیماری وجود میں آئی۔ اب بیماری سلب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس قسم کی بیماری ہے۔ اس کے لئے کوئی موزوں اسم کی صفت اپنے اوپر طاری کر کے مریض پر فیضان کیا جاتا ہے۔ جس کی برکت سے وہ بیماری دُور ہو جاتی ہے۔ دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسمِ

"یَا شَافِی" جو جامع ہے اپنے اوپر طاری کر کے مریض کو توجہ دی جاتی ہے۔ جس کے انوار کے اثرات سے بیمار شفا پاتا ہے۔

صحابۂ کرامؓ اور وحدۃ الوجود

ایک موقعہ پر احقر نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے اقوال میں وحدۃ الوجود کے متعلق بہت کم اشارات ملتے ہیں۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا: اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس عقیدہ میں ان کا کوئی مخالف نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے خیال کے اظہار یا بحث مباحثہ کی ضرورت محسوس کرتے۔ دوسری وجہ وہ ہو سکتی ہے جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے بیان فرمائی ہے۔ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحبؒ کو کسی نے خط لکھا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور مولانا رشید احمد صاحبؒ آپ کے خلفاء ہیں لیکن آپ کی روش پر نہیں ہیں۔ وحدۃ الوجود پر آپ کا عقیدہ ہے مگر یہ حضرات اس کے قائل نہیں ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے اس کا جواب کچھ اس طرح دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اعتقاد ایک کیفیتِ قلبی ہے۔ اور شریعت میں بعض امور ایسے ہیں جن کا دل میں یقین رکھنا اور زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے۔ اور بعض امور ایسے بھی ہیں جن کو ظاہر کرنے پر انسان مکلف نہیں ہے، بس تصدیقِ قلبی کافی ہے کیونکہ اسلام شرعی خدا اور مخلوق سے تعلق رکھتا ہے جس کا زبان سے اقرار ضروری ہے اور اسلامِ حقیقی صرف خدا سے تعلق رکھتا ہے تو مسئلہ وحدۃ الوجود بھی ایسا ہی مسئلہ ہے۔ اس کے اظہار کی ضرورت نہیں بلکہ خاموش رہنا بہتر ہے۔ محض تصدیقِ قلبی کافی ہے۔ چونکہ عوام وحدۃ الوجود جیسے نازک مسئلہ کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس لئے ان کے سامنے تو بیان ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ مولوی محمد قاسمؒ اور مولوی رشید احمدؒ کا مسلک وہی ہے جو میرا مسلک ہے۔ وہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں۔ ان حضرات کا اس مسئلہ میں تاویل کرنا یا خاموش رہنا اسی مصلحت کی بناء پر ہے، ورنہ

عوام الناس اپنے تقلیدی ایمان سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

صفاتِ الٰہی ذات سے جُدا نہیں

ایک دفعہ تراویح کے بعد خان زادہ عبدالکریم سے دریافت فرمایا :

"قرآن شریف ساتھ لائے ہو؟"

انھوں نے عرض کیا :

"جی نہیں۔ ابھی لے آتا ہوں۔"

آپ نے فرمایا۔ قرآن شریف ضرور ساتھ رکھا کرو۔ یہ تمہارے لئے تعویز کا بھی کام دیگا۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ کلام صفت ہے۔ صفت کو ذات سے گہرا تعلق ہے۔ صفات اللہ سے کبھی جدا نہیں ہوتیں۔ انسان اگر نابینا ہو جائے تو بینائی کی صفت اس سے دُور ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات معاذ اللہ معاذ اللہ اس کی ذات سے الگ نہیں ہوتیں۔ یہ صفات کا امتیاز یعنی صفتِ خلق۔ صفتِ بصر۔ صفتِ سمع کا تعین عقلی چیز ہے۔ دراصل ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ذات ایک ہے جس کے مختلف جلوے ہیں۔ جب ذات سے صفتِ خلق کا اظہار ہوا تو خالق نام ہوا۔ صفتِ سمع و بصر کے ظہور پر سمیع و بصیر کہلایا۔ گویا وہی ایک ذات مختلف تجلّیات سے جلوہ فرما ہے۔ تخلیقِ کائنات سے اللہ تعالیٰ خالق ہوا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس سے پہلے وہ خالق نہیں تھا۔ وہ پہلے بھی خالق تھا لیکن صفتِ خلق کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح کلام بھی ایک صفت ہے جو ہر آن ذات کے ساتھ ہے۔ کوئی صفت اللہ کی ذات سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ اور صفت کلام میں ایک انوکھی شان ہے۔ جب آدمی کسی سے کلام کرتا ہے تو اس کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر اپنے مخاطب کا کلام سنتا ہے۔ کلام کرتے وقت قوتِ ارادی بھی بروئے کار لاتا ہے۔ تو نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ صفتِ کلام میں صفتِ سمع، صفتِ بصر، اور صفتِ ارادہ بھی شامل ہیں۔ اب جبکہ کلامِ پاک تمہارے ساتھ

ہے (ہنس کر فرمایا) تو گویا ذاتِ پاک تمہارے ساتھ ہے۔

رُوح اور جسم کا تعلق

اِرشاد فرمایا: ماں کے پیٹ میں بچّے کی رُوح اور جسم میں جو تعلق ہوتا ہے اس کی نوعیت اور ہوتی ہے۔ اور پیدائش سے لیکر موت واقع ہونے تک رُوح وجسم میں اور قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ اور مرنے کے بعد اس تعلق کی نوعیت اور بھی بدل جاتی ہے۔ قیامت میں جو عذاب ہوگا اگر اس کا عشرِ عشیر بھی اس دُنیا میں ہو تو آدمی زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن وہاں رُوح وجسم کا تعلق اِس قدر قوی ہوگا کہ شدید سے شدید عذاب بھی اُسے نہیں توڑ سکے گا۔

عبادت کی تعریف

اِرشاد فرمایا: حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ عبادت صرف نماز روزہ نہیں ہے بلکہ دُنیا کا ہر کام عبادت ہے۔ لہٰذا خلوص کے ساتھ تمہارا ہر فعل محض اللہ کی خوشنودی کے لئے ہونا چاہیئے۔

شرحِ صدر کی جھلک

ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کا تذکرہ تھا۔ ارشاد فرمایا: انھوں نے ایک تفسیر لکھی ہے جس کا نام تفسیرِ عزیزی ہے، یہ فارسی زبان میں ہے۔ اور صرف ڈھائی پارہ کی تفسیر ہے۔ لیکن اس کے پڑھ لینے سے قرآن شریف کے حقیقی معنی معلوم کرنے کا ڈھنگ آجاتا ہے۔ اس میں سورۂ اَلَمْ نَشْرَحْ کی جو تفسیر آپ نے بیان کی ہے وہ ضرور پڑھنی چاہیئے۔ اس میں آپ شرحِ صدر کی وضاحت کچھ اس طرح فرماتے ہیں کہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ میں جس شرحِ صدر کا ذِکر کیا گیا ہے وہ تو بہت وسیع ہے۔ البتہ اس کی ایک ہلکی سی جھلک اس مثال میں دیکھ سکتے ہو۔ یوں سمجھو کہ ایک بہت بڑا محل ہے اور اس محل میں بڑے بڑے بارہ کمرے ہیں۔ ایک کمرہ میں رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم مفسّرین کو درس دے رہے ہیں اور قرآن کے حقائق ومعارف بیان فرما رہے ہیں۔ دُوسرے

کمرہ میں محدثین جمع ہیں اور آپ ان کو حدیث کا درس دے رہے ہیں۔ تیسرے کمرہ میں آپ فنِ تجوید کی باریکیاں سمجھا رہے ہیں۔ چوتھے کمرہ میں تمام سیاست داں جمع ہیں اور آپ انھیں سیاست اور جہانبانی کے اصول سمجھا رہے ہیں۔ پانچویں کمرہ میں سارے فوجی جرنیل موجود ہیں جنھیں آپ اصولِ جنگ پر درس دے رہے ہیں۔ غرض آپ ان بارہ کمروں میں بیک وقت مختلف موضوعات کی تعلیم دے رہے ہیں۔ یہ شرحِ صدر کی ایک ہلکی سی جھلک ہے۔

ذی القعدۃ الحرام ۱۳۷۰ھ ۔ اگست ۱۹۵۱ء ۔ مدینہ طیبہ

مدینہ شریف اور کشف

حضرت شاہ شہید اللہ، حضرت اقدسؒ کی صاحبزادی سیّدہ راشدہ خاتون، فرّخ حاجی محمد صاحب اور شوکت کریم بھائی کے اب تک نہ پہنچنے سے حضرتِ اقدسؒ کو تشویش ہو رہی تھی۔ ایک دن شیریں بائی بیگم فرّخ نے عرض کیا:

"حضور کیوں اس قدر فکر مند ہیں؟ حضور کو تو کشف کے ذریعہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اب تک کیوں نہیں پہنچ سکے؟ اور کب تک یہاں آ جائیں گے؟"

حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ اہلِ کشف اس قسم کی باتیں معلوم کرنا چاہیں تو معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن مدینہ شریف میں کشف سے کام لینا ادب کے خلاف ہے۔ جو کچھ OFFICIAL CHANNEL (سرکاری ذرائع) سے معلوم ہو جائے وہی بہتر ہے۔

ذی القعدۃ الحرام ۱۳۷۰ھ ۔ ۴ اگست ۱۹۵۱ء ۔ مدینہ طیبہ

ایمان افزا بشارت

ارشاد فرمایا: ہم اس خیال سے بہت پریشان تھے کہ اب ہمیں مدینہ شریف چھوڑنا ہوگا۔ ہم سوچ رہے تھے کہ ہم پر وہ گھڑی

کتنی کٹھن گزرے گی جب ہم رخصتی سلام کے لئے حاضر ہوں گے ۔ یہ تو بڑا ہی سخت وقت ہوگا۔ ہم کس طرح برداشت کریں گے ۔ لیکن کل کی حاضری میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :

"کس سے رخصت ہو گے ؟ تم جہاں جاؤ گے ہمیں اپنے ساتھ پاؤ گے ۔ پھر رخصت کے کیا معنی ؟ کیا اس سنگ وخشت سے دوری کا غم ہے ؟ یہ چیزیں تو صرف تمہاری وجہ سے مشرف ہوئی ہیں ۔ جب ہم خود تمہارے ساتھ ہیں تو پھر غم کس بات کا ؟"

اور یہ بھی حکم دیا :

"اپنی جماعت کو یہ بشارت سنا دو ۔"

یہ مژدہ جاں فزا سنکر ہم لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی ۔

اخذِ فیضان کی صلاحیت

ارشاد فرمایا : فیضان کی مثال بارش کی سی ہے ۔ بارش جب زمین پر گرتی ہے تو سبزہ اُگ آتا ہے لیکن جب سخت پتھر پر گرتی ہے تو کچھ بھی نہیں اُگتا ۔ بلکہ جو مٹی پتھر پر پڑی ہوئی ہوتی ہے وہ بھی دُھل جاتی ہے اور پتھر کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے ۔ اور پھر زمینوں میں بھی فرق ہے ۔ بعض زمینیں بہت ہی اچھی ہوتی ہیں کہ ان پر بارش گری اور نہایت شاندار فصل تیار ہوئی ۔ اور اس کے مقابلہ میں بعض زمینیں ایسی بھی ہیں کہ اتنی ہی مقدار میں ان پر بارش برستی ہے لیکن پیداوار بہت کم ہوتی ہے ۔ حصولِ فیضان کے لئے دوسری بات یہ ہے کہ درمیان میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو ۔ مثلاً اگر WATER WORKS (نظامِ آب رسانی) کے کسی نل میں کوئی خرابی واقع ہو جائے یا کسی جگہ کوئی روڑا اٹک جائے تو پانی رُک جائیگا ۔ اسی طرح کوئی لغزش یا بدعقیدگی حصولِ فیضان میں رکاوٹ بن جاتی ہے ۔



حقیقتِ حج

ارشاد فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ گو ان کی شکل و صورت نہیں ہے مگر ہمارے لئے ایک صورت پیدا کردی ہے۔ حکم دیا:

"آؤ میرے گرد طواف کرلو اور میرا ہاتھ چوم لو۔"

حجرِ اسود کو اللہ کا ہاتھ کہا گیا ہے۔ یہاں انوار CONCENTRATED FORM میں (تیز نوعیت کے) ہیں لیکن حقیقی طوافِ کعبہ صرف قلب کی صفائی والے کو میسّر آ سکتا ہے۔ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (طہارتِ قلبی والوں کے علاوہ اسے کوئی نہیں چھو سکتا) حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ نے لکھا ہے کہ عمرہ فنائیتِ اسماء و صفات ہے اور حج فنائے ذات ہے۔ عرفات کے بعد قربانی کا یہ مطلب ہے کہ پہلے اللہ کا عرفان حاصل کیا جائے، اس کے بعد قربانی پیش کیجائے۔ جب تک عرفان نہ ہو قربانی کیسے دی جا سکتی ہے! قربانی خوئے اسماعیل علیہ السلام ہے۔ انھوں نے تو اپنے آپ کو قربان ہی کر دیا تھا۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ ان کو بچالیا۔ عوام ان حقائق سے واقف نہیں ہیں۔ فی الحقیقت حج سلوک ہے۔ علماء اور مشائخ کا فرض ہے کہ کم ازکم اجمالی طور پر لوگوں کو ان حقائق سے آگاہ کرتے رہیں۔

عرفات میں قربِ ذات

ارشاد فرمایا: اب حج کے لئے چند ہی روز باقی رہ گئے ہیں۔ اپنے قلوب سے کدورت، بغض، کینہ اور حسد وغیرہ دھو ڈالو۔ تاکہ عرفات کے میدان میں جہاں ذات کا قرب ہے پاک ہو کر جاؤ۔ وہاں انسان یہ کہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ سب کچھ آپ کی عنایت سے ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص میدانِ عرفات سے یہ خیال لے کر نکلے کہ میرے گناہ معاف نہیں ہوئے تو اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بڑا ہی رحیم و کریم ہے۔ اس سے

نا اُمید ہونا بہت بڑا گناہ ہے۔ بلکہ اس کی رحمت سے نا اُمیدی کُفر ہے۔ جب آدمی دُعا مانگے تو یقین کرلے کہ اللہ تعالیٰ نے میری دُعا قبول فرمائی۔ کیونکہ وہ ایسا مہربان ہے کہ کسی سائل کو اپنے دَر سے محروم نہیں لوٹاتا۔ اتنے بڑے شہنشاہ کے دربار سے کون خالی جاسکتا ہے؟ یہ اس کی شان کے شایان نہیں۔ اللہ فرماتا ہے: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (میں اپنے بندہ سے اُس کے اُس گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے۔)

جب کوئی بزرگ کسی کے لئے دُعا مانگتے ہیں تو اس سے بلا تأمل یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے دُعا کردی ہے کام ہوجائے گا۔ اس حُسنِ ظن سے اللہ تعالیٰ اس کا کام کردیتا ہے۔

یوم عرفہ۔ ۹ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۷۰ھ۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۵۱ء

(آخری ملفوظ۔ میدانِ عرفات)

مدارجِ توحید

اِرشاد فرمایا: آج کے دن رحمتِ حق انسان کے بہت قریب ہوتی ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ ہمہ وقت ذات میں مشغول رہے۔ نیز اِرشاد فرمایا: توحید کے تین مدارج ہیں۔ توحیدِ افعالی۔ توحیدِ صفاتی اور توحیدِ ذاتی۔ اس کے بعد ھویت کا مقام ہے۔ آج کے دن تم میں سے ہر ایک اپنی اپنی ترقی کے لئے دُعا مانگے۔ جس مقام میں تم ہو اس سے اُوپر والے مقام کے لئے دُعا مانگو۔ جو مقامِ ناسوت میں ہو اُسے چاہیئے کہ مقامِ ملکوت کے لئے دُعا مانگے۔ جو مقامِ ملکوت میں ہو وہ مقامِ جبروت کے لئے۔ اور جو مقامِ جبروت میں ہو وہ مقام لاھوت و ھاھوت اور یاھوت کے لئے دُعا مانگے۔ لوگوں نے دُعائیں جمع کر رکھی ہیں۔ انھیں ان حقائق کا عِلم نہیں ہے۔ اصل حج یہی ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ دُعاؤں کے پڑھ لینے کا نام حج ہے۔

ظہر سے پہلے حضرت اقدسؒ مسجد نمرہ میں نماز ظہر ادا کرنے کی فضیلت بیان فرما رہے تھے۔ اس وقت احقر کو کچھ حرارت محسوس ہو رہی تھی۔ خیال گزرا کہ ایسی گرمی میں ایک

ڈیڑھ میل جاکر مسجد میں نماز ادا کرنا بڑا مشکل مرحلہ ہے لیکن حضرت اقدسؒ کا منشا مبارک یہی معلوم ہوتا تھا کہ جماعت میں سے کچھ حضرات ضرور مسجدِ نمرہ میں جاکر نماز ادا کریں۔ جب ظہر کا وقت قریب آیا تو حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا:

"جو لوگ اللہ کی راہ میں مجاہدہ سے نہیں گھبراتے انھیں ضرور نوازا جاتا ہے"۔

اس اشارہ کو حضرت شاہ شہید اللہ تاڑ گئے اور فوراً مسجدِ نمرہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔ ایک لندن کے باشندے کی یہ ہمت دیکھ کر احقر کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اور محمود بھی تیار ہوئے غرض ہم تینوں نے مسجدِ نمرہ پہنچ کر نماز ظہر ادا کی اور واپس آگئے۔ اس وقت حضرت اقدسؒ اپنے بستر پر تشریف فرما تھے۔ کچھ فاصلہ پر حبشی لوگ چلچلاتی دھوپ میں نماز پڑھ رہے تھے حضرتؒ ان کی جانب ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے کہ اتنے میں چند بدوی عورتیں لسّی لے کر آئیں حضرت اقدسؒ نے لسّی نوش فرمائی۔ بعدہٗ ہم سب نے بھی پی۔ ویسے تو اب تک سارے مناسکِ حج حضرت اقدسؒ نے بخار کی حالت میں ادا کئے مگر اب حضرتؒ کا بخار زیادہ تیز ہوگیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ وصالِ یار کی تمنا میں ذوقِ مستی کچھ اس طرح نظر آرہی تھی ؎

ما اگر بیدست و پائے و عاجزیم ؎ رحمتِ او کارِ ما سازندہ باد
شمس تبریزی خرام اندر چمن ؎ کیں چنیں دولت ترا پائندہ باد

جو تمنا مدتوں سے آپ کے دل میں تھی آج وہ آرزو اللہ نے پوری کردی۔ چند سال بیشتر مولانا محمد حسین برے سے ایک موقعہ پر بمبئی میں حضرت اقدسؒ نے فرمایا تھا:

"ہم ایسی جگہ جاکر مریں گے کہ ہماری قبر کا نشان بھی تمہیں نہیں ملے گا"۔

؎ طمعِ فاتحہ از خلق نہ داریم نیاز
عشقِ من در پئیِ من فاتحہ خوانم باقیست

کراچی سے روانگی کے موقعہ پر کسی نے یہ دعا دی کہ "بسلامت روی و باز آئی"، تو آپ نے

خفا ہو کر فرمایا :

"تم واپسی کی دُعا مانگ رہے ہو۔ وہاں تو یہ تمنا لے کر جانا چاہیئے کہ اللہ ہمیں وہیں رکھے۔"

جس وقت ہم منیٰ سے عرفات کے لیئے روانہ ہو رہے تھے تو فرّخ صاحب یہ کہتے ہیں کہ اُس وقت مجھ سے فرمایا :

"فرّخ ! آج عصر اور مغرب کے درمیان دیکھنا کیا رنگ رہتا ہے۔"

اَب عصر کے وقت سے آپ پر کچھ عجیب و غریب کیفیت طاری ہونے لگی۔ "دیدہ لبریزم سراپا انتظارِ کیستم" کا عنوان شروع ہُوا۔ جسم پر لرزہ طاری۔ آنکھوں سے اشک جاری۔ بارگاہِ الٰہی میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہُوئے عرض معروض میں مصروف۔ تقریباً بیس منٹ یہ کیفیت رہی۔ اور اب لرزتے ہُوئے ہاتھ بمشکل چہرۂ انور سے مَس ہُوئے اور دُعا ختم ہوئی۔ مگر اَب جو دیکھا تو "آنکھیں پھری ہُوئی ہیں دَموں کا شُمار ہے" زبانِ مبارک پر تلبیہ جاری ہے۔ اب تک بھائی عبدالسلام پُشت کی جانب سہارا دیئے ہُوئے بیٹھے تھے۔ مگر اَب بیٹھنے کا وقت کہاں۔ فوراً ہم لوگوں نے حضرتِ اقدسؒ کو لِٹا دیا۔ دائیں جانب حضرتِ اقدسؒ کی رفیقۂ حیات اور صاحبزادی صاحبہ راشدہ خاتون اور بائیں طرف حضرت شاہ شہید اللہ صاحب بیٹھ گئے۔ جسم بُخار کی شدّت سے پُھنکا جا رہا تھا۔ یہ حضرات کپڑا بھگو بھگو کر سر اور سینۂ مُبارک پر پھیرتے جاتے تھے لیکن حرارت بڑھتی ہی گئی۔ اور اُکھڑی ہوئی سانسیں بزبانِ حال متنبہ کرنے لگیں ؎

فیضی از ظاہر پرستانِ ارادت نیستیم
ما بطوفِ کوئے او از راہِ پنہاں می رویم

یہ حالتِ نزع ایک ولی اللہ کی ہے۔ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جِسمانی حرارت کی تیزی اور نزع کی تکلیف آپ کی رُوحانی کیفیت پر غلبہ نہ پا سکی وہی

کیف تھا۔ وہی مستی آنکھوں سے ٹپک رہی تھی۔ وہی پُرسرور انبساطی کیفیت آپؒ پر طاری تھی جس کا مشاہدہ بارہا سماع کی محفلوں میں ہو چکا ہے۔ یہ عالم تقریباً نصف گھنٹہ رہا اور اب قاصد محبوبِ حقیقی نے حاضرِ خدمت ہو کر بُلاوا پیش کر دیا۔ جواباً لبوں میں پھر ایک بار جنبش ہُوئی۔ پہلی مرتبہ قدرے بلند و صاف آواز میں، دُوسری بار پست اور لڑکھڑاتی ہُوئی آواز میں اشتیاقِ مُلاقات کا اظہار اِن کلمات سے کیا :

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَ الْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اور بس ہنسی خوشی خلوت کدۂ محبوب کی جانب روانہ ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ آپ کا جسدِ مبارک جبلِ رحمت سے غرب کی جانب کوئی تین سو قدم کے فاصلہ پر سپردِ لحد کیا گیا ہے

اے خاکِ مکّہ دلبرِ ما را عزیز دار
ایں آلِ مُصطفیٰ[۱] است کہ در بر گرفتہ

